

بہنوں کا اپنا مانتا ہمارا

شعاع

اگست 2014



PDFBOOKSFREE.PK

صبا عید

پیشوں کا اہتمام

سحر

خط و کتابت کا فن

ماہنامہ سحر

77 - البازری

محمود راضی

رضیہ جیل

افدر راضی

اصت السیور

شایین رشید

گالہ جلالی

باقی و میرزا

مندی

میرزا و میرزا

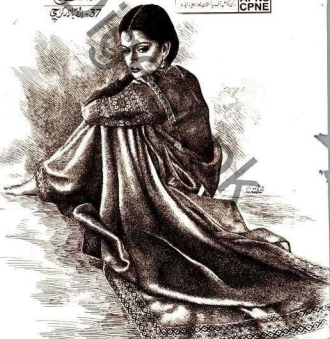
میرزا و میرزا

میرزا و میرزا

میرزا و میرزا

APNS CPNE

APNS CPNE



ناولٹ

محببتوں میں لگا، رشخا خلیان 172

افسانے

پہلی خوشی، رضیہ زہری 58
 ہمت سے ہے زمانہ، مژدہ بخاری 102
 زمیں سحر، ترہ العین باغی 257
 شکر، عقیقہ محمد بیگ 194

نظمیں، غزلیں

غزل، خواجہ وارہ بکوی 260
 غزل، افتخار مغل 261
 نظم، شکیب جلالی 261
 غزل، میثم علی رضا 260

پہلی شعاع، رضیہ جمیل 10
 نعلان فلروق 11
 مایہں اعلیٰ 11
 اداس 12
 نئی کی باتیں

انٹرویو

رنگ چلنے لگیں، ادارہ 22
 بندھن، شاہین کرشید 17
 دستک، شاہین کرشید 31

ناول

ایک تھی مثال، شاکر گلستان 36
 رقصِ جمل، نیساغیز 200

کھیل بیل

نایاب ہیں ہم، آسیہ رزاقی 68
 یار، سیمرا حمید 216
 بازگشت، سفینہ عیس 112

روستائوں کی ایک عجیب گھنٹی
 پاکستانی روپیہ 2000 ۱۰ روپے
 انڈیا روپیہ 5000 ۱۰ روپے
 امریکا ڈالر 8000 ۱۰ روپے

انتباہ: ہمارے شعاع اور اسے کہ جو ملحقہ گروپ ہیں، پبلشر کی تحریری ہدایت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کاپی،
 دہرے یا منسلک کی کسی کاپی اجازت سے دہرائے جانے کا حق نہیں ہے۔ نہ کسی بھی ایڈیٹر یا منسلک کی کسی کاپی اجازت سے دہرائے جانے کا حق نہیں ہے۔
 طور پر کسی بھی منسلک میں ملحق کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جاسکتی ہے۔



مستقل سلسلے

268	خالہ جیلانی	کھٹا کسی پتہ	270	رحیم جیل	خط آب ہے
287	خالہ جیلانی	جیکے کیکوان	262	ساحرہ	مُسکراہیں
290	ادارہ	خواب صورت بنے	282	واصفہ بیل	ایسے خالے ہیں
			266	شگفتہ جاہ	باتوں سے خوش ہوتے
			285	امت الصبور	رائے کے جھوکے
			278	ادارہ	مہندی کے ڈیزائن

اگست 2014
28 تا 12
تک 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ناہار سہارا، 37 - آسٹریا ہاؤس، لاہور۔

رکبہ محمد یونس پبلشرز، 10/11، اے بی اے، لاہور۔
Phone: 32721777, 32726817, 021-32022494 Fax: 0092-21-32768872

Email: shuaib@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com



شعاع کا گیت کا شلہ سا گرو فیر آپ کے اقبول میں ہے۔
 اللہ تعالیٰ کے حضور سرسجود میں کہ اس کا گرام بہرانی اور نواز نہیں شامل حال دیں اور کہ یہاں ہی ہے کنگہ بڑھتے ہوئے
 ہم یہ طریقی مسافت طے کر چکے۔
 شعاع نے روز ازل ایک معیار یقین کیا ادا ہے عرف ہر قرار دکھا چکے خوب سے خوب تر جانے کی کوشش
 کرتے اور وقت کے ساتھ ساتھ کامیابی کی نئی منزلیں سرکھتے جھلنے آگے بڑھتا رہا۔
 ہماری کامیابی میں سب سے بڑا حصہ ہماری مصطفیٰ کا ہے۔ ان کی بہترین تخلیقات شعاع کی زینت ہیں۔
 ہم تہ دل سے ان کے محفل ہیں۔
 ہم اپنی قلوب میں کا بھی رشک رکھنا کرتے ہیں۔ وہ ہر قدم پر ہمارے ساتھ رہیں۔ ہماری محنتیں کو سراہا اور اپنے
 بہترین مشوروں سے شعاع کو خوب سے خوب تر جانے میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہمارے چہرے پر کھنکھہاتے ہوئے ہنس
 ہے جلد آپ کو ملے گا تو آپ جیسے کے استقبال کی تہ دل میں میں مصروف ہوں گی۔
 قلوب میں کو ہماری جانب سے دلی خیر مبارک۔
 عید آپ کی ہے دھڑلے اور شہنشاہی لے کر گئے آپ کے دل اور ان کی زبردستی سے جھلنے آگے بڑھتا رہا۔
 عید کے پر سرست موش بران لوگوں کو نہ بھولے گا جو اس وقت ایک نئی آزمائش سے دوچار ہیں۔ چھوٹے
 بے گھر و بد دیاری۔ اللہ تعالیٰ ان کی نذر نگاہوں میں آگے بڑھتا رہا۔ ان کے اوروں کا فیت اور سماجی کے ساتھ اپنے گھروں
 کو لائیں۔
 جی ہینہ تمام حب پاکستان وجود میں آگیا۔ اس کے لیے شمار لوگوں نے قربانیاں دی ہیں ادب
 تک دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے آمین۔

اسکس شمارے ہیں،

- آسٹریائی کوٹنگ ناول - نیا بچہ ہم،
- سید علی کا سنگ ناول - ہفت
- سیرا قیام کوٹنگ ناول - بارم
- رضا نگار عدنان اور نیک عزیز کے ناول،
- رشید خاں کا ناول - جھٹکی میں انانک است نہیں چلتی،
- نور بھائی، رضی بھائی، قزو العین، عزم باغی اور عتیقہ محمد بیگ کے افسانے،
- رنگ چلنے لگیں، صبا بھڑ جانے، حارثین سے سروے،
- جنید خان اور آسمان خان کا سندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ - دستک،
- پہلے ہی میں مل اللہ علیہ وسلم کی چاندی باتیں - اعلیٰ نئی کا سلسلہ،
- عید کے بچوں، عید کی کو بڑا ہوا، آئینہ ظفر میں، خط آپ کے اور دیگر متن سلسلے شامل ہیں۔
- شعاع کا سا گرو فیر آپ کو کیا ساگ آپ کی افسانے کے ستاروں۔

رسولِ مجتبیٰ کیے، محسود مصطفیٰ کیے

خدا کے بعد میں وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کیے

شریعت کا ہے یہ امر قائم الانبیاء کیے

محنت کا تھا ضابطہ محبوبِ خدا کیے

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوشِ ہواٹے

جب ان کا نام آئے مرجبا صلیٰ کیے

مرے سرکار کے نقشِ قدمِ شمعِ ہدایت میں

یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا درت کیے

محسود کی نبوت دائرہ ہے نورِ وحدت کا

اسی کو ابتدا کہتے، اسی کو انتہا کہتے

خباہِ راہِ طیبہ سرمہ چشمِ بصیرت ہے

ہی وہ خاک ہے جس خاک کے خاکِ ثناء کیے

ماہرِ لعلدی

ہے نرفہ اعلیٰ کر تنہا بھی بہت ہے

دل کو تری رحمت پہ بھر دیا بھی بہت ہے

ہے کسی چیز کی حاجت کا شکنا بھی دلدار میں

ادو اُن کو ترے عشق کا دعویٰ بھی بہت ہے

وے اُن کو مگر کوئی بشارت ہی کا موسم

وگہ جن کے متذریں یہ لکھا بھی بہت ہے

کیوں کرو کھر بائیں ترے من کو یارب

دل جن کا ہوسو گردے بیلا بھی بہت ہے

ڈک جانے ظلمِ حرفِ شاہِ ہرا آکر

ہر چند سخن کا یہ سلیقہ بھی بہت ہے

گھوڑ تو دیا و مستند نہیں کافی

گر گھوڑ تو کڑی کا یہ حال بھی بہت ہے

بخشش کے یہ لائق نہیں تو پھر بھی کم کر

نعمان اکسبہ میں ہے پیرا بھی بہت ہے

غلامِ نادانی



دے گا جبکہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں۔" (الانفال۔

(33)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"اور وہ لوگ جب کسی برائی کا ارتکاب کر لیتے ہیں
یا اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور
اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی

دین میں شریار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

"میں دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار
کرتا اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔" (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ علی سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری

گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں اور وہ اپنے کیے پر
جانتے ہوئے اصرار نہیں کرتے۔" (اکمل عمران 135)
اس موضوع پر کثیر آیات ہیں اور مشہور ہیں۔

جان سے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح کر کے
ایسے لوگ بنو افرائے گا جو گناہ کریں گے اور پھر اللہ
سے استغفار کریں گے تو اللہ ان کو معاف فرمائے
یٰۤاَیُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ

فوائد و مسائل :

1- اس کا مطلب ہے میں کہ اللہ کو گناہ کا ارتکاب
کرنا پسند ہے بلکہ اس انداز بیان سے اصل مقصد توبہ

توبہ و استغفار کا بیان

بخشش طلب کرنے کا حکم اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"آپ بخشش مانگیجئے اپنی لغزش کے لیے اور
مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے۔" (محمد

19)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"اللہ سے بخشش مانگیجئے۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ بہت
بخشنے والا حسرت مہیاں ہے۔" (انعام 106)
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"میں اپنے رب کی غنیمتوں کے ساتھ اس کی
پاکیزگی بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیجئے۔
غوب توبہ قبول کرنے والا ہے۔" (احزاب 3)
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"پرہیزگار لوگوں کے لیے ان کے رب کے ہاں
پہنچتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے اس قول تک) اور رات کے
آخری پر میں استغفار کرنے والے ہیں۔" (اکل
میران 15-18)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔
"جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس
پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش طلب کرے تو وہ اللہ کو
بہت بخشنے والا حسرت مہیاں پائے گا۔" (انعام 110)
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور اللہ تعالیٰ میری مودت میں ان کو تائب بنے
والا نہیں ہے اور (اسی طرح) اللہ ان کو تائب نہیں

سید الاستغفار

حضرت شہ ولیں اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”بندے کا یہ کما سید الاستغفار (استغفار کا سہارا) ہے۔“

اللَّهُمَّ أَنْتَ ذِي الْإِلَهَةِ إِنَّكَ أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنْتَ
عَبْدُكَ وَأَنْتَ عَلَى عِبِيدِكَ وَتُؤْتِيكَ مَا أَسْتَطَعْتَ
أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّكَ مَنْفَعَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْفَعَتِكَ
تَعْلَى وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّكَ عَذَابِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّكَ
الْذُّلِّ إِنَّكَ أَنْتَ :

ترجمہ: اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو کچھ بھی نہیں پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں جہاں تک طاقت رکھتا ہوں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اور میں اپنے کیے ہوئے عمل کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ان نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ چنانچہ تو مجھے معاف کر دے۔ یہ شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔“

جو شخص یہ (کلمات استغفار) کون میں دل کے یقین کے ساتھ پڑھے اور شام ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جہنمی ہے اور جو اسے یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جہنمی ہے۔ (بخاری)

فوائد مسائل :

1- اس میں استغفار کے کچھ آداب بیان کیے گئے ہیں مثلاً اللہ کی ذات و صفات پر کمال اظہار یقین۔ اللہ کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف اور اس کے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور بارگاہی میں بخیر و نیاز کا اظہار و فیوض۔ یہ دعائیں تمام باتوں کو جامع ہے اس لیے اسے استغفار کا سید (سہارا) قرار دیا گیا۔

و استغفار کی اہمیت کو واضح کرنا ہے کہ جو تک گناہ تو ہر انسان سے ہوتا ہے کوئی انسان گناہوں سے پاک یا محفوظ نہیں۔ لیکن اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو گناہ کر کے اس پر اڑتے نہیں ہیں بلکہ توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں تکررات ہیں۔ توبہ و استغفار سے بندے کا فعلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس لیے یہ بہت پسندیدہ عمل ہے۔

استغفار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مجلس میں سو مرتبہ (یہ استغفار کہتے ہوئے) شکر کرتے

لَبَّابُغْيُرِي وَشَبَّحْنِي (مَنْكَ أَنْتَ
الْثَّوْبُ الرِّحْمُ)

الغفری توبہ علی۔
”اے اللہ! مجھے بخش دے مجھ پر رحیم فرما۔ یہ شک تو بہت رحیم فرمائے والا“ نہایت مومن ہے۔
(اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

فوائد مسائل :
1- اس سے دعا کا ایک ایسا ہی معلوم ہوا کہ دعا کے مطابق اللہ کے صفاتی نام استعمال کیے جائیں جیسے توبہ استغفار میں اس کی صفت توبہ اور صفت غفوری و رحیمی کا اور دعا کے عبادت میں اس کے جولو کہیم اور معطی و فیوہ ہونے کا ذکر کیا جائے۔

ہر غم سے نجات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”جو شخص استغفار کی پابندی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر غم سے نجات کا راستہ بنا دے اور ہر غم سے اسے نجات عطا کرے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہو گا۔“

(ابوداؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔

معافی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہوئے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارا رہے گا۔ اور مجھ سے امید وابستہ رکھے گا تو تو جس حالت پر بھی ہو گا میں تجھے معاف کرنا رہوں گا اور میں کوئی برا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے کلمہ آسمانی تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی طلب کہے تو میں تجھے بخش دوں گا اور میں کوئی برا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو زمین بھر گناہوں کے ساتھ میرے پاس آئے پھر تو مجھے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں بھی اتنی مغفرت کے ساتھ تجھے بخش دوں گا جس سے زمین بھر جائے۔" (اسے تفسیر سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل : اس میں کلمہ گاہوں کے لیے غفلت خرابی ہے۔ لیکن کون سے کلمہ گار؟ جو کلمہ گار پر اصرار نہیں کرتے اور سچے دل سے توبہ کر کے اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ کلمہ کہتے بھی زیادہ ہوں اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے لیکن شرط وہی ہے جو قرآن نے بیان کی ہے مگر وہ کلمہ یا اصرار نہ کریں کہ کلمہ اصرار کے ساتھ توبہ و استغفار ایک ہے معنی عمل ہے۔ جب انسان نے کلمہ چھوڑا ہی نہیں ہے بلکہ مسلسل اس کا تکرار کر رہا ہے تو

اس کی بابت اللہ سے یہ کہنا کہ یا اللہ مجھے معاف کر دے 'ایک عجیب بات ہے' بلکہ اللہ سے مذاق ہے اس لیے ان احادیث سے یہ سمجھ لینا کہ محض زبان سے استغفار بڑھ لینے سے ہر ضعیف و پور کبیرہ کلمہ معاف ہو جائے گا 'بھلائی ہے' کیونکہ استغفار اللہ پر حنا توبہ نہیں ہے 'صرف ایک درخواست اور دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق رد یا قبول فرما یا ہے' جب کہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام پھیر کر اپنی لڑائی سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْغَفُوْرُ وَبِحَبْلِكَ الْاِسْلَامُ وَبِحَبْلِكَ الْاِسْلَامُ
تَبَّكَتْ يَدَايَا الْيَسْلَبِ وَالْيَكْرَامُ

"اے اللہ! تو سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ اے عزت و جلالت کے مالک! تو بڑی برکت والا ہے۔"

استغفار

حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی امام اوزاعی سے پوچھا کیا آپ استغفار کیسے کرتے تھے؟ انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے استغفر اللہ استغفر اللہ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔ "(مسلم)

فوائد و مسائل :
1۔ سلام پھیرنے کے فوراً بعد خدا و دعا رحمت مسنون عمل ہے اس مسنون دعا کو چھوڑ کر اللہ کا اللہ کا ورد یا صلاۃ و سلام وغیرہ پڑھنا اور وہ بھی با تکرار اللہ سنت رسول سے انحراف ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مغفرت سے عمل یہ کلمات کثرت سے پڑھتے تھے۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ اے اللہ! میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیری خوبیوں کے ساتھ۔ میں تجھ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :
1۔ ویسے تو ہر وقت اور ہر دم ہی توبہ و استغفار کا بہترام ضروری اور بہتر ہے لیکن زندگی کے آخری ایام میں تو بالخصوص اس کی بہت ضرورت ہے اور اس طرح نبی

تبیہ یہ ہے کہ انسان عہدہ کے ارتکاب سے باز آجائے۔
پھر اس پر بارگاہی میں عصمت کا اظہار کرے اور صل
میں یہ عزم رکھے کہ آئندہ اس کلمہ کا ارتکاب نہیں
کروں گا۔ اس قسم کی تہی قہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا
ہے اور کوئی اور مانع نہ ہو تو اس کی مغفرت یقینی ہے۔

صدقہ اور استغفار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو اور کثرت
سے استغفار کیا کرو۔" اس لیے کہ میں نے جہنم میں
اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے۔"

تو ان میں سے ایک عورت نے کہا۔ "اے اللہ کے
رسل! ہم عورتوں کے زیادہ جنسی ہونے کا سبب کیا
ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لعن ملعون
زیادہ کرتی ہو اور غلو کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے
عقل اور دین میں ناقص ہونے کے بلحاظ تم عورتوں
سے زیادہ عقل مند پر غالب آجائے والا کوئی نہیں
دیکھا۔"

اس نے پوچھا "ہمارے اندر عقل اور دین کی کیا کمی
ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نقصان عقل تو
ہے کہ وہ عورتوں کی کوئی ایک چیز کے برابر ہے
(پس یہ عقل کی کمی کی دلیل ہے)۔ اور (نقصان ایمان
میں) وہ نماز میں پانچوں (رکعتوں) میں دو رکعتیں
رکعتیں یہ نقصان دین ہے کہ "مسلم"

فوائد و مسائل : اس حدیث میں عورت کی
ایک فطری کمی نقصان عقل بیان کی گئی ہے یعنی مو
کے مقابلے میں اس کے اندر عقل کی کمی ہے۔ اسی کا
لحاظ کرتے ہوئے شریعت نے عورت کی کوئی کو موکی
کو اس کے مقابلے میں تو حاق قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی
ہے جیسے عورت مو کے مقابلے میں جسمانی اعتبار سے

کنوار اور نازک ہے مگر اسی جسمانی نزاکت کے پیش
نظر شریعت اسلام نے اسے کسب معاش کی ذمہ
داریوں سے قاصر رکھا ہے کیونکہ اس کے لیے اسے
گھر سے باہر نکل کر چند کرنی دینی جو اس کی جسمانی
نزاکت اور دیگر مقاصد شریعت کے خلاف بات تھی۔

مغرب میں جو مسالوات مرد و زن کا سب سے بڑا علم
بڑا دہ ہے سو سالہ چودہ صد کے بعد بھی عورت مو کے
مساوی درجے پر فائز نہیں ہو سکی۔ وہیں آج بھی تمام
کلیدی عہدوں پر مرد ہی کا قبضہ ہے۔ ان کی تمام
اہم ملکی و دینی الاوقاف یا عیال موتی خاں کے ہیں اور ان
کے تمام ضروری معاملات میں مرد ہی کا قفل و قفل

ہے۔
اس لیے اس کی عزت اسی میں ہے کہ اسلام نے
اس کی فطری کمزوری کے پیش نظر اس کا جو دائرہ عمل
تجویز کیا ہے اس سے قبول کرے اور اپنی سرگرمیوں کا
دائرا اسی فطری حد کے اندر محدود رکھے۔ اس سے
نیچوڑ کر کہ وہ اپنے نسوانی عظمت و وقار سے بھی محروم
ہو جائے گی جیسا کہ آج مغرب کی عورت محروم ہو چکی
ہے۔

عورتوں کو کثرت سے استغفار اور صدقہ کرنے کے
علاوہ غلو و غلو کی ناشکری اور غیبت و بد گوئی اور لعن
ملعون سے بھی اجتناب کرنا چاہیے تاکہ وہ جہنم کا
ایندھن بننے سے بچ سکیں۔

دل اور اعمال

حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمن بن صخر رضی اللہ
عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں
کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا
ہے۔" (مسلم)

فائدہ :

1۔ اس حدیث سے بھی انشاء اور صحیح نیت کی

اہمیت واضح ہے اس لیے ہر ٹیک عمل میں اس کا اہتمام ضروری ہے اور دل کو ہر اس چیز سے صاف رکھنا چاہیے جس سے وہ عمل برباد ہو سکتا ہے جیسے دوا کاری اور نمود و نمائش کا جذبہ یا دنیا کا لالچ یا اسی قسم کے اور گھٹیا مفادات تاہم دلوں کا حال چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے اقوال کی اصل حقیقت قیامت والے دن ہی واضح ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اچھا یا برا بدلہ ملے گا دنیا میں انسان کے ساتھ اس کے ظاہری اعمال کے مطابق ہی معاملہ کیا جائے گا اور اس کی باطنی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

ٹیک بیوی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔
”سو من کو اللہ کے تقویٰ کے بعد ٹیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ (ایسی بیوی کہ) جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے جب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے خوش دھڑکے اور اسے کوئی قسم دے تو وہ قسم پوری کر دے اگر وہ اس کی نظموں سے لوجھلوجھ ہو اسے نہ دیکھ سکے تو اپنی ذات کے بارے میں اور اس کے دل کے بارے میں اس سے ٹھکس رہے (خفا نہ کرے)۔“

دین والی عورت سے نکاح کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
1۔ ”عورتوں سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جانا ہے (کسی سے) اس کے دل کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسب و نسب کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسن و جمال کی وجہ سے (کسی سے) اس کی دین داری (اور نیکی) کی وجہ سے۔ تو دین دار عورت (کے) حصول میں لڑکا میاب ہو جا۔ تیرا جلا ہو۔“

فوائد و مسائل :

1۔ نکاح کا حقیقی زندگی بھر کے لیے ہوتا ہے اس لیے زندگی کا ساشی تلاش کرنے میں کوشش کی جانی ہے کہ وہ ایسا فرد ہو جس کے ساتھ زندگی خوش گوار ہو جائے۔

2۔ اچھی بیوی یا اچھے خاوند کی خواہش ایک چارہ خواہش ہے تاہم اس انتخاب کا معیار درست ہونا چاہیے۔

3۔ اکثر لوگ ظاہری چیزوں کو عقلیت کا معیار سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ محل دار خاندان میں شادی کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ ان کی دولت میں حصہ دار ہو سکیں۔ حالانکہ دولت اصلتی چھاؤں ہے۔ امیر آدمی دیکھتے دیکھتے مفلس ہو جاتے ہیں اور غریب آدمی کے دل پر چم جاتے ہیں اور اس دولت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے ساشی حقیقی قائم کرنے کے لیے یہ معیار ناقص سمجھنا چاہیے۔

4۔ بہت سے لوگ معزز خاندان میں رشتہ کرنا پسند کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ دنیا میں معزز سمجھے جانے والے خاندان کا ہر فرد اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اچھا ہو۔

5۔ اکثر لوگ ظاہری حسن و جمال پر فریفت ہوتے ہیں لیکن یہ معیار انسانی ناقصی اعتبار سے کیونکہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ حسن میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

6۔ اصل قابل اعتبار معیار یہی کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ ٹیک بیوی غریبی میں بھی بلا قار رہتی ہے اور لداوت میں معذور ہو کر خاوند کی توجہ میں نہیں آتی تو بچے خاندان کی عورت میں اکثر نجات و سکھ کی بدولت پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خاوند پر حکم چلانے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے خاوند اور بیوی میں محبت پیدا نہیں ہو پاتی جو خوش گوار زندگی کے لیے ضروری ہے۔ لیکن ٹیک بیوی جو خاوند کے حقوق و فرائض سے آگاہ ہے وہ اپنے خاندان کی ہوا اپنی خاندان کی فکر کو حسرت بنا جاتی ہے۔

جُنیا خان مشر ڈاکٹر آمنہ خاں

شاپن کرشید

شادی کے معاملے میں پروفیشنل لوگوں کا اپنی ہی ایک رائے ہوتی ہے۔ چرچی لکھی ہوئی کی ڈیمانڈ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے ہی پروفیشن کی پیروی چاہتے ہیں تاکہ گھر میں لڑائی جھگڑے سے بچے رہیں۔ جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ایک ہی پروفیشن کے میاں بیوی مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ساری بات نصیب کی ہوتی ہے۔ جو شرکہ سطر رب نے آپ کی زندگی میں لکھ دیا ہے وہی سطر ہے۔ بندھن کے سلسلے میں اس بار بھی ”جینہ خان“ جن کی ٹیکم انڈسٹری ہے۔ دونوں کے پروفیشن الگ بھی مشکل بھی گھر کس طرح چلا ہے۔ آپہ دیکھتے ہیں۔

جینہ کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ ان کا پورا اہم جینہ خان نیازی ہے۔ 2 نومبر 1981ء کو پاکستان میں پیدا ہوئے۔ انشان ان کا شمار ہے اور تعلیمی قابلیت ایم ایل اے ہے۔ جینہ خان کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور ان کا خیر خیر ہے۔

”میں جی۔ ہاؤس کی لویسج نہیں ہے۔ ٹوٹل اسٹیج میں ہے اور میرے خاؤ کے ایک مکمل فرنیچر بھی ہیں میری ٹیکم اور ای کی طرف سے کیا کامیاب رشتہ گور ملاقات کا احوال یہ ہے کہ میری ای نے بتایا کہ فلاں فلاں لڑکی ہے ہم ملاقات کرو ہماری فیملی کی ملاقات اسلام آباد میں ہوئی۔ میں نے آمنہ کے گھر والوں سے گپ شپ لگائی اور میری ای نے آمنہ کی ای سے

گپ شپ لگائی۔ ہم دونوں نے بھی ایک دوسرے سے بات چیت کی اور پھر میں نے ای سے کہا کہ آپ باقاعدہ رشتہ بنجیں۔“

”یعنی پہلی ملاقات میں ہی آمنہ مل کر بھاگ گئیں؟“

”ہاں جی۔ فیملی کے لحاظ سے ایک بیوی میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب مجھے آمنہ میں نظر آئیں۔ پروفیشن، تعلیم، رشتے، ڈاکٹر ہے اور سب کی انجی ڈی

بھی کر رہی ہے۔ اس سبب فیملی سے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ دس پندرہ سال پہلے آری سے ان کا تعلق تھا تو ایک لحاظ سے انڈیل فیملی تھی۔“

”مکملی کرتا عرصہ رہی ہاور ملاقاتیں ہوتی تھیں؟“

”مکملی کم عرصہ ہی رہی کیونکہ جب بات کی ہوئی تو دس مئی کے بعد 20 جولائی 2010ء کو ہمارا نکاح ہو گیا اور 13 ستمبر کو رخصتی ہو گئی اور جیسے میری خالہ بھی اسلام آباد میں رہتی ہیں تو بہت ان کے ہاں جانا ہوتا تھا تو ان سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ اور گپ شپ بھی ہوتی تھی تاکہ ایک دوسرے کے مزاجوں کو سمجھ سکیں۔“

”کہتے ہیں کہ مکملی کا بیڑہ چاہئے اور رکھنے کا ہوتا ہے مگر جب نکاح ہو جاتا ہے تو ٹیکم کیسی بھی ہو قبول کر لیتی ہے۔“

”نکاح سے پہلے بھی ہماری گپ شپ مکملی تھی۔ مکملی اور نکاح کے دوران بھی دو مہینے تھے تب بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور نکاح کے بعد تو پھر احساسات و جذبات الگ ہو جاتے ہیں۔ نکاح کے فوراً بعد ہی ذمہ داری کا احساس بھی ہونے لگتا ہے۔

ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اسے اپنے شوہر اور بچے کو بھی قائم دینا ہے۔ آنے والے مسافروں کی تو بھگت بھی کرنی ہے۔ میں تو اس کے حق میں ہوں کہ عورت نے جس پودیشن میں پڑھائی کی ہو عیسے جاری رکھے اور شادی کے بعد اسے کٹ تک نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیا شادی یہ سوچ کر کی گئی کہ میں بھی فیلڈ کی ایک پروفیشنل لڑکی سے شادی کروں گا؟"

"نہیں۔ ایسا کچھ نہیں سوچا تھا میں تو مکمل طور پر قسمت پر یقین رکھتے والا انسان ہوں اور اللہ نے جس کے ساتھ میرا جوڑ لیا، مجھے اس پر یقین ہے اور میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں۔ پلیز ضرور سوچا تھا کہ والدین کی عرصے کرنے والی کمزور ذالی سوری ہو۔"

"شوہر کی فیلڈ سے کسی لڑکی کا انتخاب کیوں نہیں کیا اور میں تو سچے سچ لڑکیوں میں سے تھی؟"

"یہ تو شخص میں کئے سوچ رکھا تھا کہ اپنی فیلڈ میں شادی نہیں کرنی اور یہ میرا مشاہدہ تھا کہ اپنی فیلڈ میں شادی کرنے کا نقصان زیادہ ہے فائدہ کم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاہے وہ آپ کا لائف پارٹنر ہی نہ ہو عیسے تو ڈالیں چاہیے ہوتا ہے اس لیے اگر میاں بیوی ایک ہی پودیشن کے ہوں گے تو ایک دوسرے میں ٹھسے بی رہیں گے۔"

"کیا بالکل چاہتا ہے کہ ایک دوسرا بیوی کی طرح آمنہ آپ کا ہر کام کرے ہر طرح سے خیال رکھے؟"

"میرا خیال ہے کہ یہ خواہش تو ہر سو کی ہوتی ہے اور میں خوش قسمت ہوں کہ آمنہ میرا ہر طرح سے خیال رشتی ہے۔ کوئی کٹنگ بھی کرتی ہے۔ گھر کو بھی سنبھالتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ ایک مکمل بیوی ہے۔ آمنہ کو پاکستانی اور کافی فیکل ڈسٹر بھی پکھی آتی ہیں۔"

"بیکم کی کوئی اچھی اور بری عادت دکائیں۔ میاں بیوی میں شروع میں محبت زیادہ ہوتی ہے یا بعد میں؟"

"میرا نہیں خیال کہ اس کی کوئی عادت ایسی ہے جو مجھے چہند ہو۔ جلی چٹکی ملائیں تو ہوتی ہیں ٹھکران کو

لور در میان میں تھوڑی مس اینڈ اسٹینڈنگ بھی ہوتی جلی چٹکی مگر ٹھکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا کہ ہمیں بچھڑنا پڑا ہو۔ ہر انسان یہ فیکٹ نہیں ہو گا اور ہر انسان دوسرے کی اسٹیڈیا پر پورا بھی نہیں اتر سکتا تو جلی چٹکی خرابی میں ٹھہرنا نہیں چاہیے۔"

"سسرال سے تعلقات کیسے ہیں؟ اور آمنہ کو سسرال کا کیر یا کیا ہے؟"

"آمنہ عین بھائیوں کی اگلی من ہے اور سسرال والوں سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ان کے بھائیوں سے میرا مزاج کافی ملتا ہے اور اچھا وقت گزارتا ہے اور جہاں تک مزاج کی بات ہے تو ہر انسان کا مزاج نرم گرم تو ہوتا ہے مگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ وہ مہجور بھی ہے۔ تعلیم یافتہ بھی ہے تو اس کی اپنی رائے بھی ہوتی ہے مگر ہم جو کام کرتے ہیں باہمی مشورے سے ہی کرتے ہیں۔ نرم مزاج بہت ہے۔"

بہت محبت کرنے والی اور بہت خیال رکھنے والی بیگم سے میری۔ بچھڑاؤں والا قصہ ہے مگر جلدی اتر جاتا ہے اور قصہ تو ہر انسان کو آتا ہے۔"

"ایک بیٹا بھی ہے آپ کا تو بیٹا؟ تین بچے ہیں؟"

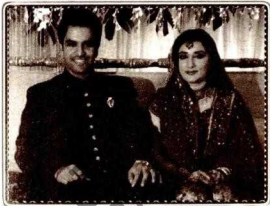
واکب۔ دو گھر ڈسٹرب نہیں ہوتا؟"

"جب ہمارے بیٹے نے ہونا تھا تو بیگم نے چاہ سے ہریک لے لیا تھا اور بیٹے کی پیدائش کے بعد اس نے چاہ چھوڑ دی ہے۔ یہ کچھ دینی ایچ اے بھی کر رہی ہے اور اپنی لڑکی کے بعد ہمارا بیٹا بھی تھوڑا سا بڑا ہونے کا وہ گاہک ہے وہ شروع کر دے گی۔"

"چاہ کرنے والی بیوی کو اپنی کمائی کا بڑا ذمہ ہوتا ہے کہ میں خود کماتی ہوں۔ اس لیے ہر کام میں سوا کو ہاتھ ملانا چاہیے۔ یا یہ کہ میں مصروف ہوں آپ اپنے کام خود کریں تمہارا ہے؟"

مسکراتے ہوئے

"کیکس! جب عورت خود مختار ہوتی ہے تو تھوڑا بہت رعب یا ذمہ آتا ہوا رہتا ہے۔ لیکن میری بیگم میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ گھر گرہستی والے کام بھی کرتی



نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ میاں بیوی میں احترام کا فضر ہونی چاہیے۔
بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

”عورت یا بیوی اپنے شوہر سے کیا چاہتی ہے اور شوہر کیا چاہتا ہے کہ لڑکی خوب صورت ہو؟“
”عورت کا خوب صورت ہونا تو ضروری نہیں، لیکن خوب سیرت ہونا چاہیے اور وہ بیک خصوصیات بھی ہونی چاہئیں۔ عورت کو شوہر میں ایک طاقت چاہیے ہونی ہے۔ ایک گہرائی چاہیے ہونی ہے اس کے حق کے لئے لڑنے والا شوہر چاہیے ہو تا ہے اور شوہر کو وہ ایک کامیاب مرد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہے۔ اسی طرح مرد کو بھی ایسی ہی اچھی خصوصیات چاہیے ہونی ہیں۔“

”شادی کی صحیح عمر کیا ہونی چاہیے۔ مرد کی اور عورت کی؟“
”مرد کی 28، 29 سال ہونی چاہیے۔ جبکہ لڑکی جب باپنی طور پر مہجور ہو جائے اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔ ہم میاں بیوی میں عمر کا بپ نہیں ہے تقریباً برابر ہی ہیں اور میری شادی بھی عام عمر ہی

”مرد کے ہاتھ میں اللہ نے پاور دی ہے۔ غصہ آیا“
”تمہیں لفظ بولے اور فارغ کر دیا۔ تو اس کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔ یہ آقا کا“ میں تو طلاق ہو جاتی ہے تو کیوں ہوتی ہے؟“
”طلاق بہت بڑی چیز ہے اور ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ وہ انسان مکمل طور پر ایک دوسرے کو انڈر اسٹینڈ نہیں کرتا ہے۔ مرنے اپنے حساب سے اپنے ماحول میں زندگی گزارتی ہوتی ہے۔ عورت کا اپنا ایک ماحول ہوتا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کی وجہ سے طلاق ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ طلاق کا اکشن ہونا ہی نہیں چاہیے۔ اکشن ہوتا ہے تو لوگ لینے کا سوچتے ہیں اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو برداشت نہیں کرتے۔ اگر یہ اکشن نہ ہو تو لوگ یہی میاں بیوی ایک دوسرے کو برداشت کریں گے اور برداشت تو کرنا پڑتا ہے۔ پر فکٹ ہو تو کوئی نہیں ہوتا۔“
”سرمال نزدیک ہونا چاہیے یا دور؟ کیونکہ کچھ

لوگوں کا خیال ہے کہ دور ہونا چاہیے۔ نزدیک ہو کر ہی کو ہر وقت میٹھی یاد دلاتا ہے۔

”سیرا سیرا تو اسلام آباد میں ہے اور میں تو اس بات کا قائل ہی نہیں ہوں کہ پوری کو سیکے نہ جانے دوں میں تو اپنی پوری کو مکمل چھٹی دے دیتا ہوں کہ جب دل چاہے پہلی جائے کیونکہ جب لڑکی سیرا آتی ہے تو ایک نئے سیٹ اپ میں آتی ہے اور اس کو جگم گنا ہے ایڈجسٹ ہونے میں تو اگر وہ اپنے میکے چلی جائے تو اسے سانس لینے کا تصور موقع مل جاتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پوری کو سیرا میں ہی رکھو تاکہ وہ ایڈجسٹ ہو سکے مگر میں ان باتوں کو نہیں مانتا سب سیٹ ہو جاتا ہے سب ٹک جگم گنا ہے۔“

”اس انٹرویو کے ذریعے اپنی جگہ کو کچھ کہنا چاہوں گے جو آپ آج تک اس کے منہ پر نہ کہہ سکے

ہوں؟“

”قصہ“ نہیں ایسا کچھ نہیں ہے جو کچھ بھی کہنا ہوتا ہے ہم ایک دوسرے کے سامنے ہی کہہ دیتے ہیں اور جتنی بھی ہوتا ہے کہ انسان سامنے کہہ دے بجائے اس کے کہہ کسی تیسرے بندے کے ذریعے کہے شکوے آرہے ہوں۔“

آمنہ جبینہ خان



”جی آمت صاحب! یہی گزری ہے بلا ٹف؟“

”جی شاہد! ہٹا چلی۔“

”آپ دونوں کی اسٹا میں ہے پہلی ملاقات میں کیسے گئے تھے جبر؟“

”سمت سلسلے سے سمت اچھے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ان میں کوئی ٹو نہیں ہے۔“

”جب چلا کہ ایک معروف آرٹسٹ سے شادی ہو رہی ہے تو کیا اس بات سے آپ کے؟“

”کچھ خاص نہیں۔ اس لڑکی کو پہلی لکھ ہوئی کہ نہیں کیا ہر ایک ساتھ کھو مگر نہیں گئے کیا نہیں۔ مگر

اند کا فخر ہے کہ ایسی کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں۔“

”شادی کے بعد جینے کو کیا پایا؟“

”سوچا تو کیا تھا! کبھی سچی سے کہیں زیادہ اچھا پایا

نہیں۔“

”ماحول میں کتنا فرق تھا۔ یعنی آپ کے گھر اور ان کے گھر کے؟“

”جی بات کہوں تو ان کے گھر اور ہمارے گھر کے ماحول میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ تو ذات فرق تو اپنے بس بھائیوں کے ماحول میں بھی ہوتا ہے تو کیا

کچھ خاص فرق نہیں لگا تھ؟“

”گھون ہی رہیں انجوائے کیس اور کس میں پورے ہوئی؟“

”رہیں اتنی ہوئی ہی نہیں۔ ہاں ہماری طرف سے جو رہیں تھیں ان میں مجھے بہت مزہ آیا تھا اور

یقیناً انہوں نے بھی انجوائے کیا ہو گا۔“

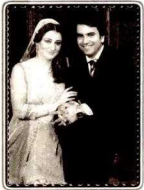
”مت دکھائی میں کیا ملا تھا اور جی مون کے لیے کہاں گئے تھے آپ دونوں؟“

”مت دکھائی میں انہوں نے مجھے گولڈ کاہرسلٹ دیا تھا اور جی مون کے لیے ملا بیٹیا اور دفنی گئے تھے اور انجوائے کیا تھا۔ اب اگر ٹرپ تھا ہمارا۔“

”کلچر اور رخصتی کے وقت کیا احیاءات تھے

۴۶

"مجھے اندازہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ
جینہ مجھ سے بہت خوش ہیں اور مجھ سے بہت محبت
کرتے ہیں۔"
"اور یہ آخری سوال کہ شادی کی رات کمرے میں
اگر سلا جملہ کیا ہو لا تھا آپ سے؟"
"شاید سلام کیا تھا۔" ٹھیک سے یاد نہیں۔ شادی
کی رسمات اور ہنگاموں میں اتنی تھکاوٹ ہو جاتی ہے
کہ کچھ ٹھیک طرح سے یاد ہی نہیں رہتا۔"
اور اس کے ساتھ ہی ہم نے اس جوڑے سے
اجازت چاہی اس شکر کے ساتھ کہ انہوں نے ناظم
دیا۔



آپ کے؟

"تفاح کے وقت میں تو بہت روٹی تھی۔ وہ وقت
شاید ایسا ہوتا ہے اور دھرتی کے وقت بھی ایسی ہی
کیفیت تھی بہت اواس میں اور ہڈیوں کی پوری تھی
اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے والدین کی
انگوٹھی پہنی اور تین بھائیوں کی ایک ہی سون ہوئی تو
لاڈلی بھی بہت تھی اور انہی کی بہت لطفانی ہوں۔"
"جینہ کو آپ کس روپ میں پہنا کرتی تھیں؟ سادگی
میں یا بے تکلفی؟"

"میں انہیں سادگی میں ماضی کرتی ہوں بس
آنکھوں میں صرف کاجلی لگانا کو اچھا لگتا ہے۔"
"آپ کی جاب جینہ کی فیملی اور پھوپھو کا بچہ۔ لائف
و مشرب ہوتی ہے؟"

"نہیں۔ جاب نے ٹھک نہیں کیا کیونکہ جب جینہ
نہیں ہوتے پہلے تو اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی وجہ
سے جاب کرتی ہوں ورنہ مشکل ہو جاتا ہے ان کے بغیر
جانم گزارنا۔"

گھملاہٹ میں چار شادیوں کی اجازت ہے مگر کرنا

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

نظریہ حلیہ



فلاح جبین

قیمت 400 روپے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

فون نمبر:

32735021

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی



21 2014

اگست



عید۔ محبت، خوشی، شادمانی کا دن۔ قرآن میں کی ادائی کے بعد قدرت کا انعام اور تحفہ۔ تمام مکے شکر و دور کر کے محبت اور دوستی کے اظہار کا دن۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کا یہ تہوار اپنے اندر عیدیت، محبت، شکر گزاری اور خوشیوں کے ہزاروں رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔

عید کے ساتھ جڑی خوب صورت روایتیں اس تہوار کو دلکش اور حسین بناتی ہیں۔ عید کے دن خصوصی اہتمام کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً خواتین اور لڑکیوں کی تیاری تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ مندی کے دل فریب نقش و نگار سے سجباتھ دکھائیں میں دیکھتی ہوں کہ چوڑیاں خوش رنگ کیو ساجد۔ عید کے دن اور عید کے ہمارے خوب صورت روایتیں ہیں۔

اس بار شعلہ کا ساگر گہر عید کے موقع پر گہرا ہے۔ اس لیے قارئین سے سوائے سنا گھر گہرا اور عید کے حوالے سے ہے۔ سوالات یہ ہیں۔

- 1۔ چاند رات کو آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں اور عید کا دن کیسے گزارتی ہیں؟
 - 2۔ دو کون سی خوش ہے جو عید کے دن آپ کے ہاں لازمی بنتی ہے اور سب سے پسند کرتے ہیں؟
 - 3۔ شعلہ میں شائع ہونے والی آپ کی پسندیدہ مصنفین اور وہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟
 - 4۔ اس سال شعلہ میں شائع ہونے والی تحریروں میں آپ کا پسندیدہ منہ کھلوا کر کونسا ہے؟
- آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیے ہیں۔

رنگ چنے لکیں صبا ہر جان

اداکار

کلنس ہوں اسی لیے میری چو لری 'رنگ' اور عید کا ایک ہر ایک چیز فریبت انگیزی ہے۔ ابو نورا اسی سے عید ملنے کے بعد ایک دو سرے سے عید ملنے ہیں 'اکی' اور ابو سے مناسی عید و میل کرتے ہیں۔

سلاو ان کو گھر والوں کے ساتھ اچھا اور مسرت کرنے میں گزار جاتا ہے جب کہ دو سران شادمانہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے دوا ابو سے عید ملنے جاتے ہیں تیسرے دن نانی کے گھر جا کر عید ملنے جاتے ہیں غرض کہ عید کا دن میرے لیے بہت ہی خوب صورت اور مفید ہوتا ہے۔

2۔ عمو! ہمارے گھر عید کے دن اسی پہن بھائی بناتی ہیں لیکن یہ عام بھائی میں ہے یہ امر ان کی خاص خوش ہے جو ہمارے گھر سے جاتی ہے اور ذوق و شوق سے کھاتی جاتی ہے۔ ابو کی یہ خوشی و خوش ہے اس کے ساتھ دانستہ ہوتا ہے۔

3۔ پسندیدہ رانگوں سے تو اپنی قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے سب رانگوں میں ایک سے زیادہ کرانگی ہیں لیکن پتا

سرت الخلف احمد کراچی

1۔ چاند رات کو ہماری مصروفیات کاغذ اور اس بات سے لگا ہوا ملتا ہے۔

ہم رات دیر تک جاتے ہیں عید کے پہلے پہلے کرتے ہیں ایک دو سرے کو مندی لگاتے ہیں بڑی بہن سب سے اور گھر والوں کو مندی لگواتے آتی ہیں۔ کوئی شخص گہرا ہوتا ہے تو کوئی چو لری سلگت کر ہوا ہوتا ہے غرض کہ ہر طرف گہرا بھی خوشیوں کا راج ہوتا ہے سب اپنی اپنی تیاریوں میں مگن ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو سونار نے کے ساتھ ساتھ گہری گفتگو میں مصروفی اور عید کے لیے مزے دلرہ شکر کا بھی اہتمام کیا ہوتا ہے 'بہن' مذاق اور نوک جھونک میں چاند رات کو گہرا ہوا اچھا ہے کیا جاتا ہے۔

گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں خود کو بہت ہی اہتمام سے تیار کرتی ہوں۔ کیوں کہ میں بہت ہی



شہادت شہیدان شریفیہ سرگودھا

ایک چاند رات کو میری مصروفیت بھی بس عام سی ہوتی ہے کہ کچھ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اس لیے اپنی شاہدک اور میوہ سے پہلے عمل کر لیتے ہیں اور اس وقت تو میں نے رمضان سے بھی پہلے شاہدک کر لی تھی کیونکہ رمضان میں بازار کے پچیسے (وقف)

چاند رات کو میں بچوں کو تیار کر کے خود تیار ہوتی ہوں کہ کچھ ہم لوگ والے سب ایک دوسرے کے گھر مبارک بلا دینے آتے ہیں اور سرگودھا سے آنے والے رشتہ دار جن میں میرے بھائی اور ان کے بھائی وغیرہ آکے چاند رات کی خوشیاں منا دیتا کرتے ہیں۔ ان کی خاطر قاضی کے لیے میں اور میری گیارہ سالہ بی بی بڑے پرہیز کرتے ہیں۔ پھر ملنے آنے والوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارا قاضی ان رات بست ہوتا ہے اس لیے رات گئے تک یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ لڑکیاں بھر میری بی بی اور چھوٹا بیٹا نو کہ سات سال کا ہے مندی لگاتے ہیں بلا لگا کرتے ہیں۔ بڑا بیٹا دوستوں کے ساتھ مصروف ہوتا ہے۔ میاں صاحب مصافحوں کے ساتھ کب شب میں مصروف ہوتے ہیں۔ میں اس دوران صبح کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر رکھ دیتی

میں کیوں نبیلہ عزیز سے مجھے ملی المیت ہے۔ میں ان کو ملی کی گھرائیوں سے پسند کرتی ہوں ان کی ہر تحریر کو بہت ہی ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں۔ خواہ وہ مجھے بہت سی سبکی ہوئی لگتی ہیں پسندیدگی کی وجہ یہ ہے ان کی تحریریں ہر دائرہ سے فنی ذہنیت اور منفرد ہوتی ہیں۔ ان کے ہر موضوع پر مفصل اور سبق آموز ہوتا ہے۔

فرحت اشتیاق قاضی کا بیان ہے کہ سب سے پہلی ایک شہدک دیکھا کہ بابا بولیں کہ جب جائے تب میں نے سبکی لڑائی میں دیکھا تو کوئی سے میری بی بی لکھ گئی تھی۔ مجھے بہت سی سہرا اور ڈسٹنٹ لکھیں فرحت اشتیاق بھی میری دوست

4۔ یہ جملہ کثیر نوی کے کمال ہوں منعم سے صرف تک سے ہے۔

”میں ایک سو صدی کی دہی بت پرست ہوں مالک یا منعم کہنے والی سہاؤں تک منعم منعم کرتے ہوئی ساری اپنی لکھ کر اب منعم سے صبر یاد آیا ہے اور وہ اتنا صبر اتنا رحیم اتنا کریم لکھو نہیں کر آملیغ نہیں دیتا دھتکارنا نہیں اپنے دل سے لوتا نہیں۔ فوراً سایہ عافیت میں لے لیتا ہے۔“

2۔ دو کوئی سی ڈنک ہے جو لازمی بنتی ہے۔ اس طرح تو بہت سی ڈنکیں ہیں جو لازمی بنتی ہیں اور ہر گھر میں بنتی ہیں لیکن گریسوں کے حوالے سے ایک ڈنک بنتی ہے جسے کھوئے والا قلعہ کہتے ہیں۔

3۔ شعلہ کی مصیقتیں تو سب ہی میری پسندیدہ ہیں ان میں مالمک میرے خواب ریزہ ریزہ کی وجہ سے بہت پسند ہیں۔ فائبر افکار داسی و فوکلن باری۔ راحت، جین زرد موہم، عید و امید، جو کال انڈیا، امیر جنت کے بچے اور قراقرم کا تاج گل۔ اس کے علاوہ گت سہلہ، سیرامید، سار، رضا، شیر نوری اور تقریباً ہر مصنف کی ہر تحریر میری پسندیدہ ہے۔ سوئے تو شعلہ میں جو کچھ ہر اقتباس سبق آموز ہو گا، لیکن ایک نئے ڈنک کی ضرورت بھی ہے تو وہ رخسانہ ڈنک ہے ایک نئی مثال میں لکھا ہے۔

”میں جب ارادہ مضبوط ہو جانے کسی مشکل پر قابو پانے کا وقت آتی رہتے ہوئے پہلے ہائی کرنا ہے۔“
ایم جوی۔ خواب اور شعلہ کی پوری ہم کو عید مبارک

عید افزائیں۔ منڈی مولودین

1۔ سب سے پہلے تو چاند رات کی محبت عمل کرتی ہوں اور پھر لیکن کارٹون کرتی ہوں اور مزے، اوری کھیتی تیار کی کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سارے دس گیارہ بجے تک اس کام سے فارغ ہوتی ہوں تو سیدھی بستر پر اوتھتی ہوں، کیونکہ کپڑے استری کرنے اور مصطفیٰ تھرائی کا کام میں دن میں کر چکی ہوتی ہوں۔ منڈی میں نے بھی لگائی تھیں۔ شادی سے پہلے اسی بہت ڈانٹا کرتی تھیں کہ لڑکیوں کو منڈی لگانے کا کتنا شوق ہوتا ہے مگر اسے ہوا نہیں۔ اب شادی کے بعد شوہر کو بھی پڑا نہیں ہوتی منڈی لگے یا نہ لگے۔ انہیں ان باتوں سے باخبر دلچسپی نہیں ہے۔

2۔ عید کے دن مج کو بیک پیکنی کی صفائی کے بعد بچوں کو تیار کرتی ہوں۔ میں صاحب عید کی نماز پڑھنے سے پہلے جاتے ہیں تو میں بھی ان کے دلہن آئے تک تیار ہو جاتی ہوں عید والے دن تیار ہونا چاہیے اور انہیں دونوں کو ہی پسند ہے کیونکہ یہ ہمارا اسلامی قبول ہے۔ اسے بھرچ و طرح سے منانا چاہیے۔

عید والے دن میں جتنا چاہتے ہیں دو ٹراور، دو ڈائی ضرور جاتی ہوں تو کہ سب کو پسند آتی ہے۔

ہوں۔ اسی طرح گلہاں والے ایک دو سرے کے گھروں میں آجائے کے چاند رات ملتا ہے۔ میں چاند رات کو نہیں نہیں جاتی صرف گھر پر مصافحہ کو انڈین کرتی ہوں اور عید کے سب کے گھروں میں جاتی ہوں۔ سب میں عیدوں باہشت۔

سب کاموں سے فارغ ہو کے اپنے ہاتھوں پہ منڈی لگاتی ہوں آخر پہلے تو چپہ ہے۔

عید کے دن میں صبح سویرے اٹھتی ہوں کیونکہ تفصیلی صفائی تو چاند رات سے بھی پہلے عمل کر چکی ہوتی ہوں اس لیے ایک بار پھر صاف گھر کو دوبارہ صاف کر کے جلدی جلدی صفائی عمل کرتی ہوں۔ پھر سب کے لیے ناشتا بناتی ہوں تو کہ اکثر میوں اور چائے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب کو عید کی لڑائی تیار میں عید کرانی ہوں کیونکہ انہیں سامنے پڑی ہوئی چیز بھی اٹھا کے دینی ہوتی ہے۔

ان کے جانے کے بعد میری باری بنتی تیار ہوتی ہے اور مجھ سے عید لی جتی ہے۔ نماز سے دلہن آئے کے بعد میں میاں صاحب سے اور سب مجھ سے عید لی لیتے ہیں۔

پھر کو کنگ کی طرف آتی ہوں۔ اور کرو کے گھروں آتی ڈھنڈھ وصول کرتی ہوں بی بی اسی تک گلہاں میں رہا ہے۔ اور خود سب کے گھروں میں بھی صبح سویرا تیار ہوں اور بھی کھیر و خیر بگھواتی ہوں۔ اس کے بعد صاف و خیر و خیر دیتے آجاتے ہیں سر کو حواس آئے تک اپنے اپنے گھروں میں رہتے ہیں اس لیے صبح کے بعد دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔

تب لوگ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تیار بی بی کوئی ذکر نہیں کیا تو چاہئے۔ میں تیار ہی نہیں ہوتی تو ذکر کیا۔ بی بی ہاں۔ سرحد و منہ ہاؤز کا حملہ بخاور نہیں جیتتا۔
میں فٹ آتا ہے۔

پھر میری بعد پہلی سب کے گھروں میں جاتی ہوں عید دیتے۔ اپنی منہوں۔ منوں بھائیوں اور ان کے بھائیوں کے گھروں سے ہوتے ہوئے تو لوگ اختلاف لگاتے ہیں ہوں ان کو مبارک باد دیتے دیتے شام اور پھر شام سے رات ہو جاتی ہے۔

اس طرح اس خوب صورت دن کا اختتام ہو جاتا ہے ہم لوگ عید کے دو سرے دن چنگ رہ جاتے ہیں۔ رات کو سوئے سے پہلے اپنی عید کی گنتا نہیں گھومتی۔



3۔ شعلوں میں شائع ہونے والی پندرہ مصطفیٰ کی فہرست میں سرگرمیت پیشہ شاذیہ چوہدری ری ری ہیں۔ اللہ انہیں خالقِ جنت کرسد (آمین) ان کے بعد ہمیرہ امیرہ رخصانہ نگار عدنان نمرانہ ہیں۔ 4۔ اس سال بچپن کے شائع ہونے والی ادیبہ خان کی کہانی کے ان سطحوں کی مدد اہل بیت یقین لے سکی۔

”ہر انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کم از کم ایک ایسا شخص ضرور پیدا کیا ہے جو اس سے بے حد محبت کرنا ہے اس کی تمام برائیوں، بد صورتیوں اور خامیوں کے باوجود وہ اس سے پیار کرے اس کی محبت رکھتا ہے اور اپنی بے لوث محبت سے وہ کبھی بدستور نہیں ہوتا۔“

مشعل شرف جانشین خلع کوکاڑہ

1۔ کہلے کیا خوب سوال پوچھا آپ نے آخری روز سے میں سارا گھر گھٹ ہونکا ہوا ہے۔ دھواں کام لور وہ اکیلی جاگن میں دورانی اور مردانگ شخص میں پڑے محکم رہے ہیں اور ہر تن دھل رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ سلائی شخص کی ٹوکھوڑی اس منظر کا حصہ ہے۔ چرائی کی آوازیں ”آئے ہائے اس قیوں کے بھی اچھی لگتی ہیں۔ یہ نہیں لور لگے گی۔ لور تہائی کو ڈالت کے گیارہ بجے تک جاتی ہوں۔ شوکیس میں کپڑے بچا کر برتن جو ڈکڑے کے کپڑے ہیں کے اور کھاسیت کر کانشہ حدیث کے مندی لگاتی ہوں۔ ان کے ہاتھ چاریاں جاگ رہی ہوں تو شخص تو بوجھاتی ہے مگر یہ شخص بھی بڑی اچھی لگتی ہے۔

”میں۔ پیادہ میہ میں جانتی ہوں کہ میرا عید کا سارا دن خوشی خوشی گزرتا ہے۔ مگر سوائے بچپن کی عید کے کوئی عید ایسی نہیں گزرتی۔ شاید اس لیے کہ آگنی خراب ہے یا رپہ۔

2۔ جس کا طوطا لڑی شاد ہے خواہ عید کے پہلے دن پہنایا ہو۔

3۔ بچے تو شادانہ ہر مصنفی قریب ہے۔ مگر مجھے زیادہ تر اسے روائی ”نور احمد“ شایب جیلانی، میرا امیر اور ساتھ دشا پند ہیں۔ مجھے ان کی تعاریر کی بے ساختگی

اور جاتی محبت پسند ہے۔ جیسے اپنی دواں ہو۔ شروع سے لے کر انتقام تک میں حیرت بخشنی رہتی ہوں۔ بس میں سوچتی ہوں کہ وہ کیا ہو گا کہانی بڑی رسالہ رکھا اور اللہ بگنے کہانی پڑھو تو ایسے کہ ہر کردار کو سمجھو۔ قاری کردار کے ساتھ رہے اس کے دکھ درد کو محسوس کرے اس کی خوشی پر مسکرائے اور کردار کی نفعیات ہوں مجھے کہ اسے کوئی ڈانٹ رہے۔

4۔ ”نور احمد کی تقریر جنت کے پتے ہے۔“
”اللہ تو ہے آسمانوں کا اور زمین کا بیکہ دل کو مارے بغیر نور نہیں ملتا۔“

ایشہ رفیق۔ ہمدان آباد

1۔ میری چاند رات کی مصروفیات کچھ خاص نہیں ہوتیں۔ شاذیہ فیروزہ قرصاں میں ہی ہو جاتی ہے کیونکہ چاند رات کو ہم کبھی بازار نہیں گئے۔ بس یہ ہو رہا ہے کہ چاند رات کو سب کے کپڑے پرش کر کے لگو تک عید

کے دن لائٹ کا کیا بھروسہ پھر اس ملائی اور کسٹھو و فیروزہ کار رکھ دیتی ہوں۔ ایسے بھولے موٹے کام کرتے کرتے اس کی یاد دہانہ جاتے ہیں پھر ساری کرن انہی ہو جاتی ہیں اور

www

اور بہت قرضی راستوں اور نکلے داروں کے گھر بھیجا جاتا ہے۔

عیدِ نواز کے فوراً بعد ہی طے ہوا کہ وہاں کا بیٹا بندہ جانا ہے جس کے لیے ہم نے فوری حالت 'شانی کیپ' دنگن اور کوئڈنگ جالٹ کا انتظام کیا اور آپ خصوصی اور آرام کر کے ہم شام کو کھوتے پھرتے ہیں اور پھر جلدی ہو جاتے ہیں۔

عید کا دن تو میرا خوش بہشت تھا گزر گیا ہے۔ میں پہلے ہی نماز کر کے بیٹھوں گا۔ عید کے دن میں نے کوئی کام نہیں کیا۔ اس کے عید نماز پڑھنے کے بعد اپنی فریڈ اور گزرتے کے ساتھ کب شپ ہوئی ہے۔ خوب کچھ کھاتے پھرتے ہیں اور اپنی عید کو یاد کرنا چاہتے ہیں۔ ویسے اس دن ہم نے بازار پر جانے کا کیا ناپا ہے۔ اگر کوئی لے کر گیا تو۔

2۔ عید والے دن اشعر تو بہت فخری ہیں مگر ملا جلاتی ہیں
نیم۔ پھر بھی ایک خاص اثر اب سیریں کرتی ہے۔

3۔ پہنچنے والے مسافروں کو ساری سیر میں سحر کے کچھ ٹوراز دیے جاتے تھے۔ ان میں جن کا شعلہ میں نام دیا گیا کہ کسی دن بڑا خوش ہو گا ہے۔ ان میں سر فرست، سارہ رضا، نسوا، امہ، نایاب، بیگم، لائے خان، ناز حسین، اختر، سیمیرا، حمید ہیں۔

4۔ پتہ دیو جیلے ہیں تو بہت ہیں آپ کو ان سال لکھوں اور
کوئی سا چھوڑوں؟ امیر احمد کے ٹائل مارم سے یہ جملہ
مجھے بہت اچھا لگا۔

”مسکراؤ، رونے کے لیے زندگی میں کوئی دن نہیں۔“

۳۔ ازانے کا حق صرف پڑاؤں کے پاس ہی نہیں۔

تیری قربان

1۔ چاند رات کا اجرام... ہم 27 شب سے چلی گئے
سلمان غریب کو روک لیتے ہیں۔ چاند کا اعلان ہوتے ہی سب
سے پہلے شیر خرم تیار کرتے ہیں۔ 35:40 سال سے
یعنی پہلے میری امی اور اب سب میں اور عاصمہ بھی مل کر شیر
خرم دلاتے ہیں۔ قرآن میں بھی کھانا کا حلقہ میری
بھابی کو زندگی میں دے کر ہے۔ سب کی سب میں امی کی
کا دور کی ہے۔ عاصمہ کو بھی جیون ہے ہم سے۔

ماہانہ کامیابی میرا چھوٹا بھائی محمد حسن علی صاحبی ہے۔ تین بیٹے اس کے تین بیٹے سب کے اچھے ہیں۔ منشی بھی لگتا ہے علامہ وہ بیگ میں V.P. کی پوسٹ ہے یہ فہرہ بھی ہے جہاں ان غیر شاہی مشہور و معروف شہر کا پتہ مشہور کرتا ہے تو ایضاً تک کما کما کر لپکا ہوا حال کر لیتا ہے۔

2۔ ہمارے گھر میں شیر غریبی و ملازمتی داخل ہے جو کہ بہت زیادہ اجرام سے لبریز ہے۔ زیادہ تر اجرام سرد و خشک اور بڑے

[illegible]

یا تو کیلے ملے یہ جان کر ہی

1۔ ہول۔ ہولہرات کو مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

ایسی آپ سہمی ہو چوٹیاں لگاتی ہیں؟
 نعمتیں آپ کی باتیں سہرو سے پہلے گئے سہمی لگا کر ہیں۔
 تو سہمی ہوتی ہے سہرو سے پہلے سہمی ہو گئے ہیں تو سہمی
 سے پہلے سہمی ہو گئے ہیں سہمی ہو گئے ہیں۔ یہ تو سہمی
 سہمی کی سہمی ہو چاندی میں لکھا ہوا سہمی ہو

یہ سب کچھ سن کر وہ بے بسی ہو گئی۔ اگر صبح عید ہو گئی تو یہ
 بچے کے لیے بھی سہانہ دینی کرلے گا۔ بس اب تو اس
 ہی توازن ہماری ساتھیوں سے ٹکراتی ہیں اور ہمیں
 مصروف ہو گئی ہیں۔

منہ پر لگنے کے ساتھ ساتھ اُردو۔ ہندو رات ٹھوڑ

بھی دیکھتی ہوں۔ میں مصروف سے دن کے ساتھ پرست
کی چادر رات۔

عید کا دن بہت سی مزید اور ساگرز آتا ہے۔ نماز عید سے
پہلے ہی گھر کے کاموں سے فراغت مل جاتی ہے۔ فریڈے
اور گزشتہ عید کو عیدوش کرنا چاہئے عید کا سلطان سب ہی
اپنے اپنے گھروں میں گزارنا پسند کرتے ہیں تو کچھ سوکرائی
والی دیکھ کر کھائی کر یا پھر میگزینز اور رسالے دیکھ کر اور
آخر میں بھائیوں سے ایک زیورست ہی بحث کر کے عیدی
لکھوا کر عید کے دوسرے دن ہی مصروف کی آمد کا سلسلہ
شروع ہو جاتا ہے جو تک ہم جو انکٹ فیکٹری سٹیم میں رہتے ہیں
تو عید کا مزہ مزید دہلا دیا جاتا ہے جب تک کہ کاپڑا کر ام نہما
ہے۔

(2) خاص دوش تو ایسی کوئی نہیں جو ہر عید پر لازم فقی
ہے۔ ہر عید پر کچھ نہ کچھ نیا ضرور نرالی کیا جاتا ہے۔

(3) شعلے میں شائع ہونے والی میری پسندیدہ ترین
مصنفین کی سٹ خاصہ یہی ہے مگر سرگرمست "نہو امہ"

ہیں جنہوں نے ہمارے لیے خوب صورت سادہ کو کچھ
لینے والا ناول "جنت کے پتے" تحریر کیا۔ میرا مقصد "جنت
میں عزم" "فانہ الخور" "سنڈریلا" "سانہ اکرم" "چمپوری
ڈریگنڈو جنت"

(4) بہترین اقتباس "ڈریگنڈو جنت" "سانہ اکرم"
چمپوری کے ٹولٹ ہے۔

جس میں مایا کی سیر کے لیے دعا کریں۔ "ڈریگنڈو جنت
مجھے مجھے انداز کے ساتھ ہیں مگر یہ جنت ہے۔

"چراغی لائے کے ساتھ کوئی لائی ہے کیا؟" ہیلہ مائی
کے سوال پر وہ لکھنا کے ٹولٹ لائی میں سر ہلایا۔

"جب تک سوئے کے کوئی لائی نہیں تو پھر بچے دل
سے ٹولٹ اپنے لیے دعا کر۔ چراغی لائے کوور پریشانی تیرے مجھے

میں لائی ہے اسے تو جانتا ہے یا تیرا رب۔ ہلہ کوئی اور اسے
بچے دل سے تیرے لیے دعا کر سکتا ہے؟" ہیلہ مائی نے

ڈریگنڈو جنت کو جواب کیا۔
"لیکن مایا ہی ایک مسلمان کی دعا اور سرے مسلمان

کے حق میں قبول ہوتی ہے۔" انہوں نے بولا ہوا۔
"میں نے سب لکھا کر کیا؟" ہیلہ مائی نے سادگی سے کہا۔

"لیکن جب انسان کو کوئی چوٹ لگتی ہے یا اس کے جسم کا
کوئی حصہ ہلکا سا جل جاتا ہے تو لکھا بندہ اس کی تکلیف کا



انوار ذکر سکتا ہے لیکن یہاں محسوس تو نہیں کر سکتا۔"

سانہ اکرم چمپوری

1۔ چاند رات کو میں سب گزشتہ عیدی لگائی ہوں اور
باتھ ٹھک جاتے ہیں لیکن کیا کہیں اور کسی کو عیدی لگاتا
آتی جو نہیں ہے۔ چاند رات کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں
سوٹا کہیں کہ اس کی یہ سزا ہوئی ہے کہ جو سوئے گا اس کے
منہ پر عیدی لگا دی جائے گی۔ اس کے علاوہ ہم ایک
دوسرے کو چڑھایا نہ سکتے ہیں۔

2۔ ہمارے گھر میں عید کے دن لازمی پکے والی دوش
سواں ہیں اور اس کی ترکیب کے نہیں آتی؟

3۔ شعلے میں شائع ہونے والی میری پسندیدہ مصنفہ نہو
امہ ہیں۔ نہو امہ کی ایسی کوئی تحریر نہیں ہے جسے میں نے

نہ پڑھا ہو ہم سب گزشتہ نہو امہ کی دوش ہیں۔ ہمارے بس
میں ہو تا تو ہم سب نہو امہ کا ہم جیسیز تک دلد

ریکارڈ میں لکھوا دیتیں کہ نہو امہ دنیا کی سب سے خوب
صورت راہنما ہیں۔ نہو امہ کی تر کر کے آئی اور دوسری بچا

4۔ نہو امہ کی غزروں کا لکھا ہر منہ میرا پسندیدہ ہے۔
ہاں البتہ شعبے پسند ہے۔

کہاں قابل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں
جب اپنا سفر ہے فاصلے بھی ساتھ چلتے ہیں

تلی مرزا: گجرات

(1)۔ ساری رات کلم کاف گھماتے پکاتے میں گزد جاتی
ہے۔ مندی لگا کر پھر بھڑکی لگا کر دھو کر سو جاتی ہوں عید کا
دن بہت اچھا گزر رہا ہے مسافر کی کھود رفت خاطر و طبع
میں گزر جاتی ہے۔

(2)۔ عید کے دن خاص ڈال پچن دوست ضرور دیتا ہے تو
سب خوشی سے کھاتے ہیں۔

(3)۔ غائب جیلانی، منیلہ عزیز، منو احمد، ناصر اکرم، ملیہ
خان، ارشدان، نگار بدایاں۔ ان کی حقیقت پر مبنی کہانیاں
کھر پور کھینچ دیتی ہیں۔

(4)۔ پندہ و افتاب۔

”سب سے جلدی راضی ہونے والی ذات اللہ کی ہے
ہماری خواست کا ایک آنسو اسے ہمارا بہت قریبی دوست
بنا سکتا ہے اور جس کاسب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس
کا کوئی بھی کام کیسے رک سکتا ہے۔“

عالیہ عثمان: پیکوال

1۔ کیا تائیں بی مصروفیت کی حد نہیں انظار میں کے بعد تو
بس سمجھ پاؤں کے پیچ پیچھے لگ جاتے ہیں۔ جیسے ہی
چاند نظر آئے تو دونوں بچا بھر مایانی کے گھر پر لوں کو چاند
رات کو مبارک باد دینے اور سلام کرنے جانا اٹھتے
خاندان کی باقی بیویاں اور بھائی کا اہم فریضہ ہے۔ یہ بھی
ایک رسم ہے بچوں کو شکر بخشنے کی اور ساتھ باؤسی بھائی
ہو نا ہے کہ صبح عید سے پہلے عید کی مبارکبادی ہاں آپ خود
سمجھ دار ہیں)

2۔ کچھ ہر عید پر لازمی بنتی ہے حلاکت اس کو کتنے سوہاں
والی عید لیکن آج تک ہمارے گھر میں سوہاں نہیں لگیں۔
اس کے علاوہ بنی سے بڑائی پناہا جات رہی کھلے سارا
وطن کھاتے ہیں ہر گھر میں عید والے دن ضرور جتنے ہیں۔

3۔ سائہ رضا، منو احمد، نصیر احمد، نگہت، سیماء، شکیلہ
راض، نگہت عید اللہ، سمیرا عید، نگیزہ نبوی اور جناب وچ
ہے پندہ کی کی ان کے حقائق اور موضوعات پر جاندار
الفاظ تو لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

4۔ منیرتہ صوفی: کافیاں:

”بندہ بھی صلہ نہیں دیتا بندہ تو صرف اپنی ذات کو اپنی
اناکو خوش رکھتا ہے پھر تہہ و فوقی ہے کہ وہ اپنے جیسے انی
کو اٹھا کر دیتا رہتا ہے اور محبوب کیل کو پھر دیتا ہے دور
ہو جاتا ہے۔ انسان جانے ہے کہ اپنی کو اٹھا اور کم تر کو برتر
اور اپنی محبت و رفاقت کو بہتر معتبر بناتا ہے اس فطری
خوش گمانی میں اللہ اسے بھر کی بندے کے باخوش و اکیل
کہہ رہا ہے۔“

انشاء یاسر گوہل: کوثر انوالہ

چاند رات۔ بازار جاتے کاروانی میں۔ سب تیار
رمضان سے پہلے گزرنے کی خوشی کر رہی ہوں۔ چاند رات کو
چوڑیاں اور مندی کو چٹاں لگوا رہی ہیں۔ بچہ میں عید کے
پکوان عید کے کپڑے پہن رہی ہیں۔ گھر کو صاف ستھرا
کر رہی ہوں تاکہ عید کی سحر آمیز پریشانی اور بڑ بنگ
سے بچا جائے۔ اللہ اللہ اللہ اللہ سے پہلے کلم کرنے کی
عادت ہے۔ یہی روایت ان میں ہے۔ عید کے لیے سب
کو فون چاند رات کو کرنے کی خوش گمانی ہوں تاکہ عید کی
مصروفیت میں کئی دن نہ جائے۔ عید کے روز کی خوش تو مٹی
چاند رات کو تیار کر رہی ہوں۔ پھر نماز مشاہد کے بعد کو اہم
سے لگے دن کا آغاز۔

بچہ کے بعد ہی تیار ہونا شروع ہو جاتی ہوں۔ ساتھ ساتھ
بچوں کی گود میں صاحب کی عید بھی کرنی جاتی ہوں۔ سات
بچے ہم عید گھر پہنچ جاتے ہیں۔

والہی پہ ساس اہی (نور کو پھر پھر بھی ہیں) اور سر
صاحب سے زیادہ عید کی لینے ضرور جاتے ہیں۔ یہی تو
عید کا مزہ ہے ہر گھر کی، بھائی اور عید کی ہے۔ پھر گھر
آتے ہیں جو کہ ان کے سامنے ہی ہے۔ گھر آتے ہی ہم
ہوتے ہیں اور ہمارا بچہ۔ میرا ایمان ہے۔ اللہ کا نام لے کر
جو بھی کام میں دلالت ہی دے گا۔

میرے گھر والی کو میری بھائی ہر جتن پند آتی ہے
اللہ اللہ۔ بچے خوب گھر نہیں کرتے ہیں۔ بچوں کے لباس
معاملے میں ٹھوڑے کیل وائع ہوتے ہیں مگر تازے
والے بھی کمال کی نظر رکھتے ہیں ہم جان ہی جاتے ہیں کیا
اچھا لگا گیا نہیں۔ بچوں کو بھائی سمن فورم بھائی اور
کو کہہ چاہیے ہے۔ بچہ میں عید پر لازمی طور پر شیر خرید جاتی

خواتین و ایجنٹ

A portrait of a woman with dark hair, wearing a patterned garment, framed by a decorative border. The image is a black and white reproduction of a painting, likely a portrait of a woman, possibly a queen or noblewoman, with a decorative border. The woman has dark hair and is looking slightly to the side. She is wearing a patterned garment. The background is dark and indistinct. The border is ornate and decorative.

مارچ 2014ء کا شمار

100

3۔ قلعہ میں شائع ہونے والی تقریباً ساری علمی مصنفین میری پسندیدہ ہیں۔ مگر خیال عزیز اور ثایاب چیلانی میری پسندیدہ ترین مصنفین ہیں۔ کیوں پسند ہیں یہ سنا ضرور چاہئے۔

4۔ اس سال فروری میں شائع ہونے والی باب جیلانی کی تحریر میں شائع ہونے والا شعر
 بڑی بے امان ہے زندگی اسے بن کے کوئی پتہ ملے
 کوئی چاند دیکھ میری شام پر میری شب کو مہکا گلاب کر
 کوئی بدگیاں سادقت ہے کوئی بدگیاں ہی دھوپ ہے
 کسی سایہ دار سے لفظ کو میرے چلتے دل کا حجاب کر
 میرا پند یہ شعر ہے۔ میں کی مرتبہ بے خیالی میں اس
 کو پڑھتی رہتی ہوں۔

سیدہ عرفیہ۔ ضلع بلوچ

1۔ چاند رات کو بچا گھر کے کامی نہیں ختم ہوتے
 سائیں بھی چلتی رہتی ہیں۔ سائیں کرتے کرتے کچھ تو چارہ ہو
 ہی جاتی ہے۔ پھر میرے بھائی کپڑے وغیرہ استری کرتے
 ہیں تو میں کہتی ہوں کہ میرے بھی۔ میں نہ سوتے کی بات۔
 پھر میں اپنے ہاتھوں پر مندی لگواتی ہوں تو بچا اسی
 طرح تو چاند رات کی۔

اب اتنی عید۔ کچھ نصیحتی نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ منہ
 جھکا کر کے ہم ای بی بی کی دعا کرتے ہیں یعنی چار گشت اور
 چار گوشت۔ ہر گوشت میں دعائی ہوں اور سب تعریف
 کرتے ہیں۔ اساتے میں میری دونوں بیٹیاں بھی آجاتی ہیں
 پھر عید کی خوشی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

3۔ اس شہرے سوال کے لیے (سوری) ایک گھر میں چلے
 کے نام سے پڑھتی ہوں پند ساری ہیں جو ہم ہر بار بے چینی
 سے اٹھار کرتے ہیں اور انہوں نے کہتے ہیں۔ رخصت ہونے
 کے چلے سے چلے۔

"لیکن میری نظر میں بے زندگی کوئی زندگی نہیں ہے
 انسان کو اپنی ذات اور اپنی ساری سادھ چنا ہوتا ہے۔ دنیا
 تو دور ساری کھار ہے کھانے لگے۔ اس طرف سے دیکھ کر
 جاتے۔ دنیا کو رنگ دینے پر کبھی تھی۔ اس لیے میرے
 کہ اپنی ذات کا رنگ اپنے تو بیکار سادھ سے ساتھ رہے گا
 تساری پہچان میں کر۔"

اور پند یہ شعر

لانا تسارا کچھ سے اک حادثہ نہ تھا
 یہ کارنامہ دل کا کرشمہ دعا کا تھا

صابا مصطفیٰ کراچی

1۔ چاند رات کے حوالے سے جو مصروفیات ہوتی ہیں

انہیں میں کسی حد تک دن میں ہی یا شام تک جانا ہوتی
 ہوں۔ اسی لیے کو فون کر کے چاند کی مبارک بار دیتی
 ہوں۔ تھوڑے مدت گھر کے کام ختم کرکے اپنی صاحبزادی کو
 عید کی بلکی پھانسی شاپنگ کے لیے اور چاند رات کی روٹھیں
 دکھانے کے لیے بازار لے جاتی ہوں۔ انہیں پڑھوں لیتا
 نہیں سمجھتے۔ بارہ ایک بچے تک ہم سو جاتے ہیں۔
 عید کے دن کا آغاز نماز گھر سے ہی ہو جاتا ہے۔ مومناز
 عید کے لیے جاتے ہیں۔ عید گھر سے واپس ہی پھرتا ہے

کیڑوں میں چار ہزار اپنے بابا جانی کو عید مبارک کہتی
 ہیں۔ بابا نکال ہو کر جواب میں دعا میں کہتے ہیں اور ہم
 دونوں کو عید ہی کہتے ہیں پھر سب ہی کو شہر چھوڑا گھاسے
 ہیں اور محروم رہنا شروع کرتے ہیں۔ کچھ سسٹنوں کی لڑکا سلسلہ
 شروع ہو جاتا ہے۔

اس دن ان کی کہیں رہا جانا ہوگا ہے۔ سارا احوال تو
 قریب ایک سال پہلے کی عیدوں کا ہے۔ اب تو ہماری بیٹی بڑی
 ہو گئی۔ سب کا چاند رات تو کیا چاند بازار جانے کے نام پر
 بھی جانے لگا ہے۔

اب عید پر تھیں نے ابھی تک کوئی اہتمام نہیں کیا۔ سب
 غرضی سے جاتی ہے۔ میرے پیارے بھائی نے فراز خان
 خضر خاں کے بعد (10 دن) کو صرف انہیں دس کی عمر
 میں میں روٹا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اللہ
 تعالیٰ اسے اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

2۔ عید پر ہمارے بھائی شیر خوار کے علاوہ ایک اور روایتی
 ڈش بھی پورا ہوتا ہے اور لوگوں کو بہت پسند بھی آتا ہے
 ترکیب پھر بھی کہتی۔

3۔ یوں تو ساری مصطفیٰ ہی اچھا لگہ رہی ہیں لیکن ان
 سب میں سادھ رضا سمیرا عید نماز اور باب جیلانی
 سرفہرست ہیں۔

1۔ پند یہ جملہ "میرے بھائی کے چلے منہ سے صبر تک کا۔
 صبر یہی ہو گیا؟"

پند کھنکھانے بعد جواب آیا تھا۔ "چلے سے صبر ہوں"
 اس نے لیکن کی سانس بھری۔ وہ اس کے "اب" سے
 بات کچھ کی تھی اور وہ اس "چلے" سے۔
 کچھ لوگ کہی ہوئی بھی نہیں سمجھتے اور کچھ ان کی بھی
 سمجھ جاتے ہیں۔ ان کی کچھ لیں "اگر تیار ہو کر
 دوستوں میں ہو نا ہے۔"

دستک دستک دستک

شاہین رشید

کامران اکبر خان

”کیسے ہیں آپ؟“ نکلا ہے حل کا دردانہ ”تو دیکھ ہی رہے ہیں مزہ کیا کر رہے ہیں؟“
”نکلتے کا شکر ہے اور کن گل ”ہم ستارہ“ کی شوث میں مصروف ہوں۔“

”گفتا ہے کہ ہمارے ڈائجسٹ کی رائٹرز آپ ڈائجسٹ حضرت کو بہت پسند آتی ہیں؟“

”جی آپ کے ڈائجسٹ کی رائٹرز تو مکمل کا کلتی ہیں۔ میری بہن بہت شوق سے پڑھتی ہیں تمام رائٹرز کو اور مجھے یاد ہے کہ کچھ عرصہ قبل میری بہن نے مجھے کافی سارے پام ملے تھے کہ آپ ان کے بلاگز پر کچھ بنائیں۔ ہماری پوری ٹیم کی کوڈ ڈائجسٹ پڑھنے کا کرپڑے جن میں میں بھی شامل ہوں تھا مگر میں عمران نیسا افق اور جاسوسی ڈائجسٹ وغیرہ زیادہ پڑھتا تھا تو جب میری بہن مجھے ایچی ایچی کہانیاں سناتی تھی تو میں دیکھ کر کہتا تھا کہ نہیں جیسا کہ یہ کوئی ڈرامہ نہیں بنائے گا۔ جو نام چل رہے ہیں میں وہی پچیس کے ٹکر آپ نہیں کریں کہ ایک سال کے بعد وہ تمام بلاگز کہانیاں جو میری بہن مجھے بتاتی تھی وہ مختلف ٹی وی چینلوں سے ڈراموں کی شکل میں آئے اور تب سے تو میری بہن نے مجھ سے بہت شکوہ کیا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی اور لوگوں نے اپنا کام کر دیا ہے اور اگرچہ اس ڈرامے میں رہے ہیں تو میں ڈرامے تو آپ کے ڈائجسٹوں کے ہی ہیں اور تمام کے تمام ہی بہت اچھے ہیں۔“

”حل کا دردانہ“ کے لیے کیا رپاس کیا؟

”بہت اچھا رپاس مل رہا ہے اور میں اس کی رائٹرز رخ چوہدری کو نہیں جانتا تھا مجھے تو اسکرپٹ ملا میں نے پڑھا تو مجھے بہت اچھا لگا اور مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے اس کو ڈائجسٹ کرتا ہے تو جب رخ چوہدری کا میرے پاس فون آیا کہ کامران میں نے جس طرح سوچا تھا اس طرح آپ نے ڈرامہ بنایا ہے اور مجھے اس کا بہت اچھا فینڈیک مل رہا ہے تو یقین چلیے کہ مجھے بہت خوشی ہوئی تو میں نے اس سے یہی کہا کہ دیکھیں ہم

تو بنانے والوں میں سے ہیں ہمیں تو کائنیت چاہیے اور رائٹرز کائنیت بنانا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ڈائجسٹ مکمل کا دردانہ چاہیے جس میں کہتا ہوں کہ جب تک آپ کے پاس کائنیت اچھا نہیں ہوگا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ جب میری ٹیم نے کہا کہ آپ کیا کریں گے؟

”آپ کو امید تھی کہ ”حل کا دردانہ“ لوگ پسند کریں گے؟“
”مجھے لگا تو عمران تھا کہ کہانی بہت اچھی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ اس کہانی پر ایک فلم بہت خوب صورت بن سکتی ہے۔ میں نے اس پر اتنا زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ بلکہ سجاد ظہری نے جو بالکل میرے بھائیوں جیسے ہیں، انہوں نے مجھے کہا کہ یہ ڈرامہ آپ کریں سجاد بھائی کے ساتھ وہی میں بھی ایک سیریل کیا ہے جو ”اردو دان“ سے شروع ہوئے والا ہے پھر انہوں نے مجھے ”حل کا دردانہ“ کی اسٹوری بتائی اور کہا کہ آپ نے اسے کرنا ہے۔“

”میں میں آپ نے خود بھی تو لاداکری کے جوہر دکھائے ہیں؟“

”بالکل دکھائے ہیں ایک چھوٹا سا رول تھا جس کے لیے میرے دوستوں نے کہا کہ اسے آپ کریں وہ میں نے کر لیا تو سچ سچ کہ میری ہر فلم میں اتنی پسند آتی کہ انہوں نے جب کہانی کی سال آگے چلی گئی تو میرے لیے ”پڑھائے“ کا رول لکھا کہ آپ بہت اچھے ہر فلم میں اور میری پہلی کو آپ کی لاداکری بہت پسند آتی ہے اس لیے آپ کریں تو پھر انہوں نے میرے رول کے لیے مزہ لکھا لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ

ڈائریکٹر ہوں مگر مجھے اداکاری مشکل کام لگتا کہ جب انسان بصرے کی لائنوں کے سامنے آتا ہے تو ٹھنڈے گرم پینے پیتے ہیں خیر اس میں غلطی معلوم و معصن اور اس کا جائز طریقہ بہت مکمل کام کیا ہے اور اب میں نے سرف چوہدری صاحب سے کہہ دیا ہے کہ آپ کے پاس آپ کے لکھے ہوئے جتنے بھی بلاٹر ہیں وہ سب مجھے دے دیں تو کتنے لگیں کہ میری تو کسی خواہش ہے کہ آپ ہی میرے بلاٹر پر کام کریں تو میرے لیے یہ بہت بڑی بات ہے۔

”کیا ایک رائٹر ایک ایسا اسکرین ہے ڈائریکٹر بھی ہو سکتا ہے؟“ ڈائریکشن سے پہلے اس کی فیلڈس کیا کرتے تھے؟“

”ظلم کے لیے جب کوئی کمائی نکھی جاتی ہے تو مکالمہ لکھا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہ جب اس نے یہ مکالمہ بولا تو اس کے پیچھے اس کی بدن کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی مگر ہمارے پاس جو وسائل ہیں وہ مکمل نہیں ہیں ہمیں اس طرح کی چیزیں نہیں ملتی تھیں رائٹر بلائی تحریریں کو اسکرین پر نہیں بنا سکتا۔ ظلم کا کام جھٹ پے ہوتا ہے جبکہ ہم قن لوکیشنز کام کرتے ہیں اور ہمیں ڈائریکشن سے پہلے کمرشل ڈی سائیڈ پر کام کرنا پڑتا ہے کہنا تھا ڈرامے کی سائیڈ پر مجھے زیادہ عرصہ نہیں ملا ہے اس کام کے لیے لکھنا کو جتنی ہوتا ہے اسے جب تک اس کام میں جب کام نہیں ہو گا آپ کو کام کا مزہ بھی نہیں آئے گا۔“

”کس طرح آئے آپ اس فیلڈ میں۔ آپ کا دل چاہا کہ میں ڈائریکٹر بنوں؟“ ”کیا سائیڈ پر آؤں؟“ ”میں نے تو مینیا میں آنے کے بارے میں بھی سوچا ہی نہیں تھا۔ بچہ کرنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے تو میرے ذہن نے مجھے اسے پاس بلا دیا کہ وہ کمرشلز کے کام کرتے تھے انہوں نے کہا کہ دیکھ لو جو کام تمہاری سمجھ میں آئے کر لو اس زمانے میں ایڈیٹنگ کمپیوٹر پر ہی ہوتی تھی تو مجھے بڑا اچھا لگا یہ کام تو اس وقت میں نے ایڈیٹنگ بھی کی اور ایڈیٹیشن بھی

کی۔ اس دوران کچھ کمرشلز بھی کیے اور پھر سونگ کی طرف چلا گیا ان دنوں خیر جمل صاحب نے جاپان میں ایک ڈرامہ بنایا تھا ”گھانڈا“ وہ جب جاپان سے آئے تو چونکہ وہ مجھے جانتے تھے کہ میں ان کے لیے گرا لک کرنا تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم مجھے ایک بریفنگس دلاؤ اور جب بریفنگس بدلی تو کہنے لگے کہ تم میرے ڈرامے کو انٹرت کرو میں نے کہا کہ یہ کام تو میں نے بھی نہیں کیا تو کہنے لگے کہ تم کرو گے تو جب میں ڈرامہ ایڈٹ کر رہا تھا تو میں نے سوچا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے اس پر مجھے شوق ہوا اس کام کا پھر میں نے ایک ایسی فلم کی جو بوجھ کوئی اگرچہ وہ نیلی کاسٹ تو نہیں ہوئی لیکن جیو وائل نے کہا کہ ہمیں آپ کا کام پسند آیا ہے تو آپ ہمارے لیے ایک ڈرامہ ڈائریکٹ کریں تو بس پھر سلسلہ شروع ہوا اور میں نے مکمل کام کیا۔“

”کیا لیا کرتے ہیں اب تک؟“ ”میں صاحب سے پہلا پروگرام میں نے کیا اس وقت یکن چینل بھی نہیں آئے تھے تو میں نے ”گھانڈا“ کے ہم سے ایک پروگرام کیا جس کی میزبان ڈاکٹر مزید تھیں۔ یہ پروگرام تقریباً ”ڈیڑھ سال جیو سے چلا پھر جیو سے ایک — ہم سب امید سے ہیں“ کی ٹکر کا پروگرام ”سیاسی چھوڑی“ کیا اس کے میزبان محمود اعظم تھے وہ ایک بیک پر گیا کہ ہم سب امید سے بند ہو گیا پھر ڈاکٹر صاحب کی ناراضی کی وجہ سے ہمارا پروگرام بند ہو گیا اور ان کا وہاں شروع ہو گیا میجو کے لیے بہت کام کیا۔ پھر رانیل راتو کے ساتھ سوپ کیا تھائی کے ہم سے اور یہ سلا سوپ تھا جس میں تقریباً سب ہی فنکاروں کو کام کرنے کا موقع ملا تھا پھر ”یہ زندگی ہے“ اپنے نام کا ایک سیشن ڈرامہ تھا جو کہ میں نے تقریباً ساڑھے چار سال تک کیا مہارانی لکھ گیا۔ اب وہی سے ڈرامہ کر کے آیا ہوں اور دل کا وہاں ڈانڈو چل ہی رہا ہے جیو اور اسے اردوائی کے لیے میں نے بہت کام کیا۔“

”آپ کو پائی چاہیں اس فیلڈ میں تیار اور آپ کو
منہ تیار آپ نے اسے ہی پروفیشن بنایا۔ آپ تو یہی
ہونے لگا ہے کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ
ہے۔“

”جی ہاں۔ انسان کو کچھ پتا ہی نہیں ہوتا کہ کیا
ہو جائے۔ ایک ہندو انجینئرنگ پڑھتا ہے مگر وہ کسی اور
فیلڈ میں چلا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کا رزق پاندھا
ہوا ہوتا ہے۔ سب میں نے گریجویشن کیا تو مجھے پتا
ہی نہیں تھا کہ میں نے کتنا کیا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی
مہربانی اور میں باپ کی دعاؤں سے ایک لائسنس مل گئی اور
ترقی ہوئی مگر حقدور راستے دکھائی ہے مگر اس کے
لیے ضروری ہے کہ آپ جو بھی کام کریں خود کو سمجھنا ہو
یا بڑا آدمہ داری کے ساتھ اور ایمان داری کے ساتھ
کریں۔ میں دس بارہ سالوں میں دو تین لوگوں کے
ساتھ ان کے پروڈکشن ہاؤس میں کام کر چکا ہوں کم
لوگوں کے ساتھ زیادہ عرصے تک کام کرنے کا مطلب
یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے پسند کیا تو اتنے سال
میرے ساتھ کام کیا اور نہ وہ مجھے سمجھتا بھی سکتا تھا۔ ہر
کام میں ایمان داری بہت ضروری ہے۔“

”آپ نے کہا میں فیلڈ میں چور بہت سے ہیں
ہمارے فنکار ہر جا کر تھرے کہیں ملاتے ہیں؟“
”اس فیلڈ میں چور بہت سے مگر سیاست بھی ہے
اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس فیلڈ
بہت ہے۔ لیکن میں کیا نہیں ہے وہاں فیلڈ کی قدر
ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر مٹ ہو جاتے ہیں۔
سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے
رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسٹوکرز کتنا
اسکوائٹنگ ہائی کم ہر کم میں آگے تھے مگر سیاست نے
سب کچھ برباد کر دیا ہے پھر ہمارے پاس چونکہ بنیادی
سولٹس مثلاً ”لائٹ کا مسئلہ“ پانی کا مسئلہ، گیس کا
مسئلہ، فزکس، آئس، دن، جھڑے ان میں اتنے پھس
کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت
ہی نہیں ملتا۔“

”آپ کسی رائٹری اسٹوری لیتے ہیں تو پہلے اسے
پراڈیو سنتے ہیں یا۔۔۔؟“
”میں پوری اسٹوری پڑھتا ہوں اور لائٹ کا بڑا کرم
ہے کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے میں کوئی

اسٹوری پڑھ لوں اور تین چار بار کے بعد اس پر کام
شروع ہو تو مجھے ایک ایک لفظ یاد ہوتا ہے شاید اس کی
وجہ یہ ہے کہ ایک تو میں احتیاط ہوں اور دوسری یہ کہ
بہت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ۔“

”چلیں جی کامران، لب آپ کچھ اپنے بارے میں
یعنی فنی زندگی کے بارے میں بتائیں۔“
”ہم پاکستان میں پیدا ہوئے مگر تعلق سمیٹی سے
ہے مگر یہاں کی نہیں ہیں خزانہ کی سائیڈ سے ان کا
تعلق ہے۔ ان کی سائیڈ کے سارے لوگ باہر ہیں کوئی
ایسا کوئی وہاں تو کوئی لفظ میں ہے یہ سب لوگ
پاکستان آئے تھے یہاں لکھنؤ ان کی کچھ میں نہیں کیا تو
وہاں چلے گئے۔ تحصیل کی سائیڈ سے شاہداد لکھنؤ پڑا
کوتہ ہے۔ آٹھ دس تو ماہوں میں نکلا میں بھی اچھی
خاصی ہیں۔ میں نے گریجویشن کیا ہے میسرے دو نہیں
ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے میرا بھی میں اس فیلڈ میں
آج کا ہے اور ہماری کامیابی اسے شوق ہے میسرے شادی
ہو چکی ہے اور شاہداد سے دو بچے بھی ہیں۔“

”آپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں چور بہت سے تو یہ
بتائیں کہ سب سے زیادہ کون کامیاب ہے ڈائریکٹر ڈائریکٹر
یا اداکار؟“

”اس وقت جو سب سے زیادہ کامیاب ہے وہ اداکار
ہے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ڈرامہ چلے یا نہ چلے۔
ڈائریکٹر، پروڈیوسر اور ڈائریکٹر لوگ ہیں جو ٹکٹوں سے
لے کر آخری قسط تک پونڈ ہوتے ہیں اداکاروں کا تو یہ
حل ہے کہ اپنا کام ختم کیا پیسے پکڑے اور یہ جاہ جا
ہو سکے۔“

افتخار خان ایف ایم 91.6 پشاور

”جی کیا حال ہیں، روزے کیسے گزر رہے ہیں؟“

کے ہیں لیکن پشاور میں کافی حد تک تبدیلی نظر آ رہی ہے خاص طور پر تعلیم اور صحت میں منفذی حتمائی میں بھی کافی حد تک معتری آئی ہے۔
”ریڈیو کے علاوہ کیا کر رہے ہیں مطلب کوئی چاب یا پرنس؟“

”جی ریڈیو کے علاوہ ایک جھوٹا سا پرنس بھی کر رہا ہوں اور ساتھ میں ایک اسکول بھی چلا رہا ہوں۔“
”ریڈیو پر آج کل کب پروگرام کرتے ہیں؟“
”جی آج کل FM 91.6 سے پروگرام کرتا ہوں۔ بعد کے علاوہ پرنس یعنی روزانہ رات 8 بجے سے 10 بجے تک پروگرام کرتا ہوں۔“
”اور شادی کیوں نہیں کی؟“

”باب۔“ ”سب سے مشکل سوال مجھے یہی لگتا ہے اس کا جواب دے سکیں گے بعد ازاں۔“
”جی سوال بعد لگائی ہے۔“
”جی ہاں۔“

”پشاور کے حالات آئے دن خراب رہتے ہیں موت سے ڈرتا ہے؟“

”موت تو میری ایک دن آتی ہے۔ بس اگر اس بات پر لگتا ہے کہ کہیں ان حالات میں اللہ مفدوری کی زندگی نہ دے بہت خوف آتا ہے مگر جی سے اور سچ پوچھیں تو اب ہم ان خراب حالات کے بہت عادی ہو گئے ہیں۔“

”جی ہاں۔“ ”جی ہاں۔“ ”مگر امن و سکون بھلا کے برا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے ملک میں امن و سکون قائم کرے اور ہمارا ملک بھی ایک ترقی یافتہ ملک بن جائے۔“

”ایم ایف کے پروگرام سامعین کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں؟“

”کچھ کچھ جیسے ہونے چاہیں ویسے نہیں کیونکہ ہمارا دھیان میوزک کی طرف زیادہ ہوتا ہے میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر موضوع کو ذریعہ بحث لاؤں اور لوگوں کے خیالات معلوم کروں۔“

”اور جناب آپ سب کو عید مبارک کہ عید سے پہلے سیکرین آجائے گا۔“



”الحمد للہ۔ بالکل ٹھیک ٹھاک اور روزے بھی ٹھیک چارے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔“

”عید کی کیا تیاری ہے؟“
”عید کی تیاری تو تقریباً ہو ہی چکی ہے بس جو

تھوڑی بہت رہ گئی ہے وہ عید سے ایک دو دن پہلے کریں گے یا چاند رات کو کریں گے من چاہا اللہ۔ چاند

رات کو شایگ کرنے اور کھونٹے پھرنے کا پناہی ایک مزاج ہے۔“

”آپ کا رمضان المبارک اور عید کا چاند چلے ہیں اگلے آتا ہے؟“

”قسم۔“ ”چاند اس لیے چلے گا ہے کہ شاید ہم چاند کے بہت قریب ہیں اس لیے ہمیں جلدی نظر آتا ہے۔“

”ہر سال عید میں ہوتی ہیں پشاور میں۔ آپ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟“

”بہ حیثیت آج کے اور میڈیا کا حصہ ہونے کی وجہ سے میں تو دونوں کے ساتھ ہوتا ہوں اور دونوں کے ساتھ عید انجوائے کرتا ہوں۔“

”پشاور کے کیا حالات ہیں اور عمران خان نے کچھ کیا پشاور اور کئی کے دیگر شہروں کے لیے؟“

”حالات تو بس ایسے ہی ہیں جیسے پورے پاکستان

پیشکش

عدل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشری ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشری کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی خواہی اور نسیم بیگم کی بچی ہے۔ بشری اور نسیم بیگم میں روزانہ باقی مسائل سوا کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحت پسند بہو سے لگاتار دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشری کو مسائل میں بہت دھوکہ دہشت کرتا رہا ہے۔ سچائی کی مسلسل کوششوں کے بعد بشری کی سند فوزیہ کا ہاتھ خراک جبکہ رشتے ٹٹا جاتا ہے۔ نکلنے والے روز بشری دولہا نسیم کو دلچسپ کرچکے ہیں۔

عدل سے شادی سے قبل تفسیر کا بشری کے لیے بھی رشتہ کیا تھا کہ حالت نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زادہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان نہ لیتی ہیں۔ بشری انی مایہ سے بہت چاہنے کے لیے کہتی ہے مگر عدل کو بتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو تنے کے متع کر دیتا ہے۔ بشری اور عدل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں نسیم رچا پکاتا ہے کہ بشری کے ساسی حالت سالی بعد بھر خوش خیر ہے۔

عمران اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کراچی کے گھر میں رہتے ہیں۔ عمران کے والد قادر حق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ مگر بچوں اور گاہوں کی تعلیم فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ذکیہ کو ڈیڑھ زمین کا سودا کر کے وہ عمران کے ساتھ طوفانی طوفانی شہر آ رہے ہیں کہ ذکیہ کی وادعات میں نکل ہو جاتے ہیں۔

عمران کے قریبی دوست زوجہ کی بد سے عاصمہ عمران کے انٹرنل سے تین لاکھ روپے اور قادر حق صاحب کی گر بھینجی سے سات لاکھ روپے وصول کر چکی ہیں۔ مگر خریدنے میں بھی عاصمہ کی بد کردہ ہے۔ اسلام آباد کے واپسی پر عدل دونوں حلقوں کو رچتا ہے۔ زادہ نسیم بیگم سے تین لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی





رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشری سے ڈاکے بیکم سے تین لاکھ روپے لائے کہ کھتا ہے۔
 عیدہ خاں عاصمہ کو سمجھائی ہیں کہ عدت میں زہر کا ایسے اس کے گھر کا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باقی ہمارے ہیں
 جبکہ عاصمہ کی بیجوری ہے کہ گھر میں کوئی مو نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ
 جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زہر کسی مفتی سے لٹوئی لے کر آتا ہے کہ عدت ان حالت انتہائی
 ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر نہ جائے۔ سورہ عاصمہ کو مکان دیکھانے لے
 جاتا ہے۔ اور موقع سے کام لے گا۔ انکار کرتا ہے۔ وہ اس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہمان ہونے کی صورت میں فوریہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ عیم بیکم بھائی کی ہر سو اور اس کے گھر والوں کو سورہ الزام
 لھرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشری کے درمیان خوب جھگڑا ہوا ہے۔ عدیل عیش میں بشری کو دھکا دیتا ہے۔ اس
 کا اپارٹمنٹ ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ خود ناراض رہتی ہے اور اچھال سے اپنی ماں کے گھر چلی
 جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے وہ بشری کی حالت میں لایا گیا ہوا ہے۔ عاصمہ اپنے معاملات سے تنگ
 اگر خود بھی کسی کو بخش کر رہی ہے تاہم یہی جانتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی عیم بیکم بشری کو پاکستان آگیا ہے۔ عاصمہ
 کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے باہم کو پتا چلتا ہے کہ زہر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے دوستوں کو بے گھر کر دیا ہے اور
 اب ملوث رہے۔ بہت کوششوں کے بعد باہم عاصمہ کو ایک مکان ملا پاتا ہے۔

بشری اپنی اہلیہ ہی الگ گھر سے شادی کرتی ہے۔ وہ سری صورت میں وہ عدیل کے لیے تیار ہے۔ عدیل خستہ پریشان
 ہے۔ عدیل مکان کا نوں والا پارٹمنٹ بشری کے لیے سیٹ کر دیتا ہے اور چھ دنوں بعد بشری کو بھجور کر آتا ہے کہ وہ فوریہ کے
 لیے عران کا رشتہ لائے۔ عیم بیکم اور عران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بہن سے ملنے جاتے ہیں بشری سے جھگڑتا ہے۔
 بشری بھی بہت دھڑکی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل عیش میں بشری کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو بھینچ لیتا ہے۔ مثال بیمار
 رہ جاتی ہے۔ بشری بھی حواس کھو جاتی ہے۔ عران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے بھینچ کر لے آتا ہے۔ عدیل
 عران پر انوکھا کر پاتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرتی ہے مگر گھر کی حالت کی وجہ سے آئے دن بھڑکیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی
 جاتی ہے۔ اچانک کسی فوریہ کا کہیں رشتہ ہو جاتا ہے۔

انسپیکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ڈاکے بیکم کی خواہش ہے کہ عدیل مثال کو لے
 جائے تاکہ وہ بشری کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ وہ سری طرف عیم بیکم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوریہ کی شادی کے بعد
 عیم بیکم کو اپنی بہن فوریہ سے جھگڑنا ہونے لگتا ہے۔

انسپیکٹر طارق ڈاکے بیکم سے سری کا رشتہ سمجھتے ہیں۔ ڈاکے بیکم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشری کو یہ بات پر نہ نہیں آتی۔ ایک
 پر اس سری صورت عاصمہ کے گھر بطور کرانے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی کرکٹوں اور اعزاز سے جا دوڑنے والی صورت میں
 ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال دیتی ہے۔

بشری کا سابقہ سمجھتے اور امن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشری سے
 ملتی تو ڈاکے بیکم سے بھی سے شادی کر لیتا ہے۔ پھر شادی کے باکام ہو جاتے ہیں ایک بچے سیتل کے ساتھ وہ بارہ اپنی چلی ڈاکے بیکم
 کے پاس آتا ہے اور وہ بارہ بشری سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشری تنہا ب کاٹھار ہو جاتی ہے۔

بشری اور امن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کو امریکا آتا ہے مگر بشری قطعاً نہیں
 مانتی۔ پھر امن کمال کے بطور پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ بیٹے کے لیے اپنی بہن دونوں میں مثال بشری کے
 پاس رہے گی اور جتنے بہن دونوں عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور عیم بیکم کے اصرار پر ہوا۔ عدیل خستہ سے شادی کر لیتا
 ہے۔ وہ عدیل کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکن ہو جاتی ہے۔ بشری کے گھر میں سیتل اور امن اس
 کے ساتھ کچھ اچھا رہتا نہیں کہتے اور عدیل کے گھر میں اس کی وہ سری بوی خستہ۔ مثال کے لیے مزید زمین ٹھیکہ بشری

اور عدل کے سنے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مثال اپنے اعتماد کو نقص ہے۔ احسن کمال اپنی عقلی کو لے کر مائیتیا چلا جا تا ہے اور مثال کو نامرغ سے پہلے عدل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدل اپنی ہی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے کل اسلام آباد چلا جا تا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ یہ مثال کی حالت میں اسے ایک دشمنی تک کرنے لگتا ہے تو حاصدہ آگرا سے بچاؤ ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے اسل کو فون کر کے بلوائی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

حاصدہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے ہاں میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوئی تنگ سینئر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال دواغلی کی نگاہوں میں آجکل ہے۔ نامم دو فون ایک دوسرے سے رابطہ نہیں کرتے۔

حاصدہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی حاصدہ کی نگاہوں میں اترتا اور اسے اپنے بیٹوں و قار و قاس کے لیے ایک تنگ بھتا ہے۔ حاصدہ اور دواغلی بہت خوش ہوتے ہیں۔ مثال کو فینڈ میں محسوس ہو تا ہے کہ کوئی اسے ٹھیک رہا ہے۔

—۱۸—

اسٹھارپوین قنیل

بشری کسی نیند سو رہی تھی۔
احسن کمال کے فون پر کوئی مسیج آیا۔ بجلی سی مسیج لون پر بشری نے کچھ ناگواری سے کوٹ پھلی تھی۔
بہت مہینوں سے اس کی نیند کم ہوئی جا رہی تھی۔ اس کو درد لگتا تھا کہ اب تو فوراً اس کی آنکھ کھل جاتی اور پھر بہت کوشش کے بعد خود کافی پر تنگ ہو کر نہیں پڑتی تھی۔
تک آکر اس نے میڈیٹنگ پر لیجا شروع کر دی تھی مگر احسن کمال نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے ٹوکا تھا۔

کچھ دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی نیند کچھ بہتر ہوئی پہلی تھی مگر ابھی تو مسیج لون سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ مکمل طور پر جاگ بچی تھی۔
”مجھے احسن سے سیٹی اور مثال کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ احسن نے ابھی مثال کو پابند تو نہیں کیا۔ بس اس کے اندر اس مثال کے لیے ایک سڑوسی سی ہے جو کہ ایک نچل عمل ہے وہ مثال کا سا گاپ تو ہے نہیں۔“
ہاں اگر سیٹی اور مثال کا رشتہ طے ہو جاتا ہے تو احسن خود بخود مثال کو پابند کرنے لگے گا جیسے آج کل سیٹی۔
اس کے ہوت خود بخود مسکراتے لگے۔

شام میں جب مثال لان میں اپنی کتاب لیے کوئی سوال پوچھنے میں وہی طرح سے مگن تھی تو سیٹی کے لیے جوس لے کر آئی بشری نے خود کھا تھا وہ کس محبت سے مثال کو پچھنے میں مگن تھا۔
سیٹی کی مثال کے لیے پابندی کی بہت دنوں سے کراؤ کم بشری سے اچھی سمجھی نہیں تھی۔ وہ مثال پر بہت توجہ دے رہا تھا اور اس کی طرح بات بات پر اس سے الجھتا بھی نہیں تھا۔ مثال بہت بات کرنا بہت خود بخود ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ آئینہ نے بھی ایک بار طنز سے کہہ دیا کہ ”مما! کتا ہے بھائی بہت شریف ہو گئے ہیں۔“
اب وہ مثال آئی ہے بالکل بھی وٹانسا نہیں کرتے۔“

اور یہی بات تو یہی ہے کہ آئینہ کے یوں کہنے پہ ہی بشری نے سیلی کے دھبے کی تبدیلی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے مثال بھی اس تبدیلی کو محسوس کر چکی ہو تو بھی وہ اب سیلی سے جھگڑا نہیں کرتی۔"
"تو یہ معاملہ طرف ہے۔" وہ بے اختیار ہی مسکراتے تھے۔

"اگر ایسا ہے تو پھر احسن کمال کی مخالفت خواہ بشری ہی زیادہ کیوں نہ ہو تو وہ دوسرے جم نہیں بنے گی۔ ہوں بھی وہ سیلی کی پسند کو رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ مانی گاؤں۔ اگر ایسا ہو جائے تو میری مثال پھر ریڈیو کے لیے میرے پاس میرے گھر میں رہ جائے گی۔"

ایک مست ہی خوش کن نلی فزا احساس۔

وہ کہنیوں سے ٹیک لگا کر اب بچے کے کراؤں سے ٹیک لگا چکی تھی۔ احسن کمال کوئی غیبت میں تھا۔
"یہ بھی ہو سکتا ہے سیلی مثال کو اپنے ساتھ بچے کے لے جانا چاہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی ہوا نہیں سنا چاہا ہے۔
دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزاریں گے اس گھر میں تو ہو سکتا ہے سیلی کی دیکھنا دینے کے بعد بھی احسن میری مثال کو وہ مقام دے سکے جو ضرور دے کر لی ہے۔"
وہ اپنے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔

"بہت سارا معصوم اور بے زبان ہی ہے میری مثال اللہ کو اس کی صلاح پر رحم آیا ہے۔ پورا اتنا اچھا رشتہ جیسے خود چل کر اس تک آیا ہے۔ اب میں عدیل کو وہاں کی کراصل میں مثال سے پیار نہیں کر سکتا۔" اس نے زعم بھرے طعنے سے سوجا۔

"اور اس عدیل کو تو کبھی بھی اپنی ذمہ داریاں نہ سمجھ سکے۔ جھپٹتی نہیں آئیں۔ اس نے تو ابھی مثال کی شادی یا رشتے کی بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہو سکا۔ تو عدیل عدیل ہوتی ہے جو کسی بات میں سوچتی ہے جسے عدیلوں کی فکر ہوتی ہے اور میں نے تو یہ کھایا ہے بلکہ اس بات کو برا سمجھ لیا ہے کہ وہ اپنی ہی شادی اور بچوں میں مگن ہو کر مثال کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے آتی ہے تو کسی زور اور اکڑی سی ہوتی ہے اسے عدیل کے گھر میں نہ تو جہالتی نہ پوری خود ادا۔

عدیل تو قہا ہی مخصوص ہے ایسا۔ جب اس کا بھائی ایک طرف ہو تا تھا تو دوسرے کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اچھا ہے مثال کے رشتے کے مجھے اس کی نفی نہیں کرنا پڑے گی۔

اور جب سیلی اور عدیل کے رشتے کا اس کو بتا چلے گا تو اس کے منہ پر بڑے کی اور۔"

"کیا بات ہے بشری؟ کیا آئینہ نہیں آ رہی۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟ احسن کمال نے کوٹ لیتے ہوئے اسے یوں پیچھے کھینچا تو غیبت میں عدیل کی آواز میں پوچھنے لگا۔

بشری اس کی طرف سے کچھ کر رہی تھیں۔ رات کی غیبت پوری کر چکی ہو اور وہ دونوں صبح کو میرے بعد واپس لوٹے ہوں اور کسی بہت دلچسپ موضوع پر کافی دیر سے بات کر رہے ہو۔

"نہیں بس اتنی کھل گئی تو پھر غیبت نہیں آئی اور میں نے بھی سوئے گی کہ خوش نہیں کی۔"

وہ خوش دلی سے مسکرا کر نظروں میں احسن کے لیے پیار سمو کر رہی۔

"سوچا تو سوئے گی کہ خوش کرو۔" وہ اس کے آئینہ آتے سے خبر گیری ہی دہاتی لیتے ہوئے بولا۔

"کچھ دیر جاگ انہوں میرے ساتھ۔ مجھے غیبت نہیں آ رہی۔" وہ پھر سوئے جا رہا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے ہی وہ جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر کچھ دیر ہی سے بولی۔

"یار۔ غنیمت آ رہی ہے بہت۔ تمہیں چاہیے پھر آخر اس کا بھی منتنا ہے۔ صبح اٹھنا مشکل ہو جائے گا۔" بھاری برصیل کو ازبک کہہ کر دوستی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"عام تم کیا ہو رہا ہے؟" وہ سناٹا ٹھیل پر پڑا سیل فون اٹھا کر ٹائم کو دیکھنے لگا۔

"دو بج رہی ہیں۔ اچھی، صبحی غنیمت خراب کر دی ہے تم نے میری بھی اور اپنی بھی۔" وہ کچھ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

"مجھے تو خیر غنیمت ہی نہیں رہی تو خراب کیا ہو گی۔ تو زوی دیر باتیں کر لیتے ہیں تو پھر غنیمت آنے لگے گی۔" وہ آخر میں کچھ مصعوبیت سے بولا۔

"بھلا اس وقت کوئی کیا بات کر سکتا ہے؟" وہ اسی بے زار لہجے میں کوفت سے بولا۔

"بہت سی ایسی باتیں جنہیں دن میں کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ٹائم مصعوبیت اور نہ سرے کا سونے کی وجہ سے۔" بشری کچھ حائلے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

وہ کچھ چونک سا گیا۔

"چھ ایسی کن سی باتیں ہوتی ہیں جو نہ جاتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے میں بڑی خوشی کے ساتھ تمہیں گھر اور بچوں کو بالکل پر اپنا ٹائم دے رہا ہوں۔" وہ سر ہٹھا کر پیش کی طرح ایک ذرا دل دینے کو ظاہر کرتے ہوئے کچھ غور سے بولا۔

"بچوں ہی کے بارے میں میں بھی سوچ رہی تھی۔" بشری اسے سن لیں۔

احسن کمال نے اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں۔ بچوں کے بارے میں ایسی کن سی بات ہے جو تم مجھے دی بات کروانا چاہتی ہو۔" وہ بشری کے لیے حائلے والے انداز پر قدرے ہلکا ماز سے بولا۔

"کچھ سیریس نہیں۔" بشری اس کے لیے انداز پر پیشہ ہی سے کچھ گھبرا جاپا کرتی تھی۔

"بچے بڑے ہو گئے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر ذرا دلک کر بولی۔

احسن کمال اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"یہ وہ بات ہے جو دن بھر میں کرنے سے نہ جاتی ہے تمہارے خیال میں یا جسے میں نظر انداز کر رہا ہوں۔" وہ کچھ گڑبڑ سے بولا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ مجھ نے یہ نہیں کہا کہ تم نظر انداز کر رہے ہو۔ بڑی غلطی۔ ابھی غنیمت نہیں آ رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ سبکی کی اسطریز مکمل ہونے میں بس سال یا دو سال کا تو ٹائم نہ گیا ہے۔"

وہ جلدی جلدی صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

"ہوں وقت۔" تو واقعی کافی تیزی سے گزرا ہے۔" احسن کمال نے اس قیام وقتے میں پہلی بار کچھ سکون بھرے لہجے میں کہا۔

"ابھی سبکی پچھ تھا اور میری انگلی پکڑ کر اسکول میں ایڈمٹ ہونے جا رہا تھا اور مجھے تو دن بھی بہت صبحی طرح سے جاو چیں، تب اس نے کتنی جلدی تمہیں مل کی جگہ قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد پیشہ تمہیں اپنی نگاہ میں سمجھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم سے۔" قریب ہے۔ تو بات مجھ سے نہیں کرنا ٹائم سے کر لیتا ہے۔"

وہ پہلی بار مسکرا کر مت لگاؤ سے بولا۔ بشری نے دل میں اطمینان بھرا سانس لیا کہ اب اگر وہ مثال اور سبیل کے رشتے کی بات کرتی بھی ہے تو احسن اس کو کسی طرح کی بدتمیزی خیال نہیں کرے گا۔
 "ہوں۔ یہ تو ہے۔ میرے بہت قریب ہے۔ بہت محبت بھی کرتا ہے بلکہ میں آج کل دیکھ رہی تھی وہ کسی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے۔ اس کی ٹیبلنگز تو دلچسپ ہو رہی ہیں ایک بالکل نئے انداز میں۔" وہ مت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

احسن کو بشری کا انداز کچھ دھماکا خیز سا لگا تھا۔ وہ اسے کچھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔
 "کون ہے وہ؟" وہ مت آگے بڑھا جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی سادھنیں بہت غیر متوقع نام نہیں کی۔
 اس کا انداز اور آواز اساتھ۔ بشری نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا کہ "میرے لئے گھر میں ایک سبیل ہو رہی تھی۔"
 "یہ کون ہے؟ آئینہ کی تو آواز تھی۔ سوہوڑی شاید۔" احسن ہنسنے سے چلا نکلا کہ "جدا۔"
 "یہ۔۔۔ تو مثال کی تو آواز ہے۔ اور سے نکلی ہے۔ آئینہ تو ساتھ والے بیڈ روم میں ہے۔"
 بشری کی تو آواز کانچے گلی گئی۔ چلتے گئے۔
 وہ بے درجہ دھماکوں سے گرتی پڑتی کرے سے باہر نکل کر اندر چلے میں اور کی طرف بھاگی تھی۔



جب وہ احسن کمال کے مثال کے بیڈ روم میں داخل ہونے کے ذریعہ صاف ہی داخل ہوئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر اسے لگا تو وہاں کھڑی کھڑی چمکی طرح تو مٹی زمین کے اندر گر چکی ہے۔
 ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں 'خیال' میں کسی بڑے مکان کے قریب دھیمان میں بھی نہیں سوجھا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔

مگر جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ آنکھ کا دھوکا تھا نہ سراسر اب۔ کوئی برا خواب۔ کبھی نہ بھلائی جاتے والی محسوس حقیقت۔
 کسی بھی ایک خواب سے زیادہ خوفناک۔ مگر خواب سے مت آگے کی چیز؟
 بشری کا دل بند سا ہونے لگا تھا۔

اس کی مثال۔ اس کی زندگی۔ اس کا نام۔ اس کا سب کچھ اس کی تمام عمر کی کمالی۔ جیسے اپنے بیڈ روم میں نہیں مڑ کر کے کنارے صاف ہاتھ پاؤں سے آسرا پڑی تھی۔ بشری کو لگا۔ وہ یہ منظر دیکھنے کے بعد اب بہت دلنہی نہ پائے گی۔

مثال کا دل بٹاؤ جانے لگا تھا۔ اس کی سرخ شرت گریبان کے پاس سے چپے تک ادھڑی ہوئی۔ نہیں بری طرح سے چمکی ہوئی تھی۔
 آئینہ کھڑی سے یوں ٹپک رہی تھی جیسے درزی اتار چیں آئین کے ساتھ تو وہاں لگا لگانے کے بعد جو زنا اصول کیا ہو۔

اس کے رخسار کے پاس سرخ کھڑکی تھی۔
 اور آنکھوں میں اتنی بے بسی تھی کہ کسی ڈیر لائی اور خالی پن جیسے وہ انہیں ہیں سال کی کوئی لڑکی نہ ہو برسوں سے وہ اپنا زنا بڑا بڑا گھر ہو۔ کھنڈر بننے کو ڈھکے جانے کو بس کر جانے کو تیار۔
 "تم۔۔۔ تم لے لیں پیلا۔ اس لڑکی نے خود مجھے اپنے فون سے آگئی۔ کچھ دیر پہلے خود کال کر کے اپنے روم میں ٹھہر۔ خود بلوایا۔ میں تو سو رہا تھا کہ کسی بچہ میں تھا۔ آپ تو جا۔ جانتے ہیں میں رات میں جلدی سو رہا تھا۔"

ہوں۔ اس نے فون کیا مجھے۔ یہ مجھ سے کئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ بہانے سے مجھ سے دھوکے سے اس نے خود مجھے بلایا۔

میں نہیں سمجھا۔ مجھ نہیں سنا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں خیندے اٹھ کر آیا اور۔۔۔ اس نے اس کی بہت ہی تمسک۔

یہ۔ اچھی لڑکی نہیں ہے۔ آپ تو جانتے ہیں پہلے بھی میں نے بتایا تھا آپ کو۔ یہ مختلف لڑکوں کے ساتھ۔ بھرتی ہے میں نے فوراً کھا ہے اسے۔ غلام۔ بدلتوی۔"

اس کی شہرت کے کریمان کے اوپر کے تین بیٹوں میں سے ایک بھٹل کے عجیبے بڑا تھا۔ جو سرا کیل کے اوپر اور تیسرا احسن کمال کے قدموں میں۔

”میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ میں تو کیا اس کے رام میں۔ پہلے اندھا تھا۔ اور پھر یہ خود گھٹے سے

میں نے طوطہ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ تو یہ مجھ۔ مجھے ہلکے میں اُڑنے لگی۔ مجھے کہنے لگی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اور یہ۔ میں نے اسے چپکے بتایا۔"

اس حسن کمال بالکل خاموش تھا۔ اسی کی آنکھوں میں فساد اور عیش تھا جو کس کے خلاف۔ بشری ایسا نہ نہیں۔

مثلاً آنھیں منہ کیے چوڑھواکے اب بالکل سناکت تھی۔ وہ بھی نہیں دے تھی۔

”نہیں۔ نہیں ایسا کبھی نہیں۔ سنا کہ وہ قتل کیا کرتے تھے۔ کبھی ممکن نہیں۔“ بشریٰ ادب سے مسکاتے کھڑی معلوم نہیں۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے جنہوں کے لیے 4 خواہ صورت مائل

ساری محصول
جماری تحصی



شکر



کسی راستے کی
تلاش میں



میرے خواب



فون فیکر
32735021

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

مثال کا جسم ہونے والے کانپ رہا تھا۔
 ”پوچھیں اس سے۔ اس نے یہ گھٹایا حرکت کرنے کی جرات کیسے کی۔ میری بیٹی کوئی لاوارث باپ سارا
 نہیں۔ خیم نہیں یا راہ میں چراگاہ کا کوئی مال نہیں جس پر اس نے ایسی بے خوفی سے ہاتھ ڈالا۔“ وہ غصے میں بغیر
 سوچے سمجھے بولے تلے جا رہی تھی۔

”نہیں سے خیم تو اس کے بے شرم باپ سے کوا سے لے جاتے ہیں نے کیا اس لڑکی کی رکھوالی کا حقیقہ اٹھا
 رکھا ہے عمر بھر کے لیے اور بشری۔ تم۔ تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا کہو اس کر رہی ہو۔ کس پر اس نے ہلے لی سے
 الزام رکھ رہی ہو؟ تمہاری بیٹی ایسی پاک باز اور باحیا ہے تو میرا بیٹا بھی ایسا نہیں۔ میں اس کے گوارا کی قسم اٹھانے
 کو تیار ہوں۔ میرا خون ایسا کندہ اور گھٹایا نہیں ہو سکتا۔ یہ شرابی خدا! صرف تمہاری بیٹی کا پھیلا یا ہوا ہے۔ سیتلی کو
 اس نے دھوکے سے کال کر کے اپنے کمرے میں رات کے اس پر گندی نیت سے بٹایا ہے۔“

احسن کمال بیٹے کو بھانے کی خاطر بشری کو نچا دکھانے کے خیال سے باہر مثال سے بچھا جھڑانے کے اس
 سہری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامنے نظر آئی تھی چال سے یوں نظریں پڑائے گا۔ گھر بھر کو بشری
 شدید رہی رہ گئی۔

”تم۔ تم رہے ہو کہ۔۔۔ پر سب کچھ مثال نے خود کیا ہے۔ اپنی عزت خود۔ میں احسن! تم ایسا سوچ
 بھی کیسے کہتے ہو۔ تم نے میری بیٹی کو لڑکا ۱۲ سال کا ہوا سمجھا ہے۔ ایسا بھی نہیں کر سکتی۔ یہ مرد سکتی ہے عمر۔
 ایسا۔ کبھی نہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔“ بشری مثال کو اپنے ساتھ بچھانے اب گے مضبوط اور بے لچک لہجے میں
 بول رہی تھی۔

”تم مجھے جھٹاؤ گی۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ بھرے بیٹے نے کیا؟ تم یہ کہہ رہی ہو۔“ وہ جیسے غصے میں
 بے قابو ہو رہا تھا۔

سیتلی کے چہرے پر اب اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے اپنے کھلے گردن کو بند کرنے کی کوشش بھی ترک کر
 دی تھی۔

”بشری اور مثال کو مت حسرت میری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
 ”اے! اب بہت دنوں سے کھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے آکسانے کی میمیری تو جب حاصل کرنے کی۔“ وہ
 جیسے جھگڑا کر اور بھی تھک چکا تھا۔

”تم۔ تم ایسی گھٹیا سوچ کر سکتے ہو سکتی! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تمہیں اپنی بیٹی سے بڑھ کر توجہ
 دی۔ پیار دیا تھا۔ جس کی کہ تم کسی اور سہری پر اپنی عورت کے بیٹے ہو۔ اور تم نے یہ سہرا دیا تھا۔ میری بے لوث
 محبت کا میری سہلی۔ معصوم بیٹی پر ہاتھ ڈالا۔ اسے رسوا کرتے ہوئے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا اصل میں تم نے
 میری عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں
 تھی۔“

بشری کی کوا ذمہ دہدے اور غصے سے پھٹ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی دنیا ہی ختم ہو گئی ہو۔
 اس کا سامنے سہلی کی ریاضت محنت سب ان چند لمحوں میں رہا ہو کر رہ گئی ہو۔

آئینہ جانے کب ان سب کے پیچھے آسکتی ہے اگر کمزری ہو گئی تھی اور منظر کے سیاہ و سہاق۔ کو دیکھنے کی
 کوشش کر رہی تھی۔

”تم نے کوئی احساس نہیں کیا اگر میرے بیٹے کو پیار اور توجہ دی دوں تم جیسی مطلق یافتہ ایک بیٹی کی ماں کو کیا مجھ
 جیسا صاحب حیثیت شخص ایسی فراغت سے بھی اپنا آ۔ تمہیں اپنے مایہ ناز گھر میں کسی ملک کی طرح نہیں د

آرام سے رکھا جبکہ قرآن کا قتل نہیں چھوڑا۔
 وہ احسن کمال ایک بالکل بدلا ہوا انجیل کا نسخہ بڑی کے سامنے کھڑا تھا۔ دست مہرلوں پہلے جس نے منگنی کے بعد مفردہ دیا پناہ تھا بالکل وہی احسن کمال۔
 بڑی بے یقینی سی پہلی پہنی آنکھیں لے کر اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

”میں۔۔۔ یہ میں تھا جس نے تمہاری اس بے آسرا بیٹی کو بے بس کا چھاپ بھی اسے چند دن سے زیادہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں بیٹا دی۔ اس کی ہر ضرورت ہر خواہش پوری کی اور بدلے میں آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر میرے بیٹے کو ہر دن چڑھانے کا احسان جتا رہی ہو۔“ وہ مجھے میں جیسے روانا ہو چکا تھا۔

تو بھر کو بڑی کو گلاس گھر میں وہ اور مثال انجیل ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر کے ملازمین کے برابر شاید ان سے بھی بدتر ہے۔ اور گھر کے مالک ان پر برس رہے ہیں۔ وہ قسم کر رہی تھی۔
 دست مہرلوں پہلے وہ منتظرِ زینت کے ساتھ اس کی نظموں کے سامنے آگیا۔

جب ایک پہلے مرنے اپنے نئے خون کی خاطر اسے اور اس کی بیٹی کو دھکا دیا تھا۔ انہیں ڈانے کی ٹھوکروں میں ڈال دیا تھا۔

اور ابھی چند لمحوں بعد پھر وہی نظموں پر لایا جائے گا۔ وہ ابھی ذرا درمیان میں خصلت بد باقی احسن کمال کی نفرت کے ہاتھوں اپنے اس دوسرے گھر سے بھی پسو غل کر دی جائے گی۔

لیکن اس وقت میں اور اس میں دست دست فرق ہے۔ سب مثال بد باقی احسن کی تھی۔
 اور بڑی کے جیسے اس کی مضبوطی اور بھائی کا سارا مسجھو تھا اور آج۔۔۔ تو جیسے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں سے نکال دی جائی تو اس گھر پر بھائی اور قیامت خیز حسن کی مالک بیٹی کو ڈانے کی ٹھوکروں سے چھپا کر کہاں لے جائے گی۔ وہ چلا رہا تھا۔

”تمہاری بیٹی اور تم۔۔۔ اصل میں تو میں سب تمہاریوں کی حق دار تھیں ہی نہیں اور غلطی سراسر میری ہے ایک پرانے موٹی اولاد کو اس گھر میں جگہ دینے والی اور کچھ میرے ہی بیٹے کو بھرم پھیلایا جا رہا ہے۔“
 تو احسن کمال فیصلہ کرنا تھا۔ وہ حاکم سی تھی۔

کون بھرم ہے اور کون بے قصور؟
 ”تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا تو میرے بیٹے کا ہے تو بڑی بیگم اقامتی اس پاک باز بیٹی کو اپنے ساتھ لو اور اس کے باپ کے گھر جاؤ جہاں شخص جگہ ملے پہلی جگہ۔“ کیونکہ میں تو ایسے احسان خواہش کوکوں کو اپنے گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عرصہ بھر بیٹھے چائے کے بعد مجھ ہی پر ایسے الزام لگائیں۔ چلو سنبھلی جانا! ہمیں اب اور کوئی بات نہیں کر لی۔“ کہہ کر اس نے یوں پہلی کو بازو سے تھام کر ساتھ لے کر باہر کمرے چھپا کر بڑی اور مثال نے اس کے ساتھ دست بردار کر ڈالا ہو۔

”ایسا کیا ہوا ہے؟“ آئینہ کو شیش کے پلوں پر سے مٹانے کو عمل طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔
 کچھ سے ہونے لگا اس باپ کے انجیل تو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔
 ”کچھ نہیں جان! تم چلو اپنے درم میں پھل کر آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔“ وہ اس پر بار اور استحقاق سے اسے دوسرے پلوں میں ساتھ لے گئے لے جانے لگا۔

آئینہ نے جیسے سڑکا ابھی نظموں سے ملے اور مثال کو دیکھا۔ مثال سے اسے کوئی اُتسیت تھی نہ لگاؤ اور اب وہ اس پر سے محل میں نظر آ رہی تھی تو ابھی آئینہ کو اس سے کچھ خاص ہمدردی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

[illegible]

”ایسا اکیلا حرج ہے بلکہ میں جانیں ہیں۔“ پر بیٹے — عدیل کے گلے میں ہاتھیں ڈالتے ہوئے اڑا کر سے بولے۔
عدیل کے چہرے پر کبھی سنجیدگی نہ تھی۔
عفت نے کچھ ناگوار سے شوہر کی طرف دیکھا۔ لاکھ محبت و وابستگی کے باوجود کبھی کبھی عفت کو لگتا جیسے
عدیل سچ میں کہیں صدیوں کے قافلے پہ جاگڑا ہوا ہے کہ وہ خود بھی جاچکے ہوئے اس تک پہنچ نہیں پاتی۔
”پر ہی خدا کر رہی ہے۔ اس کا دل ہے تو کہہ مان جائیں ہیں۔“ لکڑیالی ٹی کے منہ سے سورہ نے پر عفت کے گلے کو
کچھ ہوا تو وہ نہ سکی۔
”عفت! میں اس بار مثال کو چھوڑ کر نہیں جانا جا رہا تھا۔“ وہ بولتے ہوئے ہونٹ بھیج کر کہہ گیا۔
”ہمارا بیٹا سناں ہو گئے اس پچھلی بار کو کبھی تھے کب بھلائے نہیں بھول رہے۔ جب ہمارے اچھا بچہ پڑی
جائے گی وجہ سے اسے اتنی مالی کے کھانے کے چھوڑ دینا پڑا تھا۔ سکی جاتی تھیں اس کی۔ کوئی غیر نہیں تھیں۔“
— اگر مثال چلی بھی تھی اور اب تو — ”عفت عفت کو ذرا عہدے سے میں بولتی تھی۔“
”اور اب تو اس کی جانی بھی زندہ نہیں۔ میں بھی گئے ایک بچے کی چھٹی نہیں مل سکتی آفس سے۔ میں کہے
لے کر جا سکتا ہوں تم کو کوئی کوئی دن اس پر۔“ پتا نہیں کچھ دنوں سے جی جب تھا تھا کھانا سارے دن تھا۔ عدیل کو
کچھ بھی اچھا نہیں لگا۔ اٹھا۔ مل جائے سا تھا۔
ضمیمہ یکم کا دوسرا حصہ سے اٹھا۔ وہ کیا تھا۔ اس کے بعد سے عدیل کچھ ایسے ہی لاکھڑا اٹھ رہا تھا۔
عفت کو کچھ لاکھڑا بھی لگا۔

”جلی جوی کے ساتھ تو میں نے سنا ہے آپ کو عین چھٹیاں بھی ملتی تھیں تو آپ انہیں سیر کے لیے لے جاتے تھے۔ پری نے تو جلی جوی خدا کی ہے۔ میری صاحبہ بھی نے چھٹیاں عید گھر میں گزاریں۔ کبھی خدمت میں کی۔ اس بار پری آرہے تھے۔ کوئی ضرورت نہیں پایا کی نہیں کرنے کی۔ ایک ایڑہ ماہ کی چھٹیاں ہیں شہبازی۔ کوئی شادرت گورس کرلو۔ گور جانیس کی مصروفیت میں۔“ صفت کو سخت برا لگا تھا عدیل کا یوں پری کو چھٹیوں میں کھانے کے لیے جانے سے منع کیا۔

اور فریاد کی آواز سنائی دے گی۔

طعن کا قائل برداشت تھا یا اس بار کی جوت۔ عدیل نے ڈپ کر عفت کی طرف دیکھا اور کچھ کے بغیر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔
 پر بیٹھے بڑا سا منہ بنا کر باپ کو جانتے دیکھا۔
 "اگلی ضرورت تھی آپ کو یہ سب کہنے کی سیلا کا مواں آگ ہو گیا ملا تک دھان جاتے ہیں وہ ایک بار اور کہتی تو۔"
 وہ آگ مواں کے ساتھ بولی۔
 "تو جاؤ جا کر کہاؤں پکڑ لو اپنے باپ کے آکر لے کر جاتا ہے تو۔" صفت طعنے میں کہہ کر اٹھ کر چلی گئی۔



مثال بار کی طرف کروٹ لیے دو اور ایک ننگے پکھتے ہوئے بے تراز آنسوؤں کے ساتھ روئے جاری تھی۔
 رات کا کمرہ منظر بار اس کے دل کو سمائے جا رہا تھا۔
 سیفی کسی عفت کی طرف جس طرح اندھیرے میں اس پر جھپٹا تھا وہ شاید جاہلی ہو جاتی۔ آکر وہ دیکھتی تو تھکا کر اس کی مزاحمت کو روکتے ہوئے زور سے چیختی نہیں تو!
 لیکن جو کچھ احسن کمال نے کہا۔ وہ سیفی کی حرکت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔
 ان کے جانے کے بعد وہ بشری کے سینے میں منہ چبا کر پھوٹ کر رہی تھی اور بہت دیر تک روتے روتا چاہتی تھی مگر اسے لگا۔ بشری پھر کی بنے بنے جیسے سوز و غم میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کا کمرہ صبر ہو گیا تھا۔
 اس نے ذرا بھی مثال کو اپنی ساتھ نہیں لگایا تھا اس کا سر تھکا تھا اسے کوئی سہارا ہی نہ کوئی دلا سانس نہ کوئی بار بھری ہوئی کھلی ہوئی۔
 وہ کچھ بھی تو نہیں بولی مگر بائیں خاموشی سے اس کے دل میں تھی۔ جس طرح وہ احسن کے سامنے بولی تھی۔ وہ ساری ہو رہی تھی کہیں سوئی تھی۔ مثال بہت دیر تک انھیں سے روئی رہی پھر بشری کی خاموشی پر وہ خود ہی کچھ دیر میں خاموش ہو گئی۔
 اس نے آٹھنکی سے ٹوک کر بشری سے الگ کیا۔ بشری بائیں بے دھیان ی م م سم بیٹھی تھی۔ کمرے میں گھبر چپ تھی۔ مثال کی سسکیں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔
 صرف سہا کی رات کے آخری دھڑکی گھبر چپ میں تک تک کر کے گزرتی گزرتی کی سونپوں کی چاپ تھی۔
 بے تراز قدموں کے ساتھ دھڑکے دھڑکے تھوڑے تھوڑے وقت جیسے بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا تھا۔
 سوائے بشری کی بے چارگی ہے یہی اور زلت کے اسباب! اسباب وہی تھے صرف زلت دینے والا شخص بدلا تھا۔

عدیل کی جگہ احسن کمال!

ورنہ اب بھی اس کی منیت اتنے سالوں کی گھر بستی کے بعد وہی تھی۔ صرف تین بولوں سے اس کے وجود کی عمارت کوئی تھی۔ تین بولوں کا جھنڈا۔ اور اس کا جو وہ جزو جزو آتا ہے ہی قدموں پر گر جاتا۔
 "اما میں نے سیفی کو کھل نہیں کی تھی۔ آپ چاہیں تو میرا فون چیک کر لیں۔ میں تو ہمیشہ خیر سو رہی تھی اور میں تو کھلا کر کے سوئی ہوں۔" کھلا کہتا تھا۔
 مجھے نہیں معلوم اس نے لاک کسے کھولا اور اندھیرے میں ہال میں بہت دیر تھی۔ اور میں سیفی کو کہیں جاؤں گی ہال۔ آپ جانتی ہیں تا میا نہیں ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"
 مثال کو میں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر صفائی پیش کرنے والے

انداز میں بولی۔ بشری نے اس سارے کے دوران پہلی بار بہت کھلی نظروں سے اسے دیکھا۔
 "تم یہ ساری بکواس اس شخص کے سامنے نہیں کر سکتی تھیں، جو بیٹے کی یاد ساری میں زمین آسمان کے قلابے ملا
 رہا تھا۔ اس وقت تو کوئی نئی میٹھی تھیں۔ منہ میں ٹھنکناں والے ہلکے خاموش تھیں۔ تم۔ صرف مجھے نچا دکھانا
 تھا۔ مجھے جو بار بار انا تھا۔ تمہاری چپ۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے وہ دونوں شیر ہوئے اس وقت تو تمہیں سر
 جھکائے میٹھی تھیں جیسے واقعی تم نے اس غیث کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔" وہ جیسے ڈیٹ کر بولی۔
 "لہذا" مثال کے سر پر جیسے کوئی بھاری پتھر آکر گر اہو۔ وہ تکلیف سے ہلکا اٹھی تھی۔
 احسن کمال کے نظروں کے آواز نے نرم ہونے لگے تھے بشری کے طعنے کے آگے وہ اس آنکھیں پھاڑے اس
 کو دیکھتی رہ گئی۔

"ایک بار پھر۔ ایک بار پھر جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ جا نہیں۔ میں نے کسی کا کیا کیا زاپہ کہ
 ہزار کو ششوں اور اتنی قوتوں کے بعد بھی ہمارا دل کے اس گڑھے میں گھسی کہیں دھکا دیا جائے۔"
 بشری خود اذیتی سے منہ میں دبیڑتے ہوئے بول رہی تھی۔ مثال نہ کہیں سے اس کی طرف دھکیلتی جا رہی تھی۔
 "اب میرے ساتھ کون ہے۔ نہ کوئی گھرنہ کوئی آسرا۔ اگر یہ احسن کمال۔ جانتی ہوں میں اس کو ہتھکڑی
 دیہ اور بے لحاظ شخص ہے۔ ابھی تین بول کے اور مجھے اپنے گھر سے چلا کر دے تو میں کمال جاؤں گی۔ تمہیں
 ساتھ لے کر۔ کون پتا ہو گا مجھے۔ اور یہ مخصوص دن ابھی مجھے تمہارے باپ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے جس
 نے تمہیں اور مجھے اس حال تک پہنچایا۔ اللہ کرے ساری زندگی وہ خوشیوں کا دن دیکھنے کو ترے جنس کی وجہ سے
 میں نے پیش دیکھ چھیلے۔"

بہت پرانے زخموں پر جھاکر کسی نے زور سے کھرا تھا۔ بشری کے منہ سے تکلیف کے ساتھ کونے اور
 بدعائیں نکل رہی تھیں۔
 مثال پہلی پہلی آنکھوں سے صرف اس کو دیکھنے جا رہی تھی۔

اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بشری اس کے ساتھ ہونے والے سامنے پر رنجیدہ ہے یا احسن کمال کی بدھکی
 نے اسے سخت خوف ڈھ کر دیا ہے کہ اسے اپنا اور مثال کا بندہ ست کیس اور کرنا پڑے گا۔
 "جا نہیں کیا ہو گا۔ ہلکی سی کھڑکی کا قوری ہے یہ۔ اور تمہیں چاہیے تھا۔ کرے کلاک لگانے کے علاوہ
 یہ چٹائی بھی تو ہے اس دروازے کی۔ اسے بند کر کے نہیں سو سکتی تھیں کہ۔ جوان ہو سمجھ دار ہو۔ ان معاملات
 کی نزاکت کو سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں اپنی حفاظت اب خود کرنی ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔ لیکن نہیں ہمارے
 مطالب ساری۔ تمہیں تو خدا نے میری قسمت میں کچھ رکھی ہیں۔" وہ سخت پریشان تھی۔ کچھ کچھ میں نہیں آ رہا
 تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی ہے۔

"اٹھو اور بیچنے کو۔ اپنا خطہ ٹھیک کرو اور کمرے کا دروازہ اور کنڈی دونوں اچھی طرح لاک کر۔ میں آتی ہوں
 کچھ دیر میں۔" وہ پریشان سی کہہ رہا تھا۔ مثال ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔



سب کچھ اتنی جلدی جلدی اور اچانک ہو رہا تھا کہ عاصمہ اور وافق کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو
 گا۔
 اگرچہ ہاشم اور اس کی بیوی نے سختی سے منع کیا تھا کہ انہیں چیز کے نام پر کچھ بھی نہیں چاہیے۔
 یوں بھی دس بارہ دن کے اندر چیز کے نام پر کوئی تیاری تو ہو بھی نہیں سکتی تھی لیکن عاصمہ کو لگ رہا تھا۔

بچیوں کے لیے انہیں کھانا ہوا اجیز تو راہو یا زیادہ محبت جیتی اور انمول ہوتا ہے۔
 ہاتھ کے ہاتھ اور ارشدہ بھی مل کر منع کر دی تھیں مگر وہ پھر بھی۔ دن میں کم از کم بازار کے دو چکر تو
 ضروری لگاتی تھیں۔

دونوں بچیوں کے لیے بہت تیار اور جیتی مگر استعمال ہونے والی چیزیں بہت مل سے خریدی تھیں۔
 توڑے سے کپڑے، توڑی سی چور لٹی توڑے سے مکرمت عجب کدہ برتن نچوتے اور کچھ دوسرا ضرورت
 کا سامان اس نے خود را توڑا کر کے انہیں دیا وہ لوگوں میں اٹھا کر ہی لیا تھا۔
 واقعہ میں کے خیال سے واقف بھی تھا اور متعلق بھی!

وہ بھی یہی ہاجتا تھا اس کی دونوں بچیس بہت بھر کرنے سی مگر حسب توفیق اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ سامان لے کر
 جاتیں۔

"مما! بس کر دیں تا آپ تھک جائیں گی جو کام ہائی وہ کئے ہیں میں اور ارشدہ کہیں گے۔ آپ بھی بھی بھروسہ
 کریں ہم بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔"
 خاصہ دونوں کے کپڑے پیک کر دی تھی جب اس نے محبت سے ماں کے ہاتھ قدام کر انہیں چوتے ہوئے
 کہا۔

"بھئی جان! بھروسہ مجھے خودوں پہ خود سے زیادہ ہے کہ خودوں کو بھی بھی زندگی کے کسی موڑ پر میری تربیت پہ
 حرف نہیں آنے دو گی۔ زندگی کے سخت مراحل اٹھ نہ کرے گا وہی زندگی میں کبھی بھی نہیں لیکن تم ان سے مجھ
 سے زیادہ ستر طریقے سے خود کھاؤ کچھ ہو سکتی ہو لیکن ابھی یہ کام میرا ہے اسے نبھائی کرنا۔"

وہ بھی کو ساتھ لگا کر کھینچے گئے میں بولی۔
 "خودوں کے چھوٹے چھوٹے کام جس طرح آج تک مجھے اپنے ہاتھ سے کرنے پہ جو خوشی ملتی تھی یہ سکون
 میرے ساتھ آخری سالوں تک رہے گا کہ میں نے اپنی بچیوں کے سارے کام خود کیے ہیں۔ تم اس بات کو
 نہیں سمجھو گی جب تک خودیں نہیں ہو گی۔" وہ اس کی ناک صحیح کر اسے ہرے ہناتے ہوئے بولی۔

"مما۔ کیا ہے بس کریں تا۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھوڑیں یہ سب اور میرے ساتھ باتیں
 کریں۔" وہ راڑے ساری چیزیں ایک طرف بنالگاں کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولی۔
 خاصہ کچھ خضہ لٹے ہوئے رنگ رنگی۔

اس نے ہاتھ سے سب سے ہٹا دیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اسے کامرائی گود میں دکھ کر سکون بھرے
 انداز میں بیٹھ گئی۔

"ہاں اب بولو۔ کیا باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟" وہ اس کے بال سلاتے ہوئے پیار سے بولی۔
 "مما۔ اگر بلا ہو تو کیا ہو بھی اس طرح ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ ملے کر دیتے۔" وہ اٹھی سے بولی۔
 "ارشدہ! تم خوش نہیں ہو رہی؟" وہ چونک کر بولی۔

"آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی ہوں۔" وہ اس کی گود میں منہ چپا کر سکی خاصہ صافروٹی سے بنی کو کچھ کر رہی
 تھی۔

اس درد کو تو وہ خود اپنے خودوں سے مل میں چھپائے پھر رہی تھی کہ خوشی کے ان لمحوں میں یہ سکی لعل تک اگر
 خدا خواست کوئی بد شگونی نہ ہو جائے۔
 وہ اسے کہہ لے ہوئے چھپتے ہوئے کچھ سوچتے گئی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو احسن تم؟“ بشری احسن کی بات پر دم بخود سی رہ گئی۔ احسن کے چہرے پر وہی اجنبیت اور بیگانگی تھی جو گزری رات کے آخری پیر میں بشری نے اس کے چہرے پر دیکھ کر مت اور تکہ مت کچھ سوچ لیا تھا۔

”اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا سخت ہرٹ ہوا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی اس گھٹیا حرکت سے۔ وہ وہاں کے لیے گھر آیا تھا اور اب وہ کل واپس جا رہا ہے صرف تم دونوں میں بیٹی کی وجہ سے“ وہ سخت طعن باز اور مت کی طرح حقارت سے بول رہا تھا۔

اور بشری سے تو کچھ بڑی نہیں جا رہا تھا۔

”نکل نکھول کر سن لو بشری! یہ گھر میرا بعد میں پہلے یہ سب کچھ سنبھالے گا۔ میرا ایک بیٹا ہے اور مجھے اپنی ہر چیز سے پیارا ہے۔ میرے بعد میری ہر چیز کا وارث ہے۔ وہ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تم کچھ سمجھتی ہو۔“ وہ مت جتنا کہنے لگا اتنی باتیں کہہ رہا تھا۔

”وہ یہاں سے ناراض ہو کر جا رہا ہے اور وہ اتنی بری طرح سے اذیت دے رہا ہے کہ اس نے مجھے صاف انگلیوں میں کھدوا دیا ہے کہ وہ اب شاید ہی کبھی واپس آئے گا۔ مت تم چھو اس وقت سے میرے سب کچھ کا کیا حال ہے۔ میرا بیٹا اتنے میں نہیں بعد گھر آیا اور اب یہاں ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اس بات سے میں سخت پریشان ہوں۔“ وہ بے کل سے لمبے میں ادھر ادھر کھلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تم اور تمہاری بیٹی اس سے معذرت کرو۔ اسے روکنے کی کوشش کرو اور جب تک سنبھال رہا ہے اور سب بھی وہ یہاں آیا کرے گا۔ تمہاری بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔ وہ اپنے گھر جا رہا ہے۔ اس کی جگہ اس سے یہاں سے نکال نہیں رہا مگر وہ تب ہی اس گھر میں رہ سکتی ہے جب وہ سنبھالے گا۔ اس کی زندگی کی اور اس کی موجودگی میں یہاں نہیں رہے گی۔“ وہ بے چارے میں کتنا ایک فیروا جیسی موہل رہا تھا جسے بشری آج سے پہلے بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔

”احسن! یہ ایک بالکل ناحق بات ہے۔۔۔ سنبھالو اس میں بالکل قصور نہیں ہے اور۔۔۔“ بشری نے قہقہہ نکل کر کہنا شروع کیا۔

”تم ابھی بھی اپنی بیٹی کی غور نہ کر رہی ہو۔ میرا بیٹا۔۔۔ میرا انکو تا بیٹا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور تم ابھی بھی اس پر اسے کوئی کی بیٹی کی غور نہیں مری جا رہی ہو۔ اتنی محبت تھی اس سے اس کی اولاد سے تو کیوں چھوڑ کر اس کی گھبراہٹ پکڑ لیتے تھے اس کی زندگی میں وہ یہاں شامل ہونے کے لیے تلاش کر رہا تھا۔ جو تم سے بہت بڑا گناہ نہیں گوارا کرتی الفت تھی تمہیں اس کے خون سے۔“ وہ جاہلوں کی طرح طعن سے بول رہا تھا۔

بشری شدید سی رہ گئی۔

”بس۔۔۔ تمہیں صاف انگلیوں میں تھام چکا ہوں۔ اگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں سنبھالنے سے معافی مانگنا ہوگی۔ اسے جانے سے روکنا ہو گا ورنہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا اور یہ تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہوگی بشری! حکم اعلیٰ ہو تم اور تمہاری بیٹی گھر لے لے گی۔“ وہ چلا تا ہوا کہہ رہا تھا۔ بشری کے لیے ایک ایک کر کے وہ سارے راستے بند کرنا چلا جا رہا تھا۔

”اگر وہ سنبھالے سے معافی بھی مانگ لیتی ہے اسے یہاں سے جانے سے روک بھی لیتی ہے۔ سنبھال کو بھول کے گھر بھی چھوڑ دیتی ہے تو کیا وہ اس احسن کمال جیسے خود غرض بے حس شخص کے ساتھ باقی کی زندگی پہلے کی طرح گزار سکے گی؟ جس کی نظروں میں اس کی وقت و کوڑی کی بھی نہیں۔“ بشری نے کھڑے کھڑے حساب کتاب

کیا تو جیسے اسے خودی سے گمنم آنے لگی۔
 وہ اگر اس کے بعد یہاں رہی بھی تو خود سے نظریں ملانے کے قائل نہیں رہے گی۔
 اسے خود ہی نے تھا تاثر دے دیا۔

اور سبیل کے آگے وہاں یہاں رہنے تک وہ مثال کو کہاں یہ صبر دے آئے اور اتنے انتہائی طریقے سے کہ سبیل
 کے آگے یہ اسے یہاں سے جاتا ہے۔

اور کی بجائے ہر گزری مثال بھی سوچ رہی تھی۔
 اس نے جو کچھ وہاں پہلے بھری اور احسن کمال کے گھر نہ ہونے پر جا ب کہنے کا سوچا تھا اسے اپنا فیصلہ بالکل
 درست لگ رہا تھا مگر ابھی اسے بھری کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ آگلی سے واپس گئی۔
 بھری تو وہیں بڑا حال ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ احسن کمال اسے حکم بنا کر چلا گیا تھا۔
 اور وہ دست بگم سوچتے ہوئے بھی کچھ سوچ سوچ کر رہی تھی۔

دونوں بھینس بنی کسی اور بھینس کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔
 خاصہ تو انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ رہی تھی۔
 دیکھتی بھی کیسے ایک عمر کا خواب تھا۔ گنا تھا اسے تعبیر بنے میں اس کی ایک اور عمر کام آجائے گی مگر انہیں
 بھی مجبور نہ لگتا تھا۔ وہاں یہاں خود کو پورا کر رہی تھی۔
 اسیہ اور ایشی کی شادی ہوا اتنی جلدی اتنی آسانی سے اور اتنی اچھی جگہ ہو جاتا اس کے نزدیک اس صدی
 کے بہت بڑے بھروسے سے کم نہیں تھا۔
 گزری رات میں دونوں کو منہ ہی لگنے کے بعد جب ایک خوشگوار رات جس کے بعد گھر بھر کے مسلمان اور
 اس کے بچے بکول پہ اتنی خند کے جھوٹے شہزاد کی دراز بند لے لینے لگے تو خاصہ کی آنکھیں مل بھر کو بھی نہیں لگی
 تھی۔

وہ تو اس گزرتے سانس کی سیار راتوں میں ہر ایک دونوں کو شمار کرتی رہی اور روٹی رہی۔ وہ شیطان صفت زہر جس
 نے اس کا اور اس کے پیچھے چلنے کا سبب بنایا تھا اس کے عزت کی چادر بھی مار تار کی تھی۔ اس
 کی زندگی کا وہ سیاہ ترین پہلو جس سے وہ خود بھی عمر بھر آنکھ چرا لیتی تھی۔
 اور انہوں نے اس کے ساتھ ایک کچھ پوچھنے پر ڈر سی جاتی تھیں اسیہ کو وہ اندھیری رات یاد تو نہیں آتی۔ کبھی وہ
 اس کے بارے میں سوال پوچھتے نہیں جا رہی تھی۔
 اسیہ کی سوازی گواہ اس کا دل مل بھر کو حکم کر رہا تھا یہ صد شکر کہ اس کا ذہن بچپن کی اس تاریک شام کو
 بھلا چکا تھا۔

اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک تکلیف دینے والا مرحلہ۔ جب وہ بچوں کی گزراوقات کے لیے کسے
 نوکری کی خاطر ملنے کھائی بھرتی تھی۔ وہ حالات کے ہاتھوں روندھی ہوئی تھوکریں کھا رہی تھی کہ کوئی بھی زندگی
 سے رستہ ملنے کی نشاندہی کرنا تھا اس کے پیچھے چل پڑتی۔

رہے وہ سارے سیاہ دن اور کلاں راتیں کیسے کاٹ دیں کہ پتا بھی نہیں چلا۔ اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے کہ
 میں تمہارے سچ کے دنوں کو یوں مٹاؤں گا جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے۔
 وہ آنکھوں میں المیے آنسوؤں کو پھیر رہی تھی جب وہ اتنی آہستہ سے اس کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"ایکایہ ہتر نہیں تھا ہی اگر تب مجھے دنوں کو یاد کر کے میں رونے کے بجائے ایسے خوش بہت لمحوں کا شکر ادا کرتیں کہ اللہ نے کس طرح میں ہاتھ بھاری بھولی میں اتنی ساری خوشیاں بھری ہیں؟" وہ انگلیوں کی نرم پریوں سے اس کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

"بے شک اس نے مجھے۔ ہمیں ہماری پہلا ہماری اوقات سے بہت زیادہ دیا ہے کہ شکرانے کے لیے میں پورا وجود بھی آنسوؤں میں بہاؤں دوں۔" وہ اٹھ کر اس کے آنسوؤں میں ہاتھیں دھو کر اس کے آنسوؤں سے روکنے کے لیے جو روک نہیں دے تو سوجھا اس کیلئے کہ اس نے اپنے دل میں چھپا کر اس کو یاد بھی کر لیں اور اس کا شکر بھی ادا کر لیں۔

وہ بچے کو ساتھ لے کر آنکھیں صاف کرتی کبھی ہستی کبھی روٹی وفاق کو بہت مصوم کسی بچی کی طرح ساتھ اور بے روا لگیں۔ وہاں کے ساتھ چم کر انہیں آنکھوں پر رکھ کر بوسہ دے کر سو گئے ہو کر لیٹ گیا۔



سیٹی نے اس کے ساتھ ایک ہار نہیں کی بار جھک کر عذارت سے بے جا۔

وہ بار بار اس کے سوت کیس سے کپڑے نکال کر اسے جانے سے روک کر کہتے ہوئے "کچھ محبت بھری دھونس بجا کر کچھ محبت جگاتے ہوئے روٹی اور وہ بہت طرح عذارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر بھرتے سوت کیس بھرے لگتا۔

بڑی "نے اتنی عمر کے کسی حصے میں خود کو اتنا ہکا بکا کتراؤں بھلی محسوس نہیں کی تھی جتنا وہ اس لیے محسوس کر رہی تھی کہ اس شخص نے جس نے اس کی کم سن بچی کی زندگی بچا کر اس کی کو محسوس کی تھی اسے اس کی منتیں اور خوشامدیوں کر کے روکا ہوا تھا۔

وہ ہنس رہی تھی مگر اندر سے رو رہی تھی۔ اس کے لیے میں نے ہونے والی کچھ کر لیں تھیں۔

"بھئی جان! کیا اپنی ماسے خفا ہو کر چلاؤ گے تو چلاؤ بھر مگر کوئی جیسے طے نہ جانے تو وہ ہنساری ہلا کو کتنے مہینوں سے ہنسار اٹھاتا تھا۔ اب ہوں چلے جاؤ گے تو میرا دل بھرا ہوا گا۔ اب اس کو ہاں ناراضی۔" وہ تھک کر غصہ صاف ہی ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپ نے تو ایک بار بھی اپنی اپنی کو اس حرکت پر نہیں بھٹایا، جو اس نے میرے ساتھ کی۔ آپ۔" وہ کدورت بھرے لہجے میں بولا۔

"سیٹی اس بات کو سب سے پہلے میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری سانسیں گھٹ رہی ہیں۔ میں۔ میں نے یہ سب کچھ بھی نہیں سوجھا تھا۔"

اس کا ہر اہوا اول بہت جلد بہت بہت ہواشت کے باوجود بھی آنکھوں سے جیسے جھک رہا۔

"تو آپ کو اس بات پر یقین نہیں کہ آپ کی بچی نے کچھ غلط کیا ہے؟" وہ خندہ باپ کا خندہ دینا ہی کیونگی اور بہت بڑی سے اپنی خندہ بھرا ہوا تھا۔

بڑی کو نہ مل کر اس کے شوق میں اس شہر کو ساتھ میں لے بار بار اس کے زخموں کو اوپر سے جارہا تھا۔

بڑی کی آنکھوں میں مریچیں سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنے رخ سوجھا تو سیٹی کا ساتھ ذرا سا لیا اور حلق میں پھنسے ہوئے کو بے حد دھکیلا۔

"وہاں نہیں رہے گی۔ چلی جائے گی۔ اب اس کو بھول جاؤ گے۔"

وہ کہہ کر جیسے جلد کو کھینچ کر اس سے باہر نکل گئی۔ سیٹی کے ہر قول پر قاحقانہ مسکراہٹ تھی۔



عمریل ہنستا کرنے کے بعد وہ نمی ڈانٹنگ نکیل پر بیٹھا تھا۔ ایک طرف ڈاڈا بھائی کی کافی تفصیل سے۔ پڑھ چکا تھا۔ دوسری طرف مٹکڑا کر لیا تھا۔ عفت اس کے یوں بیٹھے رہتے پر گھبراہٹ میں تھی۔

گھر اس سے غصے کی وجہ سے بچہ پوچھ نہیں رہی تھی۔ پریشانی میں عمریل سے غصہ بھی کر اس نے پچھلیوں پر کیس بھی لے جانے کی اس کی ضد پر وہی نہیں کی تھی۔

"پتا نہیں آج مثال کو دیر کیوں ہوئی؟" وہ اس وقت تک تو وہ آگیا کرتی تھی اور آج جانے کیوں بل جیسب سا ہو رہا ہے کہ ایک بار ایک نظرا سے کچھ آگش جاکوں۔ "وہ خود سے ہاتھیں کر رہا تھا۔

آج سولہ گھنٹہ تھی اور مثال کو اوجھڑا تھا۔ تین چار دن سے عمریل کا دھیان مثال کی طرف لگا تھا۔ اس نے ایک بار نمبر بھی ملایا پھر رک گیا۔ کیس مثال اس کے یوں فون کرنے پر فوراً "آئے گا نہ کہ دے گا اور گھر میں عفت بہانے بہانے سے دس باتیں سناتے۔

وہ چار دن بعد اس نے آج جانا ہے وہی سوچ کر روک گیا تھا۔ اور اب جانے کیوں بے چینی ہی ہو رہی تھی۔

"آج آگش جانے کا پورا گرام نہیں؟" عفت وہ نہ سنی تو اس سے گزرتے ہوئے سرسری طرح کہے میں کہ

سہی۔

"ہوں۔ کسی نے آگش ملے کے لیے اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ پری غصہ نہیں ابھی سو کہ۔"

"نہیں۔ یوں بھی اس نے دن بھر کرنا کیا ہو تا ہے۔ اٹھ بھی جانے والی دیکھتی ہے یا سیٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔" وہ جلتے ہوئے کہے میں بولی۔

"میں نے پچھنی کے لیے اپنا ہی کیا ہوا ہے۔ اس سے کھو جاؤی کرے اگلے ہفتے ہم جائیں گے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"وہ بھی جائیں گے۔ کاشان نے کہا نہیں گے۔ تاہم بری کو بہت شوق ہو رہا ہے اس کی ساری فریڈز تو ملک سے باہر جاتی ہیں، چھٹیوں گزارنے کوئی ماننا نہیں کوئی ملک کوئی ملک پور۔ دیشا تو لندن گئی ہے اپنے مہلوں کے پاس یہاں ہماری بیٹی نے صرف اپنے ملک میں ہی کھونے کی تو فرمائش کی ہے۔ چلیں اچھا ہے خوش ہو جائے گی پری اور والی کو بہت خوش ہو گی۔"

عمریل اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ عفت نے مڑ کر خالی کمرے کو دیکھا اور کوفت سے بڑھاتے ہوئے باہر نکل گئی۔



مثال جیل فونز آتے ہیں لے کر کسی گرمی سوچ میں گم بیٹھی اسے دیکھتی چارہ ہی تھی۔

"میں دیا کو کل کے کہتی ہوں وہ مجھے آکر لے جائیں۔ یوں بھی آج سولہ آج نہ ہو۔" وہ مجھے انکار تو نہیں کریں گے۔ پتا نہیں لانا کیا سوچ رہی ہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آئیں۔ تین دن سے میں کمرے میں بند ہوں۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں اور ملا صرف میرا کھانا کمرے میں بھیج کر ہر فرض سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے پوچھیں آکر کہ میں کس حال میں ہوں۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"یہ میری وہ ملا ہیں جو ملا کے گھر میں صرف میری خاطر داد سے بچھو سے لڑتی تھیں اور آج۔ اس سبیل نے۔" ماما نے اسے بچھتی نہیں کہا ہو گا۔ ماما کو یہ لوگ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔ کوئی بھی تو ان تین دنوں میں میرے پاس نہیں آیا۔ میں کہاں جاؤں۔ اگر خود پیلا کے پاس پہلی جاؤں۔ انہوں نے وجہ پوچھی اور میں نے بتا

دیا۔ نہیں نہیں ہر صفت ملا کہیں کی میں خراب ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہو گا۔ وہ تو پہلے ہی مجھے ہر وقت سب کے سامنے برا کہتی ہیں۔ کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھتا۔ کسی کو بھی مجھ سے بادل نہیں۔ کسی کو میری ضرورت نہیں۔ وہ دانا نہیں چاہتی تھی۔ زور سے آنکھیں دکڑا کر اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو میں نے تمہیں کہا تھا کہ اب جتنے دن اوپر ہو تم نے کمرے سے باہر نہیں نکلتا۔" بڑی جلدی دھڑکتے انداز میں آئی تھی اسے کمرے کے باہر نہیں پتہ بیٹھو گے کہ رخا لیے میں ہوں۔

"آہا جلدی ہے۔ تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ اس طرح سب کچھ پڑا ہے جائے تو لٹھڑی بھی ہو گئی۔ کہیں تنگ کر دی ہو تم مجھے مثال اجاڑ۔" وہ عجیب جھنجھلائے ہوئے لیے میں کہہ رہی تھی۔ جس میں نہ فکر تھی نہ پریشانی صرف کوفت بھاری اور جھلاہٹ۔ مثال دودا اُسے کے قدیم میں بڑی ہل کو صحت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

"اور مصیبتیں کم ہیں میری زندگی میں کہ تم بھی مجھے پریشان رکھنے کی فکر نہ کرو۔ کم سے کم ناشتا کرو لوں اور یہ ذرا نیوہ منجوس خدا جانے کہاں مر گیا ہے۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ تو سے ملنے کے اندر آجائے پھر اسے مثال کو پھونکے جاتا ہے۔ کو اب ناشتا بعد میں کر لینا پہلے میرے ساتھ اپنا جھانک بیگ لگاؤ۔" وہ خود ہی بولتی تھی اس کی امداد کے اوپر غافلوں سے بے ہوشی چنوں کے نیچے ہر شاہ زہمی سمجھ کر کچھ اٹارنے لگی۔ مثال پریشان سی ہل کو دیکھتی رہی۔



"شکر ہے خدا کا ماما وہ بک چڑھی مثال آئی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔ مجھ کو تمہارے جیسا مزاج ہے ان کا۔ نہ کچھ منہ سے بولتی ہیں۔ نہ کسی بات میں مصیبتیں ہیں۔ وہ ساتھ ہوں تو عجیب الجھن ہونے لگتی ہے مجھے۔"

پری تو اس کی انہل باپ کی رضامندی جان کر بھی اچھل پڑی تھی۔ "ہاں تو وہ کوئی ہماری۔ پہلی کا خاصہ ہے جو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کی ہل سے ملے وہ رکھے اسے اپنے پاس۔ اتنی دولت اتنا چیز ہے۔ چاہے تو میں کوئی ٹھکانہ لکھ کر کہیں بھی سیر پالے کے لیے بھجوا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ ٹارڈن امریکا کیا ہے۔ مثال مٹی اپنی ہل اور سو نیلے باپ کے ساتھ سیر پالے کرتی رہتی ہے ایک تھمارا باپ ہے سارے زمانے کا جو کچھ سب سے کھانا اُنوں سے سمجھ کر خرچ کرتے والا۔ یہ تو میری بہت ہے جو اس کی اتنی کم ٹھکانہ میں اس خوش اسطی سے کھڑا رہی ہوں۔ لوگ دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ ان کی کوئی بڑھتی ہے۔ تھمارے باپ کا اٹنا حساب ہے ہر مینے جیسے کھانا کھایا ہے۔ پوچھ لو تو ڈرائی۔"

صفت جان اسباب ہو کے جا رہی تھی۔ کئی میچوں سے عدل اسے پہلے کی بہت کم پیسے لگا تھا۔ بہت بار وہ لڑائی بھی کر چکی تھی مگر وہ اب میں خاموش سی رہتا ہے۔ "افسوس مالیا نے یہ تو پوچھنا تھا جانا کہ ہے۔ خا بڑے تنگ میں بھی تو اٹھ گئے گا۔"

پری خود کو تنگ زانوئوں سے آکھینے میں دیکھتے ہوئے ہل کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے ہوں۔ اسے آج کل میں بھی بہت دقت خود کو دیکھنے اور دیکھنے دینے کی عادت ہو چلی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا اس کی اٹھان فطرت کی تھی اس کا جائزہ سادہ کھانا جو اس کی صراحی دار گردن پر سما عجیب شان سے وہ سوال کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسے اپنی اس بے تحاشا خوب صورتی کا بہت شہوت سے احساس ہونے لگا تھا۔ مثال کمزور صحت اور عام سی رنگت جیسے لغزش اور نارمل قدم کے ساتھ اس کے سامنے کچھ وہ سی جاتی۔

اکڑوا سے مثال سے بڑی من گھڑت لگتے تھے۔ اس کا تہ اور جسم دونوں ہی بہت لمبیاں ہونے والے تھے۔
 ”میں سوچ رہی ہوں ماما میں اپنا بہتر اسٹائل پہنچ کر والوں پر کم کروالوں۔“ وہ آگے پیچھے سے خود کو دیکھتی اپنے
 بالوں پر تنقید کی نظر ڈالتے ہوئے بولی۔
 باہر گاڑی کا مخصوص باڈن بچے اور گاڑی کے دروازے کھلتے بند ہونے کی آواز نے ایک لمبے دوغوں کو لٹکھٹکا
 دیا۔

صفت کچھ بولتے بولتے رک سی گئی۔
 پری نے ریشمان نظروں سے اس کی طرف دیکھا مگر خود بھی ہراساں تھی۔
 ”یہ چہل گاموں سے آگئی ماما۔ کیا پاپا نے اسے آنے سے منع نہیں کیا تھا کیا یہ اب ہمارے ساتھ جائے گی۔
 نبوت۔“ پری کا فہرہ تیزی سے ابھرا۔
 ”آج سولہ تاریخ ہے نا!“ صفت کچھ بے بسی سے کھوئے کھوئے لیے میں بے لوثی مڑی اور صاف کھڑی مثال کو
 دیکھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔



”پتا نہیں کیا ابھمن ہے۔ کیا پریشانی ہے کہیں بھی جی نہیں گھبرا۔“ پریل نے کوفت سے فائل ایک طرف
 ہٹا دی۔

اس کے آنس کے حالات بھی آج کل اچھے نہیں چل رہے تھے۔ اگرچہ وہ اس کہنی کا پرانا ملازم تھا مگر کہنی بن
 بدان خسارے میں جا رہی تھی۔ منجھ کے کانک سچید کی سے ڈاکٹر سائنگ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ پریل
 کی جانب کو غصہ تو ظاہر ہر کوئی نہیں تھا لیکن اس کی پچھلی حس مسلسل اسے الارم کر رہی تھی کہ خدا انفرات ایسا کچھ
 ہو بھی سکتا ہے۔ وہ اس ملازم کے طور پر ابھی سے کچھ مینوں کی بکری آدھے سے لڑاؤ چاہا تھا جس کی وجہ سے
 اسے ہر مہینہ صفت کی تنگ بک سنا رہی تھی۔

اس نے بھت سے ایک بات لے کر کھانا بیگ میں بھی تینوں بچوں کے پاس کچھ نہ کچھ جمع کر رکھا تھا مگر وہ
 ایک بچہ بیکل فٹنس تھا۔ کھانا کھانے کا صبر نہ اس کی ان تمام احتیاجی تدابیر کو آسانی لگ سکتا ہے۔
 وہ گن گن سچید کی سے کسی ابھی بک اپنا کچھ پیسہ انوسٹ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا مگر ابھی تک اسے خاطر
 خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

”مجھے اب مثال کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ بڑی ہو گئی ہے رشتہ و صہنے میں بھی کچھ وقت
 گئے گا پھر پری تو ابھی سے اتنی بڑی لگتے لگتی ہے۔“ دانیال کو بڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا اور۔۔۔ اس کی سوچ کی
 ایک قفلے پر مرکوز نہیں ہو پاری تھی۔

وہ ایسی عجیب باتیں سوچے چاہتا تھا جن کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جیسے ابھی وہ دانیال کی پڑھائی کو سوچتے
 ہوئے کچھ اور سوچتے گا۔

”مجھے ایسا کہیں لگتا ہے کہ مثال کے ساتھ میں نے اور بشری نے بہت زیادتی کی ہے۔ اسے وہ سب کچھ نہیں ملا
 جس کی وہ حق دار تھی۔“

وہ بیٹھائی سٹلنے لگا۔۔۔ سرے لے آنس کا ورڈان کھلا اور پریل آنسو والے کو دیکھ کر کشیدہ سا رہ گیا۔

(دلی آنکھ دھارے میں ان شاہانہ)

سیاحتی اور علمی

”دروازہ پینے کی گواہی دے گا اگر اٹھاؤ کھاسا سننے والی
برابر میں رہنے والا دوست کھڑا ہے۔
”اب کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔
”دوسرے جھپٹائے کھڑے دوست نے دندھی
ہوئی گواہی سنائی۔“

”خدا کے لیے سب دوسرا ہوتا ہے جیسے کہ میں
ساری رات اس کے انتظار میں کاف کا سرد سرد سے
پھٹا ہوا ہے۔“

”تو اب کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔
”اب کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔
”اب کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔
”اب کیا ہوا؟“ اس نے پوچھا۔

”ارے لہا! آپ تو لہک کر رہے ہو گواہی اور کالم
نگاروں کو مات دے رہی ہیں کیا بدست بگڑیہ اور
تبصرہ ہے۔“ جو بگڑیہ کو کھڑے کر رہے تھے۔
”تو آپ ہماری اہلی کی سیاسی بصیرت کو کیا سمجھتی
ہیں۔“ جو اہلی نے کھڑے کر رہے تھے۔

”اے ہونو تو لوگ حیرت سے رہے ہو مگر غریبوں کا
سوچو کہ جو رمضان میں کسی طرح کے اجتماع کا کیا
سوچیں گے سحر اور انتظار کا مسئلہ ہی حل نہیں ہو پاتا
ظاہر ہے بچے بڑے سب روزگار ہوں تو کچھ نہ کچھ تو
کرائی ہو گا۔“

”دو اور رمضان میں شیطان تو قید کر لیا جاتا ہے؟“
ملیک نے مصحوبیت سے پوچھا۔

”ہاں جی! وہ ضرور تو قید ہو جاتا ہے لیکن اپنے چیلوں
کو اچھی طرح سمجھا بچھا جاتا ہے کہ میرے کلم کو اور
آگے بڑھاؤ۔“ یہی تو مصالح خودوں کو خیر و خیر و خیر اور

”جی ہاں تم نے وہ کہانی تو سنی ہی ہو گی جس میں وہ
دوست ایسے کمرلوں میں رہتے تھے کہ جن کی دیواری
ہوئی تھی اور ایک کمرے کی آواز دوسرے کمرے میں
صاف جاتی تھی ایک دوست کو عادت تھی رات گئے
آتا اور اپنا جو آئیک ایک ایک کر کے زور سے جھپٹاتا تھا
مشترکہ دیوار پر اس زور لگتا کہ دوسرے کمرے والا
دوست غینہ سے بڑبڑا کر اچھ بیٹھا۔ وہ ذی بھگتا ہوتا
پھر اس بات پر دونوں اپنے اپنے کمرے میں جاتے کہ
اب احتیاط ہو گی اور جو آواز اُسام سے اُٹھ کر کھانچا جائے گا
نکھر ہو آگیا تھا کہ پہلا دوست جب تھک کر آتا اس
عادت پر آواز سے اُٹھ کر کھینچ جیتا۔ یوں کچھ
بالکل ہم لوگوں کی طرح کے حالات رہا ایک حکومت
مندی دوسری اتنی مکر و دھڑے وعید کے بازو ہوتا
برساتے کا مکمل ویسے ہی جاری و ساری ہے۔“

”دو! پہلے کہانی سنائیں۔“ اب فوراً ہی اچھی
سیاست پر تبصرہ شروع کر دیتی ہیں۔ ”شہینہ لہک کر
بڑی تھی اور اب نویں صراحت کی جانب تھی۔“

”ارے وہی تو سنی رہی ہیں چلی پو کر سنو۔“ ہاں تو
میں کیا تھادی تھی کہ اس کی عادت تھی ایک ایک کر
کے جو نا مشرکہ دیوار پر اچھل رہا تھا وہ زور دار آواز
سے جا کر گتے تھے اور غریب سوتا ہوا دوست بھگتا
کرتے دروازے پر آ جاتا تھا پھر ایک دن کیا ہوا؟“

”کیا ہوا اور؟“ ملکہ کی بھی پوری توجہ تھی کہانی پر۔

”ایک دن جب اس نے اپنا جو آواز اُٹھ کر پھینکا تو
پک پک اسے خیال آگیا اور اس نے بڑی احتیاط سے
دوسرا جو آواز اُٹھ کر دیکھ کر سو گیا۔ سوتے میں کسی کے

چیزوں سے نظرس نہیں تو پھر اس ذیل پر نظر جائے جو
 پروردگار عالم نے اس مہینے کے لیے سب کے لیے
 یکساں کھولی ہوئی ہے بارہ بیگے کے بعد کی ذیل بہشت
 کے دروازے نکلتے کی ذیل صبح صبحی ذیل اور پھر
 انظار کی ذیل جس میں مشکل ہے کہ رحمت عالم کی اسوہ
 حسنی پر عمل ہو تو ان کے غلاموں ہی کے بارے کچھ سنا
 جائے کچھ پڑھا جائے کہ کیا وہ بھی دروازے دیکھتے تھے تو
 اپنے قلب و جگر کو ایمان کی حرارت سے گر بائیں
 پہنچاتے تھے کہ میں من کی سوچ عبادتوں کے گرد
 گھومتی تھی وہ روزوں کی دھن کو سمجھتے تھے۔
 ”آج تو ان کے لیے جہاں میں ہیں۔“ جو لوگ نے

ملوث کرنے والوں کی عید سے پہلے رمضان کا چاند دیکھ
 کر ہی عید ہو جاتی ہے اور لوگ الامان الامان پکارنے
 لگتے ہیں من سے کون پوچھے کہ رمضان کا مہینہ
 عبادتوں کا۔ ریاضتوں کا خود کو غلامتوں سے پاک و
 صاف کرنے کا ایک اور موقع ہے تو بارے ہرگز عفتوں
 کے نزول کے اس مہینے کو کھانے پینے اور کھانے پینے
 کے بارے میں سوچتے رہنے کا مہینہ بتا دیا گیا ہے۔ یہ
 مود انبار و کھویہ ذیل وہ ذیل نہ انظار کی ذیل تو وہ صبحی
 ذیل یعنی کچھ وقت کے لیے ذرا کھانے پینے پر پابندی لگا
 کر اپنی وقت کچھ نہ کہ من میں جاتا رہے بارہ بیگے سے
 پہلے کی ذیل اور پھر بارہ بیگے کے بعد کی ذیل سامنے کی



سوندھی خوشبو موصوفے کی، یعنی، یعنی منک اور اس پر
ہونے پر سائے کا لہجہ کرتی جو رات کی رات کی کہیں
کیا رہی میں گئی ہوئی۔ قدرت کی چٹائی ہوئی لٹائی
ہوا خوشبوؤں میں رہا ہوا آئین اور لب۔ "وہ سائے
لینے کو کہیں۔"

"اب تم سب ہر وقت اسے سی کی مٹھن زہد غلامیں
رہتا جانتی ہو اور جو وہ نہ چلے تو خرابی ہو ہو کہ نہیں
اب ہم نے خود اپنے ہاتھ پاؤں کو آ کر حکومت کے
آگے ڈال دیے ہیں اور برابر ہیک کی طرح اپنے حق
کے لیے لڑ رہے ہیں ہر کسی کی پہلی حکومت نے
شوقانی کی تھی جو اب کوئی سے گناہ تو ہے جو خود
سنگول کے کمرے ہوں وہ کی کو کیا دے گے۔"

"اب خراب تو بچل کے بغیر گزرا رست مشکل ہے
پہلے اسے ہی کی بات سمجھو گے مگر فریج نکل ہی دیکھتے
اس آتی جاتی کھلی کی وجہ سے سائے کیسا خراب ہوا۔
اب جب کھلی نہیں تھی تو کھانے پھل اور گوشت
وغیرہ کو کیسے رکھتے تھے؟" مسرت نے پوچھا۔

"ہاں داد۔" لٹائی پہلی کیسے جیتے تھے؟
"چپ رہو ابھی بتایا تو تھا ابھی نے سہرا ہی اور
کمرے سے۔" مسرت نے غبی کو کہتے سے بھجایا۔
"اگر اتنی ہوس نہیں تھی ضرورت کے مطابق
چیزیں خریدنے کا رواج تھا اسے اور استعمال کر لیا۔ یہ
نہیں کہ اسے مل سائے کا پتا نہیں اور سلاں سو برس
کا۔ بیج کے جادو بیج نہایت کر دیکھو اب مجھے مل
جائے اور ابھی مل جائے جیسی سوچ نہیں گئی نا؟"

"اور داد جب لٹائی نہیں آتی تھی تو کیسے نر کیسے
چلن تھا کیا ہی دی بھی نہیں ہو تھا۔"

"نی دی کہیں تھا دینا اور یہ کیسے نر یہ تو آیا ہی ابھی
کچھ سال پہلے ہی ہے جو کچھ کہوں تو نی دی کے گنے
سے وقت بھاگ گیا ہے ہمارا وقت اب ہمارا کہیں رہا
ہے نی دی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے وقت تھا تو ایک
دوسرے کے دکھ سکھ میں شرکت کے لیے بھی کیا جاتا

جانا تھا مگر اب جو وقت ہے وقت کچھ نا کچھ آتا رہتا ہے
تو سمجھو جس سب کاموں سے گئے۔"

"دادو اب بھی تو دیکھتی ہو جی دی۔" ملکہ نے
کہا کہ چلی آگھوں ہی آگھوں میں منع کرتی رہی۔
"اے تو میں کون سی الگ ہوں سب سے جس بیٹا
فرق اتنا سا ہے کہ اچھائی کو اچھائی اور رانی کو رانی کہتی
ہی نہیں سمجھتی بھی ہوں۔"

دوسرے دن حوالے کیا "میں لیں حق عیدی
شاہک کہ انہیں۔"

"میں چلیں۔" وہ حیرت سے بولیں۔

"ہاں تو کیا سنا ہے خود ہی دیر بار کی ہو ابھی تو گئے
کی ہر وقت کمر میں بند رہتی ہیں اب۔"

"اے مجھے بالکل بالکل پسند نہیں آتا مجھ میں دم
ہے تم لوگ جاؤ۔"

"میں لیں بچوں کی بھی خواہش ہے۔" مسرت
نے بھی اسرار کیا۔

"نہیں تم لوگ جاؤ۔"

"اچھا یہ تو بتائیں اب کے لیے کیسے کپڑے لاؤں؟"

"اگر میری بات تو سنی میرے لیے کچھ نہ لاؤ۔ کتنی ہی
کپڑے تو ابھی بھروسے بغیر پڑے ہیں نہ نہیں آتا نہ جانا
تو میری بیٹی میرے لیے کچھ نہ لا تا اپنے لاؤ بیچوں کے
لاؤ تو لوگوں کے خریداری کو "مید" انعام ہے اس
کو دل سے دینا اچھا ہے اچھا لگتا ہے۔"

"مگر لیں۔"

"اچھا سو اگر رست ضروری ہے میرے لیے کچھ لینا
تو یوں کو کچھ سنے لان کے سوٹ لے کو۔"

"ستے سوٹ۔" مسرت حیران تھی۔

"ہاں میرے لیے کوئی برائڈ منگ سوٹ لینے کے
بجائے کچھ ستے سوٹ لے کو رمضان میں تھی ہی
مور میں ہمارے وہ انڈے پر آئی ہیں پر اے کپڑے ہی

یہ باتیں ہیں، ان کے سینے کا سارا ہے، کیسے اسے چمکتی ہیں۔
 "علیحدہ نے سعدیہ خالد سے ملازمت کیا ہے؟"

"نہیں بس گھر کی افواہ خراب کر رہی ہے میاں پر چلتی ہے۔ بچاں پر غصہ کرتی ہے۔ سعدیہ سے تو بات چیت ہی نہ کر رہی ہے۔ بددلی بھی بھاری۔"
 "سرت کو حیرت تھی کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں یہ تو بڑی ساس کو پریشان کرنے والی بات ہوئی۔ دیر پر دس میں سیدھے سے واپسی کا کوئی کرشمہ نہیں تو بس وہی تو ہے کہ شہر میں ساس ایک کمر تک محدود ہیں اپنے سب کام محدود (کوٹھڑی) کے کواٹریں ہیں۔ وہ کس سے علیحدہ ہوں گی اور کیوں۔"



دھنن سے کچھ روز پہلے خوریزی کی ایک تیز لہر ملک میں دوڑ گئی۔ نو لاکھ کوڑے ایک بار پھر خون میں غرق ہو گیا۔ ساتھ ہی خیر بختون خواہ میں بھی افواج پاکستان کو نشانہ بنایا گیا تو اس کی تہی اور اس کی اہل سب انسانیت پر ایمان رکھنے والے لوگ تھے اور اسے لوگوں کی شہادت ان کے اعصاب کو بھی ایک مرتبہ پھر جھجھوڑ گئی۔ اہل ان لوگوں میں سے تھیں جنہیں (Pura Sensitive) پر احساس ہو گیا تھا کہ وہ تو ہمیشہ سے بہت کمزور ہیں سب بھولی تھیں اور کبھی کسی کوئی جگہ یا درخت سے کوئی چڑیا کچھ گر جاتا تو وہ گھٹائیں گھٹائیں ملی کے بھولے بچوں کو چکار چکار کر دیتے تھے۔

"یہ برصغیر کی انسانیت سوز مظالم گھر بھاڑنے کی سازشیں کرنے والوں کی کہیں کوئی پکڑ ہے؟ آخر کوئی انہیں سزا دیں نہیں دے پا رہا؟" وہ چلا چلا کر رونے لگیں۔

"اہل آپ نی دی ہاگل نہیں دیکھیں گی۔" جو اب ان کا پرہیزگار المذہب شریک کر پڑا تھا وہ کہتا۔

میں سمجھنے اور دیکھنے کے آگے جہاں سعدیہ خالد خلاف معمول بہت دلی دلی کواڑیں اٹھانے لگی تھیں۔ سرت کو بہتر فہم دے لگیں۔
 "کیا بات ہے خالد! طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟"
 "ہاں بچی زندہ ہیں۔" انہوں نے ایک سرو کو مہری۔

ان کے جانے کے بعد سب اہل کافی دیر تک بونہی چپ چاپ بیٹھی رہیں تو سرت کو تشویش ہوئی۔
 "کیا بات ہے بچہ تھی تو کبھی سعدیہ خالد آج کچھ افسردہ ہی لگ رہی تھیں۔"
 "ہاں پریشان تھی بھاری دراصل اس عمر میں اولاد کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی کڑی بات بھی کوئی کی طرح زخمی کر دیتی ہے اندر باہر سارا ابلو ہو جاتا ہے۔"
 "کیا ہوا؟" سرت کا استہجاب بڑھا اہل بھلا ایسی باتیں کہنا کرتی تھیں۔

"عجب سی بات ہے سعدیہ اس خبی دراصل اس کی سو ہے علیحدہ کہہ رہی ہے کہ اس کا قصہ الگ کر دیا جائے۔"
 "قصہ؟ کس چیز کا قصہ؟" سرت کی نگاہ میں کچھ نہیں آیا۔

"ہاں بڑی لمبی چوڑی کہانی ہے نا سعدیہ کی اسے غریب نے پائی پائی جوڑ جادو کر دیا ہے۔ چھوٹا سا مکان دیکھا ہے اب سو دلی جانتی ہیں کہ اس کے قدموں سے زمین اور سرت سے آسمان بچیں ہیں۔ جتنی ہیں بڑی ہی بل دیکھتے ہیں کہ اس میں کس دے ہیں۔"
 "اہل ان کے میاں تو ٹھیک ٹھاک کھاتے ہیں۔"
 "ہاں بچی! پھر چارہ کا خیال تو رکھنا ہر ایک کو پڑنا ہے اب بھند ہیں یا تو مکان بچیں یا اپنا فائدہ انہیں دے دیں تاکہ وہ بھی اچھی طرح نہ لگیں۔"
 "ہائے بھاری سعدیہ خالد کھینچ دیں گی تو پھر رہیں گی کہیں۔"

"صرف رہنے کی بات نہیں ہے بڑا درد گھر کی کی محنت سے دیکھا ہوا جس ان کے شوہر کی بچیوں کی تھی

"بہنا آکھ بند کر لینے سے یا کیوڑی طرح اپنی گردن
دبا کر بیٹھ جانے سے منظور تو نہیں سکتا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں اہل حق۔"

"مگر تو سکتے ہیں مگر تم نہیں رہے۔"

"اہل حق سمجھ رہی ہیں کہ اس میں عام آدمی کا
بھی کوئی کردار ہے یا وہ کوئی کردار ادا کر سکتا ہے۔" ہوا
کو جیت چکی۔

"نہیں میں یہ نہیں سمجھ رہی کہ عام آدمی کا اس
میں کردار ہے مگر میں یہ ضرور سمجھ رہی ہوں کہ یہ خود
کس مسئلے اور ان کے پیچھے مقاصد یہ تصور کوئی ایک جان
میں اچانک سے نہیں نمودار ہو رہا ہے اس میں کئی
پریشیدہ اور کئی سامنے کے ہاتھ ہیں۔ یہ عام آدمی تو وہ
دل دبا ہے اور اپنے اندر مست رہا ہے ہر سکون زندگی کا
مختلاقی ہے بھوک اور خوف کے خطاب نے اس کو ہلا
کر رکھ دیا ہے چین جانو بہت زیادہ پہنچ چکے کی
ایسے لوگوں کی جن کے اعصاب شکست ہیں ہو دماغی
امراض کی دہلیز پار کر چکے ہیں جو خود کو بیشمار محسوس
نہیں کر رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب
کیوں جب کر۔"

حضرت ایک ہے اس قوم کی نقصان میں ایک
ایک ہی سب کا ہی وہی دین بھی اہل حق بھی ایک
حرم پاک بھی ایک ہی قوت بھی ایک
کچھ بڑی بات بھی کہتے ہیں مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے نہیں اور کتنی ذاتیں ہیں
کیا نہایت میں پہنچنے کی یہی باتیں ہیں۔
"اہل عام انسان ہزار ہیں اس قدرت کے مہمل
سے۔" ہوا نے کہا۔

"ہوں کو کثیر کو قہیل نے ہر فعل بنا رکھا ہے مہیا
اس کا سبب وہ نہیں جو عام اقبال فرما گئے ہیں میں تو
حیران ہوں بڑا آدمی ہوں ہی بڑا نہیں کھانا ان کی سوچ
دیکھ کر ایسا نہیں معلوم ہوتا جیسے کہ آج کی بات کر
رہے ہوں۔"

کون ہے تذکرہ آئین رسول عقاد
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

کس کی آنکھوں میں سلیا ہے شعاع اغیار
ہو گئی کس کی نگاہ طرز سلف سے بزار
قلب میں سوز نہیں مدح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیچام عز کا کھیلو پاس نہیں
"اس کا حل نہیں تو ہے کا تو فی ہذا ہوا ہے۔"
"تو آپ کا کیا خیال ہے کیا کرنا چاہیے۔" مسرت
نے پوچھا۔

"کس سے ملے تو علم سے سب اپنا پتھر منور
لیں اور علم حقیقی سے در خواست کریں کہ وہ نرٹ
میں یا نیت کو رہی ہی سب سے ہر وقت ہر لمحہ لوگوں کو
حق اور حق کی تعلیم حقیقی اور سچے ہون کے بارے میں
واضح طور پر یاد دلاؤ کس کے ایک انسان کا کل پوری
انسانیت کا کل ہے۔ مگر تو خیر کسی بھی ملک سے ہو
بھائی بھائی ہے کسی کا تو بھی بے سبب ہے وجہ مارنا
عذاب کی بدست دینا ہے اس کے علم اور ہی تو ہاتھ
میں ہاتھ ڈال کر کھڑی ہو جائے پھر پورا احتجاج کرے۔"

"اہل احتجاج؟" مسرت چبکی۔
"کاڑیاں جلاتا پتھر تو کرنا اور تو اور فلانگ کرنا ہے
طریقہ احتجاج کلاس میں تو خسار ہی خسار ہے۔"

"نہیں میری جان ایک اور طریقہ ہے احتجاج کا
اخبارات اٹھا کر دیکھو بھلا سایم تھا اس شخص کا جو
احتجاج میں تعلیم اسکول میں اس وقت آکر خاموش
کھڑا ہو گیا جب جمعے کے قابو ہو چکا تھا اور تشدد پر آگاہ
تھا اب اسی ایک شخص نے اپنی خاموشی سے جیسے سب
کی توجہ اپنے بعد دیکھ کر اپنی طرف مبذول۔

خاموشی کی زبان بڑی بڑی آٹھ ہوئی ہے مگر یہ
میں لوگ تو اس لیے کہتے ہیں یہی طریقہ ہے احتجاج کا
یہ خلاف سب مصلحت کا علم مسکھو عقائد جو انسانیت پر
یقین رکھتے ہوں وہ ہاتھ میں ہاتھ پکڑ کر ناقابل تحریف ذخیرہ
بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ خاموشی اور ساکت کیونکہ یہ
علم ہتھ بڑھ رہا ہے خطاب کو تو اس سے رہا ہے اور وہ
عذاب آتا ہے تو پھر کوئی بھی نہیں بچتا۔ علم کرنے
والے ان کا ساتھ دینے والے علم پر خاموش رہنے
والے سب ہی۔"

میری جان تن بھی ہو جو ابراہیم کا ایمان پیدا
 ٹک کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا
 ورنہ ہوں ایک دوسرے کے خون کو مباح قرار دینے
 والے ہوں گلزاروں میں خود کو تقسیم در تقسیم کر لینے
 والوں کا انجام یہی ہو گا کہ وہ تر وادیں جائیں گے اغیار
 کے لیے جو پہلے ہی اندر ہی اندر اپنی جڑیں مضبوط کیے
 اور ہمہ رات تیز کیے بیٹھے ہیں۔
 سرت سوچنے کی واقعی لال ٹھیک تو کہہ رہی ہیں
 سنجیدہ کو ششیں گھل ہو رہی ہیں۔
 وہ چار دن بعد سعدیہ خاں پھر آئیں رمضان شہر
 ہو چکے تھے۔ سرت نے لال سے کہہ کر بعد اصرار
 انہیں اظہار پر روک لیا۔
 وہ جانے لگیں کہ آج اپنے فخر میں سے کچھ رقم
 لکھوا کر لائی ہوں تاکہ اپنی سو کوڑے سکوں شاید وہ عید
 کے خرچوں سے پریشان ہے اس لیے زیادہ فخر دکھا
 رہی ہے۔ سب کچھ اسی کا تو ہے بعد میں لے لے لے
 میں پہلے دے دوں۔
 "اچھا کیا گھر کی خوشیاں زیادہ اہم ہیں رشتے جیسوں
 سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔" لال کی بات سرت کو
 اچھی لگی۔
 اظہار کے بعد جب وہ چلتے گئیں تو سرت سے
 بولیں۔ "جی میں تم سے ایک ریکھنے کے کرنا چاہتی
 ہوں مگر بہت نہیں دانی خود میں کیسے کہوں۔"
 "ارے خاں لال کی بات ہے آپ قسم کریں میں
 بھی تو آپ کی بیٹی ہوں۔"
 "ہو کیوں نہیں تم تو بہت پیاری بیٹی ہو۔" وہ ہلکے
 سے مسکرائیں۔
 سرت سوچنے لگی سعدیہ خاں کتنے عرصے بعد ہوں
 مسکرائی ہیں حالانکہ پہلے تو۔
 "در اصل میں چاہتی ہوں اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی
 عیدی دیوں۔" سیکے سے کچھ بھی لگا بیٹیوں کے لیے ملان
 ملان اور خوشی کا باعث ہو تا ہے مگر اتفاق سے میری
 دونوں بیٹیاں اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتیں۔

جیشو کی ساس بہت طویل ہیں وہ انہیں چھوڑ کر نہیں
 نکل سکتی گھر سے اور نوید کا ماشاء اللہ یہ آخری مہینہ
 چل رہا ہے آج کل میں اسپتال چلنے والی سے ایسے
 میں کس سے کہوں نہیں غصہ ہوتا تو وہ ہاتھوں کو کہیں
 اسیست دیتی ہیں۔
 "کوئی بات نہیں خاں میں لا دیتی ہوں۔"
 "جی رہو جی امیرا گھٹائی جواب دے چکا ہے وہ
 قدم نہیں چل سکتی۔"
 انہوں نے اس کے ہاتھ میں پکے دیے۔ "بس اسی
 میں سوچ کچھ کر لاؤ۔"
 "یہ تو دوسرے کیا کیا سگھڑا ہے۔" لال نے کہا۔
 "ہاں دیکھو یہ تو گھٹا ہی بھول گئی۔" پھر وہ تحصیل
 جانے لگیں۔ سعدیہ خاں جہاں میں رہتی تھیں ان
 کے چاہنے کے بعد سرت نے ساس سے کہا۔
 "میں نے اچھا کیا۔"
 "اچھا کیا مگر تم تو اسی مصروف ہو پھر رمضان اور
 اس پر سواری۔"
 "لال کب بھی تو سمجھا رہی ہیں کہ ہے زندگی کا
 مفقود اور ہوں گے کام۔"
 "خوش رہو تمہاری بیک بائیں تو سب کو خوش کرتی
 ہیں۔"
 وہ سلمان لے تھی تو سعدیہ خاں کو فون کیا ان کی
 پڑوسرہ والی عدلی سی تو انہوں نے اسے بھی لو اس کر دیا۔
 "دوسرے دن وہ آئیں تو سلمان دیکھ کر خوش
 ہو گئیں۔
 "تم اتنی فخری کی کیوں ہو سعدیہ! تمہاری سو بیگم تم
 سے شایک کے لیے رقم لے کر بھی خوش نہیں
 ہو گئیں۔"
 "میں بلکہ بولیں کہ اچھا آپ نے تو مجھے بالکل
 حیدہ (کلم کرنے والی لڑکی) بنا دیا اسے بھی تو آپ نے
 جوڑے کے لیے پیسے دیے ہیں۔"
 "کیسی بالکل عورت ہے۔" سرت کے منہ سے
 بے اختیار نکلا۔
 "سب تمہاری طرح تھوڑی ہیں۔ خوش قسمت

ابھی افطار کر کے فارغ ہوئی تھیں کہ سعدیہ خالہ کا فون آگیا۔ مسرت نے سانس کو فون تھمایا۔

سعدیہ نے اپنی دولت سے کہا "میں آج بہت خوش ہوں۔"

"خیریت کیا ہوں۔" اہل کی تواضع خوشی سے لبریز تھی مسرت پیاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

"آج صبح میں نے اپنے بیٹے کے ایک جملے سے خود میں ایک اسٹوریٹ (Storyteller) محسوس کی۔ میری تو عید آج ہی ہو گئی۔"

"ابھی کیا بات۔"

"علیٰ بیٹے میرے جملے سے کچھ کہہ رہی تھی میں گرچہ قریب تھی مگر میں نہیں جانتی کہ وہ ضرور سے بولا۔"

جملہ کیا ہے تمہارا؟ میں ہر وقت میرے دل کو میری بات کی طرف سے کھینچ کر لے جاتی ہوں میں ابھی کچھ بھائیوں کی باتوں کی بات کو صاف صاف سن لو

مسرت کو عزت ہو۔

وہ جملے میں باہر نکل گیا اور میں سوچنے لگی پتا نہیں آج کیا ہو گا مگر ہو آگیا۔ ایک لمحے کو رہیں۔

"کیا ہوا اب؟" ابھی "ابھی" میں اب پریشان ہوئی تھیں۔

"کچھ بھی نہیں شام کی افطار سے پہلے ہو بیگم آئیں اور یوں ہی آج افطار اور ذرا ہمارے ساتھ بیٹھے۔ عید سے کچھ نہ ہوا ہے۔"

"لب میں ابھی وہی افطار کر کے آئی ہوں کیا باتیں بہت دن بعد اپنے بیٹے اس کے بچوں اور سو کے ساتھ کھانا کھانے کا مزا ہی اور تھا۔"

مسرت اور اہل دونوں سانس ہونے لگی۔ مسرت کی طرف دیکھا اور منکرانے لگیں۔

تب ہی باہر شور مچ گیا عید کا چاند ہو گیا۔ عید کا چاند ہو گیا۔

سانس بیگم نے بیڑہ کر سو کو گلے لگایا اور پھر دونوں چاند کو کہہ ملا گئے لان میں نکل آئیں۔

اپنے ملک و قوم کی بہتری اور ملک کے سکون کے لیے مجھے کمر میں خوشیوں میں ہیں اور مسرتوں کی دعاؤں کے لیے۔

جس تمہاری سانس۔"

"نہیں خالہ میں خوش قسمت ہوں جو میں جیسی سانس میں چین کر رہی زندگی گزارنے کے سارے ہی چلن ان ہی سے تو دیکھتے ہیں۔"

"کیسا اچھا گھر لگتا ہے تمہارا محبت بھرا چمکتا مسکتا میرا دل ہمیں لگتا ہے اور وہ نود ذکر آتی ہوں۔"

سعدیہ خالہ جب جانے لگیں تو اہل نے ایک خوب صورت سا شاعرانہ کہانہ میں تھمایا۔ "سعدیہ یہ مسرت تمہارے لیے لائی ہے۔"

"میں میرے لیے لب تمہو کو زمی کی کیا عید اور عید کا تو ڈال۔"

"ابھی کیا بات ہے؟" اور وہ گارنے زندگی جیسی نعمت دے رہی ہے اور ابھی خود کو کو زحامت کو دور نہ مجھے بھی خود کو کو زحامت بھٹا ہو گا۔"

مسرت نے دیکھا یہ وہ سوٹ تھا وہ اپنی سانس کے لیے لائی تھی۔

سعدیہ خالہ نے اسے گلے لگایا "مسرت تم نے تو جیسی حد کر دی۔ بہت شکر ہے تمہاری محبت کا۔"

"یہ حد سے زیادہ ہے۔" انہوں نے اہل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا حد سے زیادہ ہے۔" اہل نے غصے سے دیکھائی۔

"مسرت کو معلوم ہے سعدیہ اہل باب کے ان باب کو بھی عزت دینا ان سے محبت کرنا یہ بھی ایک مذہبی فریضہ ہے۔ مسرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

انہوں نے جیسے ہو کو ابھی جواب بھجوا دیا۔ وہ جلی لگیں تو مسرت نے سانس سے کہا "اہل آپ مجھے یاد دلائیں تو میں۔"

"کوئی بات نہیں میری جان اچھے کسی کو خوش دیکھنا تھا۔ سعدیہ کو لب کوئی خدشہ نہیں رہا۔ کوئی بھی نہیں

تم نے دیکھا اس کے چہرے پر کیسی ہلک سی اگلی تھی اور مجھے جی خوشی مل گئی۔"

"اس کے دن چاند رات تھی وہ سانس ہو صبح سے مصروف تھیں۔"

نیلے دریا کا مکہ

سے بھی دار لگتا ہے۔ پھر وہ یہ زور نالور جھوٹا کر چائے بناو۔

اگر موقف کرے توانی نہ تھیں۔ عقلی میں انکار کی جرات نہ تھی۔ ہائے آج تو وہی کہلات پوری ہو گئی کہ آندھی آئے اوطاق نہ چائے بنی چار بجے۔ اوس کو چائے کا انتظار نہ تھا۔ دھوکے کی بہت باندھ تھیں۔ عقلی اٹھ کھڑی۔ کوئی چائہ نہ تھا۔ بارش کا زور بھی ٹوٹ گیا تھا۔ شاید میں بجلی کرانی اس طوفان کا سبب بنا دے۔ پھر چارے راستے میں تھے نہ چائے کس طرح اپنے گھر پہنچے ہوں گے۔ اس کا احساس کمزور دل کے چین ہو گیا۔ آندھ بھلی بھی نہیں آئے۔ چلو وہ سو رہی تھی جائیں گے انہیں تو چائے کی زیادہ ہی طلب ہوئی ہے۔ خیر آجائیں خیر تے تو۔ فکرت نہ ہو گی۔ دو گ چائے سے لباب بھرے۔ ٹھیکین ہسٹ

بڑے لاد کی بارش تھی۔ شام کا وقت تھا۔ لیکن کالی گھٹائے ہر سمت اندھیرا پھیلا دیا تھا اور آجبار کی باند پرستی بارش۔ پھر وہ بادل ٹکرائے ٹکڑے ٹکڑے دھماکا ہوا نہ چائے کس بد نصیب پر بجلی گری ہو۔ چھین لکل گئیں۔ عقلی کی جو ٹکڑے میں سرگھسائے چوہا پھانٹے منہ لوندھائے چھین مار دی تھی۔ کانوں میں اٹھکیں ڈالے اوس نے عقلی کو ڈانٹا۔

”کیوں بد شکوئی کر رہی ہے لڑکی! استغفار پڑھ تو۔ کر اللہ محفوظ رکھے نہ چائے یہ بجلی کہیں گری ہے۔ اچھا اب اٹھو عقلی چائے بنا کر لاؤ۔ اٹھی خیر کسما خوفناک دھماکا تھا۔ دو لکے ٹکڑے ہو گئے میرے تو۔ تو۔“

”اوس لی! طوفان آرہا ہے۔ دار لگتا ہے مجھے بجلی سے اٹھ کیا ہوشی ہے؟“

”ہاں اور جب گھر کی بجلی چلی جائے تو اندھیرے

مکمل ناول





جانب اور گھر میں میرے لیے نوکر کا خطاب ہائے ہائے
میں کہاں چلا جاؤں۔" چائے ایک گھونٹ میں غصہ کی۔
اٹھ بھی چھٹیں۔

"یہ ہائے ہائے جھوٹے اور شکاری کی چٹاری کو۔ کہہ
دیا ہے میں نے۔"

"شکاری۔ عقلی کی؟ کوئی رشتہ ہے کیا؟ میں بھی
تلاش کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہے خودی آیا۔"

"عقلی کی فکر مت کرو۔ میں قسمی شکاری کی بات
کر رہی ہوں۔"

"میری؟ عقلی کی قسمی شکاری۔ ہاں! اچھا لطیفہ
چھٹ گیا ایک چلی جائے گا۔"

"عقلی فوراً جا کر چائے لے آئی۔ کچے کچے پانی کی
بردا کے پھر۔ آخر اللہ اس قدر اہم اور سستی خیز
ذرا کرات ہو رہے تھے ان ذرا کرات میں عقلی کا وطن
نہ تھا۔ مگر لازم تھا۔"

"بس کہہ دیا ہے میں نے تیار ہو جاؤ اور تم خود کسی
لٹنے سے کم ہو کیا؟ طراز بننے جا رہی ہوں۔ دلوں آکر
جواب لوں گی اور یہ جوتے۔ کچھ بھر کر اندر لے آئے۔
اسد ٹب سدر حوٹے لوگوں کے سامنے میری ٹاک
کناؤٹھے۔ غضب خدا کا اتنے بڑے بڑے جوتے
سڑک کی ساری کچھ بھر کر میرے چھٹے فرش پر انفریل
دی۔ کیا بدلہ ملے کرتے دلدل سے گزر کر آئے ہو۔
اف خدا مجھے۔"

"اٹھ خدا اب سمجھتا اور دیکھتا بھی ہے۔ تب
جانیں لڑائی چٹاری کریں۔ جس میں آپ کو ٹھنڈ لگ
جانا ہے۔ ہاں، بھی عقلی کیا؟ اصلے کی کیا خبر ہے۔ کج
کون سی بد مزاجی کے ہم سے ہمارے سامنے پیش کی
ہائے کی۔ لذت نام و دین کی خاطر۔" وہ عقلی سے
تلاش رہا۔

"عقلی کھکھڑا کر رہی۔" کج کی بات کا نام ہے۔
کو کوشت۔ کوئی کاروائی اور شہر کے کباب۔"

"سمان اللہ۔ اٹھ بی! از خود۔ ان کے دہن رسائی
تقریباً کرنا زبانی ہوئی۔ شام اللہ کو کوشت ٹوکی کا

ٹوے میں رکھ کر کمرے میں لے آئی۔
"اری لڑکی پانی کا بھی قند کہ کچے پانی میں پانی گھول
کر لے آئی۔ اسی جلدی تو پانی گرم بھی نہیں ہوا ہو
گا۔" اٹھ بی! بھی اسی سے یوں مخاطب کرتیں جیسے وہ
اٹاری ہو۔ کترو پھونڈو۔

"اٹھ! اٹھ! لڑکی! کوئلے یا منی کے قتل کا چھوٹا
صیں ہے۔ ہمیں ہے اللہ کے فضل سے منہ بھر میں
پانی پک جاتا ہے۔" وہ پلاٹ پک رہے والی کب بھی۔
ایک ہی اختیار اس کے پاس تھا۔ لہذا۔

"پھر بھی؟ اچھا! کر بیٹھی ہوں۔ اگر پانی کا ہو تو
عقلی بند کی۔ کج تھی خیر میری۔"

"عقلی کی چند اساتذہ۔ کھٹس کر لیں۔" اٹھ بی! کیا سزا
دیں گی۔ قتل کر دیں گی؟"

"توبہ ہے۔ قتل کی زبان کے آگے خدائی ہے۔
بے کچے فضل بولتی ہے۔ دیکھ فون کر۔ یہ اسد کہاں
رہ گیا۔"

"عقلی فون کرنے لگی۔ شکر ہے چائے پر تھوڑے
ہو۔ اسد دوست کے پاس رک گیا تھا۔ وہیں سے میں
بڑا تھا۔ چند منٹ بعد چلی گیا۔ عقلی اس کی چائے لینے
چلی گئی۔"

"اسد! میں قسمی بے حجاب زندگی ہے محبت
تھک ہوں۔ آئے کا وقت نہ چائے کا۔ جب تک تم آ
نہیں جاتے۔ میرا دل پکڑو کھکھڑا رہتا ہے۔ کج کا
طوفان اور قسمی انتظار۔ چٹا وقت کی قدر کرنا سمجھو۔
آخر اتنی دیر تک کیا کرتے ہو باہر۔ گھر کا راستہ کھو جانا
چھٹا تھا۔"

"ایک سو ایک سوال کر دیے۔ کس کس کا جواب
دوں۔ اچھا نہ چائے۔" عقلی چائے لے آئی۔ اٹھ بی!
نے پھر سوالات شروع کر دیے۔

"کوئلہ رکھے اب تم کو کسی دالے ہو گئے ہو۔ اب تو
سجھو ہو جاؤ۔"

"کوئی؟" وہ چلا اٹھا۔ "اٹھ! آپ نے مجھے نوکر بنا
دیا ہائے یہ قدر ہے میری؟ اتنی اسے درجے کی میری

رائیہ اور غلام کے کلب۔ یہ بھی ہماری عقلی کے ہاتھ کے بنے ہوئے؟ کیا قدر مشترک ہے۔ ایمان سے طبیعت صاف ہو گئی۔

اس نے صوفے سے ٹیکہ لگا لیا۔ بایں صورت۔
”اسی لیے اللہ کو آپ کی شادی کا بیرونی باب خیال سوچ کر بیلہ آنے والی کھانا تو مزید اڑانے کی۔ کچھ سیکھ کر ہی آئے گی۔“

”اور اگر۔۔۔ بھی تساری شاگرد ہوئی۔ تو۔۔۔ چلو خیر میں کھانا جیسا ہو۔ کھا لیں گے۔“

اللہ بھی نماز پڑھ کر آئیں۔ تو دونوں من بھائی کوئی وی میں کھانا کھا لیں گے۔

”تم لوگ بھی اللہ کا نام بھی لے لیا کرو۔ یہ شیطانی چرخہ تو جب چاہو۔ من دیا حاضر خدمت۔ عقلی انصاف جا کر نماز پڑھو۔ اس کے بعد کھانا لاؤ ورنہ تساریہ توارہ گرد بھائی چلا جائے گا اپنے دوستوں کی خدمت کرنے کی بجائے اس کے سب کے سب انہی کے محتاج ہیں۔“

”ہائے“ تو مختلف السوس۔ اللہ ہی رحمت نہیں نہیں جا رہا میں قسلی کر لیں۔ آپ کی خدمت میں ہی حاضر رہوں گا۔ دوستوں کو نہ کہ میں۔ بے چارے معصوم۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔ میں ہی بے چارے سے بھاگتا ہوں اچھا۔ اب آئیں۔ باتیں کرتے ہیں مزے مزے کی عقلی بات۔ اچھا۔ میں کی طرح نماز پڑھو۔ پھر کھانا لاؤ۔ میں سب کھاؤں گا۔ غلام کا کھانا۔ غلام کے کونے۔ غلام کے کلب۔ غلام کی کتاب چاہیں۔ غلام کا سر سونے اور غلام کا تعین۔ چاہیں پیاری۔ من۔ شہناش۔“

وہ بول رہا تھا اور عقلی ہنسی سے بے تاب تھی۔ اللہ ہی تھوڑی بہ شہادت کی انگلی رکھے کوئی کوئی کر رہی تھیں۔ پھر غلام کی عمر آ رہی۔

”کوئی کوئی کا کیا مطلب ہے اللہ ہی۔ یہی سب تو کھاتی ہیں آپ ہمارے ہمارے۔ یہ کیم کی ضرورت۔ سبزی کی لذت۔ دو ماہن کے نام۔“

”جیسا! ہر روز تو کوئی مزاج کا کھا نہیں سکتا۔ نہ بڑا نہیں ہی ہو سکتی ہیں۔ پھر کیا کھائے بند۔“

”ہاں! اسی لیے میں دوستوں کی آفر نہیں ٹھکرا رہا کہ کہیں نہ لیں چکن ٹی بی جاتا ہے۔“

”توبہ کرو۔ توبہ۔ شکر کر کے جوئے کھا رہا ہے۔ لڑکھارہا ہے کہ میں تو رقی دے رہا ہوں۔ بندہ مضطرب ہے کہ یہ کھانا ہے۔ وہ نہیں کھاتا۔“

”میں منہ نہیں کھاتا۔ کہہ رہا ہوں۔ سب کچھ کھاؤں گا۔ کوئی کارائیک۔ کوئی کی بھیجا۔ کوئی کے

بکڑے۔ کچھ کچھ مختلف رائے کو بھی دل چاہتا ہے۔ کچھ کامزائد کئے گئے ہیں۔“

ادارہ خواجہ ڈانچسٹ کی طرف سے

بہنوں کے لیے خوب صورت ٹاؤلر

300/-	سادہ بھول ہماری جی	رحمت بھیجی
300/-	اگلے پھا بھجی	رحمت بھیجی
350/-	ایک میں اور ایک تم	حزیرہ راضی
350/-	بڑا آدھی	جیم عمر قریشی
300/-	اور ایک زود محبت	سائرہ اکرم چاندی
350/-	کسی راستے کی تلاش میں	بیوٹو غور شید علی
300/-	بستی کا آجک	شرہ بخاری
300/-	دل موم کا دیا	سائرہ رضا
300/-	سالا آج کا دیا	غیرہ سید
500/-	ستارہ شام	آمینہ راضی
300/-	صحف	نورہ احمد
750/-	دست کدہ گر	فوزیہ یاسین
300/-	محبت من عمر	سمیرہ امجد

پڑھنے والے اک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈانچسٹ

37، دارہ کراچی

اس کے جانے کے بعد عظمیٰ کی شامت آگئی۔
اس نے ٹوب سے ڈانٹا پٹنگاراک اس کی فضول
انتقاد حرکت کی وجہ سے ان کا بچہ بھوکا پیاسا بھر رہا
ہے۔ اس کی عنت الگ۔

”نوبی۔ بھائی اور بھوکے؟ ہاں تو اس میں اور کھانا
ہوئی زندہ ہلو۔ ان کے تو مزے ہو گئے۔ جو چاہتے
تھے۔ میں بے چاری ہو گئی ہوں کے ساتھ پسینے والا لیرا
ہوں۔ کل ہی صبح کی ہوئی۔“

اس نے تو قہقہے نکل کر گھر کر کے کچھ نہ
کچھ کھانا تھا مگر عظمیٰ نے خد سوار تھی۔ نہ کھانا نہ
کھایا۔ یہ الگ بات کہ وہ اسے دیکھنے کے اور حکم کے
بجٹ چھا کر اسے گھر کے میں لے آئی۔ ان ہی سے
گزارا ہو رہا تھا بے چاری کھانا لی کو اس پر ترس آ
گیا۔ اس کے لیے چاری بھلی دن بھر عنت کر رہی ہے اور
خوش ہار بھائی کو کچھ نہ نہیں آگے گھر میں کوئی نوکر
نہیں کھد کر کے۔



عظمیٰ نے تیسری بار ٹوبہ کو پکارا۔ وہ اس سے مس نہ
ہوئی تو بھوکے مارا بھر بھی کچھ سنوائی نہیں ہوئی تو
باتھ بوسا کر بھجھوڑا۔

”بھئی اٹھ جا۔ مجھ کو بڑھی پر ترس کھالے۔ میری
پٹریوں میں دم نہیں رہا کہ خود کچھ ناشتہ کھاؤ۔ کب
سے جگا رہی ہوں۔ تو بچ گئے۔ پانچ بجے سے ناشتے کا
انتظار کر کے آتھی بھی سوکھ گئی ہیں۔“

ٹوبہ نے انگڑائی کے لیے باتھ اونچے کے پھر بچے
کر لیے۔ بلی کے فرسوات (جو ان بچوں کو انگڑائی
نہیں لگتی چاہے۔ شرم و حیا کے خلاف ہے) فطری
آٹھوں سے بلی کو دیکھا۔

”کب بوزھی ہو نہیں آتے؟ رات تک تو بھلی
چنگی۔ بلی کی چھانچہ نہ سا بھلی تھی۔“
”ذائقہ نہ کر۔ اٹھ جا میری چاندلی۔ کب سے جگا
رہی ہوں۔ پہلے فجر کے لیے جگایا۔ نہیں اٹھی۔ صبح

”اسی لیے شادی کا کمرہ دی ہوں۔ زندگی کا مڑا
بدلے لگے مگر کارنگ اور منہ کا مڑا بھی ہے۔ تم کچھ کو تو
اسد نے ہو نفل پر اٹھائی رکھ لی۔ اب وہ کو لگا بن گیا
تھا۔ اس لیے نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے گردن
سوزا اور صبیح کھانے لگیں۔

عظمیٰ جانے لگی باہر۔ اس لیے نے اشارے سے
پوچھا کہ مر؟

”کوئی کا طوطہ بنانے۔“ وہ کھکھلائی۔ لی وہی کی
آواز سوت بھلی تھی۔ مگر حضور میں ہنگ زبانا بھی۔
اس لیے کو دور تک رہ لگی ہنگ بھی کو اور نہ تھی۔ لہذا
لی وہی نہ۔

وہ دن اسد نے کو لگا بن کر گزار دیے۔ اشاروں کی
زبان میں عظمیٰ سے ہی باتیں کر رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھے بغیر
ہنسنے لگی۔

آخر قہقہے دن زبان کھولی۔ ”اسے کسی کو لگا
سینٹر میں داخل کریں تاکہ کچھ۔ کھانا پکانا آجائے۔
ورنہ کھلی کو سرال جا کر آپ کو ہی بدنام کرے گی کہ
اس نے کچھ سکھایا نہیں۔ کم از کم نو ذریعہ ایسا سکھ
لے۔“

”بھلی۔ نو ذریعہ ایسا تو مشکل نہیں۔ مجھے آتا ہے۔“
وہ احتجاجاً بھلی۔ ”نو ذریعہ ایسا تو ہوں میں۔“

”ہاں۔ مگر کھانا بھول جاتی ہو۔ کچھ نہ۔“

اسد نے کو جگا کر کھکھکایا۔ ”اٹھ جا۔“

”اس لیے“ ”بس جس کب آپ فوراً“ بھلی کی شادی
کریں۔ میرا بھائی تو آوا میں کچھ نہ نہیں آگے۔“

”میں تو تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ کل
جب سرال چلائی۔ طعنے نہیں سننے نہیں گے۔“

عظمیٰ نے بھلی باہر نکلی تھی۔ احتجاجاً اس نے ہنسنے
بنا دیا۔ نہ کھانا۔ اسد اس سے آکر کمرے میں گھس
گیا۔ رات کو بن گھس کر باہر نکلا اور دوست کے گھر

مکمل موسیقی میں شریک ہوئے تاکہ کر چلا گیا۔
”صبح وہیں سے آس چلا جاؤں گا۔ بھر رات میں
کھانا کھا کر کوں گا۔“

”جاتے جاتے اس نے کہا۔“

"بلی۔ دعا بھی تو دیں کہ نصیب اچھا ہو۔ سسرال
 قدر دان ہو۔"
 "تو یہ۔" انہوں نے نصیب کا کہا "میل میں گزار
 مٹی ایک کر دیتی ہے لڑکی ذات ایسی ہے دھڑک؟
 شرم نہیں آتی۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ نصیب
 اچھا ہو تو برا۔"

"اور۔۔ یہ بھی کہ دو دھول نسلے ہو توں پھلے۔
 دو لھا خوب صورت ہو پٹی بڑی آنکھوں والے کالے
 گھٹے بالوں والا۔ نہ بہت کورائے نہ کلا میسرے اور
 عاشق ہو جائے۔"

"بلی نے سہارے رکھی جھڑی اٹھل اور اس کی پیٹنے پر
 بھلی۔ اچھل چکی۔" کیا کرنا ہے؟

"ہے جا۔۔ گھٹے ہی بدنام کرے گی۔ لوگ لاپتا
 دیں گے کہ فادوں میں لڑکی خراب کر دی۔ حیا شرم
 نہیں نکھلی۔ ابھی باجی کون نکھانا ہے بھلا۔ کہاں
 سلا کر توڑی شرم سے دے دوں۔"

"نہ نکھانے سے بھلا۔ کیا آتا ہے۔ یہ تو دل کی
 آواز ہے بلی۔ بے حیائی کہاں سے آتی؟"

"اچھا اچھا۔ اب ہر کسی کے سامنے یہ ذکر نہ کرنا۔
 مڑکی فکل کون دیکھتا ہے۔ بس مکتا ہو۔"

"ہمیں تو ساری عمر فکل دیکھنا ہے۔ بد صورت ہوا
 تو کمالی جائے ہمارا میں۔"

"بڑا دانی کرنا کرائی یا ہر فکل مٹی چائے کے برتن لے کر؟
 فلی سر قدام کر رہ گئیں۔ ابھی میری عزت دیکھنا۔ یہ
 لڑکی گھٹے کیس کا نہ چھوڑے گی۔ جانے کیسے لوگوں
 سے واسطہ پڑے گا۔ کل کو۔ اپنی حرکتوں کی وجہ سے
 کیسے واپس لاہری نہ آجائے۔ کون بڑا شست کرے
 گا اس کی حرکتیں۔ پریشانی سے ان کے سر میں درد ہو
 گیا۔"

"تو یہ بڑا تھی۔ بے دھڑک۔ اور لفظ اس کی لغت
 میں نہ تھا۔ مقابلہ کرنا۔ لڑنا۔ زبان چلائنا اس کی عادت
 تھی۔ منہ زور اور بے ہاک۔ بچپن میں ماں سے عوام
 ہو گئی۔ باپ نے دو سری شادی کر لی۔ تو یہ کی دیکھ بھل
 کے لیے۔ (یہ باپ کی محبت کی انتہا تھی) اس دو سری

چائے کے لیے پکرا نہیں جاگی۔ اب کیا جو کارنامے کا
 نرا۔ ہے۔ بٹے بٹے کہاں چلی جاؤں۔ کس سے
 کوں۔ کوئی میرے پرچہ کی لاج رکھ لے۔"

"تو یہ بڑا کر اٹھی۔" بس کریں بلی یہ فریاد ماںوں
 لوگوں کے لیے رہتے دیں۔ میں جو ہوں۔ آپ کا برا
 بھلا سننے کے لیے سلاتی ہوں ہر طرح پر رشتہ۔"
 "یہ ہر طرح پر رشتہ کیا ہوتا ہے؟"

"نورائے۔ بلکہ نوحہ فخر کے بعد سے نوبے تک کی
 بھڑکی آستوں کی دلدور سی کر سکے۔"

"چھانگ لگا کر بلی کے گلوں سے بچے کوئی نور کسی
 چھلاوے کی پائندہ کمرے سے باہر۔ بلی کی چیخ سنی نہیں
 جو اپنے صفی دھو کی خیر مناتے ہوئے بے ساختہ ہی
 چیخ اٹھی تھیں۔"

"لوہڑا ایک۔ کوئی لڑکیوں والی نزاکت نہیں۔ منہ
 ہاتھ دھوئے بغیر۔ ہاں باتوں سے ہشت ہالائے گی۔"

"بلی دیر بڑا میں۔ اتنی دیر میں ہشت تیار تھا۔ وہ
 بطور معائنہ کرنے لگیں۔ اس میں تو شک نہیں۔"

"جیسی وہ چھلاو تھی۔ دیہاتی پر کام تیز رفتاری سے کرتی
 بچت اس کیسے بھی عمل کرتی۔ کمرے میں چابی کباب
 کچھ کے ساتھ بن میں رکھ کر رکھ لاتی تھی۔ گرم

گرم چائے۔"
 "اتنی جلدی کیسے بنائے تو یہ۔ تو مجھے حیران کر

دیتی ہے اور یہ کباب کون سے ہیں۔ کہاں سے آئے؟

"حیران نہ ہوں۔ کباب میں نے بنائے ہیں۔
 ذات خود بدست خود چھین کریں انھوں نے فکل آپ

کے لیے جو فلی بنائی تھی اس کی بوئیاں پر سون کی چٹے
 کی دال خشک کر کے۔" طار کر ہیں اس۔

"ایسے میں مطلب انڈیا چھینت کر اس میں کباب ڈبو کر
 قہ لے لے۔ لیکن کے ساتھ کچھ اور کباب۔ بن

موجود۔ ہر گرتار کیسے گئے۔" پر امید نظموں سے بلی کو
 دیکھا۔

"ہوں نہیں اٹھے ہیں۔ میری کار گزار بچی ہے
 شہناش۔"

میں نے ٹوبہ کو سنبھالا اپنی تمام باتیں بھی اس کے نام پر
 ہاتھ دہن میں اٹھائیں۔ وہ جس طرح اپنی منہوں
 سے لڑتی۔ انہیں دھتکارتی۔ ٹوبہ کھیل کھیل میں
 خوب لکھ کھل میں ہنس ہنس کر بے حال ہو جاتی۔ وہ تو
 مردوں سے بھی زیادہ چالاک۔ بلکہ باقاعدگی کو بھی پرانہ
 سمجھتی۔ ایک بار تو اس نے اپنے منہوں کو اپنے اندر کر
 دھکی بھی کر دیا۔ کہا کہ یہ بد نظار ہے۔ عورتوں پر
 دور سے دیکھتا ہے۔ اور اس گاہ میں داخل ہوتا ہے۔

ٹوبہ نے یہی دیکھا۔ یہی سمجھا۔ ٹوبہ کے چھوٹے
 بھائی، سن بھی ماں سے تربیت لے رہے تھے۔ ہمارے
 کے ابا نے ٹوبہ کو اس کی بھائی کے پاس تربیت کے لیے
 بھیج دیا۔ کہا تو یہ کہ آپ کی خدمت کرے گی۔ مگر وہ
 اس سے ڈر گئے تھے۔ چلے نہ سکے۔

جنگلی مور، تین نہ تھوڑے بے مہلا کھاتی۔ ہر
 وقت کچھ نہ کچھ کھاتی۔ باتیں کرتی جیسے لکھ مار رہی
 ہو۔ خوب صحت مند گوری یعنی مولیٰ مادی۔ ہر آئے
 گئے کو اپنی سبز آنکھوں سے گھور کر دیتی۔

تین سال میں مٹی نے واشٹ فٹ کر بیاہت ہے
 مار پیٹ کر سمجھا بھگا کر کچھ نہ کچھ انسان بنانے کی
 کوشش کی۔ قرآن شریف پڑھایا۔ نماز سکھائی۔
 پکائے کا سے خود بھی شوق تھا۔ کھانے کا بھی ملاں سے
 چینی سمجھا۔ قندیلے پیلے چلی کے چڑھیں میں دھولوں
 سے دھستی کی۔ حرکت عقلی دماغی تعلیمی کھلی کھلی کو برا
 نہ سمجھتی۔ چکر۔ لڑکیوں سے بھی دھواں دم بڑھتی۔
 اب تو بہت شہادت کے دنوں میں تھی۔ مٹی چالاک
 تھی کسی طرح انسان بن جائے اور انسان دین کی
 تھی۔

ٹی دبی کے کونگ شر سے مختلف ملکوں کے کھانے
 بھی سمجھ لے تھے اور بے مٹی نے کہا۔

"میک جانا آئی گیا ہے۔ تو بھی بنا کر کھاؤ۔ کبھی۔"
 "میک لوہن میں مٹا ہے۔ وہ ہمارے ہاں نہیں ہے
 لوہن ٹکڑوں میں دھنڈا کھائی گی۔"

"کو میرے پاس آتے پیچھے ہی کب ہیں۔ سبھی
 والوں کی۔ اگلے سال لوہن آجائے گا۔"

سارے دیہان میں اور اور پھرا کرتی تھی۔ ایک دن
 خبر لائی۔ کچھ چلی گئی جس جو خان صاحب ہیں۔ وہ اپنا ہاتھ
 سلطان فروخت کر رہے ہیں۔ لوہن بھی جو حقانی قسمت پر
 مل رہا ہے۔ کھم اسٹے پیسے بھی نہیں۔

"مٹی۔ ہاں لوگ آپ کو اسے کھپے کھل دیتے
 ہیں۔ خود تو بیٹھ کر رہے ہیں۔ آپ نے بھی ان پر
 لاکھوں لٹا دیے اور ہاں ان سے کھسے لوہاں آئی
 ہے اس کا خرچہ بھی سمجھیں۔"

مٹی ہنس دیتی۔ بچ تو ہے۔ تین بیٹوں پر لاکھوں
 کروڑوں نہیں۔ سب کچھ لوہا۔ جسم چھوٹی سی ساری
 طاقت خرچ کر دیتی۔ جب کسی قابل ہو سکے۔ شاہوں
 کر کے ایک کینڈا ایک سمجھتی رہ جاتا ہے۔

تیسرے بے شادی نہیں کی تھیں۔ کچھ بھی امریکہ بھی
 اٹھینڈا کبھی چارہ خورد اب تو پاکستان میں ہی تھا۔ مگر کھرا
 راستہ بھول گیا تھا۔ کچھ نہیں اٹھائی یادداشت تھی۔ کھنڈ
 کھنڈ ہوئی ہے۔ ہاں باپ پادریجے ہیں نہ گھرنے کھرا
 وہ سکھن۔ خوں باپ ان کے لیے میا کرتے ہیں۔ اور
 مٹی کا تو یہ حال تھا کہ اب دل کے ٹکڑے ہزار ہوں گے
 کوئی نہیں کر سکتی۔ ہاں کر سب کہتے ہیں کہ یہ بھی
 نصیحت جانو کہ مٹی کے لیے اپنی کھلی سے رقم تو بھیج
 رہے ہیں۔ ورنہ دور ٹھیک تھائی کس کے سامنے ہاتھ
 پھیلاتی۔

پھر جاپنا اکثر فون کرتا۔ مٹی تو فون پر بات کرتے
 ہوئے روٹی پر تھیں۔ ٹوبہ ان کے دھوکے تر مٹی اپنے
 بے دھڑک انداز میں کرتی۔ اس نے ہی ہاں سے
 اپنے لیے خرچ پڑھنے کے کھڑے رو کر رقم پڑھانے کا
 نشانہ کیا۔

ہاں نے فوراً اس کے لیے مٹی آرڈر بھیجا۔ وہ
 مزدور کے سرے لوہن رکھ کر لے آئی۔ اسی مزدور سے
 لوہن فٹ کروایا۔ بلکہ اسی سے بچن خوب رنگڑا کر
 دھلوایا۔ سلیب بھی چکوا لیا۔ اور مزدوری میں پڑا
 چو لھا اس کے حوالے کر دیا۔

مٹی حق دیتی اس کی کارروائی دیکھتی رہیں۔ جو حاجتی
 کرتی۔ خدرا تھی کہ رات میں کسی چیز کی ضرورت

”یہ بھرا لیا جائے تو باری کھولی جائے گی۔“ عقلی پر اسرار لوجہ اختیار کر چکی تھی۔

اس نے مزے سے ہنستے ہوئے کہا: ”یہ کھولنے کے بعد بہت لطف آیا۔ پھر کرسی پر بڑے توپے سے ہاتھ صاف کیے۔ منہ دگڑا اور مڑ کر اللہ لی کی جانب سر نکال دیا۔ ”یہ تو پھر اللہ لی باری کھولی جائے“ انداز فخرانہ اور شہانہ تھے۔ گویا کہہ رہا ہو۔ ”کو فریادی۔ ہم جہہ تن گوش ہیں۔“

اللہ لی نے اس سے بھی زیادہ شہانہ انداز اختیار کیا۔ آخر میں تھیں۔ بدن کی پھٹنی لے کر کل ہمیں شہ کھل جاتا ہے۔ تو نور تھیں۔“

”شہ کھلو؟ کیوں؟ وہیں کون ہے؟“ کہتے کہتے یاد آیا۔ خال خال۔

”میں کی سمن۔ بھول گئے؟ ہاں! رشتے دار کب یاد رہتے ہیں۔ ابھی تمہارے کسی دوست کے گناہ دار کا کام لیا ہو گا۔ فوراً ایک کرکٹ لے کر کھڑے ہو جاتے۔ سمن کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہہ دی جاتی تھی۔ خیر میں کیا تے ملے جا رہی ہوں۔ ثوبہ کو بھی دیکھ لو۔“ عقلی اشارہ۔

”کیا؟ ثوبہ؟ وہ؟“ عقلی ہلکا۔ اللہ لی اس میں دیکھنے والی کیا بات ہے۔ ہر طرف سے نظر مڑتی ہے۔ بلکہ نظر آتی ہی رہتی ہے۔ لاکھ آنکھیں چرائیں۔ پھر بھی۔“

”جپ۔ تم نے جب دیکھا تھا وہ بچہ تھی۔ تمہو چوہہ سمل گی۔“

”اللہ لی۔ تمہو چوہہ سمل کا پسلوون بچہ بھی پسلوون ہو آہ۔ ہاپ بختا۔“

”اگر وہ تو اس کے مرنے کے بعد بے چاری کو کوئی دیکھتے وہاں تھا تو شرعاً صارتی ہوئی تھی۔ اب تو تین سمل سے تباہ کے پاس ہے۔ سب کچھ سکھایا ہے اسے انہوں نے۔ بس یہی دیکھتا ہے۔ سلیقہ طور طریقہ مزاج۔“ اللہ لی بولی بھواری تھیں۔

”ہاں اللہ لی۔ ابھی کے تو بات ملے کر ہی آئیں۔“ عقلی نے بولی کی کرکھولی۔

ہوئی۔ ایک ہیڑا لے کر گلی کے کھڑے سوائے آئی گلی کے منہ کرنے پر ڈنڈا اندر سے زمین پر مار دی۔

”کوئی بیڑھی اچھ سے دیکھے تو آنکھیں نکال دوں گی۔ کر پر ڈنڈا رسید کروں گی تو کتا ہو جائے گا۔“

راستہ چلتے ہوئے بازوئے کو لہرائی پٹنی تھی۔ رات میں اچھ اچھ کر دینہ کر سے کس کو ڈنڈا پکڑ کر باہر جانے لگتی۔ ”ٹپ ٹپ۔“ ”کھل۔“ ”ٹپ۔“

”ہائی! صحن میں کوئی چور ہے۔ خبر لیتی ہوں جا کر۔“

ٹپ ٹپ تھا ہو تھی۔

”کوئی چور نہیں ہے۔ کلا موٹا چا ہے۔ دھار سے کو آہ ہے۔ روڑ آتا ہے کھانے کی تلاش میں۔“ لیکن اسے کسی چور کو ڈنڈا مار کر فرش چٹانے کا بہت شوق تھا۔

کھڑکی کے پیشوں سے سورج کی کرنوں نے اندر بھاٹکا۔ روشنی تیز روشنی۔ کوا یک دم جھٹکا کھیل اسد نے مڑ کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ سورج چوری تو گلی کے ساتھ کھانڈ کی پھیلا ہوا تھا۔ کھل چڑھ کر کھڑکی کی آغوش چھنی کھانڈ۔ گلی دن سے گھر میں خاصا سکون تھا۔ عقلی کے ساتھ لڑائی ہوئی نہ اللہ لی سے بحث۔

چھنی کے دن چشت خوب تھا۔ ہوا آٹھا۔ اللہ لی کی مہمانی تھی۔ تیار ہو کر کھانے کے کمرے میں آیا۔

”حسب توقع زینت تھم کا شستہ حیر کر کھا تھا۔ عقلی ابھی تک نہیں تھی۔“ اللہ لی خراشیں ناشتے کے لیے آ رہی تھیں۔ اس کے سلام کیا اور اپنی کرسی پر ڈٹ گیا۔ سر خاص فرخہ لکھتے۔ نکلے ہوئے ٹوس اور ذندہ پور تھا۔ خوب صورت سیٹی کوڑی کے اندر چھنی کی چائے دانی میں خوشبو دار گرم چائے۔ لیکن سے خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ ابھی وہ ذندہ پور اٹھے آہلیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ عقلی تین کھلو لے کر آ گئی۔

”اب۔ آج یہ عظیم الشان دعوتی چشت۔ کس سلیطے کی کرسی ہے۔ یہ سلیطہ کھلو۔ ذندہ پور تھا۔“

"کیا ۱۳۴۲ھ کی سی سے اچھا۔" یہ طور طریقہ مزاج
ہاتھ ملے گیا منصوبہ بندی ہے کس کے؟

"تمہارے لیے۔" اللہ بی نے پٹاری کھولی۔
"اللہ بی۔" وہ درد بھرے انداز میں مخاطب ہوا۔
"فروادی کو بے دخلی زبان دراز جنگی لڑکی۔ بڑے
نعیب چہرے۔ کیا میں لکھا گیا گزرا ہوں؟" کراہنے
لگا۔

"نہیں۔ سناگل نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ تمہیں مصیبت
میں ڈالوں، تو مجھ کو کہہ کر فیصلہ کروں گی۔"

"روح زخم میرے آقا۔ وہ پھوڑ۔ بد اخلاق۔ کھانا
بچر۔ بکر بکر مٹی کا جرجرے جاتی تھی۔ کس کو پسند آ
سکتی ہے۔ آنکھیں دھیمی ہیں۔ الف میرے لٹھ۔
طوٹے کی آنکھ جیسی۔ رنگ بدلتی ہوئی۔"

"جب روو لوہر چلنے کی تیاری کرو۔" فروادی کی ایک
نہ سنی تھی۔

"مٹھنی کو بھی لے چلیں۔" تبعہ اداری بدرجہ
مجبوری۔ شاید غلطی کو وہ شاہکار پسند نہ آئے۔

"کوئی ضرورت نہیں کاٹھ لے کر جانے کی۔" حکم
حاکم مرگ مناجات چھٹی ضابط ہو گئی۔ چلتے چھتے رہنا
تھکان بھر۔

"اسے بھی بھا بھی پسند کرنے کا حق ہے۔" شاید
کے۔ اسے پسند نہ آئے۔

انہو۔ مولیٰ یہ زبان۔ تنگی اس بھدر بھدر اور حیرت
اور وہ لڑتی پھرتی۔ مجھے یہ دیکھنا پسند ہے۔ گئے ہوں۔

کون پسند کر سکتا ہے اللہ بی کا قربان۔ وہ تبعہ دار۔
اگلے دن ہی شاہ آبلو کے اس بڑے کیت کے سامنے
کھڑا اٹھل بھاڑا تھا۔ اللہ بی کیسی سے اتر کر ڈرائیو
سے بہت دیر تھیں کہ ٹیکسی کو ٹاپا دھاک لایا تھا۔ اندر
کھنٹی کے ساتھ بد تمیزی تو انا (سب تو قلع)

"کون ہے۔ بے قرار روح ہے سبر سا۔ نام بتاؤ۔"
اس نے نقل پر انگلی جمادی اور چلایا۔

"دروازہ ٹھوٹا ہوا ہے بد تمیز۔" ولایت پیسے تھے۔

"کوئی باسی یہاں نہیں ہے۔ انکار دھمکتا۔" اندر
سے کھنکھسی سی تواز آئی۔

"اندر بیکم صاحب سے کو مسلمان آئے ہیں۔"
"بڑے آئے کیس کے مسلمان۔ دیکھیں بی۔"

ہمارے ہاں لاہور سے مسلمان آنے والے ہیں رشتے
دار۔ اس لیے ہم کسی سے نہیں ٹپیں گے۔ آپ۔
کل آجائے۔ ہم رشتے داروں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہم بھی رشتے دار ہیں لاہور سے آئے ہیں۔"
کھناک سے دروازہ کھٹکا۔ لوہے کی پانچیسے روشنی

کا فوارہ نکل پڑا ہو۔ چٹک چٹک چہرہ۔ بھروسے ہاتھوں کے
بالے میں دھن دھن جھنجھٹ آنکھیں سبز رنگ بدلتی آنکھوں
کی جھکائی ہو۔

"کیا یہ تیرا ہے۔ کل آجائے۔" آج ہمیں
بست بکھ ہے۔

"ہلو۔ اندر آجائے۔"

"ارے واہ۔ کھانا تاکہ کل آجائے۔ کون ہو کہیں
سے آئے ہو۔ شناخت بھی ہے کوئی۔ ہم آج کسی

اپر سے میرے تھو خیرے سے نہیں مل سکتے۔"

"ہم بھی لاہور سے آئے ہیں۔ رشتے دار۔"

"ہیں؟ بھولے کہیں ہیں چھوٹی ٹلی۔ ڈنڈا دیکھ
رہے ہو۔ سر جھانڈوں کی اندر نہیں آئے ہوں گی۔"

اللہ بی ابھی پہلی سیز می پر تھیں۔ دیوار کا سارا
لے کر لوہے آ رہی تھیں۔ اس نے پھوٹے کے جیسے

گردن باہر نکلی۔ پھر جھانک لگا کر نیچے کوئی۔ اللہ بی کا
ہاتھ پکڑ کر اندر لوہے لائے گی۔ لوہے آکر غصے سے لہو کو
ٹھوڑا۔

اللہ بی دھانوں کی تحصیل بھوان کر دی تھیں۔ آخر
اندر آنے کا اذن ملا۔ حسب توقع خاندان لاہور اللہ بی
آنسوؤں کے چہلے کے ساتھ گلے مل رہی تھیں۔
سلام دعا پار۔ وہ تپوں کرے میں چڑھ گئے۔

چند منٹ بعد وہ چھلان صلت لڑکی ٹرے میں چائے
لے آئی۔ ایک فروٹ جات۔ دی بھلے۔ واہ۔ وہ تو
بقول غصے ٹوٹ پڑا۔ بھوک کا بھوک بھی تھا۔ چائے
کے بعد "تم آرام کر لو" کا اشارہ پاتے ہی وہ دو گن پڑی

لیٹ گیا۔ وہ کئی اور کس بھلی سے اس نے چائے کے برتن سمیٹے اور بے جاہ جاہ بھر کئی بھر کئی طوفان میل اور صرے اور بھجی چٹائی نہ جانے کیا کام کر رہی تھی۔
”بیٹھا“ بیوی میں سے فٹ تھے۔

”خدا اے! کیا آپ کے گھر میں رشتے داروں کے علاوہ لوگوں کا داخلہ بند ہے۔“

”نہیں تو۔ میرے تو سب پروسی میرا خیال کرتے ہیں۔ آج بھانگا رہتا ہے سب کا۔ ورنہ میں یہاں آکیل کیے رہتی۔“

”لیکن آپ کی ماسی نے تو دورانہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا کہ اگر ہمیں ایسے غیرے تو خیریں سے آج نہیں ملنا۔ رشتے دار آئے والے ہیں۔“

”ارے بس۔ اس کے دماغ میں فطور ہے۔ میں جو بات کہہ رہا ایک وارہ اس کے لیے چٹکی کھیر ہوتی ہے۔“ خالہ ہنس کر کہنے لگیں۔ ”میں نے ہی کہا تھا کہ آج کسی کے لیے دورانہ نہ کھولنا۔ اصل میں بچوں والیاں آجاتی ہیں۔ گھر میں شور مچا رہا ہے۔ وہاں سے میں نے سوچا۔ غصہ آئے والی ہے۔ دوسروں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔“ خالہ بتا رہی تھیں۔ ”خالہ! میں بھی سن رہی تھیں۔ (ماسی پر غور نہیں کیا)“

”تو میں کیا بچوں والی لگتا ہوں؟“ وہ بے لمان گیا۔
”ارے اب کیا باتیں۔ جو دماغ میں سما جائے وہی کرتی ہے۔ اب تو بہت سب کچھ ملتی ہے۔ بچے والی نہیں رہی۔ ارے اس کے باب نے تو ایک ٹکڑی کا کد ا میرے حوصلے کھانسا ہے۔ میں نے پھیل چھل کر کاکت جیت کر سمجھ لیا کہ اگر وہاں چار بندوں کے بیچ میں بیٹھے تو ہندی لگے۔ بند نہیں۔“

اسے ہنسی آگئی۔ بھر دو دنوں بچیں نہ جانے کن کن رشتے داروں کا ذکر کرتے لگیں۔ وہ بچو ویر بعد اٹھ کر باہر نکلا۔ صحن میں تو سیلاب کیا ہوا تھا۔ کمرے و پینے پانے میں پانی کے چھلکے پانی کی دھارا اور پانی میں بھانگا لے لے سیلاب کو لور سے لور کر رہی تھی۔ ساتھ ہی گنگا وہی تھی بلکہ باقاعدہ گا رہی تھی۔
دھونڈھو کے ہمیں ملوں ملوں۔

لٹنے کے نہیں ٹایاب ہیں ہم۔
عابدہ برویں نہ ہو تو۔ گھٹلی بیویوں پر پانی پڑتا۔ اور اس پاس ٹھپکے بنتے چھوٹے۔

لٹنے کے نہیں ٹایاب ہیں ہم۔ ”اسد نے کھٹکار کر اپنی تھ کا اعلان کیا۔ وہ چوڑی۔ چپ پچیک جلدی سے دہنٹ کھول کر خود کو احساں کیا۔ پانچنے لچکے کیے۔

”میں زرا ہار جانا چاہتا تھا۔ یہ فرش میرے جوتوں سے بھر گندا ہو جائے گا۔ اس کے۔“

اسے جواب میں کتنا چاہیے تھا۔ ”آپ چلے جائیں میں فرش دھو رہی ہوں۔“ اس نے ہو جائے گا۔“

اس نے کھلے۔ ”تو میں نہیں ہے آپ کو۔ زرا شمر کر چلے جائے۔ آئے گھٹلی اور سر کی سو جی۔ دھو رہی۔“ اسے قصہ ”پانی“ بھی نہیں بھی نہیں ہے۔
”فرش صاف تھرا تھا کیا ضرورت سمجھائی خالی کرنے کی۔“

”وہ زرا ہار تھلائی۔“ اچھا نہیں ہے کہ آپ کا۔
”ملا دھو رہی ہوں اس لیے صاف رہتا ہے۔“

”میں صبح بھر تھا۔ تم سے پانی مانگ کر پانی ہوں۔ تمہو کی۔ یا خود تلاش کر لوں۔“

”زرا صبر کریں۔ کھلی چلی گئی ہے۔ پانی ٹھنڈا نہیں ہے۔“ اس کا جواب شاید ایسا ہی ہو گا۔

”تم ہر نہیں جانتیں۔“

”بھائی ہوئی۔ اہم ضرورت۔ یعنی آڑے وقتوں کے لیے بچا کر رکھتی ہوں۔“ عجیب متعلق تھی۔

”آڑے وقتوں سے کیا مراد ہے؟“

”سواری۔ وہ اصل میں کسی خاص مسلمان کے لیے جو اہلک آجائے اور شہرت پاتا ہے تو۔“

”عجیب ہو۔ میں خود ہی تلاش کرتا ہوں۔“ اس نے قدم پر بھاگے۔ ”بچن میں پانی ملے گا؟“

”صبر کریں۔ لاہوری ہوں۔ بچن میں موبوں کا داخلہ بند ہے۔ گزرتا کہ پتے تھرتے۔“

”یہاں کون موبہ ہے جو مین گزرتا کرتا ہے۔“

جواب دے رہی ہے۔ ایک لڑکے کی قصور آئی۔ اچھا خاندان تھا۔ عمود ازانہ تھی۔ دلچ کرہول۔ منہ نہ تھا جن پہاڑوں تھلہ میں میں ہے چاہے کو جن پہاڑوں ایک دھ ایک خاندان آئیں جیسے کو بھی ساتھ لے آئیں۔ ان سے پوچھنے لگی۔ تب کے گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ "تین کمرے ہیں۔ ایک میں بیٹا بیٹا ہو۔ ایک میں ہم مہاں بیوی۔ بیٹا اس بھولے بیٹے کا ہے۔" تو کتنے لگی۔ پھر بتائی کہیں رہیں گی۔ انہوں نے کہا کہ انہوں نے بتائی کہ میں انہیں انہیں بھول دیاں۔ جہاں میں چاہوں گی ہیں یہ بھی ہیں گی۔ لہذا وہ تو اٹھ۔ یہ جاہ جہاں ان کے جانے کے بعد میں نے لکڑی سے اس کی شکل کی۔ بھلا بیٹا۔ میں اس کے ساتھ کیل رہوں گی۔ یہ بھی کہتی ہے اس لڑکے کی پانچس بھولی۔ دھڑکا ہے۔ اس کی اہلی بھی پاسوز مرنی پڑی ہیں۔ کسی کو سانس کسی کو تنہا کر۔ کر دیتی ہے جہاں کہیں سے لہاں اس کی پسند کا رشتہ۔ سب سے بڑی شرط تو یہ ہے کہ۔ سانس نہ اٹھے مزاج کی ہوں۔ جس کو خوش خلق۔ یہ ہنسی رہے۔ لوستور ڈا

"ہوں۔" اس پر ہوں آتے ہیں تو۔ بھی چاہئے جا رہے ہیں تو بھی بھی بھی۔ سب کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ اس لیے۔ میں نے داخلہ بند کیا ہوا ہے۔" اندر جا کر بیٹے لے آئی۔ اس کی بیٹی کر گھر سے باہر آ گیا۔ شہ آباد چھوٹا سا قصبہ تھا۔ صاف تھری سڑکیں اور پتھر کے درختوں کی قطاریں۔ شام ہو گئی تھی۔ ہوا آغوشی تھی۔ خوشوار موسم تھا۔ چل قدمی میں لطف آ رہا تھا۔ چند اور لوگ بھی جو گنگ کے لیے نکلے ہوئے تھے ایک دو اسٹور بھی تھے قریب میں۔ اسٹور سے عقلی کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدیں اور واپسی کے لیے عزیمت۔ لہذا سونے کی سرفی آسمان سے زمین تک برس رہی تھی۔ انھما میں پھولوں کی مسک سی لہر اور سرفی نے ہر چیز کو رنگین بنا دیا تھا۔ آسمان پر اکاؤ کا پادلوں کے ٹکڑے تھرتے پھر رہے تھے وہ بھی گھٹی ہو گئے۔ طبیعت میں چو پھل سی پیدا ہو گئی۔ عقلی بھی انتہائی خوش ہوئی۔ گھر آ گیا۔ گیت بند تھل تھل۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

"مسلمان۔" اس نے جواب دیا اور مسکرایا۔ "مسلمان تو ہمارے گھر پہلے سے آئے ہوئے ہیں۔" اپنا نام پتا۔ "افو۔" کیا ہمارا شناختی پتہ کوئی پڑھ سکتی۔ میں ہوں اسد۔ "نہ وہاں کھٹ سے نکلا۔" "شہادت تو خود ہی ہے۔ سب کو پتا ہے یہاں کوئی مو نہیں ہے۔ کوئی بھی چور مسلمان کے روپ میں آ سکتا ہے۔" اسد صحتاً نا اندر آیا۔ وہاں میں جا تھی۔ اہلی بی بی ہنس رہی تھیں۔ اسد نے دیوان پر لیٹے ہوئے کہا۔ "اہلی بی بی! کہتا ہے خالہ اہل نے لطیفہ سنایا ہے۔" خالہ بھی ہنس پڑیں۔ "سنوڈا اپنے بیٹے کی باتیں۔" لطیفہ سنائے کی عمر ہے میری۔" اہلی بی بی نے پریشانی سے کہا۔ "اچھا پھر اور بھی تو رشتہ کیا ہو گا؟" خوب صورت ہے۔" "آتے ہیں۔ اس کو کب پسند آتے ہیں۔ صاف

خالہ اہل کے چہرے پر ایسی تھی۔ اہلی بی بی نے میں منہ دیا ہے ہنس رہی تھیں۔ "آپا اس سے پوچھیں ہی کیوں ہو۔ جو مناسب لگے رشتہ کر دے۔" آخر کسی روک کر مشورہ دیا۔ "یہ دھمکی بھی دے چکی ہوں۔ کہتی ہے۔ پھر میں آپا کے گھر جھاگ جاؤں گی۔ ڈرتی رہتی ہوں کہ کہیں چلی نہ جائے۔ آپ اس کی عادت ہو گئی ہے۔ سسرال جا کر جو کچل کھائے گی۔ وہ الگ داتے ہیں۔" اسد کو غیہ آ گئی۔ ہاتھ میں دیکھی جو نہ تھی۔ اعتقاد کر گئیں۔ فضول باتیں۔ لڑکی ہند کب تک سٹلا (وہی سٹلا) نہ جانے تھی دیر ہو گیا۔ اہلی بی بی نے دیکھا۔ دات ہو گئی تھی۔ "کھانا کھاؤ۔ پھر ساتھ والے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔" کھانا میرا تھا۔ یہ تو علم نہ ہوا کہ کیا کیا تھا۔ مگر جو کچھ تھا۔ لذیذ شوق سے کھایا اور پھر کھانے کے لیے

صحن میں آیا۔

سوج رہا تھا لہذا لی کو ٹوپ پر بند نہیں آئی۔ تبھی مشورہ دے رہی تھیں کہ اس سے ہاتھ پیچہ رشتہ کر دو۔ اسے کو بھی اس لڑکی میں خلعت کے جراثیم زیادہ نظر آئے۔ پسندیدہ تو کچھ نہ تھا۔ آخر وہ ہر دشتہ دیکھ کر کھل کر رہ گئی۔ شاید اسے کوئی اور پسند ہو۔ خالہ اللہ بھاری کچھ نہ پائی ہوں۔ لیکن میں کھٹو چرسن کر اس نے جھانکا۔ سوہرہ تن دھوری تھی۔

"سنو! لڑکی کیا نام۔"

"ٹوپ ہے میرا نام۔ ہاں اب کو کیا بات ہے۔ سامنے والے کمرے میں سو جانا۔ پانی بھر کر جگہ رکھ دیا ہے۔ چائے چاہیے کیا؟"

"نہیں بھئی۔ میں رات کو چائے نہیں پیتا۔ نیند بھاگ جاتی ہے۔"

"اسی لیے میں تو جاتی ہوں۔ نیند بھاگنے کے لیے۔" (عجیب پاگل لڑکی ہے)

"کیوں رات میں تھیں کھینچ کر رہی کرتی ہوتی ہے یا پھر سوتی گاؤں کی سانس لے کر جاتا ہو۔ نیند نہیں بھاگتی ہو؟"

"چوروں کو بھاگنے کے لیے جاتی ہوں اگر کوئی چور آجائے۔ سو تو کوئی ہے نہیں۔"

"تمہیں چوروں کے لیے کھنچ جاتی ہو۔"

"اس کا سر بھانڈوں کی طرح کیا کرنا ہے۔ دیکھا ہے ڈانڈا۔ گلیوں لگوئی ہیں اس پر۔" سناٹے ڈانڈا لگا ہوا تھا۔ مسلک چھلکا۔

چائے پینا گئی تھی۔ اب کپ میں چھان کر چینی گھول رہی تھی۔

اسد کمرے میں آیا۔ لہذا لی اور خالہ اللہ کی باتیں ختم ہو رہی تھیں۔ رات بھر سلسلہ چلے گا۔ کیس لہذا لی مادے ہو رہی کے رشتہ دے نہ دیں۔ کہتا تھا کہ پسند آگئی تو اسے پوچھ کر رشتہ دیا کی۔ رات بھر خواب میں چور آتے رہے۔ جن کے وہ خود ایک کیلوں جڑے ڈانڈے سے سر بھانڈا کر دیا۔ صبح آٹھ بجی تو بھئی آگئی دوا بھئی۔ کس قدر مضحکہ خیز

خواب تھا۔

صبح سناٹی تھی۔ ٹکابا اندھیرا۔ بجلی سی روشنی سناٹا موسم۔ نماز پڑھ کر صحن میں آیا۔ لہذا فریضہ لہذا ہوا۔ دو دانہ کھول کر وہ اندر آئی باتیں۔ اسنے سوہرے کو کچن میں جا کہی۔ وہ بھی جنس کے بارے میں کچھ کیا سنو! کیا تم باہر سوہرہ دیتی رہیں۔ گھٹ پر۔"

"نہیں تو۔ میں دو بچوں کی سناٹ میں کھی سے نماز اور پونہ تو ڈر لگاتی ہوں۔ یہی صبح بھی۔" وہ آگلی سے نماز اور پونہ سلیم پر دھڑکی تھی۔

"سنو! اسے تو شادی کیوں نہیں کرتیں؟ میرا مطلب ہے ہمارا لہذا بہت کھرم ہے۔"

"انہیں فکر کرنے کی طاقت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" وہ اب کہی۔

"تم کسی سے اس۔ مطلب کسی کو پسند کرتی ہو۔ تو کیا۔ خالہ کی طرف سے؟"

"نہیں کی نہیں کسی ختم نہیں ہو تیں میری شادی کی فکر۔ لہذا اس کی شادی کی فکر۔ شادیاں ہو بھی جائیں تو وہ ساری عمریں پائیں گی۔ بہت محبت ہے انہیں کھڑوں سے۔" ڈانڈے لگا لے۔

"تمہیں تم کسی سے محبت کرتی ہو؟"

"ہاں۔" "کبھی ہاں کی۔" "ابا سے محبت۔ مانی سے اور چھوٹے بھائی عزیز سے۔ اور۔"

"نہیں۔" "والی محبت نہیں۔ یعنی کسی لڑکی سے۔ یا لڑکا نہیں چاہتا تو۔"

"آئے تو ذرا سامنے۔ مکالمہ کر تو رہا سہا ہوں گی۔"

لڑکا ہوا۔ "تھو کر کے تھو کر۔" "کسی کی بھول ہے۔ میری طرف دیکھے۔ سب جانتے ہیں بھگے۔ اور میرے ڈانڈے کو۔"

"گنگ۔ میں تو جنس دیکھ رہا ہوں۔" بھلا گیا۔

"اب تو۔" مسکائی ہیں۔ اپنے ہیں۔" منہ نیچرنا کر کے منگوائی۔ اب انڈے پھینٹ رہی تھی۔

وہ باپوس ہو کر لہذا کے پاس آیا۔ وہ لوگ صبح کی چائے پی چکی تھیں۔ خالہ مکالمہ بھی دیکھ چکے تھے۔ لہذا لی آواز نکلیں۔ کل آفس بھی جاتا ہے۔"

ہوں۔ جو جھپٹیں مڑا آئے گا۔ ہاں عقلی آجاتی تو جھپٹیں
شکیل مل جاتی۔ وہی کارکنہ جانے لاور پوسنے کی پستی۔
سلاد اچھا؟

"نہا ابھی تو پستی ہی کیا ہے۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ
جلدی ختم ہو گا۔ ہم کھانے سے پہلے ہی نکل جاتے تو
اچھا تھا۔ بچی کو کھانے کا تھوڑا نہ کرنا پڑا۔" اللہ ابی کو
اس چھلوے کے ہمدردی ہو رہی تھی۔

اسد کو غصہ ہوا۔ کوئی بات تو اللہ ابی نے۔۔۔ خالہ
سے۔ اٹھو تو یہ اپنی طرف سے ذرا ابھی پسند
نہ آئی۔ کوئی پوچھو۔ کوئی حریف۔ تو تھانہ پانا۔
بیوی ذرا معقول ہو۔ خنوارا با اخلاق اور کمراؤ کبہ اسرار
آنکھوں والی نہ ہو۔ سبز بڑی بڑی محرومی آنکھیں۔ وہ
خالہ اللہ سے ان کے بچوں کے متعلق پوچھنے لگا۔ خالہ
اللہ بہت شوق سے اپنے بڑی بیٹوں کے بارے میں
جانتی رہیں۔ سوتے پوچھ لیتی تصویریں دکھائیں۔ افسر
نے لکھی شادی نہیں کی تھی۔ مگر خالہ اللہ کی خواہش
تھی کہ توبہ کے سسرال جانے سے پہلے افسر کی دہلیز
بھی نہ جائے۔ مگر۔۔۔ ماہوں بھانجی دونوں کے دماغ
غرض عقلی پر قصہ وقت پر لگا کر اڑ گیا۔

کھانا آ گیا۔ اب وہ ہر روز تھا یا مختلف چیزوں کو غلو بہ
جو بھی تھا۔ بے حد لذت۔ اس کے ساتھ رائیو۔ چٹنی
کھیرے لٹا کر سلاد بہت حلف آیا۔ اللہ ابی کا تو بس نہ
تھا کہ توبہ کی تعریف کے ساتھ اس کی انگلیاں بھی
چاہیں۔ آخر پر اس سے بڑا کاٹھ نکل کر اس کو دیا۔

انعام۔ وہ بہت شرمیلی۔ گلابی رنگ گھرا سبز ہو گیا۔ سبز
آنکھیں بھوری ہو گئیں۔ اللہ ابی سے پٹ گئی۔
انہوں نے چار کیا دعائیں دیں۔ خوش نصیبی کی دعا
کی۔ سرائیگر ہوئی۔

"چھوٹی ٹائی۔ دو دو حوں لٹاؤ پوتوں پھلو والی دعا بھی تو
دیں۔ مجھے اچھی لگتی ہے۔"

اللہ ابی کی ہنسی بھوٹ گئی۔

خالہ اللہ نے گلوزی کر رہی تھی۔ "بے شرم۔
امحق۔" بس میں انہیں الگ الگ سیٹ ٹی۔ دو دو پوچھ
نہ سکا۔ مگر غصوں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ مگر

"اے لو۔ ابھی سے۔" خالہ اللہ ابی ہٹا رہی
تھیں۔ "ابھی تو ہماری باتیں ختم نہیں ہوئیں۔"
"نہا ابھی کو چھوڑ کر آئی ہوں۔ میں پھر آجھوں گی۔
اب تو راستہ دیکھ لیا ہے۔" اللہ ابی بس کا ہاتھ پکڑ کر
لجارت سے بولیں۔

خالہ اللہ آدھ ہو گئیں۔ "ہاں اب سب کے مسئلے
سناں ہیں۔ اٹھ رہتی ہوں۔ کوئی اپنا آجھائے تو دل
خوش ہو جائے۔ کس سے مل کی بات کروں۔ اللہ ہی
سنتا ہے۔"

"نہا ابی! کرف افسر سے کو میں چاہوں کہ والے یا
قرآن کے پاس چلی جاؤ۔ جو ان کی کاساتھ ہے۔ اسے
تصداری عقلی کا بھی خیال نہیں کیسی اولاد ہے کج کل
کی۔"

اللہ ابی بھی اپنے ہم کی ایک تھیں۔ انہوں نے
خالہ سے فہرے کر افسر کو فون کیا۔ خوب شرمندہ کیا۔
ہاں کی عقلی۔ پوچھا اولاد کے فرائض۔ دونوں بہنوں
نے بات کی۔ وہ نہ جانے کیا کہہ رہا ہو گا۔ پھر فون نہ کر
کے اسی کا کہہ رہا ہو گا۔ بھتی وریات ہوئی۔ توبہ یہ مگر
پہ ہاتھ رکھے سنتی کی طرح تھیں۔ رہی۔ پھر خالہ
اللہ نے اٹھا۔ پستی یاد دلایا۔ تو وہاں سے گئی۔

"کھانا منع کرتی ہوں۔ بہنوں کی باتیں نہ سنا کر۔
مگر بھال سے ذرا سا اثر ہو۔ کب کہیے گی۔ ماہوں
نے کیا کیا کلمہ کب آئیں گے۔ میرے لیے کیا لائیں
گے۔"

پستی آ گیا۔ وہ عقلی روٹی۔ اٹھت لاور دو دو جی کی
چائے۔ اٹھت بہت لٹائی تھا۔ اللہ ابی کو بہت مڑا آیا۔
توبہ کی تعریف کی وہ شرمائے گئی (بیکٹنگ)

"یہ لوگ کج جا رہے ہیں۔ کھانے کا بندوبست کر
لے یا بھوکے جائیں گے۔"

"ٹائی۔ کسی کو بھوکا نہ دیا ہے۔ کبھی۔ پکار رہی ہوں
کشمیری ہر۔۔۔ چھوٹی ٹائی۔ اب آپ کب آئیں گی۔

بہت سلوے دن کے لیے آئیں۔ پھر تو مڑا بھی آئے۔
ابھی آئیں۔ ابھی چل دیں۔"

"ہوش میں۔ ٹکی اچھوٹی ٹائی تصداری سبکی نہیں

کر بھی لیت گئیں۔ کچھ رو لیں نہیں۔

عظمیٰ کو فون کر دیا۔ وہ آگئی۔ اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اگر ایسا ہوا۔ وہ احتجاج کرے گا۔ رات گزری۔ صبح بھٹ کر کے آٹس چلا گیا۔ شام کو تیار ہو کر میں جب طرح کا شور شراب۔ لڑکیاں۔ رنگ برنگی لڑکیاں ڈانچک گائے۔ بے سری آوازیں۔ آف آف۔ شور تھا کہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے جھڑک کر لالہ بی سے پوچھا۔

"تیرے کیا ہو رہا ہے؟"

وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ ہنسی سے بے تاب۔ کچھ منہ پر ہاتھ رکھ کر فون رکھ دیا۔ "رشتہ لگاوی لڑکیاں نے۔ صحبت بھرے لہجے میں بولیں۔

"اے سسی سے کسو چاہے تو تالے۔ تو بے۔ عظمیٰ کو ہوش ہی نہیں لھسو۔ میں خود جاتی ہوں۔" کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ وہ بیٹا کر اپنے کمرے میں نہ ہو گیا۔ رات تک ڈانچک ڈانچک رہی۔ لڑکیاں بے سری آوازوں سے کڑکتی رہیں۔ وہ کچھ منہ پر ہاتھ رکھ کر لپٹ گیا۔ غیہ آگئی۔ جانے کون سا وقت تھا۔ عظمیٰ نے آکر دنگا۔

"بھائی اٹھو کھانا کھاؤ۔ جلد یہ کوئی وقت بھی ہے سونے کا۔"

"نور تم جو جم فیضی بیچ کر کے سٹل چاڑی تھیں۔ تھا کوئی وقت یا نہیں۔" کھانا ہو گیا۔ "تھانہ۔ آپ کی شادی کا موقع۔" وہ دم سے سسرہ

مرا۔

"کیا مذاق ہے۔ کیا موقع۔"

"ہاں تو اور کیا۔ ہم کیا کھل تو تمہیں کہ۔۔۔ بونہی طلق چاڑیوں کے۔"

"سیدھی طرح بتاؤ۔ کس کی شادی۔ کیسی شادی۔ کسی سے شادی؟"

عظمیٰ سوچنے لگی۔ (لو لاکاری) "کسی کا تو پتا نہیں

جب ہوگی تب پتا چلے گا کس کی شادی کا جواب ہے۔ آپ کی ہنس؟ لالہ بی سے پوچھیں۔" آنکھیں کھماری تھیں۔ چلاؤ۔

چیل چیل میں اس کی ہر جھانک۔ لالہ بی تھیں۔ یہ عظمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟

لالہ بی بھول بھول سے بولیں۔ "ہوئی مجھے کیا خبر۔ تم کو خبر ہوگی۔" مگر منہ موڑ کر نہ جانے کیلئے تھیں۔

"کھانا کھانا کھیں ہے؟ کچھ ک سے مراد ہوں میں۔" وہ پتھکا اورد کر کے کھانا کھائی۔ جب کچھ بتانا نہ

چاہیں۔ بونہی گھون موڑ کر منہ جاتی ہیں۔ "تو بے بھائی۔ کھانے کے لیے ہی جا رہا تھا۔ چیتنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تانی کھیں نہیں۔ کھیں سب کو جمع کر کے۔" اور دم بھلا۔

"تانا تو مجھے لالہ بی نے کہا۔" رونی گاڑ۔ میں نے لگاں۔ "کوئی کچھ بتائے گا سوا میں نہ تھا۔ خوش فیتھا۔" غصہ میں کچھ زناہ کھالیا۔ پھر بھلا۔

"نور۔ کتنا درد کھانا پانی ہو تو ب۔"

"بد منہ تھا۔ تو حقین ہوتی کھا گئے۔" وہ حیران ہوئی۔ "ہر گتے پر امید کے ساتھ کہ شاید اب کچھ مزا آئے۔"

"کھانا مزے کے لیے نہیں۔ ضرورت کے لیے کھاتے ہیں بھائی۔ انسان کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔"

انہی عظمیٰ کس قدر بولتی ہے۔ اور وہ تو بے کتنے مزے کا کھانا پانی تھی۔ عظمیٰ کو چاہیے۔ وہ تو بے سے بیکو لے کر گئے۔

"میں نے آکا کو۔ حصار ارشدہ کا تو بے کے لیے انہوں نے اقرار کر لیا ہے۔"

لالہ بی نے اس قدر محبت سے کہا کہ وہ جب کا جب وہ گیا۔ غواس غلاب تو بے۔ وہ بھی ماکھ راتوں کو جاگ کر سو رہنے والی ڈنڈا بوزار جو کچھ اور۔ کیا تو بے بھلا۔

نہیں۔ لوگ تو سنا ہے کہ۔۔۔ اس نے بھی لالہ

لی کے انداز میں شرمے ہوئے لمحے میں کہہ
 "لو کیوں کی تلاش میں جو تیاں کھسا دیتے ہیں۔
 تب مطلب کی بولتی ہے۔ آپ نے ایک گھر جا کر
 رشتہ دے دیا۔ مجھے تو کوئی خاص نہیں ملے اور کوئی
 دیکھیں۔" (آخر کار وہی ہول جس کا اندیشہ تھا)
 اللہ ہی مگر کھڑا سے دیکھ رہی تھیں۔ ٹھوڑی پر
 اٹھ کر رکھ کر گویا ہوئیں۔ یہ خاص سے کیا مراد ہے؟
 جیسے ہم ہیں۔ عام۔ ویسی ہی عیسیٰ پند ہے۔ خاص
 لڑکی ایضاً نہ ہوگی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوگی۔ غریب
 والی ہوگی۔ خود کو برتر "خاص" نہیں عام سمجھے گی۔ عقلی
 کے جانے کے بعد گھر کو سنبھالنے کے لیے۔ عقلی
 جیسی ہی لڑکی ہونی چاہیے۔ "اللہ کی منطق غریبی
 عقلی" عقلی کہاں جا رہی ہے؟ مکمل ہے اسے کسی نے
 بتایا تک نہیں۔

"وہ سسرال جانے گی۔ اس کی شادی کے بعد گھر
 کو سنبھالے گا۔ خاص لڑکی تو ہرگز نہیں کر سکے
 گی۔"

"تو ہمیں ملازمہ مل جائے گی۔" عائشہ بیٹا استری
 کر رہا تھا۔ زور زور سے۔

"میں کیا ملازمہ ہوں بھائی۔" عقلی بکری سے
 احتجاجاً چلائی۔ "مگر یہی جگہ وہ سری ملازمہ آجائے
 گی۔"

"اور وہ نہیں تو ہے۔ اس کو وہاں کھڑا اور لڑکی سے
 بچنے کے لیے کھڑا ہوں۔" بگشت انکا جوش تیا کہ
 استری دشمن ہے جا کر گی۔

"شہناش۔ تو لڑی وہی استری۔ کوئی کام تو ہے ہوتا
 نہیں۔ تو لڑی عیسیٰ استری۔" معاذہ کر دی تھیں۔
 "تو میں کوئی دزدی دھمبی ہوں۔ عقلی سے کر گئی۔"

"اب مجھے ورلڈن دھمبنی ملا دیا۔ بھائی میں تو دوز
 کرتی ہوں آپ کے کپڑوں پر استری۔
 "وہ خاص آپس تو ہرگز کسی کام کو اتھ نہیں لگائے
 گی۔" عقلی مقابلہ کرنے لگا۔

"ثبوت کیا ہو چلا۔ اندر کی مشینری کا ہے کوئی ہوگی؟
 اللہ ہی باقاعدہ تحقیق کر دی تھیں۔
 "لے آئیں گا۔" وہ بھارتی چٹون اٹھا کر کمرے
 میں جانے لگا۔

"ہاں۔ ہی ملازمہ آجائے گی۔ ہی استری آجائے گی
 نیا چلنا آئے گا اور خاص خاص دھمبنی آجائے گی۔
 گھر مگر رہا ہی رہے گا۔ وہ تو یہاں رہا چھیند نہیں کریں
 گی۔ خاص لڑکی کو خاص گھر چاہیے۔"
 وہ چل پڑی کے لیے باہر نکل گیا۔ لڑاؤ کھایا تھا۔
 تن فٹن کر بھگد م لگا رہا۔



صبح بھر بیٹا کے طعن چلا گیا۔ اللہ ہی نے صور
 بھونکا۔ عید کے جانور شکاری طے کر دی ہے۔ "وہم
 وہم تو صلی کی تو لڑاؤ تک اللہ ہی کے کتوں میں
 کوئی رہی ہے۔ اسے فخر بہت آتا تھا۔ بے بسی
 کے عالم میں بچپن میں تو جب بس نہ چلے۔ روئے لگتا
 تھا۔ گھر اب اسے فخر آنے لگا تھا۔ پہلے اللہ سمجھایا
 کرتی تھیں۔"

"بیٹا! جو چیز ہمارے لیے اچھی نہیں۔ وہ اللہ خود
 نہیں دیتا۔ اللہ تو اچھی سے اچھی چیز دے چکا ہوتا ہے۔
 ہمیں اس چیز کا انتظار کرنا چاہیے۔ اچھے سے اچھے کی
 امید رکھنا چاہیے۔ اس انتظار کو صبر کہتے ہیں۔ صبر
 کرنے والے کو اللہ سب کچھ دیتا ہے۔"

بچپن میں وہ ان کی بات مان لیتا تھا۔ اب اسے
 منوانے کے لیے دلیلیں دینا پڑتی تھیں۔ "مگر وہ طبعاً
 فریب بردار تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی ماں
 سب سے بڑھ کر اس کی خیر خواہ ہے۔ وہاں میں ان سے
 لڑاؤ بہت کرنے والا کوئی نہیں۔ عقلی کو گھر ہو گئی۔
 اللہ ہی! بھائی بہت لمحے میں ہیں۔ آپ نے ان سے
 پوچھے بغیر رشتہ کر دیا۔ چاہئیں بے چاری بھائی کا کیا
 حشر کریں گے۔"

"مجھ نہیں ہو گا یہ لسنو کی لو۔ رمضان کے لیے
 اور کیا چاہیے۔ جو کی پیش ہو۔ وہاں نہ۔"

گئی۔ ”مظنی پنکیاں بجانے لگی۔“ ہائے کتنا مڑا آئے گا جب وہ میری بھانگی کے روپ میں میرے سامنے ہوں گی۔“

”میرا نہ سوچتا۔“ بھانگیا ”مجھے ایک بات بھی پسند نہیں۔ مگر اللہ ہی کو پسند ہے تو اس پسند سے دوسے دن کی میری قربانی۔ اپنے خاندان کے لیے۔“ اللہ ہی کی غیر موجودگی میں عمل کر لوں یا تھا غلطی ہے۔“ بھانگی اب مظنی کی طرف سے کہہ کر اسے گورہنے لگی۔

”لوگ تو اس ایک چیز ہی جانتے ہیں۔ خوب صورتی حسن و جمال آپ کو ہے۔ لیکن یہاں تو دوسرا سب کچھ مل رہا ہے۔ پھر بھی ناک چڑھا رہے ہیں۔ اللہ کو بتا دیں کوئی سی لڑکی آپ نے پسند لی ہوگی ہے۔ اس کی یاد آگئی کی۔“

”پاکلی وہ نہیں ہو سکتی۔ میں کیا لڑکیوں کا پھرتا ہوں۔“

”تو کبھی ان میں سے کوئی ایک کے تجربے غلط نہیں ہوتے۔ اللہ ہی کے سامنے فیصلے ہمارے حق میں بہتر ہی ہوتے ہیں۔ اللہ ہی آپ کے لیے غلط کیوں کریں گی۔“

”بھئی انہوں نے آپ کو ترجیح دی۔“

اسے مسکرایا۔ سوچا۔ اللہ ہی غلط نہیں کر سکتیں۔ وہ لڑکی تو سب کچھ کر سکتی ہے۔ غلط سلسلہ الٹا سیدھا۔ ہمارے خاندان کے لوگ۔ اس کی حرکتوں کا منہ نہ اڑائیں گے۔ جاہلی پیٹنڈ کہیں گے۔ طرح طرح کے باہر رہیں گے۔ اللہ ہی تو جواب نہیں دیں گی۔ ان لوگوں کے اعتراضات کا سامنا مجھے کرنا پڑے گا۔ میں کیا کہوں گا۔ یہی کہ اس کی بات چانگ حرکتیں۔ فضول امتحان بائیں مجھے پسند آئیں۔ ”بھئی! انہار کر لی میں لٹکارتے ہوئے جا رہا ہے وہ رگ و گھڑاں سے سوا خرید کر لانا۔ کوئی پیچھڑنے کی کو شش کرے تو اس پر ڈنڈے کا دار کر کے سر جھاڑ دیتا۔ ہاں یہی جی بھلوری مجھے حائر کر گئی۔ اور میں اس پر عاشق ہو گیا۔ سوچاں سے۔ کہنا تو بڑے گا۔ اللہ ہی کب چاہیں گی کہ میں مارا سا نکڑ اعتراض اٹھاؤں۔“

اور وہ ناکلی جان۔ جن کو ہر بات اللہ ہی کی غلط سمجھتی ہے۔ ان کے ہر قدم پر اعتراض نکھ جاتی اور ان کو بو

مظنی ان کی بھائی استہ دیکھنے لگی۔ ”بھجوریں۔ کم ہیں نہات مسلا میں خود ہاتھوں کی گھریں۔ میں بڑھادیں۔“ نکل ۱۲ چھاپاں ناٹش کی دال بڑھادیں۔ چنے سفید اور کالے۔ دال نہات۔ اہلی بھی کم ہے۔ اور میر ساری چٹائی بنا کر رکھ لوں گی اور یہ کیا لٹکھا ہے۔ جا بھل جو تری ان کا کیا ہو گا۔ کتنا مڑا ہے۔ کیا کریں گی ان کا۔“

”تو رہے پلاؤ کے لیے۔“

”کیا؟ تو رہے پلاؤ۔“ اللہ! افطاری کے ساتھ کھانا نہیں ہوتاں گی۔ سارے محلے میں آپ افطاری بھیجتی ہیں۔ اس کے بعد پھر کھانا۔ جی نہیں میں اتنی فالتو نہیں ہوں۔ جس دن کھانا بنانا ہو گا۔ افطاری کی چھٹی۔ آئے دن ایسی ہو کہ وہ بٹائے کی آپ کے شوق کا سلانہ۔ جی یہ استہ دیکھ کر انوائی کھٹائی لے کر پڑ جائے گی۔“

”دوب کچھ بغیر کے بنائے گی۔ بہت کاکڑا رہے اس کے ہاتھ میں کتنا مزہ ہے کہ کسی چاہتا ہے۔ انگلیاں چات لو۔“ اللہ پر شوق انداز میں بولیں۔

”انگلیاں کسی کی اس کی یا انہی۔“ بھائی آنٹی۔

اس دن اس نے بہت دل لگا کر چکن کھانا بنایا۔ اسے بھری نظروں سے بھائی کو دیکھا۔ وہ کھانا بنا تھا۔ کھانا سوچا ہوا تھا۔ ناگواری۔

”بھائی کیا بات ہے۔ پلاؤ کچھ نہیں تیار ہے کچھ کہ نہیں رہے۔ اچھا لگا کر کھیں؟“ وہ غصے سے سننے کے لیے بے باپ لگی۔ مگر اور ایک غصہ تھا۔

”ہاں بھئی۔ اب تو ہاں ہی کے ہاتھ کے کھانے کھا کر تعریف کریں گے۔ سنا ہے ان کے ہاتھ میں کتنا مڑا ہے انگلیاں چاننے کو مل چاہتا ہے۔“

”یہ تم کو ہر وقت کھانے کی تعریف میں کیا ملتا ہے۔ کھا تو کھاتے ہوں جو بھی ہو جیسا ہو۔“ بھائی گھبراہٹ۔

”اس لیے کہ۔۔۔ سنا ہے بھائی بہت مزہ دار کھانا بناتی ہیں۔“

”وہ۔ اور بھی بہت کچھ بناتی ہیں۔ مثلاً۔“ بے وقوف عاشق کو بڑے سے سر جھانکا۔ زبان چلاتا۔

”تو آپ نے مان لیا۔ کہ قوبہ ی میری بھانگی نہیں

اس دن اسد نے انیس سے آکر دیکھ عظمیٰ کے ہاتھ میں کانڈو پور چین ہے۔ لالہ بی کچھ بولتی تھیں وہ کھینچی جا رہی تھی۔ شاید رمضان سے حلقوں چھڑیں۔ کندھے سے ایک انڈر کوہ لالہ کی نماز کی چوکی پر ڈھے گیا حصار تارے کی کو خوش۔

"ہاں کھو افروز اور اس کی بیٹی یہ ہوئے دو لوگ۔ عاصدہ اس کا شوہر یہ ہوئے دو لوگ اور حصار بچا کے جتنے لوگ ہیں۔ چھ لکھ لے۔"

"یہ کس سلسلے میں نام لکھے جا رہے ہیں۔" وہ چونکا ہوا۔

"بھائی مصافحوں کی سب سے۔ اندازہ کرتا ہے کتنے لوگ ہوں گے۔ لیبر میں اور لالہ بی۔"

"ابھی انھو عظمیٰ آگے چلے نہ لالہ۔ پھر جب یاد آئے تو کھو ان کی۔" لالہ بی سر بجا میل رہی تھیں۔

"بھائی لالہ بی سے تاملی کہتی ہے۔ میں وقت پر رشتہ داروں کو بلاؤں تو وہ پریشان ہوتے ہیں۔"

"کون سے رشتہ دار۔" کیسا لانا۔ "وہ چھ گیا۔"

"ارے عظمیٰ چپ کرو۔ جا کر چائے بناؤ۔ تب تک میں عصر نہ لوں۔"

وہ چونکی کی طرف آئیں اسد کو اشارے سے اٹھنے کا کہہ عظمیٰ جا چکی تھی۔ وہ لالہ کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ نماز سے فارغ ہوئیں تو بیچ سنبھل لی۔ وہ دل میں اٹھتے سولات کے جگہوں سے نمود آنا تھا۔ عظمیٰ چائے لے آئی۔

"چلو بھئی لوگو۔ آج اس کمترین ناچز کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک کما کے بنا کر۔" کیسا بنا ہے۔

اسد نے کہہ "تو عظمیٰ کیگ۔"

"ابھی تمہاری پوزیشن میں ہے۔ سوچا بھائی کے آنے سے پہلے سیکھ لوں۔ آخر مقابلہ کرتا ہے۔" کیسا ہے۔

"ایک کم ہسٹ زیادہ۔ نو ان دن بیٹھا ہے۔"

چائے پیتے ہوئے اس نے سر کوئی میں کہہ "تسٹ کس سلسلے کی کڑی ہے؟"

"آپ جناب کے دلیر کی۔" عظمیٰ مطمئن تھی۔

اپنی انگو کھٹ لڑکیوں پر فخر ہے۔ ہر آنے مجھے کے سامنے خدیوں کی شہلاہ عداوت کی تفریقیں کرتے نہیں

تھکھیں۔ خدیوں سے لبر زمان کی بیٹیوں۔ فیشن جن کا اور دھنا چھوٹا ہے۔ وہ عظمیٰ جانوروں کی تو میں کہیں کہیں

ملوں گا؟ نظروں انھوں سے پوچھیں گی۔ ارے یہ ہی رہ گئی تھی جاہل کم عقل۔ اپنی اوقات بھی کوئی۔ لالہ

نی تو صفائیاں دیتی رہیں گی۔ کمرہ۔ وہ کس کس کو بتائے گا۔ بے ہوش کی ہے۔ اس کی گونصیب ہوئی نہ تربیت

پاپ نے وہ سری شادی کر کے اسے تھا کر دیا۔ پھر پچی بچا کوئی تھا نہیں۔ تھے میں رہنے کا سلیقہ نہیں

آیا۔ خود وہ پورے کی طرح بڑھتی تھی۔ مٹی کی کپاس بھی بڑے ہوئے پر آئی۔ یہ سب کہل وہ لالہ بی کی ذیلی سستا

رہتا تھا۔ مگر یہ کہانی سنائے کے قائل نہ تھی۔ اور وہ پچھو کی بیٹی سرین۔ عظمیٰ کا لاف اڑاتی تھی۔ وہ تو کسی کو

بھی کچھ بھی کہہ دیتی۔ کسی کی بھال نہ تھی اسے متع کرے۔ اسہ۔ جتنی لڑکی کو تو پھر خوب سی سنائے گی۔

لالہ بی کو بھیجیں تھا۔ وہ اسے بہت سکھائیں گی اپنے مطالعہ اور جسے اسد جنگلی بن کر لے گا۔ وہ اس کی سلائی

اور سچائی ہے۔ اس نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔ بے حد معصوم اور مصفاہ بن ہے۔

"اس کی معصومیت اور سلائی دیکھو۔" لالہ بی عظمیٰ کو غلہ لالہ کے فون سے کے بعد تار بھی تھیں۔

"جب میں وہاں سے آئی تو تپا سے پریشان تھی۔ پھولی مٹی آنر ملی تھیں۔ شہر میں وہ تپا نے اُسے بتایا نہ

تھا۔ افسر سے خود اس کے پاپ سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہا تھا مجھ سے۔ تو تپا تھا ہوئی کہ اگر وہ

تھیں پسند کرتیں۔ تو رشتہ دیتیں۔ تو کوئی۔ مجھے تو وہ بہت پسند آئی ہیں۔ جب میں ابھی ہو تو بیٹا خود بخود اچھا

لگا ہے۔ چلی آپ نے بھی نہیں بتایا کہ میں ایسا کیا کروں جو وہ مجھے پسند کر لیں۔ یہ تو اس کے دل کی سچائی

ہے۔ آپ نے بعد میں بتایا ہو گا۔"

عظمیٰ کو افسوس تھا۔ وہ بھی بولی جاتی۔ مگر خیر

”خداوند آئے ہی چیکہ دے تو دوا قضا قرض کیا۔“

”اس لیے کہ۔“ میں اور اللہ بی کراچی جا رہے ہیں ہسٹل کے گھر۔ جہاز کے ٹکٹ کے لیے رقم نہیں ہے۔ وہاں بھی گھر۔ بھگوان کی آپ کی رقم۔“

”کراچی۔ خیریت۔ کیا ہوا ہے وہاں اور کیا وہاں ٹوٹتے ہو رہے ہیں کہ بھگوان کی۔“

”اگر آپ نہیں دے سکتے۔ تو اللہ بی رحمن الملک سے لے لیں گی۔“ انہوں نے کہا کہ خیر کا احسان لینا زیادہ اچھا ہو گا۔“

”اللہ بی نے یہ کہا اللہ بی۔“ تم بھی کچھ بولو مسئلہ حل کرو۔ میں پچھتے ہی اچھا ہوا ہوں۔ تم پریشان کرنے آگئیں۔ کھیل جاتا ہے۔ کتنے دن کے لیے جاتا ہے۔“

”میں نے پچھلے دنوں اللہ بی نے کہا۔ ان کا خیال ہے کہ آپ اللہ بی اور میرے وجود سے ٹک آگئے ہیں۔“

”اس لیے ہسٹل چلنے کے لیے جاتا ہے۔ آپ کو ہم دونوں کا وجود کھٹکے لگا ہے۔ اس کے آپ کی وجہ سے جاتا ہے۔“

”وہ بڑا کرکڑا ہوا کیا۔ میری وجہ سے مجھے کیل وجود کھٹکے لگا کیا؟ یعنی کہ کیا سنی۔“

”اللہ بی بہت شرمندہ ہیں۔ آپ سے بھی کہ۔ آپ کی مرضی کے بغیر رشتہ دے دیا۔ اپنی بہن سے بھی کہ۔ لیکن ان کو کیسے انکار کریں۔ اللہ بی نے کہا ہمارے جانے کے بعد خالد اللہ کافون آئے۔ تو آپ ہی خود ان سے انکار کر دیں۔“ تاکہ۔ اللہ بی شرمندگی سے بچ جائیں۔ ہم نے جھجک کر لی ہے۔ بس اب کھٹکوں کے لیے۔“

”واہ۔“ مجھے ایسا چھوڑ کر میں نے کب کچھ کہا۔ کبھی کہا؟ خواہ تو مجھے گناہ گار افواہ چلو۔“

”پتے دیں گے مجھی تو ہم جائیں گے۔“ افواہ سنی معصوم بن رہی ہے۔ وہ بھلا گیا۔

اسد نے ٹیکس لٹایا اور کمرے کے باہر۔

باہر سے ہی کہا۔ ”کوئی تو شادی کے بعد ہوتا ہے۔ ابھی تو دو لاکھ راشنی دس لاکھ حاضر۔ دو لاکھ بھی دلو۔“

”عقلی۔“ اسد کو تانا دیا۔ ”وہ لٹا کر راشنی کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور دس لاکھ بھی حاضر ہے۔“

”اللہ بی اسد سے ناراض ہو گئیں تو عقلی کو ذرا دیکھنا ہی نہیں کھٹکوا۔“

”عقلی۔“ وہ لٹا کر راشنی کر لو اور دلچسپی کی سٹ میں میرا نام بھی لکھ دیں۔ بطور مسلمان شریک ہو جاؤں گا۔ اگر موجود ہوتا تو۔ ورنہ پھر۔ معذرت۔ عید کے بعد مجھے ملا لٹا جاتا ہے۔ تقریباً سو بیٹے کے لیے۔“

”بھائی ابھی کچھ عرصہ ملے ملا لٹا گئے تھے۔ اپنے لیے دس لاکھ تو پندرہ تیس کئی کئی چینی پہلی رحمت والی پھولے لگتی۔“

”ہی کر لی۔“ کہہ کر اپنے کمرے میں گھس گیا۔

”اللہ بی عقلی پر ناراض ہوئے تھیں۔“

”بڑی بات ہے عقلی۔ کسی کی عقل صورت پر اعتراض کرنا تو ہے۔ اللہ نے سب کو بنا دیا ہے۔ ہر ملک کے مطابق رنگ روپ دیا ہے۔“

”اے! میں نے غصے میں کہا تھا عقلی سیدھا جواب کیوں نہیں دیتے تو یہ میری توجہ۔“

”غصے میں بھی خلق خدا پر غصہ کرنا منع ہے۔ ملا لٹا میں بھی کوئی ملکہ حسن ہو کی ان کے معیار کے مطابق ہمارے ہاں گورا رنگ معیار حسن بنایا ہے۔ مگر یہاں کو سارا رنگ پسند ہے۔ غور کو سارا کرنے کے لیے ساحل سمندر پر دھبہ میں بچے رہتے ہیں۔“

”اللہ بی کی معلومات وسیع تھیں۔ لیکن وہ انکے وہ دن حشر بھی رہیں۔ اسد کے دوسرے نے انہیں خاصا پریشان کر دیا تھا۔ رات کو باہر سے آگیا بغیر کھانا کئے کمرے میں گھس جاتا۔ صبح ہفتہ خاموشی سے کر کے آگس چلا جاتا۔“

”وہ دن اسی طرح گزر گئے۔ عقلی شام کو اسد کے کمرے میں آئی۔“

”بھائی جیس جیس ہزار روپے دے دیں۔ اللہ بی نے کہا ہے۔ قرض ہے۔ لوٹا دیں گی۔“ وہ بچھا گیا۔

اس کا پر رادہ جو اس بو سے کی چائی کا کوئین کر دیکھ
 اٹھا۔
 ”کم از کم پانچ لاکھ روپے میں شادی ہو گی۔“ عظمیٰ کی
 شادی کے لیے میں نے پچھو رقم جمع کر لی تھی۔ مگر
 تساری شادی کے لیے۔۔۔ تمہیں اپنا جو جو ٹودا اٹھانا ہو
 گا۔۔۔“

”وہے دول گا۔ اگر آپ کہیں گی۔ تو جان بھی حاضر
 ہے۔“

”مجھے تساری سلاحتی چاہیے اور یاد رکھو۔ فرہاں
 ہزار لولہ پر اللہ اپنی رحمتیں نازل کرے گا۔“ اس کی
 اطاعت کے صلے میں تمہیں بہت بڑا انعام بھی دے
 سکتا ہے اور ہو چکے۔ وہ انعام تو یہ کی شکل میں ہی
 مل رہا ہو۔“ عظمیٰ خوش تھیں۔ مطمئن اور بے سکون۔



عظمیٰ کو ذرا حیرت تھی۔ اس نے کبھی بھی اس کی
 تحسیر سے انکاف نہ کیا تھا۔ پھر اب اس معاملے میں
 اللہ کی خواہش پر اختلاف کیوں کیا۔ خاندان میں اسد
 کی فرہاں ہزاری ضرب المثل بن گئی تھی۔ پھر وہ شادی
 کے معاملے میں کیوں متفق نہ ہوا۔ اس کی فیصلہ کی وجہ
 کے اپنی رائے ٹھوس نہیں چاہتی تھیں۔ وہ غصہ کی تو
 بالکل نہ تھیں۔

پہلی بار لیا ہوا تھا کہ اسد نے ان کی رائے سے
 اختلاف کیا اور یہ بھی پہلی بار دیکھا کہ اس کی فیصلہ کے
 احتجاج کی پروانہ کرتے ہوئے خود بھی احتجاج کرنا شروع
 سزا اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اپنے بچوں کے
 خوشی کا نہیں بہت خیال رہتا تھا۔ بہت وقار تو وہ بچوں
 کی لاطمی میں ان کی خوشی کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ وہ
 انہیں باپ سے عمو کی کا احساس نہیں ہونے دیتی
 تھیں۔ ہمیشہ اپنا دولوں کی خواہش پوری کرنے کی
 کوشش کرتی تھیں۔ اسد نے حسب معمول حسب
 توقع ان کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا اور اس کی
 اب پہنوں کی تاری میں ہی طرح مشغول ہو گئیں۔
 اسد کے تکیا کی تین بیٹیاں تھیں۔ تینا بھی اسد پر

”میں نے پانچ سو سالن چھ سالن کر فرزند میں دیکھ دیے
 ہیں۔ دس ہزار روپے کے گڑھی جائیں گے۔ اس
 کے بعد۔“ چپ ہو گئی۔ پر اسرار انداز تھا۔
 ”اس کے بعد کیا۔“

”اس کے بعد۔ آپ صوبہ۔۔۔ اندونیشیا“
 ملائیشیا۔ وائس ایئر کیس سے بھی شادی کر کے لے
 آئیں۔ جہاں کا حسن آپ کو پسند آئے۔ آپ کو یہاں
 کی عسکری لڑکی تو پسند ہے نہیں۔“

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ اس سے پہلے اسد اسے دھکا
 دیتا ہوا پاؤں لٹکا۔ اس کی لمبے میں تساری سے کچھ
 نکال رہی تھیں۔ دوست کہیں تیار رکھے تھے۔ اس
 نے وہاں ان کو روک دیا۔ وہ چلیں۔

”چھوڑو۔ اسے چھوڑ میں کر جاؤں گی۔“ اسد نے
 اسی طرح پکڑے پکڑے انہیں چنگ پر لا بٹھایا۔ ان
 سے بڑھ گیا۔

”مجھے چھوڑ کر جا رہی ہیں؟ بہت برا ہوں میں
 تا فرہاں لولہ۔“ چھوڑ کر جانے کے بجائے۔۔۔ مجھے سزا
 دیجئے تو زیادہ اچھا تھا۔ میں اکیلا نہ سکتا ہوں بھلا آپ
 کے بغیر۔ بس اب آپ جس کنوین میں مجھے لے جاتیں
 گی۔ میں کو جاؤں گا۔“

اس کی باتوں میں کرم جوشی تھی۔ ان کی
 آغوش میں بٹھا کافا نہیں ہوتا۔ اسد قہقہہ سکون۔
 طمانیت اور تحفظ۔ ان کی انگلیاں اس کے ہنرے
 پاؤں کو سنوارے تھیں۔ دم فرم انگلیوں کے ہر ہر
 میں زندگی و حرکت تھی۔ خون کی دو دلی تیز ہو گئی۔
 ”میں آپ کو خفا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا

اگر۔ ایسا آپ نے سوچا بھی کیوں؟“ بھرائی ہوئی کواڑ
 میں اسد نے کہا تھا۔

”اور میں کبھی بھی تساری بھلائی کے سوا کچھ اور
 سوچ بھی کیسے سکتی ہوں۔“ اس نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ
 دیکھا۔ عظیم چہرے پر معصوم تجسم۔ آنکھوں میں
 محبت کی چمک۔ کسی قلعہ پہ سیلار کی طرح سر
 اٹھائے بیٹے کی فرہاں ہزاری پر یقین کی سرنگاہ تھی وہ
 اس کے ہاتھ پر جھک گئیں۔ پر حقیقت کرم بوہ اور

کر آئے۔ رات کے کھانے سے پہلے والدیں چلا جائے اسی لیے وقت بے وقت گئے والے مسامحوں کا تو وہ سامنا بھی نہیں کرتی تھی۔

تیسری اور چھٹی نذر عید کی حوالی تھی۔ رات بھر فی وی پر تھیں دیکھنے والی۔ دن سو کر گزارتی۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے جاگنا ہی پڑ جاتا تو بڑیاں لیتی رہتی۔ کسی نے پایا۔

"اسد کو اس کے تباہی پند کرتے ہیں۔ چھٹی بیٹی کے لیے رشتہ چاہتے ہیں۔" والدہ بیٹی پر غصا نہیں۔ اسی لیے اسد کی شادی کی انہیں فکر ہو گئی۔ یہ انہیں یقین تھا کہ اسد کی قابلیت نیک بیٹی اور شرافت کے باعث وہ جس لڑکی کا نہیں کی۔ انکار نہیں ہو گا اگر کوئی لڑکی اسد کے جوڑی اس کے مزاج اور طبیعت کے مطابق نہ ہو۔ رشتہ کرنے میں دیر نہ کرتیں۔

گھر جانے لگیں۔ اسد جس عداوت کا یہ اسے برداشت نہ کر سکتا تھا کہ لڑکیاں بیٹیوں اور چھٹی بیٹی کے بس کا نہیں۔ ان لڑکیوں کی تربیت میں کوئی غائی نہ تھی۔ لیکن نئے دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انہیں خاصی مہارت تھی۔ وہ گھر میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ شہر کے قرام ہوٹلوں کے باہر مارکیٹوں کی فرست۔ کس اسٹور پر کیا چیز مل سکتی ہے۔ کس ہوٹل کی کونسی ڈش ملا جواب ہے انہیں فیشن کے ہر نیگزین سے سیکھنے کے لیے کیا کچھ درکار ہے۔

یہ سب ان کی عداوت میں روج بس گیا تھا اور یہ لڑکیاں اکثر عظمیٰ کی لاطعی کا مذاق اڑاتا کرتی تھیں۔ جسے پڑھنے اور گھر کے کام کے سوا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ دنیا کس چیز رفتاری سے بدل رہی ہے۔ کسی معاملے سے آگاہ نہ تھی۔ عظمیٰ بھی ان لوگوں کی باتوں سے گھبراتی تھی۔ بس کسی خاص موقع پر ہی ان کے گھر جاتی تھی۔ اسی لیے والدین نے جب کہا۔

"چلو۔ آج تمہارے نکاح اور چھٹی بیٹی کے گھر بھی جا کر انہیں دعا آمیز۔ اسد کی شادی کا۔"

وہ پریشان ہو گئی۔ "سیرا جانا ضروری ہے کیا؟"

مہمان تھے۔ لیکن نہ تو اسد نے ہی کسی کو پسند کرنے کا اہتمام کیا تھا۔ نہ وہ اللہ بی کو اپنے گھر کے لیے مناسب لگیں۔ پچھو کی بیٹی مہرین ہے جد حسین بھی تھی۔ مشہور بھی۔ اسے اپنے باپ کی اعلیٰ پڑائی پر ہی غرور تھا۔ اپنے حسن اور تعلیم پر بھی غرور تھا۔ عروہ اسد کو پسند کرتی تھی۔ اس کی ایک وجہ اس کے والد کا اس کے ساتھ اقلات تھا۔ جو کہتے تھے لڑکا بہت ذہین اور قابل ہے۔ بہت ترقی کرے گا۔ اسد کی پرکشش جانب اور شاندار مستقبل کو دیکھتے ہوئے نئی جوڑی بھی گروا تھی نہ تھیں۔ اب اس پر بہت مہمان ہو گئیں۔ ماں کے اسلئے پریشانی بھی اس سے بے تکلف ہونے کی جو خوش کرنے لگیں۔

اسد عظمیٰ کے بچپن میں تو کوئی رشتہ دار انہیں گھاس نہ ڈالے۔ اس کے باپ کا وفات ہوا۔ گھر کے حالات کا ایک لغت چلا تھا۔ اللہ بی نے اپنے سلیقے صبر اور بہت سے بچوں کو سمیٹا۔ نہ صرف بچے بلکہ ان کی ماں بھی انہی کے ساتھ تھیں۔ ان کی خدمت دیکھ بھل۔ ان کے فکر کا دوا۔ سب اللہ بی نے دل جان سے ساتھ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ خسران کی پسندیدہ بیوی بن گئیں۔ ان کی جھڑپ کو ان کی جھڑپ عزیز ہی پسند نہ آئی۔ مگر وہ نگہ پریش سرسراہٹوں سے لا تعلق رہیں۔ تو انہیں کوئی پسند نہ کر سکا۔ انہیں بھی ان کے بچوں میں کافی اثر تھی۔ تو انہیں ان نسل بھی ان سے دور تھی البتہ اسد کے خاندان میں کافی دوست بن گئے۔

تاکہ کی بڑی بیٹی حسن کے لیے مشہور تھا کہ وہ بچپن سے الگ تھک گئی۔ لیکن جانا پڑ جائے تو اسے گھاسی چھینکیں آئے لگتی تھیں۔ تین بھائیوں کے بعد بہن تھی۔ بہت لاڈلی بھائیوں نے بھی پھیلی کا چھلکا بنا کر دکھا ہوا تھا۔

وہ سری سلمہ مسامحوں سے گھبراتی تھی۔ اول تو کسی کو آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی آتا ہے تو اسے تو اس کے وقت پیش کر کے آئے۔ مل مار کر دھر سے پہلے چلا جائے۔ وہ ہر کوئی ہر گز نہیں البتہ شام کی چائے پی

جانتی تھی۔ کون ہے کیا ہے کسی ہے کے جواب اسے
 ہی دیتا ہوں گے اور پھر منجھک اڑانے کا سلسلہ اسے
 برداشت کرنا ہے۔ مگر اللہ ہی اسے لے کر ہی گئیں۔
 کیا بہت خوش ہوئے اسے یاد کیا اندر کمرے میں
 تکی نے بھی بہت تباہ کا منظر ہوا کیا۔ صحت کو تو اڑانے
 کر کو لڑا رکھانے کا گملاہ لالہ ہی نے کیا۔
 ”بھابھی۔ میرا تو دل ہے۔“

”دل نہ ہے یا تکلف۔“
 ”ارے نہیں۔ تکلف کیا۔ میں تو ہمیشہ سے
 شعبان کے روزے رکھتی ہوں۔ اللہ بخشے ہماری ساس
 بھی پابند تھیں۔ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی عادت ہو گئی۔“
 ”ہاں۔ تم تو مستقل ان کے ساتھ ہی رہیں۔ میں تو
 شادی کے چھ ماہ بعد ہی جو الگ ہوئی تو آخر تک الگ ہی
 رہی۔ کچھ ہمارے بیٹے کے چاہے۔“

لالہ بی بی طوب جانتی تھیں۔ ساس بھاری کی خواہش
 تھی کہ بڑی ہو کچھ عرصہ تو ان کے ساتھ رہے۔ مگر وہ
 کبھی بچے کے چھوڑا ہونے کی کسی بے کی بھاری۔
 طرح طرح کے بہانے کر کے وہاں سے چلی گئیں۔
 بقرمید ہی وہ ان کے لیے آتی تھیں۔ ہر شے کی راہ
 لیتیں۔ اللہ نے ساس کو بچوں کے لیے خرچے نہ کیا
 قلم جو بے بیٹے کی اولاد سے انھیں یاد بھی بہت قلم
 مگر وہ کم کم ہی آتے۔ انی لیے اللہ ہی نے ساس کا
 دامن تھامے رکھا۔ وہ اپنے بچوں کو ان سے الگ
 کرنے کی بہت نہیں کر سکتی تھیں۔ حالانکہ ان کے
 میاں بھی چاہوں کے سلسلے میں وہ سرے شری رہتے
 تھے۔

مگر اللہ ہی نے ساس کا ٹھکانا بچا لیا۔ کبھی کبھار میاں
 کے قصصوں پر بطور تفریح ان کے پاس جاتیں۔ تو
 ساس ہمراہ ہوئیں۔ مگر لالہ جان کو بیٹے کی خانہ بدوشی
 پسند نہ تھی۔ کبھی اس شہر کبھی اس شہر۔ اچھا تو چلے
 کوئی زندگی ہے۔ اپنا خرابا ٹھکانا۔ اپنی زندگی میں ہی
 سکھ ہے۔ مگر بے چارے فدم میاں بھی کیا کرتے
 روز روز چھٹی لے کر انہیں سکتے تھے۔

اس لیے مگر میں لالہ جان کی بھاری ہو یا بچوں کے
 مسائل یا خانہ دل میں خوشی تھی۔ ہر سر سے ان کی
 بیکرم ہی نہت لٹتیں۔ ان کی صلاحیت سے وہ الف بھی
 تھے معترف تھی۔ وہ خود بھی لالہ جان کو تنہا چھوڑنا پسند
 نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی مرضی۔ میں جوانی میں
 جوان بیوی اور چھوٹے دو بچوں کو دنیا کے رجم و کرم پر
 چھوڑ کر ملک عدم سے صاف رہے۔ ہارت الہک نے اٹھا
 ساس لینے دیا۔

بوزی میں کے انہو بچوں میں جم کر رہ گئے۔ لیکن
 وہ بہت حوصلہ مند خاتون تھیں۔ انھوں نے بیٹے کے
 بعد ہر نو سوڑتے ہوئی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔
 پہلے ہر ساس کی وجہ بھل کر لی تھیں۔ بیٹے کی
 بوزی کے بعد انھوں نے ہر نو بچوں کو تحفظ میں
 لے لیا۔ اپنا مکان۔ ہر کے نام کر دیا۔ وہ جب تک زندہ
 رہیں۔ میری وہیں ہر کے لیے ساس کا وجود ایک
 محاذ کی طرح تھا۔ فدی کی پشیم سے گزارا نہ ہوا تو ساس
 نے اجازت دے دی کہ وہ کسی اسکول میں نوکری کر
 لیں۔ اسکول سے بھی اتنا دھماکا بچوں کی خواہشات یا
 ضروریات پوری ہوں۔ تو نوکری چھوڑ کر گھر کا ایک
 حصہ کرانے پر دے دیا۔

بچوں نے دیکھا تھا ان کی ماں نے بہت سخت زندگی
 گزارا ہے۔ ساس کی خدمت اطاعت۔ بچوں کی
 دیکھ بھال۔ گھر کو سنوارنا۔ رشتے وادوں سے تعلقات
 نبھانا۔ بچوں نے اپنی ماں کو دلوی کی خدمت کرتے ان
 کے ہر اشارے پر عمل کرتے دیکھا تھا۔ بولوں کو کرنا
 دیکھتے۔ وہی خود بھی کرتے۔ وادی کے لالے اور
 پارسے۔

وادی کے بعد ماں کی فوہل بھاری اور خدمت اسی
 طرح لازمی تھی۔ کچھ لوگ اس کی بھولاری کا مذاق
 بھی اڑاتے تھے۔ فطری میاں کے ساتھ کیا کے ہاں پہلی
 وہ کافی عرصے بعد آئی تھی۔ لالہ بی نے حضوری کو اسکی
 شادی کا بتایا۔ انھوں نے میاں کو نکارا۔

”سننے ہیں آپ۔ فدی کی بیوی اسکی شادی کی خبر
 لائی ہیں۔“

میں بھی سارے کام طوطا کرتی ہوں اور اپنے گھر کو
 چلنے سوارنے میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں کوئی
 ذلت محسوس نہیں کی۔ بس کسی بھی بھانجی کی ہمارے گھر کو
 ضرورت تھی۔ شکر ہے کہ دل بھی تھی۔
 تینوں بیٹیں ایک سو سترے کو لے کر مسکرائیں۔
 "ہاں اچھا۔ اسد نے کیسے پسند کر لیا۔ اس کی
 پوزیشن کے لیے تو۔ کچھ اور ہی خیال تھا ہم لوگوں کا
 ۔۔۔ کہ وہ۔"

"بھائی جانتے ہیں۔ گھر کو اسنہ سکون کی اور ہماری
 پسند کیا ہے۔"
 "بھائی! چلو سو دو اسنہ بھی ملائی ہے۔ ہمارے گھر میں
 تو پھر تین تین بد اقبال آئیں گی۔ چلو سطرے یہ مقولہ گھر
 لو۔ آئندہ کام آئے گا۔" حسد کو زیادہ ملل تھا۔
 "تو کچھ۔ ہم لوگ اسنہ کی آتش کمل سے لائیں
 گے۔" سطرے سٹھک اڑا رہی تھی۔ عقلی وہاں سے اٹھ
 کر نکلی۔ اس سے کہا۔ "چلیے اللہ ہی۔ بھوکے گھر
 میں جانتے پھر بھائی کے آنے کا وقت ہو جائے گا۔"
 اللہ ہی گھڑی ہو گئیں۔ سب کو بات اور دل سے
 کی دعوت دینی ہوئی یا ہر آئیں۔



پھوڑے انہیں اپنے شاندار وسیع ذرا تنگ روم
 میں بٹھایا۔ میری بھی آئی۔ ملازمہ دو گلاس بوس کے
 لے آئی۔ جو عقلی اور میرین نے اٹھا لیے۔
 "بھائی نے بھی اللہ جان کی روایت قائم رکھنے
 میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔" پھوڑے میرین کو بتانے لگیں۔
 "اللہ! شہباز کے بیٹے کے دماغ سے کبھی نہیں
 چھوڑتی تھیں۔ بھائی ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ میں ان
 دنوں وہاں ہوئی تو بیٹھ ناراض ہوئی کہ آپ دونوں مجھے
 گن گار کر رہی ہیں۔ بھائی مجھے بھلا دیتی تھیں۔ یہ کہ
 کہ وہ بھی پہلے شہباز کے دونوں کی یاد دہانہ تھیں۔
 اللہ جان کا ساتھ دینے کے لیے رکھتی تھیں۔ وہ آپ
 کا ٹوٹ۔ بھائی اللہ جان کے رنگ میں رنگی ہوئی
 تھیں۔"

تیا فوراً اندر آگئے۔ "ہائیں مگر کدیں؟"
 انہیں تھکا گیا۔ مزید ناراض ہوئے۔ "ہائیں مگر
 خاندان میں لوگوں کی کیا کی گئی تھی جو تمہارا
 مطلب ہے۔ یہاں تو خودی۔ اسے بھی حکم میری
 چھڑی کھل رہا تھا۔ آپ نے۔"
 "تیا جان! یہ لوگ بھی غیر نہیں ہیں۔" عقلی نے
 ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔ "ہمارے خضیاں رشتے دار
 ہیں۔ بہت قریبی۔"

"ہاں۔ بھی۔ قریبی تو ہوں گے خضیاں جو
 ہوئے۔" تیا کو تو یہ خبر معلوم نہیں ہو رہی تھی۔
 حسد کو لڑا رنگ لائی تھی۔ وہ عقلی کو اپنے کمرے
 میں لے گئی۔ سطرے کو بھی یہ (اسد ہٹاک) خبر سنائی۔ اس
 بے چاری کو تو سکتہ ہو گیا۔ سیدھی چلی نذر نے
 سونے کے دور ان خبریں ملی۔ اچھل کر بیٹھ گئی۔
 "اسد نے۔ ہاں کردی۔" سطرے کا سکتہ ٹوٹا۔ "تیا
 بہت خوب صورت ہے؟" اعلیٰ تعلیم یافتہ۔
 "ہاں۔ بھی۔ اسد کے ساتھ عام معمولی لڑکی کم
 بڑی تھی تو بچے کی نہیں۔" یقیناً خاندان سے بڑھ کر
 آئی ہوگی۔

"نہیں خیر۔ ایسا تو نہیں۔ بس ٹھیک ہے۔ میری
 جیسی ہی ہے۔ مطلب جیسی ہمارے گھر کے لیے عقلی
 چاہتے۔"
 عقلی نے تو غلط فہمی دور کرنے کے لیے کہہ دیا۔ وہ
 حسب حالت مذاق اڑانے لگیں۔ "بھائی! گھر سے۔ یعنی
 گھر کی بھی ضروریات ہوتی ہیں۔" حسد نے ہنس کر
 کہا۔

"تو تمہارے گھر کی کیا ضروریات ہیں؟" مندی
 مندی آنکھوں میں غیور آواز دہرائی تھا۔
 "میری بھی۔" یعنی گھر سنبھالنے والی۔ کھانا پکانا۔
 کپڑے خودی لگتی ہیں اور۔ "عقلی گھر آئی۔"
 "اچھا اچھا۔ اسد کو پاور جنرل ورنلن دھمکنا چاہی
 لڑکی چاہیے تھی۔" حسد نے بھول کو بتایا۔ عقلی کا
 چوس چوس ہو گیا۔
 "اگر آپ مجھے یہ لقب دیا کرتی ہیں۔ تو ٹھیک ہے

”یعنی قصار خیال ہے کہ بھابی اللہ جان کی بیچی
 تھیں۔“ پھر جان کے منگولوں میں دخل دیا۔
 سب جہنم گئے۔ پھر میاں پر ناراض ہوئیں۔
 تو ہے۔ آپ بھی پیش تھے ہی رہا دیتے ہیں۔“
 پچھو نے اپنی بھابی کو گلے لگا لیا۔ میں بھلا اتنی
 پیاری بھابی کے بارے میں ایسا سوچ بھی سکتی ہوں
 اسد کی شادی کی بات سن کر وہ لوگ کچھ حیران ہو
 گئے۔

پچھو نے اعتراض کیا۔ ”سب کچھ ملے کرنے کے
 بعد ہمارا خیال کیا۔ اب بھی نہ قاتل۔ مسلمانوں کی
 ملے ہم بھی شریک ہو جاتے۔“
 پچھو نے سولات کر کے بات ٹل۔ ”کون ہے اس
 کی بیٹی جو قصور؟“ سب کچھ سن کر میاں سے بولیں۔
 ”میں بھی بھابی نے اللہ جان کی وصیت کا خیال
 رکھا۔ اللہ جان کتنی تھیں لکھہ تم اپنے بچوں کی
 شادیوں اپنے خاندان میں کرنا اپنی جیسی سولات۔“
 ”شاہین! تمہیں یاد ہے؟“ اللہ بی نے حیرت سے
 پوچھا۔

”بھولنے والی بات نہیں ہے میری اللہ جان سے
 بحث بھی ہوئی۔ مگر انہوں نے کہا۔ یہ میری وصیت
 کچھ۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ لڑکی سب کے لیے
 خوشیوں کا خزانہ بنے۔ اللہ اسد کو بھی بہت خوشیوں
 دے اور زندگی میں کامیابیاں ملنا کرے۔ آمین۔“
 پچھو تہیہ دے گئیں۔

”خاندان میں تو ہے اور بھی لڑکیاں ہیں۔ پچھو
 نے کھٹک کر کہا۔ انہیں یہ بات بھٹم نہیں ہو رہی
 تھی۔

”جی بھئی۔ بہت لڑکیاں ہیں۔ سب بہت اچھی
 ہیں۔ اپنی ہیں لیکن شاہین تو گواہ ہو۔ میرے گھر کے
 حالات اگلاس۔ پچھو کو شش اور جدوجہد۔ میں نے
 ان خیمہ بچوں کی تعلیم تربیت اور پرورش میں جس
 طرح جان لڑائی۔ اللہ جان کی شفقت اور سرپرستی کی
 وجہ سے آج ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ لیکن۔ تم
 جانتی ہو۔ فائدہ کے انتقال کے بعد سے ہمارے ہاں کوئی

نہ نہ رہا۔ اب بھی ہم بھئی کسی نوکر کے گزارا کر رہے
 ہیں۔ اللہ نے اس قاتل میرے بیٹے کو کڑا ہے کہ وہ
 کوئی ملازم بھی رکھ سکا ہے۔ لیکن بی اٹھل تو کچھ عرصہ
 ۔ امکان نہیں ہے۔ عقلی کے جانے کے بعد سو کو
 گھر سنبھالنا بڑے گاؤں میرے گھر کے ماحول کے
 مطابق تو نئی جی کو بھی مشکل ہوگی۔ اس لیے میں نے
 خود ایسی لڑکی منتخب کی جو میرے گھر میں آسانی سے جگہ
 بنا لے۔ یہاں کی بچی۔ اسکا کی ترسی ہوئی ہے۔ میں
 اسے ماحول کی اسد محبت اور عقلی رازدار دوست
 اور وہ اسی طرح گھر کو چلانے کی جیسے تبا کے گھر میں
 سب کچھ کرتی ہے۔ اسے یہاں ادبیت نہیں ہوگی۔
 شاہین برابر ہی کی بنیاد پر شادی لینی چاہیے۔ میں اپنی
 حیثیت سے بڑے۔ کوئی کام نہیں کرتی بہت سوچ
 کچھ کر اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے میں نے۔ دعا کرو۔
 میری توقعات پر پوری اترے۔“

”میں تم سے کتنی شکر کرتی ہوں۔ بہت سے بھئی۔“
 لڑکیاں۔ خود کو بدل بھی گئی ہیں۔ اسی سالچے میں خود
 کو اچھا لگتی ہیں۔ جو شوہر اور سسرال والے اس کے
 لیے تیار رکھتے ہیں۔“

”ہاں بھئی۔ گھر تو جبر ہوا۔ جبر ہی غم کاہ سزا ہو
 ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ کسی پر جبر کریں۔ ہم اپنی
 جیسی اپنے معیار کے مطابق کیوں نہ لے آئیں۔ بے
 جواز شے کا حساب نہیں ہوتا۔“

”بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رشتے برابر کا ہو
 دیکھ کر کرنا چاہیے۔ خاندان میں اگر ہو تو نفرت اور
 نفرت پیدا ہونے کا فائدہ نہ رہتا ہے۔ بھابی کب کا پھل
 درست ہے۔“

”شاہین! اب تو یہ ہے کہ میں اور میرے بچے۔ تم
 لوگوں کے رتبے کی برابری نہیں کر سکتے۔ برساں سے
 میں کی سختی آ رہی ہوں۔“ وہ تہیہ دے گئیں۔ پچھو
 بھی رنجیدہ ہو گئیں۔



گھر آکر اللہ بی کچھ شکر تھیں۔ اسد کیا تو عقلی نے

"دردن پاورجن اور دھوئیں کے بہت فائدے ہیں۔ اپنی سولت بھی اور کسی کا احسان بھی نہیں۔"

"ہمارے ہاں تو نگ ہے۔ کھراچی افطاری ہمارے کو کہا جائے تو تو کوری پھوڑ کر کھا جائے۔"

"بازار میں افطاری کی سب چیزیں مل جاتی ہیں۔ خواہ کھانا ترقی خالص کرنے کا فائدہ؟" فخر نے کہا

"ایکسر سار ہو جاتی ہے اور مرضی کی چیزیں بلا شک و شبہ۔"

"بلا شک شبہ کیا مطلب؟"

"بھئی دو کھوں پر مشتمل والی چیزوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ملاوت کے علاوہ کھڑے کھڑے کھانے کی شامل ہوتے ہیں۔ مرنے والے کھانے کے استعمال کرتے ہیں۔

بقول مشفق احمد یوسفی۔ کھانے کے حوض میں ہے چاروں کو کھانے میں کھانے کو سوپ بنا لیا جاتا ہے۔

لاہور والی اور سستی یعنی وقت کی کمی اور جب گاہک بڑے ہوتے ہیں تو کھانے کی طلب ہوتی ہے۔"

"اور یہ مشفق احمد یوسفی کون ہیں۔ یقیناً تیار کیا ہوگا۔"

"فخر کا زبان درسا۔"

"میں کون سا بازاروں و کھانوں سے جڑ لیتے ہیں۔"

"جڑے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے۔"

"عقلی چپ ہوئی۔ کہ نہ سکی۔ مشفق یوسفی نے بڑے ہوئے ہوئے کے راز ہی کھولے ہیں اور مکمل مشہور ہے۔ کوئی دوکان۔ پیکا پکان۔ مگر بحث کے چکر میں کلام سے ہو رہا تھا۔ تیزی سے سوسے کے لیے بیٹیاں نکل رہی تھیں۔"

"تم تو بہت کار گزار ہو۔ بچی بہت تعریف کرتی ہوں گی تھوڑی۔"

"خدا کا نال ہوئی تھی۔"

"تعریف؟ اور نو۔ کبھی آپ نے ان کے منہ سے میری تعریف سنی؟ یاں کتہ چینی اور اعتراض وافر۔ بھلائی سب سے بڑے جلد ہیں۔ اللہ ہی سے اکثر فرمائش ہوتی ہے کہ عقلی کو کچھ سکھادیں۔ ورنہ سسرال سے طعنے سننے پڑیں گے کہ میں نے کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔"

"لڑکیوں کا بھئی سے برا حال ہو گیا۔ اب بے چاری

پوری رہوٹ دی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اسے طم قلم خانہ ان دالے اس رشتے کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ سب اس سے امید لگائے بیٹھے تھے۔ اور وہ۔ اللہ کی خوشی کے لیے میں کی توقعات پر پورا اترنے کے لیے۔ دلیل میں اترنے سے بچھکانے کے بجائے خوشی تار تھا اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ نہ ہی کوئی لڑکی شریک حیات کے طور پر پسند آئی۔ تو پھر۔ میں کی خواہش ہی کہیں نہ پوری کر دی جائے۔ میں جس کی زندگی پوری عمر بچوں کے لیے ایسا کرتے قریبیاں دیتے لڑتی تھی۔ وہ عظیم میں جس نے اپنی تمام خواہشات بچوں اور ان کی دہلی کی خدمت اور دہلی کی خاطر پس پشت ڈال دیں اور ابھی شکون کید ساری مائیں عظیم ہوتی ہیں۔ لیکن شاید یہاں انفسہ بیکم جیسی بے فکس۔ سابر۔ عقلی اور لہجہ کی شکر گزار نہیں ہوتی۔"



رمضان شریف شروع ہو گیا۔ عقلی کی مصروفیت اللہ کی عبادت۔ ساتھ ہی شادی کی تاری جوشی گئی۔ منہ سطر نقد آتا تھا۔ عقلی کو کچھ بھی نہ تھا۔ دیکھیں۔ وہ نے ہر ستارے لگاتے فیصلوں کے کچھ پر رنگ پر رنگ کے کھاتے۔ کڑھائی کرتے دیکھ کو پریشان ہو جاتیں۔

شام سے پہلے افطاری کے لیے بکریں میں جا سکتی۔ روزے سے ہوتی اور کھانے بھر میں افطاری پیچھے کے لیے ڈھیر لگاتی رہتی۔ اللہ کی سب کے حصے لگائیں اور اسد سب کے کھانوں میں بچھانے۔ ان کی عقل قبول کرنے سے قاصر تھی۔ یہ تو پاگل عجیب اور نیا ماحول تھا۔ اس کے بلکہ کھڑے کوئی بد عقلی نہ تھی۔ تو کربا ملازم نہ تھی۔

عقلی اللہ کی مدد کے ساتھ سب کچھ کر سکتی۔ اس نے کباب اور ناش کے پھوے بھی فریز کئے تھے۔ جب ختم ہونے لگتے۔ مزید بنا کر کھاتی تھی۔ ان کی حیرانی پر عقلی نے کہا۔

ہاںی کجے گا ہر کام میں ایک پھرت۔
 "اور سو بھی پھولے گھر کی لادری جس بے چاری
 بے ہاں کی۔ چلو بھی وہ ہیں۔ اس سے آگے سوچ
 نہیں سکتیں۔"

"ہاں تو بھی سو آگے کی سو بستی والو ملے گا۔"
 وہاں کے پھولے پھوڑی تھیں۔ اس کی اپنی
 معمولی حیثیت کی لڑکی سے شادی انہیں اہم نہیں ہو
 رہی تھی۔ آخر اس نے دیکھا کیا بچہ کی اس قدر تک
 سک سے درست لیکن اصل حسین و جمیل لڑکیوں
 پھولے کی جسمیں اور دولت مند تھیں۔ چہ جس کو بھی کار
 نوک کے بھی فیصلہ اپنی حیثیت پر زمین تو دیکھ کر
 شرمک حیات منتخب کرتے ہیں۔ یہ کیا؟ بے ہاں کی
 لڑکی

گھر میں بھی ہاں باب کے سامنے بھی محکوم ہوتی
 رہی۔ والدین کو بھی۔ شادی پند نہیں کیا تھا۔ بل میں
 ان کے بھی تھا تھا۔ لیکن بھی ان بچوں کے سر ہاتھ
 رکھنا تھا۔ بھی انہیں اپنی شفقت پر رہی کا احساس دلا
 گھر تھی کا ایک لفظ بھی نہ ہوا۔ اہل چان سے بھی
 شکایت تھی۔ انہوں نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے
 اپنا مکان ہو کے ہم کر دیا۔ بیٹے بیٹی کی حق تلفی۔ لاکھ
 چاہتے یہ رہنمائی مل سے تھی نہ تھی۔ پھر حلال حق
 کے تحت نیچے کو ادا دینے کی خواہش کرتے

اب کچھ عرصے سے اس سے روکھی ہو چکی تھی۔
 باہر کسی کی مدد کے اس نے اپنا مستقبل روشن کر لیا
 تھا۔ معزز لوگوں میں سر اٹھا کر بیٹھنے کے لائق ہو گیا تھا۔
 اب تو سب کی آنکھوں کا انداز ہو گیا تھا۔

لڑکیوں کی باتیں سن کر ان کی والدہ کے ذہن میں
 گزرتے دنوں کے خاص خاص واقعات گردش کرنے
 لگے۔ اپنی کو نابھیل داو آئیں۔ فلسفہ کے مجدد تھیں۔
 ضبط برداشت۔ بچوں کی پرورش۔ ساس کی خدمت
 نگہداشت۔ بھی کسی سے مدد نہ لی۔ تنہا ہاوری سے
 ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔

وہ بہت غور کرتی رہیں۔ اپنے نقصان کا انداز بھی
 ہوا۔ اتنا خوب صورت و جیسے کلکل لائق لڑکا۔ اپنا خون

کے ساتھ اس قدر زیادتی پھر اس ساری محنت کا فائدہ
 کیا۔ وہابی میں غور سر پکڑ کر کہنے لگی۔ "ہائے
 میں تو مٹھی کو اوپر سے اوپر چنے پھرتے دلچہ کر چکا
 گئی۔ بی چاہتا تھا۔ اسے پکڑ کر ادا دل کہ بن اب تم
 سو جاؤ۔ پتا نہیں بے چاری کو تیرا مہلتا بھی ہے کہ
 نہیں۔"

"تم نے اس کا کھو دیکھا ہے؟ سختی اسلامت ہے۔
 اس کے چہرے پر سختی نازکی ہے۔ اور تم سو سو کر اپنا
 گوشت بچھا رہی ہو۔ دس سال بڑی تھی ہو اس
 سے۔ تھوڑے دن میں گوشت کا پھاڑین چاؤ کی۔"
 حنہ کو بیٹھ لفظ کے دن بھر سوئے رہنے پر اعتراض
 ہو تھا۔

"اور سو کر اٹھتی ہی کھانا پینا بھی ہلکتا۔ بھی بیس
 ملک شیک کوک لالہ۔"

"اپنے باپ کا دیا کھاتی ہوں۔ جسمیں کیا بیٹھانی
 ہے۔ تم بھی ہو ملوں کی سیر کرتی ہو۔ میں نے بھی کچھ
 کھا۔"

"ہم اکیلے تو نہیں جاتے تم بھی ساتھ ہوتی ہو۔
 وہاں بھی سب سے زیادہ تم ہی کھاتی ہو۔" حنہ سے
 بحث چاری تھی۔

حنہ نے دونوں کو چپ کرایا۔ "دو سال سے
 مقابلہ کرنے کا فائدہ نہیں ہر ایک اپنے طور زندگی
 گزارتا ہے۔ بچی کے حالات بحث سے۔ خراب
 رہے۔ اب اس کو کچھ کے لیے کچھ تو ٹھیک ہے۔
 لیکن شادی کیسے جگہ ہو رہی ہے جہاں سے کچھ ملنے کی
 توقع نہیں خیر تھی جس طرز زندگی کی عادی ہیں۔ اس
 میں مدد مل کی کچھ تھی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں ترو
 کرنے کی ضرورت نہیں۔ معزز سمجھتی ہیں کہ مٹھی کو
 ہر کام سکھا کر اس کے لیے کوئی اپنی درجے کا رشتہ بھی
 دھونڈو لیں گی۔ اس میں مجھے شک ہے۔"

"بچی بھاری گھر کے اندر رہنے والی۔ انہیں علم
 نہیں آتا کل لوگ لڑکیوں کو نہیں۔ ان کے باپ بھائی
 کی حیثیت دلچہ کر دیتے کرتے ہیں۔ کوئی خوش حال
 تعلیم یافتہ لڑکا ان کے گھر کیا کرنے آئے گا۔ مٹھی کو

کیسے ہاتھ سے نکل گیا۔ لڑکیوں کے رشتے آؤ رہے تھے۔ طراح اچھا کوئی نہ تھا۔ حنہ کا رشتہ تو تقریباً طے تھا۔ عمر نقد کے لیے۔ جو ابھی سے توپ بن گئی تھی۔ مناجاد سے بدھنے سے پہلے اس کا نہیں رشتہ ہو جاتا۔ تو۔ لیکن۔ اب تو ممکن نہیں۔ میاں بھوی دونوں کی نظروں اس کی طرف تھیں۔ حنہ کی شادی کے موقع پر اس کے لیے ابھی سے در خواست کرنے کا ارادہ تھا۔ یہ یقین تھا کہ اوجھ سے انکار نہیں ہو گا۔ بھامی کو اس سے بہتر ہو جھلا کہاں مل سکتی ہے۔ اپنے خاندان کی۔ پڑھی لکھی فیشن ایبل۔ چھٹی جینز والی۔ مگر۔ سب بہتر اندازوں کے خلاف ہو گیا۔ اب کچھ ہو نہیں سکتا۔

رات گزار دی۔ صبح ہوئی۔ ناشتے پر سطر اور نقد نے گزری شام کے واقعات از سر نو تازہ کرنا چاہے۔ ان کے گھر میں رمضان شریف کی آمد بھی ابھی ہوئی تھی۔ بوڑھا بے کے ہاٹ والد۔ نقد کی وجہ سے والدہ۔ حق کے سٹریٹ نہ چھوڑنے کے ہاٹ۔ لڑکیاں۔۔۔ بھی ابھی حنہ کو ہوش آجانا۔ تو اہتمام سے سہمی کر کے روزہ رکھتی اور دن بھر احسان بناتی۔ سطر کو بھوک کی برداشت تھی نہ پیاس کی۔ نقد کے سونے چاہنے کے اوقات سہمی نظاری سے متصادم ہوتے۔ آج کسی کا روزہ نہ تھا۔ سب ناشتے کا طوفان ملے رہے تھے۔ لڑکیاں بھی کاڈ لائی اڑانے کے سوا میں نہیں۔ تب ان کی ماں نے انہیں بھوک لگا۔ "مفتول" سواض کرنے کا کلمہ کیا ہے۔ کچھ عقل بھی استعمال کرو۔ بھامی نے بہت ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ اپنے گھر کے لیے۔ اپنے ماحول کے مطابق سوچنا نہ کرنا۔ قوم لوگ ان کی پسند نہیں ہو سکتیں۔ کیا تم ان کے گھر کا کھانا کھا سکتی ہو؟ کیا ان کی ہیرات ملو گی خدمت کرو گی اس کا ناز اس پر ہو جائے تو اس کے ساتھ جانے کے بجائے گھر میں ماس کے ساتھ رہنا پسند کرو گی؟ مسلمانوں کی خاطر کوئی؟ صبح سویرے اٹھ کر ناشتہ پڑو گی؟ بھامی نے اسی طرح عمر گزار دی ہے۔ نقد کی زندگی میں۔۔۔ ابھی ان کے ساتھ نہیں گئیں۔ لیں

جان کا دل نہیں لگتا نہ تھا۔ لیسہ بھامی ماس کی خاطر اس گھر میں رہتی رہیں۔ نقد کی زندگی میں تو کتنے خوشحالی تھی۔ ان کے بعد۔ خوشحالی رہی نہ کوئی مددگار۔ کم سے کم آمدنی میں۔ نقد کی بخشش میں گزارا کر رہی تھیں۔

پھر بچے بڑے ہوئے۔ اغراجات بڑھ گئے۔ تو اسکول میں چاہ کر لی۔ گھر کے کام۔ بچوں کی دیکھ بھال لیں جان کی خدمت۔ میں تو ابھی لیں جان کے ساتھ رہی نہیں جلد تھکے لہا جاتے ہیں بھی وہیں چلی جاتی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد یہاں آئے گھر خرید۔ مگر لیسہ نے کبھی ہم سے وعدہ نہ لی۔ لیں جان کا دوا علاج بھی خود ہی کرتی تھیں۔ وہ ایک مشا بن گئیں۔ لیکن۔ اس وقت کسی نے ان کی قدر نہ کی۔ ہمیشہ سطر سمجھا۔ کیونکہ خاندان میں وہ سب سے کم حیثیت تھیں۔ اور اب لیں جان نے لیسہ کے نام کر دیا۔ تو میں ہی سب سے زیادہ غور میں تھی۔ اس وقت مجھے اندازہ ہی نہ تھا کہ مجھے اس سے بہتر زندگی ملی ہے۔ عین بیٹے شوہر۔ بہترین رہن سہن۔ لیکن میں مقابلہ کرتی رہی۔ لیں جان کی یکطرفہ کارروائی۔ جلائے۔ اس گھر نے پیدا اور عظیم بچوں کو مجھے کا آسرا اور نقد گھر ان دونوں مجھے احساس برتری کا غور تھا۔ لیکن خیر۔ اب میں قائل ہو گئی ہوں۔ اور مجھے ان سے شکوہ بھی نہیں۔ سب کو اپنی خوشی اور مرضی کے فیصلے کرنے کا اختیار ہے۔ ہم زندگی تو نہیں کر سکتے ہیں اگر پہلے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہو، اب بھی بدی ہوئی۔ ان کا بوجھ اٹھایا ہو۔ تو مشورہ دینے کی حد تک اپنا بہت کا ستا ہوا کر سکتے تھے شاید اپنی سوانحوں کے سلسلے میں۔ کچھ دیکھ بھی لیتے۔"

ماں کی صف بے لاگ گفتگو سن کر حنہ حیران۔ سطر ناخن داخوں سے کھینچنے لگی۔ نقد کمرے میں جا کر حوض سے بسزبر گئی۔ اسے دونا آیا تھا۔ مگر اب اس کے سونے کا وقت تھا اس لیے وہ سو گئی۔ رمضان پورے طوفان سے گزر رہے تھے اپنی برکتیں بخشے ہوئے۔ رفعت کا مینہ اب میسر ہے جتنے

میں داخل ہو گیا تھا۔ روزہ وار برکتیں سمیٹ رہے تھے جن کے نصیب میں رحمتوں کا حصول نہ تھا۔ وہ بھی افکار کی دھندلوں سے بھرپور انصاف کر رہے تھے۔ لالہ بی کو اپنی سو کے عید کے جوڑے کی فکر تھی۔ ہارے ان کی مرضی اور پسند کا جو ڈاؤن تیار ہو گیا۔ تو انہوں نے شاد آباد کے لئے قصد کیا۔ جھٹلی اور منہ کو بلایا۔ دونوں آنکھیں اور لالہ بی جھٹلی اور منہ دونوں کے ساتھ عازم شاد آباد روانہ۔

پچھونے تو اپنی گاڑی کی پیش منی کی۔ مگر گاڑی تو اسد کو بھی مل گئی تھی۔ مسئلہ ڈرائیور کا تھا۔ پہچانی گاڑی خود ڈرائیور کرتے تھے۔ یان کاٹھا۔ مگر لالہ بی کسی سو کو لے جانے کے حق میں نہ تھیں۔ راستہ دلچسپ تھا۔ لالہ بی اور تللی ایک ساتھ۔ جھٹلی اور پچھو ایک ساتھ جھٹلی تھیں۔ بس کے سفر سے نا آشنا پچھو کو کھڑکی سے جھانکتے اور باہر کے نظاروں سے دلچسپی ہو رہی تھی۔ سڑک کے کنارے گئے درختوں کے پتے ہوا کی تیزی سے جھوم رہے تھے۔ نمایاں بجارے تھے۔ پچھو بہت جذباتی ہو رہی تھیں۔ وہ باہر دھڑکی کی توجہ سڑک کی طرف مبذول کر تھیں۔

"دیکھو دیکھو ان درختوں کی کوئلیاں کس قدر سرخ زور مائل ہیں اور کوئی کالیسی۔" جھٹلی سوچتی۔ پچھو نے اپنی کوشش کے بلاتن پر بھی توجہ نہیں دی کیا وہاں ان کی کوئلیاں ایسی ہی ہوتی ہوں گی۔ ہمارے وہاں بھی اتنی ہوگی۔ لیکن یہ اتنی فطرت ہے اپنے اختیار میں جو ہے اس کی طرف نظر ڈالنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ کبھی جھٹلی کا ہاتھ ہلا کر کھڑکی کے باہر حوجہ کر تھیں۔

"ارے ارے کھوڑا رہے موٹر سائیکل والا۔ چار بچوں ایک بیوی کے ساتھ کس مزے سے جا رہا ہے۔ مزے کا سین ہے نا۔"

وہ کیا کہتی۔ ہمارے شہر میں آئے دن ایسے مناظر ملتا کرتے ہیں۔ پچھو کو یہ سین نہ کیا کہنا۔ ہاں ہے۔ جب یہ کہیں جاتی ہیں۔ کیا اور نہیں دیکھتیں۔ مگر اس وقت اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہیں۔ مزین کے

لے شینگ انکھر کے ٹیلر سے یا صبرین کے ٹیلر سے جھگڑنے کی سوچ یا پھر پچھو بھائی سے بحث جو گاڑی ڈرائیو کرتے ہیں۔ باہر صاف کھانے کی فرصت نہ ملتی ہوگی یا سڑک پر موٹر سائیکل والے پیدل چلنے والے کیڑے کوڑے ہی لگتے ہوں گے۔ کون خود کرتا ہے۔

"شلہ کپور آئیڈ۔" بس رک گئی۔ لالہ بی چو کنا اور پر جوش نظر آئیں۔ بڑی ٹیکسی میں وہ جھٹلی جھٹ کر جھٹلی مقصود پر چڑھیں۔ جھٹلی بے تکی سے اتر کر گریٹ پر پہنچ گئی۔ جھٹلی کے بھائی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا بھول گئی۔ پھر اندر سے کسی جھٹلی کو آواز آنے پر اٹھ بیٹلی۔ تو خود کیا اندر تو خاص کرسی تھی۔

"ارے ارے کون ہے یہ بے قرار ہستی۔ صبر نہ ہو تو بھٹکھٹکھٹ سے کھمباتا ہے۔ گنگا ہے۔ کھاتی ہوں ہلایا۔ مگر وہ کون کتا تو نہ۔"

"ہم سلا اور سے آئے ہیں۔"

"لاہور سے آئے ہو اے کیا ہوا کے کھوڑے پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ دیکھو بی ہم نے قومہ چمٹے پر چڑھایا ہوا ہے۔ لیکن بھونے والا ہے۔ جل جلا گیا۔ شہر دار کیا بگڑے گا۔ روزے میں جلی میری شامت بلائیں گی۔ ہم ہتاد۔ ورنہ آگے جاؤ۔"

"قومہ۔ ارے لکھی تم افکاری نہیں بتائیں۔ کیا۔ خالی قومہ سے مل کر غرضالی ہو۔" جھٹلی کہہ نہ تھی۔

"لو ہو۔ بڑی لچر ہو قوم۔ کھاتی ہوں۔" اندر سے ایک اور لکھاری آواز بھی آ رہی تھی۔ "ارے یہ دردانہ سے کس سے باتیں ملانے لگی۔ اس شری سے تو۔ ارے میری ناک نہ کٹاؤ نہ۔"

گھٹ کھا۔ ایک چائے طوع ہو۔ سورج کی روشنی جلی پڑ گئی۔ پھر وہ چائے گارہا کر کو کر گئی "پچھو جلی۔" لالہ بی سے پٹ گئی۔

لالہ بی نے سڑکوں کے طور پر چمکے سے کہہ۔ "یہ سوائزن تو جلاؤ۔" ایک کپڑا لٹے پچھو کے قدموں میں گرے۔ جھٹلی نے صحت پٹ اغوا کیا۔ سب اندر جا رہے تھے جھٹلی سوٹ کیس اٹھائے پیچھے پیچھے

پچھو کہ کسی لنگے؟ لیکن اگر اطمینان ہو۔
مگر صرف حتمی کر کے کہنے کا تھا۔ تو یہ تو
کسی حلقے میں ہوئی۔ انجمن ہی تھی تو دشمن آنکھیں۔
چلتا چہو جیسے چاندنی چٹنی ہوئی ہو۔ مسکراتی تو جیسے
کرمیں ٹھہر گئیں۔

ظہر کی نماز پڑھ کر ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔ واپسی
کے سفر میں بس کی کڑی سے جھانکنے کی کسی کو فرصت
نہ تھی۔ نہ باہر کے نظاروں سے دلچسپی ہوئی۔ پچھو اور
تلی مسلسل قریب کی تندی تھی اس کے پائے کھانے کی
تعریف میں ہی مصروف تھیں۔

"تو رہ۔ کچھ قندو خوشیوار اور لذت کا تھا۔ رائیہ کتنا
نقیس تھا۔ مڑا آیا اور جب میں سے کہا۔ کوئی سبزی بنا
لیتیں تو اس کا جواب بھی تھا۔ لیکن تلی نے کہا۔
"تو فوراً ایک دس روپے تلی۔ میں تو ڈار گئی کہ پتا
میں کسے کو گئے ہیں۔" پچھو کہہ رہی تھیں۔ "اس
نے پچھو یا ایک لاکھ کے کوٹے ہیں۔ تلی کو ایک کی سبزی
انجمن میں ملتی۔ تو میں پاک خیر کے کوٹے جانتی
ہوں۔"

"اور بھی دانے دار بھی تھے۔ مڑا آمید۔ ترکیب
بھی تادی۔ لب میں اپنے خاندان سے پکوانوں کی۔"
تلی کو تو بہت مڑا آ رہا تھا۔ پچھو بھی ہل میں ہل ماری
تھیں۔

"لڑکی میں مہینو رہی ہیں۔ فوراً ہی جوس لے
تلی۔ سمجھ گئی کہ ہم نے دونوں دار ہیں۔"
دونوں مسلسل تعریفیں کر رہی تھیں۔ عظمیٰ حیران
تھی۔ کیا یہ باؤلی باتیں مصنوعی بالکوت ہے۔ خصوصاً
تلی نے تو بیش اللہ کی کو حشرات کی نظر سے بکھا۔ انہی
پر تری کا مہظاہہ کیا۔ اسد اور عظمیٰ کو تو کبھی کسی گفتگو
سمجھا ہی نہیں۔

"وہ ٹھہر مند ہو گئی۔ لب شادی کے دوران تلی کی
جانب سے کوئی ناشوشانہ چھوڑا جائے کہ ان لوگوں کی
خوشیاں۔ ٹھہر اور الفوس کی بند ہو جائیں لیکن
عظمیٰ نہیں جانتی تھی۔ انسان کی زندگی میں کوئی خوش
نصیب نہ ایسا بھی آتا ہے جب مار کی میں سورج کی

اندھ ایک اور دلچسپ نظارہ۔ چار خواتین ایک
دوسرے سے پہلی نہیں رہی تھیں کہ وہ رہی تھیں۔
اس دوران قریب پہنچی کا پتہ پکڑ کر کمرے میں لے
گئی۔ وہ چادری بھی اندر آ گئیں۔ قریب کا تعارف کرایا
کیا۔

"سرا حاکم کر سلام کرو قریب۔ سسرال والے ہیں؟
وہ فوراً "سسر" دیکھا ڈال کر ان کے آگے جھک گئی۔
"نفسہ بغیر اطلاع دیے آ گئیں۔ تباہ ہیں تو میں
کچھ تیار تو کر گئی۔" خالہ لالہ ناراض ہوئیں۔
"بس آپا قریب کا عید کاٹو ڈالا تھا۔ اس لیے جلدی
میں رہا نہیں رہا۔"

اس عرصے میں قریب چھوڑے کی طرح باہر نکل
گئی۔ منٹوں میں وہ گھاسوں میں جوس لے گئی۔ پچھو
اور تلی کے سامنے رکھ دیے۔ خالہ لالہ "ہائیں
ہائیں۔ روڑے کا تو۔" کتنی وہ گئیں انہوں نے
گھاس ہو نتوں سے لگا لے۔

"آپا! ہمارا روڑہ نہیں ہے۔ سفر کرتا تھا۔ سو جاننا
نے اے اجاڑت بھی دی ہے تو۔ فائدہ اٹھالیں۔ شاہین تو
شوگر کی وجہ سے۔" تلی معذرت کر رہی تھیں
ساتھ ہی قریب کی تعریف بھی کہ اس نے بچان لیا۔ وہ
مندی منہ میں پڑھتی۔ عظمیٰ کے کان کے قریب چوکر۔

"روڑہ دار تو نکل سے بچان لیا جاتا ہے جیسے تم
اور پھولی تلی۔"

تلی نے قریب کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اور ہل
بھی۔ وہ تھمرا اپن قندو اگر تیار ہے تو وہ ہم کھا کر ہی
جائیں گے۔" قریب دانت چوکنے لگی۔
خالہ لالہ نے قریب سے کہا۔ "چلو علیہ درست کر
کے تو یہ تھمرا امید کاٹو ڈالا ہے ہر۔"

"عید کاٹو ڈالا؟ تلی کہیں ہے وہ کھائیں میں بھی تو
دیکھوں قریب ہے قرار ہو گئی۔ آگے بڑھی۔
خالہ لالہ نے ٹھہر تو چلی گئی۔ عظمیٰ سوچ رہی
تھی۔ بغیر اطلاع ہم جا رہے ہیں۔ نہ جانے کھر کس
محل میں ہو گا اور قریب کس حلقے میں ملے گی۔ تلی اور

شعلہ بن کر خود کو روشن کر رہا ہے۔ ماضی کی غلط فیصلوں اور خود ساختہ عقلی خیال آرائیوں پر حاوی ہو کر حرف غلط کی طرح مٹا رہا ہے۔ شاید کئی کو بھی اس شعلہ نے روشنی پہنچا دی تھی۔ وہ خود بخود انصاف پسند ہو گئی تھیں۔

کئی اور پچھروں کا اصرار تھا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ روزے ہمارے ہی کھول لیٹا۔ مگر اللہ ہی کو اسد کے روزے کی بھی فکر تھی۔ پچھروں کی باتوں کے کھر کوئی روزہ دار نہ تھا۔ اور کسی ایک کے کھر جانے کی صورت میں دوسرے کو شکایت کا موقع تو بھی مناسب نہ تھا۔ اس لیے وہ اپنے کھر کی آنکھیں۔ آتے ہی عقلی نے انظار کی تیسری شعلہ کھڑی۔ اسد کے آنے تک سب تیار تھا۔ اس لیے عقلی اسد کو اپنے شلہ آلود کے دورے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ اسے تو قوس پہلے حد پسند آتی تھی۔ اس کی دلیری قصود فرات پہ نگہی۔ اسے بے دریا بے لوث ثابت کر رہے تھے۔

"پتا ہے۔ روزانہ کھولنے آئی۔ تب بھی ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے ہاتھ میں بھانڑا تھا۔ ہاتھ چکن کے روزانے سے لگا رہتا ہے۔ کب موقع ملے اور وہ کسی کے سر پر رسید کرے۔ غلام لیں کہہ رہی تھیں۔ یہ سول روزہ والے کا ہاتھ قوس کے ہاتھ سے ذرا سامنے ہو گیا۔ پس چپ کھڑکی کا پتھر دھکانے کا موقع مل گیا۔ پتھر کا برتنی گرا۔ روزہ گرا۔ روزہ گرا۔ ہاتھ پتھر پکڑا پکڑا پکڑا۔ پتھر تار کے جھلنے لگنے لگا۔"

"خوش ہو رہی ہو آخر ہاتھ اپنے بھائی کی۔ پتا نہیں کسی بات پر مجھ غریب پر مڑا کی کے جو ہر دھکانے کا موقع مل جائے۔"

اسد جڑ کر اسے اس دلیری کا تاریک پہلو دکھا رہا تھا۔ عقلی ڈر گئی۔ لوح اور جو بھی کھڑی۔ یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز کھر تھی اٹھا کر کھلی میں پھینک آئی۔ جہاں جہتی وقت کا کیا بھروسہ اور اگر خاندان والوں میں ان کے اس جوہر کی شہرت ہو گئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہمارا مذاق اڑایا جائے گا۔ لاف کہیں روزانہ اجیز میں نہ لے آئے ہمارے گھر۔



انکا جن بہت سی چیزیں کن تھا۔ صبح عقلی کھر کی عقلی سے فارغ ہوئی تھی۔ نماز کا کپڑا پہنے۔ اسد کو لایا۔ کھانے کی باتیں کئی۔ عقلی نے روزانہ کھولا۔ جہاں جہتی سامنے غلام لیں اور قوس کھڑی تھیں۔ اور ان کے پیچھے غلام لیں کے بیٹے اسد کے کھڑے تھے۔ پیچھے سیاہ بڑی سی گاڑی تھی۔ اسد کو کھانے کے کھانے۔

اندر لیں کی کی خوشی دیکھی تھی۔ قوس پر کھڑے میں ہی بیٹھ کر لوح اور نظر سے کھانے کی۔ پھر کھانے کی سیر کو چلی گئی۔ عقلی نے اسد کو دیکھا۔ "بھائی! کھیں۔ غلام لیں کھاتی ہیں۔ اسد بھائی بھی ساتھ آئے ہیں۔ آپ بھی آجائیں۔"

"ہیں۔ کھانے کے کھانے۔" عقلی نے بغیر اطلاع کے اسے بلایا۔

اسد نے اٹھ کر لیں برابر کھانے کھڑی پہنی۔ "اچھا۔ غلام لیں اپنی کھانہ نوای کو بھی لے آئیں۔"

"وہ بھی آئی ہیں۔" عقلی نے ہم پھر زان اسد کھانے کر اسد پہنچے۔

وہ برکھ میں مل گئی۔ شہر کا سلام کیا۔ "تم اپنا ذرا اضمیں لائیں؟ اسد نے طرہ انکا۔

"ضرورت نہیں تھی۔ اسد ماہوں ساتھ آئے ہیں۔"

اندر لیں اس کی اضمیں میں تھیں۔ مگر خوشی ان کے چہرے سے ظاہر تھی۔ اسد اسد بھائی سے ملا۔

"اسد بیٹا! تم ایسا کرو۔ فون کر کے اپنے کیا جان کو بلاؤ۔" اللہ ہی پیچیدہ تھیں۔

"کیا آج خاص بات کرنے آئی ہیں۔" اللہ ہی نے پراسرار انداز میں بتایا۔

"کھانے میں خود بخواتی ہوں۔" غلام لیں نے انہیں دھک دیا۔ "میں آج اپنے بیٹے اسد کے لیے عقلی کا رشتہ دیکھنے آئی ہوں۔ تم بڑے بھائی ہو عقلی کے۔"

جیسے انصار ہے۔"

یہ ہاتھ رکھتا ہے۔"

"ہاں بھابی، اور میں بھی اللہ جان کی وصیت پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔"

پھر تیار اور پھوپھو مصطفیٰ کے کھڑے ہوئے اس وقت خوش قہقہہ ہنس کر کہیں کہیں کہیں بہت اطمینان ہوا تھا اس نے بھی شکرانے کے لعل پڑھے۔ عقلی حنہ کا ہنسنے کا وہ اس پانچویں تھی۔

"بھابی۔ ارشد بھابی جب سے یہاں سے مجھے ہیں۔ تکی سے لڑ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ اس کی بیوی اپنی حسین ہے اور آپ نے میرے لیے وہ عقلی پھوپھی آنکھوں والی بند کی ہے انہیں بہت خیر آیا ہے اور انہوں نے مطلب حنہ کے کما کر عقلی یہ تو وہ سب سے خیر اللہ کے کھسکے وہاں کا رشتہ۔"

وہ اپنی بات چھیڑا۔ "حنہ نے کہا بھابی کہہ رہے ہیں عقلی آپ کو نظر نہیں آئی۔ کیا خیراں ہے اس میں آپ نے مجھے کس کا رشتہ سمجھتے تھے اعلیٰ اس کے ساتھ ہو رہا ہے کہ ان لوگوں کو کتنی سمجھتی رہیں۔"

انہوں نے تو حنہ کو بھی عقلی اس کی وجہ سے اس کی شکر ابر جاہ۔ مرشد بگازی کاسن کر حنہ میں جھکا ہو جاتی تھی۔ حنہ کے لائق تھا یہ رشتہ۔ نہ کہ اس ہاں عقلی کے اسد کو اچانک خیال آیا۔ وہ بڑبڑا گیا۔

"اللہ ہی اللہ ہی ہیں یہ تو وہ سب سے مجھے یہ وہ سب بالکل منظور نہیں۔ آپ میری عقلی تو لڑیں بالکل تو لڑیں۔"

"آپ یہ کون سا سوا سا کیا داغ میں۔ عقلی تو میں نے کی ہی تھیں۔ کیا تو لڑیں؟" اللہ ہی انہوں نے حنہ۔

"آپ یہ بھی کوئی بات ہے۔ عقلی۔ میری مولیٰ ماس بن جائے گی۔ تو سب کے رشتے تھے اسی رشتے سے میں عقلی کا والد۔ اب اس میرا رشتہ ختم کریں۔ تو گستاخ اڑا میں گے۔"

"کوئی کسی کا ذاتی نہیں اڑا نا۔ خاندان میں کسی اس قسم کے رشتے ہو چکے ہیں۔ میرا اپنی بہن کے ساتھ ایک چاچا ملہ ہوا ہے۔ میں سے رشتہ تو نہ سکتے ہو۔ تو

اسد نے کیا کو فون کر دیا۔ پھوپھو کو بھی بلایا۔ کیا اپنے بیٹے کے ساتھ فوراً آگئے۔ اس سے چند سوالات کیے۔ خوب صورت وجہ دے کر بلا۔ تکی کرتے کرتے جگ میں اپنے عہدے پر تھا۔

"میں نے تو کل ہی عقلی کو دیکھ کر قہقہہ کر دیا تھا۔ مگر اس رات کو آپ۔ تو میں نے اس کی مرضی معلوم کی۔ اس نے تو عقلی کو برسوں سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر میرے کہنے کی وجہ سے فوراً راضی ہو گیا۔ میری خوشی اسی میں تھی۔ اور اس میری خاطر رضا مند ہو گیا۔ اب آپ لوگوں کا یہ فیصلہ ہو۔"

انکھری گھبراہٹ نہ تھی۔ کیا ان کے بیٹے اور پھوپھو کو بھی اس پر دے آیا۔ پھوپھو کے بیٹے اس کے ساتھ آئے تھے۔ عقلی تو یہ کے ساتھ اپنے کمرے میں باتیں کر رہی تھی۔ جب اسے یاد آیا تو وہ بھی خوشی دہاں چلی گئی۔ اور پھر جیانی کارگ۔ حیا کے رنگ کے ساتھ چرے کو گلزار بنا رہا تھا۔ خاندان نے اسے نگہن پر ستایا اور عید کا ہو ڈا بھی دیا۔ خاندان نے کہا۔

"بھئی رمضان شریف کا مہینہ ہے کسی کاغذ بھی نہ دیا نہیں کر سکتی۔ مصطفیٰ شام کو کھانا لے گا۔ کیا نے عقلی کو کچھ لگا کر کہا۔ "میرا منہ دیکھا کر دیں۔ میرا منہ نہیں ہے۔ اپنے صوف کرے۔"

پھوپھو کو شوکر تھی۔ مگر اس کے بعد جو قصہ میں بتا رہے تھے مصطفیٰ سے پہچان کر کہتے تو یہ نے چپکے سے کہا۔

"میں نے تکی کو یہ قصہ پوری تھی۔ کو کسی رہی۔" پھر وہ سب چلے گئے انہیں رخصت کرنے سب دو دانے تک آگئے۔ جہاں ڈرائیور گاڑی کے دو دانے کھانے کھا تھا۔ اندر آکر سب نے آسرو اللہ ہی اور اسد کو مبارکباد دی۔ شادی اس کے دل سے دانے دوڑے ہوئی تھی۔ لی اللہ بہت حاشا تھی۔

"مجھے تو خیال نہ تھا کہ اس طرح آگے آگے کھر بیٹھے عقلی کی فکر سے آزاد ہو جائیں گی کٹھ کا پڑا احسان ہے۔ شاہین! تم نے دیکھا تھا کس طرح جیہوں کے سر

وہ سری دنیا کی خلق نگ رہی تھی۔ دیکھنے والے
عزیز کے بغیر نہ رہے۔ لہذا ہی جیسے سو پر آتیں ہر
پاؤں کر بھی ہو گئی رہیں۔

ایک لمحے کو تواسم بھی ڈو کھڑا ہوا۔
رخصتی اور رات میں ہوئی۔ عظمیٰ نے سیلیوں کی
عد سے اس کا جھگڑا ہوئی۔ بہت غصہ اور سولی سے
سجایا تھا۔

اسد کی جلیبی کی نے اب لہلی کی فکر مند کر دیا۔ وہ
ایسا تو تھا۔ خوش ہو کر خوب خشتا۔ سو سولہ کو ہوتا
تو اس خوشی کے کہ اور اس کے چہرے پر ہنس کی
بکلی گھر بھی نہیں۔ کیا تو فنی وہ اس شادی سے خوش
نہیں تھی۔ اسے کچھ نہیں۔ کھٹے یوں کھرتے ہی
وہ لہا دامن کے ساتھ۔ کئی چائیں رشتے داروں نے
تصویریں بنوائیں۔ سب خوش تھے۔ وہ بھی جیسے
زہد سخی کی شکرانہ سے لب کی تسلی کر رہا تھا۔ چچا
کے بچے سلیوں میں چلی جاتی تھے۔ آخر سب مصلان
رخصت ہو گئے۔ دامن کو پہیلی کرے میں پہنچا دیا گیا
تھا۔

وہ لہا آخری مصلان کو رخصت کر کے کمرے میں
بٹے۔ اندر کاسین آگ بکول کرنے کے لیے کافی تھا۔
دامن دیکھ لیاں تبدیل کر کے سو بکلی تھیں۔ کن کا
عوی لباس کر سی۔ یہ تہ کار کھا تھا۔ زہد رات بے میں
بند۔ وہ بھی سلیقہ۔ تن فتن کرتے تھے۔ دامن میں تھکے۔
لباس تبدیل کیا کمرے میں آکر بے روئی سے بچھوڑ
کر دیا گیا۔

”کیا ہوا کون آیا۔ کیا ہے؟“ چکی نیند سے بڑبا کر
اضحیٰ شعلہ والہ۔ چکی نیند کے باعث ہنر آنکھوں میں
گلابیں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر تھارت۔ میک اپ
سے عاری چوہ گلابی ہو نونوں کے درمیان سفید موتی
دک رہے تھے۔ لہذا کی ایسی کر۔ جیسے زمین آسمان
نور میں نما گئے۔ زبان و مکیان منور۔ وہ لہانے بھی ایسا
نظارہ کمال دیکھا تھا۔ چوہوں سے بھر اکہر گھوم گیا۔ وہ
پکرا گئے۔ یہ بی۔ کیا ہی مری ہے۔ ملکیت کا تصور
ہی بڑا خواب ناگ تھا۔ مغرور ہو گئے۔

عید اس بار کچھ زیادہ ہی طعراق کے ساتھ تلی تھی
عظمیٰ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیر خرما دی ہوئے
فروٹ چاٹ اور کلو جتنے کی چاٹ زیادہ بنائی۔ چاٹ
سالہ دو کھڑ میں ہی بنا کر کھتی تھی۔

بہت مصلان آئے۔ اسد کی شادی کاسن کر مبارکباد
اور کچھ جتنو کے شوق میں۔ عظمیٰ کی سیلیوں نے اس
کی شادی کاسن کر خوب ہلا کھا گیا۔

چند دن بعد دونوں بھائی کاسن کی بیاں کی رسم بھی کی
لیکن اسد کسی طرح سامنے نہ آیا۔ نہ جانے کمال
تاجب ہوا۔ رشتے دار آئے۔ عظمیٰ کی رسم ادا کی۔ کھالی
کر سہ حارے۔ لڑکیاں وہ گئیں گلے بجانے کے
لے۔

لہلی نے کئی بار اسد سے کہا کہ وہ اپنے دوستوں کو
بارت اور دلہے کی دعوت دے دے۔ مگر اسد نے
عظمیٰ کو بتایا کہ اگر میرے کسی دوست نے تو پہ صاحب
کو کچھ کہہ دیا۔ تو ان کا ڈنڈا اور میرے دوست کی کمریا
مر۔ نہیں بھی میں یہ دیکھ نہیں لے سکتا۔ اب صحیح
وجہ تو یہ معلوم کیا تھی۔ بھی دامن ڈنڈا اجیز میں تو اسے

سے دی۔ اس کے ہاتھ میں تو برس ہو گا۔
لیکن بارت کی دعا کی کے وقت اسد کی حیرت میں
تھی۔ اس کے تمام دوست بعد شوق موجود تھے۔ کمال
بی کے انتظام معمول نہ تھے۔ فخر عروم کے بیٹے کی
شادی میں سب رشتے داروں نے شرکت کی۔ بارت
شلہ آپہ تھی۔ تو وہیں بے حد چاک سے منتہا ہوا۔
شادی ہل کو بہت خوب موتی سے سجایا تھا۔ افسر
نے اپنی پوزیشن کے مطابق بہت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ ہر
سہ چوہوں کی لڑیاں۔ وہ بھی کی چکا ہونے۔

لڑکی والوں کی طرف سے اعلیٰ طبقے کی لہلیوں کی
شرکت۔ افسر کے تمام احباب۔ کنٹر ”فنی کنٹر۔
بنکوں کے اعلیٰ عہدے دار سب لہلیوں کے ساتھ
موجود تھے۔ تو بے کے والد نے بھی اپنا فرض بخالی ادا کیا
تھا۔ بہت اچھا اجیز ہوا۔ دامن اور دلہا کو کٹر دیکھنے والوں
کو علم ہو گیا کہ کوئی کم حیثیت ہوتا ہے نہ کٹر۔ خود کو
برتر دیکھنے والوں کی عقل کا نور ہوتا ہے۔ دامن تو کسی

"اپنے گھر میں تو رات بھر جاگاتی تھیں۔ یہاں آتے ہی سو گئیں۔" شکرہ کا حق تھا۔
 "یہاں چائے کب پئی۔" ترنت جواب ملا۔
 کہیں ڈنگا دیا۔ نیند آ رہی تھی۔ "لوھر بھی باز بھرا لکھو تھا۔"

"میں جسے منہ دکھائی لایا تھا۔ سوچا چکا کروں سی دل و بدن سچا لکھائی سے شکایت کروں گی۔"
 "منہ دکھائی؟ میں ہمارے اچھا منہ دکھاؤں۔" شوق کا عالم دیکھتی تھا۔ آنکھوں میں ستارے دکھ رہے تھے چہرے پر جگر کا پتہ سی۔ مسکراہٹ تھی کہ لکھیں۔
 "یہ دکھاؤ کیا ہوتا ہے۔" ترنت سے ہاتھ کو۔

شوہرانہ رعب خود بخود طاری ہو گیا۔
 "جی حضور۔ دکھائیے حضور۔ سب صحیح ہے؟" بے تکلفی۔

"ہاں اور کچھ۔" اسد ایک دفعت کاموٹی ستارے تک لگا کر ٹھیک ڈنڈا دونوں آنکھوں میں یوں بے کھڑا تھا جیسے کسی ہلار کو شیر خور پیش کی جاتی ہے۔
 "جیسے۔ آپ کی خدمت میں یہ ایک زمین خفت۔" اور مسکراہٹ ایک تخت فتنے میں تھوڑی ہو گئی۔

اب وہ دھڑکی تھی۔ منہ دیکر یہ عجبانہ کہ کسی سے لوٹ نہ پٹ۔ اس کی ہنسی بے دیا۔ معاف ہنسی سے کہہ جھنجھٹا گیا۔ اس نے ایک کڑوا اسد کے ہاتھ سے ایک لایا۔ کھنکھے پر دیکر اسٹائل لایا۔

"اب ٹھیک ہے؟" بگنے کتنا یاد ہے۔ "انگلیوں سے چکار رہی تھی۔" فتنے کو۔ اسد اسے مہبت ہو کر دیکھ رہا تھا۔ پائیزاوا۔ محسوس نظم۔ کبھی کا ہے کہ ایسا ہو شرمناک حسن۔ کیا تھا۔ سادگی اور بے کاری۔
 "نصو۔ میں تصویر لے لوں۔" میز سے کمرہ اٹھا لیا۔

وہ نئے نئے روز بٹاتی تھی۔ اسد کی دیکھ ہوئی ہنسی چسپائی چلی گئی۔ کئی دنوں کا منصوبی غل اتر گیا۔ اب دونوں کی ہنسی ایک دوسرے میں بدتم ہو کر کمرے کی حدود سے باہر سخن میں پکڑنے لگی۔
 پریشان شکرہ ملی۔ تراز کے بعد وچیفے چنہ رہی

تھی۔ جو اسد کے دل میں اس بچی کے لیے ٹپک چنہ بیدار ہو جائے۔ اسے کوئی بھی لڑا بھاجا ہے۔ زندگی میں خوشیوں کا راز ہو جائے۔ کمرے سے الٹی ہنسی کی کئی جلی جھنکار۔ سہمت میں شہنائی بن کر دیا کی مقبولیت کا مژدہ ملنے لگی۔ انہوں نے آسمان کی چنہ نظر ڈالی نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ستارے بھی انہیں مبارکباد دے رہے تھے۔

انہوں نے شکرانے کی شکل کی نیت کر لی۔ اس دن کا رعبوں سے انتظار تھا۔ جس سہمت سے وہ دونوں کے فرائض سے جلدوش ہوئی تھیں۔ ساری محرومیوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔ وہ سب بدحوالی تھیں۔ بہت دکھ اٹھائے۔ جبر مجرمت۔ لوگوں کی زبان کی تندی۔ تملار بھی چھپتی زخم کر دیتی تھیں کی عمارت بدداشت لی۔ پاجوئی سے مصائب کا مقابلہ کیا۔ تب جا کر۔ سوا فتنے کے قاتل ہو گئیں۔

سب کا تھکن حلیت اور محبت نے ہمت بوسالی اور زخمیے دیکھتے۔ دکھ کی گھٹائیں سٹ گئیں۔ مطلع صاف ہو گیا۔ پھر۔ وہی زخم کر دیتی تھیں کے زانوے بدل گئے۔ اور ان میں صوبائی اور خوشامد نظر آنے لگی۔ سب وقت بدل گیا تھا۔

ہمت موصلا خاموشی غص اور بدداشت ایسے بے ضرر تھیں یادوں سے مقابلہ کیا تھا۔ جن کا توڑ نہ تھا کسی کو جو لب دیا نہ شکایت کی اور خطی مرلو حاصل کر لی۔ اب وہ پھر اللہ کے آگے بھیجی ہوئی شکر لیا کر رہی تھیں۔ ان کی خاموش فریاد اور بے کواڑ آنسو اللہ کی بارگاہ میں قیل ہوئے۔ عیش اللہ سے ہی مدد مانگی تھی اور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ سچے والے کو یہ نصیب نہیں کرتا۔ اسی یقین اور امید نے انہیں فتح سے ہلکا کر دیا تھا۔

فجر کی زبان ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ستارے چمک رہے تھے خوشی کے آنسو ستارے بن کر جھللا رہے تھے اور بارگاہِ حضرت میں شکرانے کے موتیوں کا پتہ پہنچا رہے تھے۔

پہلے دروازے

ٹریا پچھو کو بتایا تو پرانے اسٹور میں بندھ گھول کی۔ پھر وہاں جو بھڑو بٹانے تھے وہ کھانے کا تھیں۔ شیطان کے یہ پر کالے آگڑ تھیں سے کڑے تھے تو وہ خوش نصیب بھڑو تھا ہی تھا۔ دھڑے بڑے سے بڑا ان کے سامنے بھی کھڑا دھڑکیا پوتا تھا اور اب داوی ان ہی چٹاوں کے کھانے کھا رہا تھا۔ کھانے پینے کی بھی جگہ تھی۔ اور کھڑو اچھل پھل کر "جائیں گے" بھی جاتے تھے۔ سب جاتے تھے۔ "مگر سے تھے داوی پر اور کھڑو کی آٹھ اور دس سالہ زندگی میں پہلی بار ان کا کھانا کر مسکرا رہی تھیں۔

"ہو! اچھا جانے کی تیاری کرو۔"

کھانا آپ شاید بھول رہی ہیں۔ اس گھر کے سربراہ آپ کے فرزند "میرے" مجازی خدا ہیں۔ کہیں آنے جانے کے لیے ان کی اجازت لے لی جائے تو وہ اپنی پرکھی قباحتوں سے بچا ہوا مسکرا ہے۔ "اگر اس کی ٹھکریوں کرتی ہو تو خدا اس سے تو میں آپ بات کر لوں گی۔ تم ہمیں جانے کی تیاری کرو اور رعنا کو زرا ڈھنگ کے کپڑے سلوا دو۔ ٹریا کی سرسراہٹ بہت بڑی ہے۔ اس کے ہاں ہر وقت آتا جاتا لگا رہتا ہے۔"

اور یہ پہلی بات تھی جو رعنا کو پہنچ گئی۔ وہ کچھ خوش گوار ہو گیا۔ شام کو لیا آئے انہیں بد کرام سے آگاہ کیا گیا۔ سن کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ "رہنما کا مہینہ ہے، کچھ روزے کون رکھو اسے؟"

جنون کا اخیر۔ پنجاب کی دھماکا خیز گری اور اس پر مستزاد داوی کا مہینہ لگ سلطان۔

"میں مرچہ عید ٹریا کے ہاں کی جائے گی۔"

گندہ اور پچ نے سختی خوشی میں دھماکا ڈالی آئی۔ حیران پریشان انہیں ساس کے دماغ کو گری تو نہیں لگ سکتی۔ کھانے کے گھر گھر کے پکڑ لگانے سے باز بھی تو نہیں آتیں۔ اب تو کھانے کے بد تیز لوگوں نے ان کا ہیم بھی پھری دلوئی رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن دلوئی کو نہ وہ ہی کہیں ہے۔ کتنی ہیں یہ تو کھانے کے کئے ہیں۔ آپ ہی بھونک بھونک کے خاموش ہو جائیں گے۔

"اگر ٹریا کے ہاں جانے کا آخر کیا ہے؟"

ای نے ساس کی دماغی حالت بھانپنے کے لیے پوچھا۔ قلم جواب میں ہے۔ کاردار اس کی بولیوں پر چلا۔ "جی کے ہاں جانے کے لیے بھی میرا کسی مطلب یا مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی کی ضرورت ہے اس کی۔ اس کا وہ بچا ہوا اور کھانا کھانے میں گھر اور جاتے کے درشت آپ کو پھل اپنے جوتوں پر ہو گا۔ ہم جاتے ہیں گے اور سب جاتے ہیں گے۔"

"دلوئی سفر کئے راس نہیں آئے۔" رعنا نے ہوا سا اعتراض کیا۔ وہ سفر سے بہت گھبرائی تھی اور یہ تو ایک نہ وہ پرے سات کھانے کا سفر تھا اور پھر خطر کیا تھی۔ ٹریا پچھو کا گھر بہن کے پانچ بد تیز بچوں سے وہ ہمیشہ غار گھاٹی تھی۔ پچھیوں میں جب بھی پچھو ان کے ہاں آتی تھیں۔ یہ پچھا سہلہ رعنا سے دن میں تین سے چار بار پچھتے تھے۔ دھماکا یہ دی جاتی تھی اگر نہیں



”تم یک دے ہیں، جامن آپ لوگوں کے آنے تک بالکل تیار ہو جائیں گے۔ بچے ان لوگوں کی آمد کا سن کر بے حد خوش ہیں۔“

نرین کا سر تھا ایسی آنکھ کے حالات اور خاص کر نرین کے چہرے سے کچھ پریشان بھی تھیں۔ آئے دوا

نی دہی پر نرین چلتی تھیں۔ فلاں نرین کا انجمن فلاں اسٹیشن پر مل ہو گیا۔ مسافروں نے راستہ روکے کو کہتے ہوئے کالی۔ کبھی کبھی تو نرین ساری ساری رات کسی جگہ پر اپنے بس میں کھڑی رہتی تھی۔ اسی کے خیالات سے تو بچہ کھڑو اور کبھی دھنا کا سارا لے کرینہ سے اترنے والی دوا نے سیدھ ٹھوکر کر فرمایا۔

”ٹھکر کیوں کرتی ہو؟ غرض۔ آخر میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”بہن! ہم کون سا بھی گے ابھی جا رہے ہیں۔ عید سے چار روز پہلے جا چکی گے۔ قاضی تمہارے لیے مٹھی اور انظار کی خاطر فرزند کو لے کر وہاں سٹو چاند رات کو تمہیں مکان پہنچا کر عید کریں گے۔ تریا کئی سالوں سے اسرار کر رہی ہے۔ خوش ہو جائے گی۔“

کچھ بحث کے بعد آخر ہانے بھی اقرار میں گردن ہٹا دی۔ تریا پچھو کو فون پر اطلاع دے دی تھی اور اس کے بعد شاپنگ کا آغاز ہوا۔ دوا نے عید لان کے جوڑے کچھ پچکن کے کرتے سلوائے۔ دھنا نے جدید طرز کے کپڑے اور اسی نے بھی کچھ کڑھائی والے پیرے سلوا والے۔ رمضان کے مہینے میں یہی موضوع رہا۔ تریا پچھو کے فون بھی آتے رہے۔

ہوئے جس تو دیکھنا ہمیں خلیا ہاتھ دیکھ کر ہر بندہ روز
کھلوانے کو دے ڈائے گا۔ "شعلی مسکرایا تھا۔
"پاکستانی عظیم اور عجیب و غریب قوم ہے۔" جو دلی
جذباتی ہوا تھا۔

"بلائی زندہ باد۔" سچے کپیلے داڑھی والے پلائی
کے آس پاس کھڑے لوگوں نے چھا لگایا۔

"مگر یہ تو کوئی خاص بندہ ہے۔ گتا ہے مشن بھی
خاص ہی ہے۔" یقیناً "عیدیاں انصافی کرنے لگا ہے۔"
جو دلی نے یقین سے کہا تھا۔

"مرد کھو جس عمر میں لوگ صرف عیدیاں ہانٹتے
ہیں یہ وصول کر رہا ہے۔ بار میں نے فیصلہ کر لیا ہے

میں بھی پڑا ہو کر ایسا ہی زندگی گزارا ہوں گا۔" جو دلی
کے اوروں نے مضبوط تھکے اسی باتیں ہو رہی تھیں۔

ایک فیملی قتل گورن کے برابر بیٹ پر چڑھ گئی۔ ایک عمر
رسیدہ مگر عقلمند کی کھمبوں والی خاتون ایک ان کی

معاہدہ سے سو ایک لاکھ چھ مہی پتی نو شرارتی کم عمر
پڑتے اور ڈھچکوں کھاتا۔

"تھراپا ہمیں ایک ہی کپار منٹ عطا فرما۔" دونوں
لگا جانا لگی۔

"دلی پانی دینا چاہاں گئی ہے۔" کور کو دونوں
ہاتھوں میں دوپے دلی پتا نہیں خیالوں ہی خیالوں

میں کس دلی کی سیر کو اٹھی ہوئی تھیں۔ بچے نے تین
بار منٹ کی۔ چھ مہی پتی دلی بھڑکی۔

"خبردار" خبردار اس کو لڑکی طرف دیکھنا بھی نہیں
سفر پتا ہے اور میں ہوں شوکر اور پٹے پر بھڑکی مریدہ۔

پلائی تھم ہو کر تو میرا کیا ہے گا۔
"کیا یہ چھلی ہیں؟" شعلی نے چلیں جھپک جھپک کر

انہیں دیکھا اور جو دلی سے سوال کیا۔
"پتا نہیں سانپ کے بارے میں تو سنا ہے سوال کا

ہو کے آویں کا روپ دھار لیتا ہے۔ چھلی کے بارے
میں نہیں پتا۔ آیا وہ سوال کی ہونے پر دلی کا ہر

بھڑکتے ہے یا دلی اگر سوال کی عمر پائیں تو وہ بھی
بچنے کے لئے لوٹ سکتی ہیں۔"

"دلی ساڑھی شیر اسے باقی بچھرا ہے۔"
گندو اور بچہ تک لک لک کر گاتے رہے
جب تک کہ انی نے طمانچوں سے ان کی خاطر نہیں
کردی۔



"اسٹیشن پر اتار رکھا۔" انکنا ہے سارا شرمندہ
منانے دوسرے شہروں کو جا رہا ہے۔" جو دلی اور شعلی

بڑی سہ فطری سے کہہ رہے ہیں ایک ایک سفری چک
انکنا ہے مجھوتے گاتے اسٹیشن پر آئے تھے۔ لیکن

صورت چل خاصی گھبر چکی۔
"یار لگتا ہے اتار لیا سفر اپنے ہی دل پر کھڑے ہو کر

کر رہا ہے گا۔" جو دلی اسفردہ تھا۔
"چلے۔" اسی زمانے ہم اپنے ہی دل پر کھڑے تو ہوں

کے دلی سٹی کی تو کتنی خوش ہوں گی۔"
"اگر ہم نے سفر اپنے ہی دل پر کرنا ہے تو پھر اتار

کر اپنے بھرے گا کافہ۔"
"سوال نور طلب ہے۔" شعلی نے سر ہلایا۔

"یاب۔ یاب۔ ذرا اور دیکھنا۔" جو دلی نے توبہ
ہائیں چاہتے مہفول کر دئی۔

"کیا ہے سوائے چند منٹ مگر عیار چروں کے اور اس
خراشت پائے کے۔"

"کوہر دایم طرف کے کھو ساری برابر ہے خاص کر
وہ گلابی سوٹ والی برابر کا شاہکار ہے۔"

"لوگے میں بھی خراشت پلائی تو دکھا رہا ہوں۔ یار
اس کی داڑھی مجھے اصلی نہیں لگ رہی۔" جو دلی کی

پوری توجہ پلائی کی جانب تھی۔
"تھری مہفول دیر سچ میں لڑکیوں کا وہ ٹولا پتا نہیں

کہ عمر لگن کیا ہے۔"
"پھوڑ لڑکیوں کو۔ یہ تارا سنے میں انظار کی کے

لے کچھ رکھا ہے۔"
"کیا ضرورت ہے خاتون جو اٹھانے کی یہ دیکھ جتنے

بھی لوگ ہیں انظار کی کے لیے ڈھیروں سلان اٹھانے

"شکر کہ ہماری دواوی اس وقت یہاں نہیں مل سکتی
میں بیٹھی ہیں اور نہ وہ مارگائیں کہ ہم یہاں رہیں۔ جل کی
پھل کی طرح ترپ رہے ہوتے۔"

"اس بھائی۔" بچے نے حیرت سے پکارا۔ شیلی
جواوی نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔
ایک معقول صورت تو یہ ان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جبکہ
دھماکے جیسے ہر حیرت تھی۔

"نیا اس بھائی ہمارے۔" دھماکے نے بڑھ کر بھائی
کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے سوال کا گھبراہٹ اور
گھبراہٹ کی طرف دیکھا۔ لیکن مدد شکر وہ پانی کے
کو لہر پر سر رکھے خیالوں ہی خیالوں میں باکس ہے ہر
پانی بولی تھیں۔ یہ شیلی کا خیال تھا۔

"چپ چپ۔" دھماکے نے بھائی کی گدی پر ہاتھ
بٹھایا۔

"نیا یہ اس بھائی نہیں ہیں؟" دوسرے برابر کی
رگ معلومات بھری۔

دوہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ اسے نہ اطلاع
مسکرا آیا کہ یہ بھی مسکرائے گئے۔ مصافحہ کیا گیا۔ ایک

دوسرے کے مل جانے پر خوشی کا اظہار ہوا اور پانی
منٹ کے بعد وہ چیدہ چیدہ معلومات حاصل کرنے میں
کامیاب ہو چکے تھے۔ موصوفہ فخر و جبر کے دور کے
بھانجے لیکن دل سے قریب تھے اور دھماکے دل سے
تو بہت ہی قریب تھے۔ شیلی دواوی نے مدد کیا ہوا تھا کہ

وہ اپنی زندگی میں یہ شادی نہیں ہونے دی۔ اس
نے بڑے دھم سے بتایا تھا اور ان کی فوج کی کاکلی لڑکھان
بھی نہیں ہے۔ جس شکر اور ہلڈ پر بشر کا اعلان وہ ہر
وقت کرتی رہتی ہیں۔ وہ صرف زبانی کھائی دے رہی ہیں۔
ورنہ شکر اور ہلڈ پر بشری کیا بھال ہے جو ان کے پاس
اگر آپ اپنی شامت کو آواز دے۔

"میں نے جیسے ہی سنا یہ ملکان جا رہے ہیں دل کے
تھوڑے مجبور ہو گئے میں بھی چلا آیا ہوں۔ ابھی تک تو
میری نظر مجھ پر نہیں پڑی لیکن اگر انہوں نے مجھے
پتا تو اپنا ملکان جانے کا ارادہ تبدیل کر دیں گی یا

مجھے اپس کر بجھاؤ کم نہیں گی۔"

"نہی دیکھ سمیت میں گندھے ہوئے موٹا لون وہ
جس میں نہیں دیکھا نہیں گی۔" جواوی نے تسلی دی۔

"جیسے نہیں دیکھا نہیں گی۔" ان کی بینک سو فیصد
ٹھیکہ دہشتہ دے رہی ہے۔"

"اگر پاس نہ رہے تو پانسری کیسے بیٹھے گی۔" لڑکا
ذہن تھا۔ جواوی کی بات پر چونکا۔

"میں نے بینک تو ذرا دیکھا ہے۔"

"لوں ہوں؟" اتنی ہی قریب جواوی اچھی نہیں۔
بینک صرف ان کی خوب صورت آنکھوں سے دلی

طور پر چھائی جاتے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" اس چلایا۔ شیلی جواوی نے
دواوی کی طرف دیکھا۔ اس وقت انہوں پر تجربے کا مڑا

لے رہی تھیں۔ جلد ہی موبی اس وقت شاید
بہت ہی سون میں تھیں۔ جواوی شیلی بظاہر کہیں اور

دیکھتے دواوی کے قریب سے گزرتے ہوئے شیلی ان
سے ٹکرایا۔ بینک گری۔ جواوی نے پھرتی سے اپنی

چپ میں دیکھی۔

"توے کون ہے دے۔" دواوی فرامیں آتے ہیں
نہیں کے چپٹ فخرم پر آنے کا اعلان ہوا۔ ہر طرف

بھلہ ڈی رہی تھی۔

"ہائے توے مجھے تو بڑا دھندلا دھندلا دکھائی دے
رہا ہے۔"

"ہمارے برابر کی سیٹ پر وہ ہیں سعید نے تو بیٹھنا
نہیں ہے دواوی دھندلا دکھ رہا ہے تو اس میں ہر شیلی کی

کیا بات ہے۔" بچے نے انہیں سمجھایا تھا پھر جلدی
سے سہلانے لگا تھا۔ شیلی نے اشارہ کیا۔ اس نے

بچے کے دواوی کا ہاتھ تھام لیا۔

"توے کون ہے تو؟" فخر وہ نہیں ہے۔" شیلی اور
جواوی نے ایک نظر اس کو دیکھا۔ بے شکل بنی ہوئی۔

"یہ ایک ٹیکہ دل تو جو ان سے دواوی بنو آکھو وہی
عورتوں کو سڑک پار کروانا ہے۔ گندھے نے انہیں بتایا۔
اب اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے مطمئن تھیں۔

زین علی الف اندر رشہ دار کاشی زین کی محبت نہ
ہوئی بہم کوکے اندر چلے جاتے۔ "بھلی کے لیے میں
محبت تھی۔"

"کھنڈہ۔ میں نے لیے اتنا ہے، تم دیکھ دے
دے کر پھر کو چڑھا دیتے ہو۔" ایک نیم خیم خانوں
چاندی تھی۔ محمد بن کون رہا تھا ایسے میں زین
ہے اس پر جس نے کتے چار سے کتنی طمانعت سے
داوی کو زین میں سوار کر لیا تھا۔ جیسے مجھے باقی سب
بھی سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پہلے کچیلے چلے
والے چر ہلا بھی بیٹ کھیرے آگئیں خیم والے
مجاز کن پوز دینے اپنی طرف سے اللہ والے بنے
پیشے تھے اس نے داوی کو ان کے برابر میں بٹھالیا۔

"بڑا کیا میرے برابر میں بیٹھا ہوا ہے۔" داوی
نے زور کی سانس لی اور قریب قریب انداز لگایا۔
ابھی شبلی بھولوی عیش عیش بھی نہ کرنے پائے تھے کہ
گندہ اور پو نے ہنسا شروع کر دیا۔ قاضی نے داوی کا
ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اسے برابر بٹھالیا۔

"بہت اچھا! میری ٹینک پلیٹ فارم پر رکھی ہے۔"
"پلیٹ فارم پر اندر رشہ ہے کہ اسے اچھے نہیں مل
رہے تو اس اسی ٹینک کیا پڑے۔"

"تکلیف ہے وہ ٹینک دل کو توڑا۔" داوی کو تو جوان
کی یاد ستائی۔ ہاتھ ٹھکن کو نہ ہی کیا تو جوان صاحب
قریب ہی بیٹھے فانی سے بات کر رہے تھے اور دلچ
رہا کہ وہ تھے حاضر ہو گئے شبلی بھولوی چور
صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے ان کا چاندی ٹینک کر
ان کی طرف میں زمین آسمان کے ملا بہار تھا۔

"میرے چور صاحب علی علم کے توڑ کے ماہر ہیں۔
ان کے تعویذ کھنڈوں کے نیچے دیے دو دن کو دیتے
ہیں۔"

"اسی میں بھی تعویذ لول کی۔" رہا چلی کہ اسے
بھی تو اس کو پائے کی شدید کر دے تھی۔

"میرے چور صاحب سر کیا کر سکتے ہیں۔"
"میں سمجھا قیامت ہیں۔" بھولوی بڑبڑایا۔

"بے لولی مت کرو لڑکے جل کر خاک ہو جائے
سے۔"

"مے فصد نہ دلاؤ، فصد آگیا اتنی بے لولی کرے گا
کہ چور حضرت فصد کی آگ میں جل کر فنا ہو جائیں
گے۔" شبلی نے زاپا۔

"اس شخص بچے کا نہیں۔" چور نے پیش گوئی کر دی۔
مسافروں کے چرے خوف سے پلے پڑ گئے۔ بگھنے
زخم سے بھولوی کو دیکھا اسے کیسا چاند سا چمکتا چہرہ
ہے۔

"چور صاحب بھی لڑا بھی لیا کریں، اگر چلی سے زور
لگتا ہے تو زور دلی نہیں ہی کر دلیں۔" بھولوی کے
مشورے جاری تھے۔

"ارے اللہ! خاموش۔ چور صاحب جلال میں
ہیں۔"

"خفا سانی سافیس بنایا جا ہے۔ جلال سے زیادہ
اپنی خاموشی فصول کے کامیابین لگ رہے ہیں۔"
شب کے شبلی نے تبصرہ فرمایا تھا۔

چور صاحب کا پس نہیں چل رہا تھا۔ دونوں کو چلتی
زین سے بچے دھکا دے دیں۔ اچانک کسی مسافر کا پچہ
دولے لگا۔

"بچہ کیوں دو آپ لال دین؟" چور صاحب نے بند
آنکھوں کے ساتھ لومر اوھر دیکھا اور فرمایا۔ لال دین
نے بچے کی ہاں کو اشارہ کیا وہ بچے کو لے کر چور صاحب
کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچے نے جو ایسا خوف
ناک چہرہ دکھا مارا۔ دہشت کے وہ حاصل کیا اور پورا
ڈیبا چور صاحب کی اس کر ستم پر مجموعہ کیا۔ لوگ ایک
دوسرے کو دھکے دیتے جھگڑاتے چور صاحب تک آنا
چاہ رہے تھے لال دین نے فرمایا۔

"اچھی نہیں اُس صفت بعد سب لوگ قطار بنائیں
اور پھر آئیں۔ اس وقت شہر جنت کی اپنی دیوی سے
لڑائی ہو گئی ہے۔ دیوی دو ٹھہ کر نیچے چلی گئی ہے۔ شہر

جنت مشورہ لینے آئے ہوئے ہیں۔ دس صفت تک
جائیں گے پھر تب لوگوں کی باری آئے گی۔"

مجاز میں مزید متاثر ہو گئے۔

پہلے تک کہ کوکر پر سر رکھے اور کھینے والی دواوی بھی ہو شمار ہو کر بیٹھ گئیں۔ رخصت کو ڈانٹ کر کہا کہ چوہا چھو لو ایسا نہ ہو شاہ جنت کا دل تم پر تپا ہے اور ہمیں بیٹھے بٹھائے نیا سیلا پڑ جائے اور ساتھ جو سیلا (انس) بیٹھا تھا اس نے زور و شور سے ان کے اس زور و ثباب خیال کی تائید کر دی۔

ابھی دس منٹ مکمل ہونے میں پورے پونے تین منٹ چلی تھیں۔ لال دین کے بیٹ میں وہ مریاں دیکھیں دیکھنے لگے جسے گر گر مہن میں لپیٹ کر اس نے انہیں پر آنے سے پہلے زپ کیا تھا۔ لوگوں کو پر سے ہٹا کر ایک بنا چھٹی مشکل سے ہاتھ دوم تک چالنے میں کامیاب ہوئے قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ ہاتھ دوم خلی تھا اور نگے میں چالی بھی آ رہا تھا۔

اور لال دین نے ہاتھ دوم کا درد ان کھناک سے بند کیا۔ اور ہر چھپاک سے جولوئی کرا مٹی بابے کے برابر پہنچا ہے۔

"جب تک لال دین تشریف نہیں لاتے میں ہی پایا جی کا رست داس لال دین کا قائم مقام ہوں۔"

"تم کون؟" بابے کو انھوں نے خدشوں کے ساتھ۔

"آپ کا مقصدیت مندو تب کا پکا پکا مرید لاؤ۔" جی لاؤ جلدی جلدی نذرانے پیش کر کے "نذرانوں کی بات سننے ہی پر بلائے آنکھیں بند کر گئیں اور بتائیں کیا پڑھنے لکے۔ وہیں جب کی طرف تھا۔ جس میں جولوئی بار بار ہاتھ ڈال رہا تھا۔ یقیناً "نذرانے پر نذرانے چلے آ رہے تھے۔

اب نہیں کاظمہ کو یوں تھا۔ لال دین صاحب ہاتھ دوم کے اس درد اذ کے کھولنے کی کوشش میں ہے حال ہو رہے تھے جس کا پھیلنا ہجر سے شعلی نے کس کے پکڑ لیا تھا۔ اب درد ان کھلے تو جیسے لال دین لاکھ صحت مند و توانا سی ہنر شعلی کی منہ زور جوانی کے سامنے یہ طاقت پانی بھری نظر آتی تھی۔ سوائقی شدید کوشش بھی ہے سو حسی۔ اور جولوئی صاحب بہر پایا

کی جیب میں نذرانے والا ہاتھ ڈالتے ضرور تھے۔ لیکن صرف ہاتھ بعد میں یہی ہاتھ اپنی جیب میں ڈال کر نذرانے اپنی پاکت میں محفوظ کر لیتے تھے۔

"دواوی لیں مجھے بھی نذرانہ دیتا ہے" دوا کرانی ہے۔ "رخصت چلی جا رہی تھی۔

دواوی نے اس کا ہاتھ حسی سے دھج رکھا تھا۔ "سنا نہیں گوھر جن آئے ہوئے ہیں۔ کہینت کوئی عقل کا اندھا جن تیرے چہ چاشنی ہو گیا تو پاؤں سے پڑ کر گھسیٹا ہوا لے جائے گا۔" میں جانتی ہوں نذرانہ دے کر آتی ہوں اور دوا کرانی ہوں تیرا رشتہ شعلی کے در سے پکا ہو جائے گا۔"

"وہ پتھر کا پتھر نہیں تو ہرگز اس سے شعلی نہیں کر دیں گی۔" رخصت چالی اور کئی ایک قصیں دیکھ دیکھ کے بیٹو نے دالے عجیب خاص لگے تو جوان قسمت کو کھلی کر لپٹے۔

"ہرے ہارے میں کیا خیال ہے لال دین۔" ایک دیکھتے بیٹو نے پوچھا۔

"تیرے بارے میں وہ وہ خیالات ہیں اگر اظہار کروں پتلی گاڑی سے چھلانگ لگے گا۔" رخصت ہو اپنی جگہ پہ چلے بیٹھ۔ "نوجوان بھی آج کے دور کا بد تہذیب بندہ تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دواوی نے جی پلا کے کان میں کچھ کہہ۔ پھر سلطان کیا۔ "اس سو بد تہذیب کو ہی پایا تو قرب آنے کا حکم دیتے ہیں۔"

نوجوان ابھی آنے یا نہ آنے کا فیصلہ ہی کر رہا تھا کہ جی پلا کے آنے کا رستے مزید اسے اٹھا کر جی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جولوئی نے پھر کان میں کچھ بولنا۔ ان الفاظ میں ایسا اثر تھا جی صاحب نے آؤ دیکھا۔ نہ "تو" جی سے دلو میں بیا کھسہ اٹھا اور نوجوان کے سر پر تپو تو لکھی وار کر ڈالے۔ "ابھی ابھی شاہ جنت تیار کر کے ہیں اس کیلئے کے دل میں کھڑے تھا" یہ جی صاحب کے گل کا فیصلہ کر رہا تھا۔ "یہ سنا تھا کہ عقیدت مندوں کی آنکھوں میں خون اتر گیا۔ وہ نوجوان کی بیڑیوں کا سر ہٹا کر خون بہاتی آنکھوں میں

زبان اللہ اللہ۔

"کو سے میںوں نہیں پتا، میںوں اپنا پانی چاہئے۔"
داوی کا جلال اور خدو دو کوں صوفی پر تھے۔

"نوا تین حضرات ایک بات کفرم ہو چکی ہے۔ شہ
جنت واقعی ڈبے میں گھس آیا ہے۔ دیکھئے ناپلی کا
بھرا کو کر جس میں داوی کی جان تھی، تھے وہ گھسے سے
لگائے بیٹھی تھیں۔ اب باطل خالی ہے۔ مجھے قتل ہے
ڈبے میں موجود سب سے کلمہ کار بندے کی شامت
شہ جنت کے کاتھوں آتے ہی دانی ہے۔" داوی اور پی
تواڑ میں اعلان کر دیا تھا اور بار بار پی دلی کی طرف یوں
دیکھ رہا تھا جیسے چھٹی تھوڑی تو بیٹھتی تھی گئے مگر
رہا ہو۔ پی دلی کا دل تھوڑی سے دھک دھک کر رہا تھا۔
ہاں بھی اب تک جوں کے پھر وہ کئی غلط کھریاں
مغسوب گئے تھے۔ کی کے کھر آگ لگی ہے۔ پی دلی
نے اس کی کیا یہ الزاموں کی نہیں جنت کی خاور دلی
ہے، کی کے ہاں ہو میں نہیں بیٹھیں جنت کا قصور
تھی اس لیے اب گھس گیا، بھول کی شرارت اگر واقعی شہ
جنت آیا ہے، میں تو کج جان سے سارا ہاؤں کلمہ نرین
توہت ہو رہی تھی گوئی استیشن قریب تھا پی دلی نے تو
دیکھا تو بھٹ بدو وار کھس پتا اور دوڑا نئے کی
جانب لپے۔ جیسے ہی نرین دکی اللہ میرے میں پی حرم
یوں غائب ہوئے ہیں جیسے گودھے کے سر سے
سینگ۔

"یہ شہ جنت کو میں بدھی ہی مذاق کرنے کو ملی
تھی۔ سارا پانی پی گئے ہیں میرا۔" داوی کو یہ شرارت
پسند نہیں آتی تھی۔

"شکر کریں دلی ہی بنا ہے، مٹوں نہیں پی گئے آپ
کا۔" شبلی نے کہتے سے کہا تھا اور وہ پوری نذر سے
اچھی تھیں۔

"میرا خون احرار کیوں۔ میں نے کیا ان کی مع
(جیس) کھول لی ہے۔"

داوی دیر تک گوئی تواڑ میں آہیں بھر بھر کے اپنے
کو کر کو بیٹھتی رہیں۔

سب کے استیشن آئے گا تو میں بھر کے لادوں

لگا رہا ہے تھے۔ لیکن تب تک تو جوان جوتوں کی بدو
سے بے ہوش ہو چکا تھا ان جوتوں میں جنت کی بوسہ
شبلی نے اعلان کیا تھا اور پی صاحب سوچ رہے
تھے۔ اتنا سو نہ تو بھی لال دین بھی جنت نہیں ہوا
تھا۔



نرین منہ کی جانب گامزن تھی۔ اب شام رات
میں بہنے کو تھی۔ اکثر مسافر اٹھنے لگے تھے۔ تب
ایک ایک ہی نرین کا یہ یاد دہانی ایک طویل نسوانی شیخ
سے گوج کا تھا۔ دواں روم میں بدلال دین جو ک کانیند
کی آغوش میں جا چکا تھا۔ داوی کے پیوں کے قریب
اپنا ہستر بچھا کر سونے والی چھائی جس کے دو گول منہوں
پیارے پیچے پی دلی کی طرف اشارے کر کر کے بھانے
اپنی زبان میں کیا کہتے اور گھسے لگاتے تھے۔ اب دلی کی
آغوش میں دیک کر سو تھے تھے۔ مگر یہ جج آف کانوں
کے پیوے پھاڑتی ہوئی مخصوص ہوئی تھی۔ داوی جو
اس رقم کا حساب کرنے میں مصروف تھا ہو کر
صاحب کی بیب کے بجائے اس کی بیب میں چل آئی
تھی۔ چونکہ کر سید صاحب تھا۔

"لگتا ہے شہ جنت آگئے ہیں۔" داوی کا کہنا تھا
تو سب نے ہر کچکا ہٹ جلدی ہو گئی۔

"گوئی شہ جنت میں آئے شیخ میں بھاری تھی،
کبتو میرا بھرا ہوا اور خالی ہو گیا ہے۔ مجھے بیٹھو پانی
کس منہ جو کہنے ہوا ہے۔" داوی دہائی دے رہی
تھیں۔

"کو کر تو آپ کے ہانڈ لگے مجھے تھا۔ ایسے میں کون
اپنی جان کاو خرمن ایسی جسارت کر سکتا ہے۔" شبلی نے
جہاز لینے کے بعد انہیں یاد دلایا تھا۔ جبکہ وہ کچھ چکا تھا
کو کر کی نوٹی تھوڑی کھلی ہوئی تھی۔ تو سب راستے قطرو
قطرو پانی تک کر بھل کے گئے کو بھلو رہا تھا۔ گئے پر
جو کلمہ بچوں کے سر تھے، اس لیے چھائی اس سے
مذاقت تھی۔ لگے چھ تھنے میں آہن کو تبا نہیں کیسی
خون مرز ڈالی دیکھتی تھی۔ چھائی کی صحت اور داوی کی

مگر اس نے تسلی دے کر مزہ نہر بھالے۔
 مہموری نہیں میں ایک ہی ٹیک منڈا ہے باقی
 سارے ذیل جسکی ہیں۔ "تیرے داوی کی تھی جس
 سے رہنا کو پورا ملحق تھا۔
 نہیں کی برقرار اچانک کم ہوتا شروع ہو گئی ہے اور پھر
 مزہ ہوئی میں گئی ہے۔ ایک خفیف سا جھکا لگا اور نہیں
 دیر لے میں رک گئی۔
 "لکھا ہوا ہے؟" سب نے ایک دوسرے سے
 پوچھا۔
 "شاید شلو جنت کی کارروائی ہے۔" کسی نے کاغذی
 تراز میں کمال ساحل پر ایک دم سے خوف چھا گیا اتنے
 میں نہیں کے حملے نے اعلان کیا۔
 "انہیں ٹل ہو گیا ہے۔"
 "وہ ہے غرق ہو تیرا" انہیں ٹل ہو گیا ہے مگر یہ
 کوئی جگہ ہے ٹل ہونے کی ذمہ داری وہ لے رہے ڈاکو
 آگئے مسافروں کی حفاظت تیرا ہیج کرے گا۔ "داوی کی
 جھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔
 مہموری چل رہا پیچھو کے گھر عید منانے۔ رونا
 جل کے بولی تھی۔
 چپ کر جا نہیں دینے میرے منہ نہ لکھیں جھٹ
 مار کے دانت باہر نکل رہے ہیں۔"
 "کیوں بولیں اچھے بھلے گھر بیٹھے تھے نہ نہیں یہ
 فضول خیال کیوں آیا آپ کے انہیں میں۔" اور اسی
 جگہ پر بیٹھے بیٹھے منامری طرح جھک چکی تھی۔ داوی
 کا چال اپنی کاٹھار ہوا اور انہوں نے ہاتھ تھمادیا۔
 پر کاش نہ گھما تیں۔ بغیر میک کے بے چاری معصوم
 داوی دھما اور بھٹی نہیں تیز نہیں کر سکیں۔ داوی
 کا ہاتھ نیند میں لو گھسی جھٹو میں نہیں داویوں کو گالیاں
 دیتی چھائی کے چہرے پر پڑا۔ پھر اس کے بعد چہ انہوں
 میں دھنکی راتی ہوا اس درمیان میں نہ آجائے۔
 داوی پر آنے والا ہر وار اس موہیدان نے اپنے
 چوڑے سینے پر جھپٹا اور داوی کو ان مٹا کر کی کشنی رہنا
 نے ایک کی چار لگا کے سنائی۔ بڑی مشکل سے جواوی
 نے چھائی کو یہ کہہ کر ٹیک کے بیٹھے پر مجبور کیا کہ یہ

بڑھی معزز لہندی جانی مریض ہے۔ ایسے ہی ہو گئی
 سے لڑتی رہتی ہے۔
 "جانی مریض یعنی ناگل۔" پھلانی کھیرائی۔
 "نہیں۔ کس۔ ناگل۔ ناگل۔ ناگل۔ ناگل۔ ناگل۔"
 "موتی خدا کیا نہیں یہ تیری میرے بچوں کو بھی نہ
 لگ جائے۔" پھلانی ہسٹریٹ کر بچوں کو بچکر کر سلا
 سے اور سرے کو نے میں جانی بھی۔
 "کاغذ روز پتا تو کر۔" دیکر ٹیک شریف لڑکا ہے کون
 آج کل ایسے ہو رہے ہیں جھٹک لے جاتے ہیں۔ "کاغذ
 نے کچھ دیر کے لڑکات کے بعد اعلان کیا۔
 "لکھا ہی ہے تو صبر اور پرے کاٹھنے دار نکل آیا
 ہے۔ بے چارے کی ہل ہے۔" داوی کہتا ہے آج سے
 میں نے آپ کو ان اور ان نورانی صورت دلی بڑھ کر
 اپنی ٹلی اور داوی دھنکی لیا ہے۔"

خواتین ڈائجسٹ

نہ صرف سے نہیں کے لیے ایک اور نیا

دستِ کوہِ کر

فوزیہ کاسمین



قیمت - 750/- روپے

مکتبہ کاغذ

مکتبہ عربیہ اسلامیہ - 37 - سوہانہ روڈ - فون نمبر 32725021

"بہب یہ تڑا کو نہیں دیکھیں تو لے سوتا ہے گلہ اس میں سے ایک انگوٹھی تپ اٹھا لیتا۔" شبلی نے سمجھایا۔

"نہیں دیکھیں تو لے۔" داوی کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔
 جو داوی نے اس کو انگوٹھی پر سنائی، وہ اب میں اس نے گلے میں پڑی چین جس پر آئی لوہ کھسکا تھا۔ دھنا کے گلے میں ڈال دی۔ تمام گھر مبارک ہلو کے شور سے گونج اٹھا۔ داوی کو ایک خیال آیا۔
 "نی فاختہ تو کیوں بھول گئی ہے۔ تم ایک بھاری خدا بھی ہونا چاہو ایسے موقع۔ اس کی رائے بہت ضروری ہے۔"

"ان کی رائے فاختہ اپنی خون پہ لے چکی ہیں۔" جو داوی نے تسلیم کر لیا۔

وہ سب ماہرین نے اپنی ٹھیک ہونے کی خوش فہمی سے اپنی سب کہ نرین میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ سارا گھر میں من پلے شادی ہار کے گیت گارہے تھے۔ بکھانا چ رہے تھے۔ جو داوی پہلی دو گلوں کاہوں میں پیش پیش تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے۔ نسل نسل کے لوگ اس وقت سب ایک تھے۔ دھنا اور اس کی خوشی جیسے ان سب کی خوشی تھی۔ پھلتی کے بچے جو شوکت گارہے تھے۔ گندہ بچہ اردو میں راگ

لاپ رہے تھے۔ کچھ لوگ چٹائی کچھ سرائیکی میں نونہ سرائی تھے۔ گھر بول ایک ہی تھے۔ موت کے دھاکے امیدوں کے رنگ کیے۔ وہ سب ایک ہی بات کہ رہے تھے ایک سے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ عید کے عید بولی تھی۔



"صدا تے جاول۔" داوی جذبات کی درو میں بہہ نہیں۔

"جہاں بھی بہت اچھی ہے۔" جو داوی نے جھک کے کھن میں ایک اور خوشی نکالی۔
 "موسم نے بچے کی لکڑیاں تھوڑی کھائی ہیں۔" "آپ نے نہیں کھائی؟" نہ کھا میں آپ کی یہ چٹوری بولی تو کھا سکتی تھ۔" شبلی نے راہ کو کھائی۔
 "کیوں یہ تو تڑا کے دیو۔"

"تڑا کا دیو ایک لڑکی کے پیچھے تڑا کا سارا دیو لے کر گھر سے فرار ہو گیا ہے۔" شبلی کو کیا بات کون تڑا کون دیو رہیں نہ ان میں کھلی ہوئی تو بول دیا۔

"ہائے میری بچی میری تڑا سارا دیو لے گیا وہ منحوس اُفت چلا۔" داوی کو تو فحش پڑنے والا تھا۔ تب جو داوی نے کھانوں میں دس کھولا۔

"یہ تو بھولن کتا ہے میری اہل اور داوی بہت سا زور چھوڑ کر مری ہیں اگر میرا رشتہ اس ہمارے خاندان میں ہو جاتا ہے تو میں سارا دیو تڑا کو لے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے گھر ڈاکٹر کی بیٹی کو دیکھا لیکن شبلی نے پیچھے سے اس کے ہاں چڑ کر یہ کہہ دیا۔
 ناگہم بنادی۔

"فاختہ میری تو کہنت ہے۔" وہ بولی ہوئی ہے۔ اچھی طرح دیکھ کے جانتا تھا کہ لڑکی میں جینے کے قابل تو ہے۔"

"ہاں جی اہل جی سو اُفتد قابلیت رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے ٹیک کام میں وہ نہیں کتنی چاہیے۔" یہ کہنے ہوئے فاختہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جو داوی نے پھر کر داوی کی موٹی موٹی آنکھوں میں سے سب سے موٹی انگلی سے ایک سونے کی انگوٹھی اُٹاری اور اس کو پرتا دی۔

"سے میری انگوٹھی۔" داوی کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

دھک دھک دل سے بول ... مرحباً اسپغول



مرحباً اسپغول بدن میں لائے طاقت اور صحت کی نگہ حبیبہ ہونے لیتا،
معدے کی جلن اور کولہ شروال بھی سو کم تو آپ وہ چل ڈالت اور سارے پیش



یہ صبح سویرے کی طغیانی دھوپ دیکھ کر اس کی تمام حسرتی چٹخڑنوں میں دور ہو گئی۔ وہ دوا کر ایک جھوٹے سے باہر جانے لگی۔ سب کچھ بہت پر سکون تھا۔

”سچو۔“ ماہم نے توارنگا کی جو ٹکرا کر گونجنے لگی۔
و اپنی ہی کواٹر میں کرنا بس پڑی۔ اسے ہیں لگا جیسے
جیادوں نے ہم زبانی ہو کر اس کی پکار کا جواب دیا ہو۔

”سیلوے“ اس نے بیاتوں کو دوبارہ آزمایا اور ایک بار پھر بیاتوں نے اس کی تائید کی۔ اسی لیے پانچ سالہ اہم بیاتوں سے دوستی کر لی۔

خاموشی بہت عجیب شے ہے۔ جب اندھیرے جنگلوں میں کوئی ہے تو اسے دھارا دیتی ہے۔ جب سڑک سے لہے پہاڑوں پر رقص کرتی ہے تو لطیف موسیقی سن جاتی ہے۔ مطلب خاموشی جس روپ میں بھی ہو اپنی ایک منفرد آواز رکھتی ہے جس سے بیشتر ان اہتمام مرزاؤں کو رنج ہوتا ہے۔

اس روزِ دعا کی صبح پہلی بار ہم نے خاموشی کی آواز سنی تھی۔ اس آواز کا اپنا ایک جھوٹا جھانوسا قد و اوصاف تھی کہ ہم کی بیداری کا سبب بنی۔ آنکھیں ملتی رہ رہا داری میں آتی۔ جہنم میں دھلے خوش رنگ چاند

مکمل





دروازے کے باہر آؤں گئیں پتہ کری غائب ہو جانا
کیوں کریں اس پر جلی حریف میں لکھا تھا۔ "مورنگ
اسکول فار گرلز مری"

کمرے میں داخل ہو کر اس نے گردن اٹھا کر کمرے
کا جائزہ لیا۔ نیکے سبز رنگ کی دیواریں۔ چینی بنی
ہونٹ والی کھڑکیاں کمرے کو روشن کر دی تھیں۔
ساتھ والی دیوار پر ایک بلی چوڑی بیننگ موجود تھی۔
تصویر کے سینے کے آتش لگن تھا جس میں کوئلے کی
جگہ گیس کا پتھر نصب کر رکھا تھا اسکول نے مکمل
میانوں اور تعلیمی میدان میں جو اطلاعات حاصل کیے
تھے وہ ایک شاکت میں جگہ رہے تھے۔ کمرے کے
تھیں جی لکڑی کی میز پر پتھروں کے قدان کے پاس ایک
اور کئی موجود تھی۔

"سسر گرل"۔ یہ لکھا تھا۔

"حکومت اہم جگہ"۔ سسر گرل نے انگریزی لکھی

والی اردو میں لکھا۔

"ہام! آپ میرے پاس آکر بیٹھو۔" وہ نصیحت
تھیں اور محبت کرنے والی ہستی تھیں۔

"آپ کو معلوم ہے آپ اس اسکول کی سب سے
کم عمر اسٹوڈنٹ ہو۔" وہ جواب کی ہنسنے لگی تھیں
کے لیے یہ سوال تھیں مصطلحات تھیں۔

"تو یہ تو اسکول میں ہوم ورک نہیں دیا جاتا ہر
میں جاتی ہوں آپ ان گرمیوں کی چھٹیوں میں خوب
پرہیز کریں تاکہ آپ اپنے سے بڑی لڑکیوں کے
ساتھ قدم مار کر چل سکیں۔ میں نے آپ کے لیے ٹائم
نیکل ترتیب دیا ہے تاکہ آپ ٹی ٹی چھڑیں سیکھ سکیں
اور آپ کا وقت بھی اچھا گزرے۔" سسر گرل نے
ہوٹوں پر خاموشی میں بھی ایک مسکراہٹ قائم رہتی
تھی۔

ہام نے بہت مصعویت سے ان کی تمام باتیں
سنیں اور آہستگی سے استفسار کیا۔

"پلی ٹرائیڈ کب آئیں گی؟"

سسر گرل نے مسکراہٹ میں چھڑیں۔ انہوں نے

"ہام! انت ہاتھ دھو کر کچن میں آہو۔" پشت پر
ایک پتہ زمانہ کو اڑنے اس کو مخاطب کیا۔

ہام فریڈ ہڈاری سے واپس اپنے کمرے کی طرف
مڑ گئی۔ یہ گرامر چلی رات تھی اس کو لکھا تھا۔ اس سے
سکے وہ اپنے ڈورم میں رہتی تھی جہاں اس جیسی کئی
خصمی رہاں تھیں انکرو سب اپنا سامان ہاتھ کر اپنے
کمروں کو چاہتی تھیں۔ اس لیے ہام کو بھی اپنا کمرہ
پہنچنا پڑا۔ یہ نصیحت سادہ سا کمرہ تھا جس پر ہام کی شوٹی
کا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

ہام پہلی سے لباس تبدیل کر کے کچن کی طرف
چلی۔ آبا جی نے اس کو رکھا تو فرانی پین چلے پر رکھا
اور اندازہ تھے تھیں۔ یہ بھی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔
اس سے پہلے ناشتہ تنگ جال میں لگا تھا اور اکیلے بیٹھ
کر کھانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

کری بیٹھ کر وہ کچن کا پتھر لینے لگی۔ اس نے میز
سے پیٹ اٹھائی تو چمکتی ہوئی سسلی اسے اپنا عکس نظر
آیا۔ اس نے اسی چمک میں دیکھتے ہوئے اپنے جال
درست کیے۔ اپنی باتیں آنکھ کے اوپر چہرے کے نشان
کو دیکھا۔ باتیں آنکھ کے اوپر چہرے والی جگہ معمولی سی
کمری تھی اور ہلاتی جلد سے لپیٹا۔ رنگ میں فرق
ہونے کے باعث یوں نظر آتی تھی جیسے تین جگہ والا
کوئی پھل ہو۔

آبا جی نے پیٹ سسلی کے اس پر گرم گرم انداز
دیکھ دیا اور خاصے چمکے ہوئے کپڑوں کے قاریغ ہونے کا
انتقاد کرنے لگیں۔ اس سے ملے ہام اور اس جیسی
باقی لڑکیوں کے معمولات کھنکھنے کے نالغ تھے۔ آج پہلی
بار ملاقات ہام کے نالغ ہونے تھے جس نے اسے
اس احساس میں مبتلا کر دیا کہ وہ ایک شہزادی ہے جو
اس پر شکوہ کرنے میں پس رہی ہے۔

ناشتے کے بعد شہزادی صاحب کی شادی سواری ملکہ
عالیہ کے دربار کی طرف رواں ہوئی۔ دروازے کے
پاس پہنچ کر آبا نے ہام کا فراک ہاتھ سے سنوارا۔ اگر
وہ ہاتھ پر دھنا جاتی تو اس کا شہزادی کی کمانی کا تصور

گر پس نے ہم کے لیے خاص مصروفیات ترتیب دی
تھیں اور بھی گفت اور بھی وہ سری کسی آئی کی گہرائی
میں باہم وہ امور انجام دیتی۔ جیسے جیسے دن گزرے وہ
زیادہ ترقیت ایک ساتھ گزارنے لگیں۔

ابتدا میں باہم سسٹر گریس کے لیے ایک صوفیاری
تھی جس کو غرض اسلوبی سے انجام دیتا چاہتی تھیں
پھر باہم وہ بی بی بن گئی جو برہنہ رو ہو کر کو اپنی بی بی اور
آستی سے جان دار بن گئی تھیں۔ جو ان کے آغاز پر وہ ذکر
بنا اجازت ان کے کمرے میں جس آئی اور گھوم کر اپنا
فرانک دکھائی اور ان کے اختتام پر قلم لے آئی اور
ہر سنے پر شکایت ہوئی۔ سسٹر گریس ہمیشہ سے نرم
دل تھیں۔ دیگر شکایت ایک روحانی قاصد سے ان
سے کام کرتی تھیں۔ ہم نے قاصد سمیت ایسے
تھے اور سسٹر گریس نے لیا ہونے والا قاصد۔

سسٹر اب آگے بڑھتی ہے؟ ہم کے سوال سے
ان کے دل دہل گئیں کی یا بریں تھہریوں کی طرح چلنے
لگیں تھیں۔ کمرے میں کام آیا اور جیسے ہی ہاتھ ظاہر ہوا

اور اس نگاہ سے اس معصوم فرشتے کو دیکھا تو تھا بھی تھی
اور لا علم بھی تھا اس لیے کہ اس کا کوئی گھر نہیں تھا
جہاں وہ چینیوں میں جاسکے اور لا علم اس سچائی سے تھی
کہ وہ حقیقت وہ تھا ہے۔

"تو بہت جلد واپس آجائیں گی۔" سسٹر گریس نے
وہاں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ انہیں دیکھتی
رہی۔



پورا ملک کے اہول میں جب ماسکوت ہر وقت
طاری رہتا تھا اسی سکوت سے اس کا نایا تعلق برہنہ
چڑھنے لگا۔ فلیٹ سے اسلام آباد کا قدامت شہر نظر آتا
ہے۔ پورا ملک کی اونچی نیچی زمین پر ایک چار ہزار
سینٹ کا فرش چھا تھا۔ اس کے ایک طرف سرخ
ترچگی چھتوں والی عمارت تھی اور دوسری طرف گہرائی
میں جاتے ہوئے پھاڑ تھے۔ اس کو سب فلیٹ کہتے

تھے۔ رات کی تاریکی میں جب دارالحکومت کی چٹانیں
جلتیں تو لڑکیاں کچھ نہ کچھ نقشہ بنا کر شہر کی عمارتوں
لیتیں۔ جب موسم بالکل صاف ہو گا تو کیل سسٹر
وہوڑنے میں کامیاب بھی ہو جائی تھیں۔

آرام کریں یا سسٹر گریس بھی تھیں۔ قریب ہی
زمین پر باہم گھنٹوں کے کپال بی بی کا ظہر عمارت کا سحر
اتار دی تھی۔ وہ چھٹی سی عمر میں وہ کم عمری تھی جو
کئی ماہر انڈیا نے بہت سے ماہر اور شہر کے بعد انجام دیا تھا۔
اس کی پانچویں سنی پانچ تھی۔

"تیرے دیکھیں۔" اس نے تصویر کھل کر کے سسٹر
گریس کو دکھائی۔

"بھئی نل۔" انہوں نے سب عمارت مسکراتے
ہوئے کہا۔

"شیریں کہتی ہے کہ اس کا گھر اس جگہ پر ہے۔"
ہم نے سسٹر گریس کی نظروں کا تعاقب کر کے دہلی
میں اشارہ کیا۔ اس کے احوال پر جگہ جگہ دائر نظر لگا ہوا
تھا۔ چینیوں میں یہ اس کا معمول بن گیا تھا۔ سسٹر

اور خواجہ صاحب کی طرف
ہے انہوں کے لیے غرضت ہاں

مختار علی

بیت 4001 د ہے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
فون نمبر 32735021
37 سالہ کاروبار

ہوا۔

"میرا گھر یہی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے ماتم کا گھر پہنچا۔

"میرا بھی یہی گھر ہے تو کیا آپ کا بھی کوئی رشتہ دار نہیں؟"

سنسن گریس نے اپنے ہاتھ کی پوچھ تھی انکی میں پہنی سنری انکو تھی کو گھبراہٹ۔ یہ انکو بھی ان کو دنیا ترک کرنے کے لیے پہنچائی گئی تھی۔ یہ کہہ کر کہ اب ان کا واحد رشتہ یسوع مسیح سے ہے۔ وہاں زیادہ تر نرن آئرلینڈ یا انڈیا سے آئی تھیں سو سال بعد وہ اپنے ملک کا پتھر لگاتی تھیں مگر دوری نے ان رشتوں سے حلقہ بہت کمزور کر دیا تھا۔ ماتم نے سنسن گریس کو سوچ میں گھڑا رکھا تو بھی وہ رنجیدہ ہیں۔ اس نے اپنے بچوں پر کمرے ہو کر ان کو گھٹے لگایا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی پہلی ہیں۔" سنسن گریس تمام تعلقات اپنی مرضی سے قطع کر کے آئی تھیں اور اب ماتم ان کے گرد بڑی رشتوں کا ہل بن دی تھی۔

"ہام! آپ اس شہر کو قریب سے دیکھتے ہیں؟"

انہوں نے آہستگی سے ماتم کو الگ کیا۔

"وہاں جا کر؟" ماتم نے آنکھیں پھیلا کر تصدیق کی۔

"ہمسکول کھیلے سے پہلے نئے کپڑے پہنتے وغیرہ لے آؤ۔" حلقہ اور ایڈریس کو بے جا نہیں کہ۔

"ٹھیک ہے۔" ماتم تو جی کے اٹھنے لگی۔

"پتھر ہاتھ منہ دھو لو اور جی کے بعد فرست دیا۔"

سنسن گریس کرسی سے اٹھ کر اندر کی طرف چل دیں۔



نئی دین چڑھائی اترتے ہوئے بچکولے کھادی تھی۔ یہ گاڑی بورڈنگ کی ملکیت تھی اور ایڈریس کا انجیل ڈرائیور اور حلقہ کا خزانہ تھا۔ ایڈریس گنگنا دیا تھا ساتھ حلقہ بیٹھی پیسے گن رہی تھی جو ماتم کے کپڑوں کے لیے ملے تھے۔

پچھلی سیٹ پر ماتم بند کھڑکی پر چہو ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہر بار جیٹ بند بعد منظر بدل رہا تھا۔ پکڑائی لڑائی سڑک صرف دیکھنے میں ہی بہ کشش تھی۔ وہ نہ وہ سر پکڑا تاکہ معدے سے خوراک باہر آنے لگتی۔

ماتم نے پرس میں ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ پانی کی بوتل، میپ اور کچھ پیسے تو ہر جہاز بعد اس کو ملے تھے۔ شہر شروع ہوا تو ماتم نے کھڑکی سے نظریں اٹھائی اور دفن اسکرین سے دیکھنے لگی۔

ایڈریس نے ایک پتھر عمارت کی مارکٹ میں پہنچ کر دین روک دی۔ ماتم نے گاڑی سے اتر کر نظر اٹھا کر پانڈ میں لوہے کی پتھر کی قلعہ کو دیکھا۔

حلقہ ایک گلی کی طرف چل دی۔ ماتم چند گھنٹوں کے لیے ایڈریس کیلے میں ہر دو پتھوں کے انداز میں ہاتھ اٹھائے ساکت کھڑی ہو گئی۔ یہ اس کے بے ضرر تھیں تھیں۔ ہاں اس نے کھلی میں دیکھے تھے۔ حلقہ نے چار چار تو ماتم دفن دو لادہ تحلیل کر اندر کی طرف چل دی۔

"میں جی کے باپ کے کپڑے پہن رہی ہوں۔" حلقہ نے سزا کر کے کہہ دیا۔

سزا کر کے جب کہ ماتم کا گھر چھوٹا اور ہاتھ پکڑ کر دیک کے قریب لے گئی اور ایک گے بعد ایک فراک نکال کر دکھانے لگی۔

ماتم فراک لے کر اسٹور میں جاتی۔ پہن کر چیک کرتی پھر وہ رتے ہوئے واپس آجاتی۔ تمام شاپنگ اس نے اسی طرح اچھلتے کودتے کرلی۔ حلقہ ہر دکان پر رسید سنبھال لیتی جو اس کو جمع کر لیتی تھی۔ نین ٹھٹھے بعد ماتم کی اسٹ سے تمام چیزیں گت پہنچ گئیں۔

"شہ زب اور گل رخ کے لیے بھی کچھ لے لیں۔" پھر واپس چلتے ہیں۔" حلقہ نے اپنے بچوں کے نام لے لیے۔

"وہ تو روز باہر جاتے ہیں۔ وہ سب خود لاکھتے ہیں۔" ماتم نے کہا۔ مری کے زیادہ تر بچے اسکول کی چیمپوں میں فورسٹ اسپاٹ پر جا کر حلقہ کو صیت کی پھولی مٹی لکھائیں کرتے تھے۔ شہ زب بھی جیلے بنانے والا

پانی پیتا تھا اور اکثر کسی سیاح کی تصویر انار کر اور نام بھی لکھا کرتا۔

"گھوئی دو سراج لائے تو اس کی خوشی اور ہوتی ہے بلہ خندہ دینے سے محبت کا احساس ہوتا ہے۔" کھلفہ نے ہام کو سمجھایا۔ ہام نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلادیا۔

اب وہ جس بازار میں گئے وہاں درش زیادہ تھا۔ دکانوں کے دروازے تو شیشے کے ہی تھے مگر زیادہ تر کھلے ہوئے تھے۔ جن پر کپڑوں، جوتوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ اے سی نہیں تھے۔ اکثر دکانوں میں کمر کھڑ کرتے عجمے چل رہے تھے۔ سبز گرل نہیں تھی۔ بس ایک یا دو آدمی چیزیں نکال نکال کر دکھاتے اور وہی رقم وصول کرتے۔ اس درش سے دور قافلے پر ایک دکان تھی جہاں صرف دکان دار موجود تھا اس دکان میں سکون اور عمدگی بالکل سسٹر گریس کی شخصیت جیسی تھی۔ کھلفہ کسی کپڑے کی کوٹنی پر بحث کر رہی تھی کہ معیار کے مطابق قیمت بھی بجلی گرو۔ ہام خاموشی سے اس دکان میں پہلی تھی۔ وہ کاسٹیکس شاپ تھی جس میں رنگین اور خوشبودار دھلیں بھی ہوتی تھیں۔

"اچھے اچھی سسٹر گریس کے لیے خندہ چاہیے۔" ہام نے دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر رکھ کر دکان دار سے کہا۔

دکان دار اپنا کلمہ پھونک کر اس کے قریب آگیا اور باری باری کئی چیزوں کے نام لے کر جو ہام کو پسند نہیں آئے وہ بھی سے عجم کی غرض سے نیل پاش کا کر نیٹ کرا مارا۔ جب اس کی دس انگلیوں پر دس رنگوں کی نیل پاش لگ گئی تھیں اس نے ہنس کر ایک اسپرینڈ نیل پاش بند کر دی۔

دکان دار نے قیمت بتائی تو ہام نے پرس کھول کر نوٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔ پرس سے نکلے نیلے نوٹ اس کے مزاج سے میل کھاتا ہے۔ اس لیے دکان دار نے ایمانداری سے صحتی کر کے قبضہ پر قبضہ کر دی۔

"ہام تم اور وہو میں تو ڈار گئی تھی۔" کھلفہ باہنچی ہوئی کئی اور ہاتھ سمجھ کر ہام کو باہر لے گئی۔

اچھی صبح ابھی سورج کی روشنی مدھم مدھم تھی۔ ہام سسٹر گریس کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ہام چاہے جتنی جلدی بھی اٹھتی۔ سسٹر گریس پہلے سے اپنے کابیل میں مصروف ہوئیں۔

ہام نے انہیں دیکھتے ہی تیزی سے سر کا میل دہرایا پھر خندہ بڑھا کر بولی۔

"اچھا ہے؟"

"بہت اچھا ہے۔" سسٹر گریس نے بغیر پکڑے ڈسے پر ہاتھ بھجوا کر۔

"اس کو باختر پر لگاتے ہیں۔" ہام نے اپنی رنگین انگلیاں دکھا کر۔

"نیل پاش سنگھار کا حصہ ہے جو میں دنیا کے ساتھ ترک کر رہی ہوں۔" ہام کا چہرہ مڑھا گیا۔

"اب میرے لیے خندہ لائیں نمبر کے لیے کافی ہے۔" سسٹر گریس نے پراختہ تو آپ ہو جو میرے ساتھ رہتی ہو۔



ماحول میں جیسے عمار کا سر تھا تو کوئی کوہ سکون کر رہا تھا۔ اکثر رات دیر تک جانے کی عادت کے باوجود صبح جلد اٹھنے کا عادی تھا۔

جرمنی میں جب وہ عمار ہر قسم کے پہرے اور بندھن سے آزاد تھا تب بھی وہ صبح کی جاگنگ ضرور کرتا تھا اور اب پاکستان آکر بھی اس نے یہ عادت قائم رکھی ہوئی تھی۔ اب تنگہ دہانے گھر کے قریبی پارک میں چلیا کرتا تھا مگر آج اس نے شہر کے بڑے پارک کا رخ کیا تھا جس کی وجہ شہرت ہی جلد ہی دار ہونے والوں کی ہر درش تھی۔ واک مین کلن سے لگا کر وہاں گروے سے بے خبر ہو کر جاگنگ کرنے لگا۔ کافی دیر بعد جب وہ پینے سے شرابور ہو گیا تو سانس بحال کرنے کی غرض سے ایک پتھر بیٹھ گیا۔ کانوں سے واک مین نکلا تو کچھ دیر تیز میوزک کے اثر سے کلن سانسیں سامنے کرتے رہے۔ سہمت بحال ہوئی تو پہلی تو اس نے سنی وہ کمرے کے مخصوص کلک اور فیش کی تھی۔ اس نے



لوگوں کی تصویر اندازاً آپ کی عادت ہے؟" توئی کے لیے میں شرارت بھی تھی اور خطر بھی۔
 "یہ کبھی بہت کام کی چیز ہے۔ انسان کو وہ دکھانا ہے جو وہ وہی اُنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ توئی کی جلد کی تھوں کے اندر تک کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔" توئی اب کبیرے کا فریم توئی کی کھالی پر ہمارے تھی۔

"اس کبیرے سے بچنا چل جانا ہے کہ صبح سویرے اُنکھ کر تھوڑے سیل سنوار کر تے وقت اس پر لڑکا اسی پر نہ جا کر زور دے تو نیک سوٹ پہن کر لو آکر جا نیک کرنے لگا۔ جوتھینا اپنی زندگی کے اس مرحلے سے گزر رہا ہے جس کی شخصیت کے اعتبار کے لیے اپنی ذات سے زیادہ اس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔" توئی نے توئی کی منہ کی منہ کی تصویر لے کر خطر اور شرارت سے بچنے کے لیے۔

توئی نے سر سے پائس تک توئی کے بے ڈھنگے لباس کی طرف دیکھا۔
 "کبیرے کی اُنکھ نے جو دیکھا اس کے جھٹنے میں بچنے والے کی عقل کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس لڑکے کی شخصیت ہوئی اتنی پیچیدہ کہ اچھا لباس اور سنوڑے بال اس کی دشمن ہو مخصوصی تجارتی نہیں۔" توئی نے فوراً "جو اب دیا۔"

"یہ تو لوگوں سے میں مل چکی ہوں۔" اس کا ہند منٹ میں بے تکلف ہونا خلاف توقع توئی کو برا نہیں لگا تھا۔

"علیہ دیکھ کر لگتا نہیں شاید بہت دور کی واقعیت ہے۔" حلیے پر ہنوت کرنے کی ہادی اب توئی کی تھی۔

"میں بہت عقل مند ہوں۔ میرے لیے ایک ملاقات ہی شخصیت کو نہ جاننے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جیسے میں نے کبیرے کی اُنکھ سے آج یہ دیکھا کہ موصوف میں امیر ہونے کے باوجود دانش مندی کی کچھ کی ہے۔"

چونکہ کر دیکھا تو قریب ہی ایک لڑکی اپنے کمرے سے چھوٹوں کی تصویریں لے رہی تھی۔ قرارداد کرو سے لا متعلق ہو کر کبھی وہ گفتگو پر پہنچی تو کبھی ہاتھ زمین کے قریب آہلی اور اپنے پسندیدہ لباس سے تصویر اندارتی۔ توئی کو اس کے حلیے پر حیرت ہوئی۔ اس کا جدید کبیرا اس کے کسی اچھے گھرانے سے ہونے کا پتا دیتا تھا مگر اس کا حلیہ اس کے ہاتھ پر عکس تھا۔
 وہ ابھی سو کر اٹھی تھی۔ اس کے کانچے بال جیسے زبردستی تیر چڑھ میں جکڑے ہوئے تھے۔ سلوت زبردست لگتا اور باجیلہ "یقیناً" شب خوابی کا لباس تھا۔ جس پر پچھلی رنگت کا وہ بچاؤ دھاروا تھا جو بلی لباس سے ہاتھ میل نہیں کھا رہا تھا۔ البتہ جو تے اس نے اپنی ضرورت کے میں مطابق پہنے تھے مضبوط طور عمل بند۔ گویا بلی پر لگنے سے پہلے صرف کبیرے اور جو تھوں پر توجہ دینی تھی۔ توئی نے نظر مٹا کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا جو بچے غم ہو چکے تھے۔ کھل کر فحش کی تواضع وہ ایک بار پھر چوگا۔ جواب کافی نزدیک سے تھی۔ اس نے کہا توئی اب کافی نزدیک سے گفتگو کے بل تھی۔ اس کی تصویر لے رہی تھی سو اس مزاح کا نہیں تھا کہ اس کی اس حرکت پر شرمایا کھرا یا مگر ایک پر سکون ذاتی سے کو خراب کرنے پر اس کو فضا ضرور آیا تھا۔ اس توئی نے بغیر وقت ضائع کیے ایک اور تصویر لے کر توئی نے ہاتھ بولنے کے لیے نہ کھولا ہی تھا کہ توئی نے اپنے چہرے کے ساتھ سے بھرا دیا۔ اس کے چہرے پر نظر ڈالنے کے بعد توئی نے اعتراض کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"آپ کا شوق ہے یا پیشہ؟" توئی نے سچ سے نیک گانہ پر چلا۔
 "یہ میری عادت ہے۔" توئی نے ایک بار ہلکے سا منہ کے آگے کر لیا اور بات جاری رکھی۔
 "شب کسی شوق کو پیشہ بنانے کی چیز ہو تو پہلے اس کو عادت بنانا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی دور سے گزر رہی ہوں۔" وہ اب تصویر نزدیک آکر کہہ رہی تھی۔
 "یعنی صبح سویرے اچھے ایک کبیرا تمام کر انجان

"یہ تجربہ بہت جلد ہمارے اور اپنی کیا بات ہے جو آپ کو اتنا مطمئن بناتی ہے؟" نہ چاہ کر بھی وہ اس گفتگو میں الجھتا جا رہا تھا۔

"مجھے میرے فیصلے عقلمندانہ تھے۔ جیسے کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جانتے ہوئے جب آپ اپنی گاڑی کی چابی ہمارے گھر سے کہیں گے کہ آپ کو کہیں چھوڑ دوں تو میں فوراً انکار کر دوں گی۔"

"خوش فہمی ہے۔"

"میں نے تو آپ میں دانش مندی کی کمی ہے۔" یہ کہہ کر لڑکی مسکرائی اور وہ انگلیوں سے سیلوٹ نما اصول کہہ کر گیت کی طرف پلٹ گئی۔ قوی وہیں بیٹھا حیرت سے اس کو جانا دیکھتا رہا۔ ایسا بھی نہیں ہوا تھا کہ کوئی لڑکی قوی کو خاموش کر دے البتہ لڑکیوں کی اس کو دیکھ کر زبان ضرور لڑکھڑاتی تھی۔

قوی یہ فیصلہ نہیں کر لیا تھا کہ وہ اس لڑکی سے متاثر ہوا تھا یا نہ۔ مگر پہلے ملاقات میں اس نے کچھ تاثر ضرور چھوڑا تھا تو قوی کے لیے یہ نیا تجربہ تھا۔

قوی نے بھی وہی کی راوی کی بات چلی۔ اس کی ہانچا ہلی اسپورس کار اس وقت ملک کے صف اول افراد کے پاس ہی تھی۔ کچھ دیر ذرائع کے بعد وہ پتہ چلنے لگے کہ وسیع مرقعہ رہے پرانے طراز کے مکان میں داخل ہو رہا تھا۔ ملازم اپنے دروازے کے کمروں میں ملک کے تھے ذرائع کا نشانہ دہا رہے تھے۔ ایک ملازم کھان کو باندھ رہا تھا اور قریب ایک گاڑی لان کی کرسیوں کو ہماڑ کر میز پر رکھ رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ بیگم بدوقت جہاں ہاتھ بچھل فرما چکی ہیں۔ خوش گووار موسم کے باعث بیگم صاحبہ لان میں ہاتھ کرتی تھیں اور ان کے ہاتھ سے پہلے گورنر کے کرسیوں کو اونچائی طرز ہماڑ کر نیچے کرچا کیا جاتا تھا اور ہاتھ ختم ہونے سے پہلے کسی موٹو ملازم کو وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ قوی لان سے گزرا تو وہاں گھر میں داخل ہوا تو ایک دم

زمانہ ہی بدل گیا۔ باہر سے پرانی وضع کا مکان اندر داخل ہوتے ہی موجودہ دور سے زیادہ جدید ہو گیا تھا۔ اسپورٹس الیکٹرانکس کا فرنیچر جدید طرز کا درخت اور

تھیں جہاں اشیاء ہمارت کا پکڑتے تھے۔ قوی نے میرے موجودہ جگ سے فریٹس جو اس گلاس میں ڈالی تھیں۔

"آپ کو بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔" تو عمر ملازم نے پھر کی سے کہہ۔

قوی کو معلوم تھا کہ وہ اپنی اجنس فرما اسٹیڈی میں ہوں گی۔ جو چند سال پہلے تک اس کے ابا کی بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ گھر سے گھر کے دروازے پر پہنچ کر قوی نے اندر بھاٹکا اور حاتی امتیاز حسین کو دیکھ کر اس کو احساس ہوا کہ یہ ملاقات میں کے ساتھ نہیں بلکہ بیگم بدوقت جہاں کے ساتھ ہے۔

حاتی صاحبہ اس کے ابا کی خلافت کے دوران اور وقت کے بعد بھی باجھتی سے کاروباری امور کا حساب خیر صاحبہ کو لگا کر دکھاتے تھے۔ قوی نے اندر پہنچ کر، قوی کو سلام کیا اور یہی جملوں کے چولے کے بعد قوی پہنچ کر بیٹھ گیا۔

"میں پاکستان آنے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے مگر ہے کہ اب دفتر چلانا شروع کرو۔" بدوقت جہاں نے مخصوص انداز میں بیٹھی تھیں۔ ان کی سیدھی جی کمران کے مزاج کی طرح تھی تو گفتگو کر رہی پر بیٹھنے کے باوجود کبھی کر رہی کی پشت سے نہیں ہٹتی تھی۔

"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اپنا الگ کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں اس کی اجازت نہیں دوں گی کہ از کم ابھی نہیں۔ پہلے چند سال خانہ دہانی کا کاروبار میں تجربہ حاصل کرو۔" اپنی بات واضح کرنے کے لیے ان کو گواہ باندھ نہیں کر پڑی تھی۔ کبھی ان کی بات کو کوئی نہ دیتی تھی۔

"مجھے ان شرطوں پر کام چاہا تو ہوشیاروں صاحبہوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنے مزاج کے مطابق کام کرنا چاہتا ہوں۔" قوی جملہ عمل کر کے ایک لمحے کو ڈر سا کیا کہ کہیں اس کی بات پر رحم نہ ہو جائے۔

"تم جس چیز کو اس قدر عقارت سے ہم لے رہے ہو تو اس ملک کی سب سے بڑی ہوم پروڈکشنز کمپنی

ہے۔ جس کو حسداری کیجیل دو نسلوں نے بہت محنت سے ہر دن چڑھایا ہے۔ تم نے باہر بننے کی خواہش ظاہر کی میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہر بار اپنی منوائی ہے۔ اب وقت ہے کہ تم میری خواہش کا احترام کرو۔

”نہیں اب وقت ہے کہ آپ اپنی خواہش کا احترام کریں۔“ توئی نے اپنا سب سے اہم سہو آگے کیا۔

دو فن جنہاں کے تاثرات ایک دوسرے کے عیش سے بلند حوصلہ اور ٹھوس کردار کی مالک رہی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی کاروبار اور گھر کی امور میں ان کی پادشاہت تھی مگر اپنے تمام فیصلے وہ پس پشت رہ کر متوافق تھیں۔ ان کی عزالت کے بعد وہ فن جنہاں کو براہ راست کاروباری امور دیکھنے پر بے ساختہ سال میل ان کے شوہر کی وفات کے بعد سب کا خیال تھا کہ وہ تمام امور جو ان بچوں کے حوالے کر کے تھے سکون زندگی گزاریں گی مگر انہوں نے سب کو غلط ثابت کر دیا اور کاروبار پر اپنی گرفت مزید سخت کر لی۔ وہ آہستہ آہستہ اور جتن کر کے اس کو ایسے چلائی تھیں کہ کوئی سمجھ ہی نہ سکتا تھا کہ وہ مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ ہر کھنڈہ ان کی ستمی سے ہو کر زور پاتا تھا۔

یہیں توئی اور ان کا اختلاف شروع ہوا تھا۔ توئی کو الگ کاروبار کی ضرورت تھی اسی لیے توئی نے اپنی ماں کے محبت اور رعب بھرے منہ سے کہا وہ چاہتا تھا۔

”ہاں رضامند تھی کہ میں آپ الگ کاروبار کروں۔ بقول ان کے ”میں نے بولنا شروع کیا ہے اس کا ایک پورا کسی اور زمین کو حشر کر کے تو میں سمجھوں گا میں کامیاب ہو گیا۔“

توئی نے سہو لے کر اپنی ماں کے تاثرات دیکھے اور جان گیا کہ وہ بات منسوب کا ہے۔ اس نے اٹھ کر سلام کیا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

دو فن جنہاں سرخ آنکھوں سے اس کو جانتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کی ترقی سے خائف نہیں تھیں۔ اس کے باقی وجود سے خوفزدہ تھیں۔ اس کی ذات میں

بیش ایک بدعزت اور آزادی رہی تھی۔ وہ خود کو ہر قسم کی آزادی سے لائق سمجھتا تھا۔ اپنی شرطوں پر زندگی گزار پاتا تھا اور جو بات اس کی مرضی سے بہت گہری تھی اس کو بدل نہیں سکتا تھا۔ پھر زوجہ تھا۔ کوئی خواہش رشتہ یا شخص ایسا نہیں تھا جو اس کو کسی دوسرے کی خوشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرے یا شاید ایسا شخص آج کا تھا کہ وہ فن جنہاں سے بچر تھیں۔

اگلی صبح توئی کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جاگنگ نہیں کر رہا تھا کہ وہ اپنے ان فیصلوں سے جو کبھی محبت اور رشتہ والی بن کر اس کے دل سے بندھ جاتی ہیں۔ اس کو بھی کسی چیز کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ سراسیمگی نے اس کو وہ سواں کی نظر میں ہے جس اور اپنی شخصیت کی بدولت زندگی مختصر تھی اور وہ اسے اپنی ہی ذات کے لیے ناخوش سمجھتا تھا۔ وہ سواں کی خوشیوں پر جتنا گویا اس کو ضائع کرنا تھا۔ اس نے ان کی بات کو سننے کے لیے بیوقوف مزید تیز کر لیا اور وہ بھی زمین پر مزید تیزی سے دوڑنے لگا۔

اسی طرح دوڑتے ہوئے اس کی نگاہ کیمبرے والی اینٹری پر پڑی۔ وہ آج وہ بچوں کی تصاویر دیکھنے رہی تھی۔ بچوں کے ساتھ کھیل کر بچوں کی طرح تھیں کرتے ہوئے ان کو اپنے مطلوب انداز میں بٹھائی اور تصویر اتار لی۔ توئی نے لمحہ بھر رفتار آہستہ کر کے اس کو دیکھا۔ آج اس نے جگہ پہلے رنگ کی شلوار قمیض پہن رکھی تھی جو اس کی شہرہ فاش تھی۔ ہل بھی سلجھے ہوئے تھے اور چو بھی نکلا ہوا الگ رہا تھا۔ اسی لئے اس لڑکی کی نگاہ اٹھی اور اس نے توئی کی نظر کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور وہ وہاں بچوں کے ساتھ گمن ہو گئی۔

توئی کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس لڑکی کے شخص جیسے تھے مگر رنگ ساہوا تھا۔ چند لمحوں کے تجربے کے بعد توئی نے اپنی رفتار پھر پھرتی اور گراؤ کا آخری پتھر لگانے لگا۔ پتھر کھل کر کہ وہ وہاں اس جگہ پہنچا تو اپنے منہ کیجیل دے تھے مگر وہ لڑکی موجود نہ تھی۔ توئی بھانکتے بھانکتے رگ گیا اور نظر وہاں کر

"سٹیں لپٹ سٹیں۔" قوی نے خیر ارادی طور پر اس کو روک لیا۔

"سوفش" لڑکی نے مڑ کر قوی کو دیکھا۔ "میرا نام افش ہے۔"

"آپ نے میری تصاویر لیں تو شکریہ کے طور پر میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔"

"مگر تو آپ بہت کچھ سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تو۔"

افش نے کہا۔ "آپ فرمائیں کیا چاہتی ہیں؟" قوی نے مڑوب انداز میں پوچھا۔

"مجھ کو کچھ لڑکی آپ جیسے لڑکے سے اس وقت ملا دیا گیا چاہ سکتی ہے۔" افش نے غرارت سے کہا۔ قوی نے مشکوک نظر سے دیکھا۔

"جیسا کہ۔" افش نے مقصودیت سے کہا۔ "تو لڑکی پر بعد از اپنی کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔"

"مجھے شب بھی موقع ملتا ہے میں وہاں جان چنے کھانے ضرور جاتی ہوں۔" افش نے بے مقصد مشغوری کی۔

"مجھے ہشتاد کا چھٹا کا ہی پسند ہے۔ جو س یا سائیس لے لیتا ہوں۔" قوی نے وضاحت کی۔

"شاید اس لیے کہیں کہ آپ نے پہلے وہاں کے جان چنے نہیں کھا سکتے غالباً" شمر کے سب سے چرانے جان چنے ہیں۔ روز روز نہ سنی مینے میں ایک تودہ بار تو ضرور روایتی ہشتاد کرنا چاہیے۔" افش نے بے تکلف ہو کر کہا۔

"تبدیلی کو تو دلیتے ہیں۔"

"جیسے اوھر روک دیں۔"

قوی نے دیکھا وہ شمر کی مشہور مارکیٹ تھی مگر زیادہ وکائیں ابھی بند ہی تھیں۔ جو تھوڑے بہت افراد موجود تھے ان میں زیادہ تر قعد لو چھابڑی فروشوں کی تھیں۔

"کہیں؟"

"وہ ٹھہلے والا۔" افش نے اشارہ کیا اور گاڑی

بارک میں جاووں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی زرد لباس نظر نہ آیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل کے کسی کونے میں باجی کے سامنے منڈلانے لگے اس نے گاڑی کی چابی نکالی اور گھسی سائیس لیتے ہوئے بارکنگ لائٹ کی طرف چل دیا۔ گاڑی کے پاس پہنچتے ٹھہر اس کی سانس بھل ہو چکی تھی۔

"ہیلو" وہ لڑکی اس کی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔

"آپ لپٹے۔" قوی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"لوگو اتن کمرے کی آگھ سے جانچے جانے کا شرف میری گاڑی کو حاصل ہوا ہے۔" قوی نے غرارت سے کہا۔

"آتی قاتل نہیں ہوں کہ بے جان چیزوں میں جان ڈال سکوں۔" میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔" اس نے چند ایک سے ایک خاکی رنگ کا لفافہ نکال کر قوی کو تھمایا۔

"آپ نے لفافہ کھولا تو پچھلے دن کی تصاویر تھیں۔"

"جی تو آپ نے مشکل میں ڈال دیا۔" قوی نے کہا۔ "میں اپنی تعریف کروں گا تو کہیں آپ نے نہ سمجھیں کہ میں اپنی تعریف کر رہا ہوں۔" قوی اپنی ہی تصاویر دیکھ کر کافی متاثر ہوا عقائد قہر قہر سے بدلتے سے بارک تھیں۔ چند ایک میں وہ مشکوک کے کھڑا اس کو دل رکھا تھا۔ جس کے کپڑے ان میں حقیقت سے گھرا لگا تھا۔

"آپ کسی کی تعریف کریں میرا جواب شکریہ ہی ہو گا۔" جھٹکا آفتاب میں نے ہی کیا تھا۔

"میں کوئی لڑکی نہیں کہ آپ کو تصاویر لوٹانی پر ہیں۔ آپ یہ دیکھ سکتی ہیں۔" قوی نے تصاویر دیکھا دیکھنے میں ڈال دیں۔

"میرے پاس بیکیٹو ہیں۔ آپ کو اس لیے نہیں کہ ان پر آپ کا بھی حق ہے۔ میں چلتی ہوں۔" وہ لڑکی مڑ کر گیت کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ قوی کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"تپ چاہیں انکار کریں مگر انسان کا ظاہر ہی ہوتا ہے جو اس کا باطن ہو۔" توئی اظہارِ اندوہ ہو رہا تھا۔
 "بے شک لیکن ایک حد تک کے بعد ایسا ہو سکتا ہے۔ ایسا قاتل قبول صرف تب ہو سکتا ہے جب باطن نے ظاہر کو تراشا ہو۔ مگر افسوس اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ آسمان گھر کے تمام تر توجہ بولاد کے ظاہر کو دینے لگتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ اس کو جب اور محبت میں قیصر کرنا تکی ہے کہ نہیں پر اس کو ایسا پسندنا ضرور سکھاتے ہیں ملازموں کے ساتھ برکت کو نہیں سکھاتے پر رپورٹ کارڈ پر پورے بار کس چاہیں۔ اس طرح ان کو یہی درس ملتا ہے کہ باطنی زندگی کو ظاہری خوبصورتی سے چھپاؤ۔"

"ایسا چارہ ہوا ضرور ہی تو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے انسان کا باطن قیصر اور ظاہر بھی خوش لباس ہو۔" توئی کوئی اظہارِ اندوہ نہ کیا۔
 "جو ہو سکتا ہے باطن ہو سکتا ہے۔ مگر پھر باطن پر غور کیا ہوا ہے۔ یعنی اگر بھی پرانے کپڑے اور بے ترتیب حلیے میں بھی رہنا پڑے تو شرمندگی نہیں ہوتی چاہیے۔" توئی اپنا آخری نوالہ کھا رہی تھی۔
 "تف کو رس۔" توئی کی پلیٹ بھی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔

"پلو پھر آزمائیے ہیں۔" توئی نے آوی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔
 "یہ جاگر زامپہ رہا نہیں؟" توئی نے پوچھا۔
 "ہاں جب جرمنی میں پڑھ رہا تھا تب خریدے تھے۔"

"تو یہ جاگر زامپہ سے میاں کے جوتوں سے بدل لو۔" اس نے لھلھے والے کی طرف اشارہ کیا۔
 "ناگل ہوئی ہو کیا؟" توئی کانٹہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
 "نہیں نہیں دار ہے کہ پشاور کی چٹیل میں کوئی تصدیق عزت نہیں کرے گا؟" توئی نے ہنسی دینے کے انداز میں کہا۔
 "ہرگز نہیں۔ مگر میں ایسی کوئی فضول حرکت نہیں کر سکتا۔" توئی نچ ہو گئے۔

سے اتر گئی۔ آوی نے کڑھائی سے اسٹیرنگک دھیل پر ہاتھ مارا مگر افش کو دیکھ کر احساس ہو کر وہ سنجیدہ ہے تو خود بھی اذکر اس کے پاس چلا گیا۔
 "تو یہ ہے تپ کے پسندیدہ ہائے کی جگہ؟" توئی نے ستمخرا زابا۔

"تپ پھر وہی کرد ہے ہیں۔ ظاہری حلیے سے باطن کا اندازہ لگانا درست نہیں ہے۔" افش نے اراد دے کر گھر سے کمر اسٹینڈ لیا۔
 "میرا مطلب ہے اگر یہ انداز مشہور اور معروف ہے تو اب تک اس نے دکان کیل نہ کھول لی۔ یقیناً اس کا انداز بارہتر نہیں چل رہا۔"

توئی نے لھلھے والے کو ہلٹوں میں پتے مسلاؤ رانڈ اور اچھا رانڈ کھلا۔
 لائٹ صاحب! آپ کو یہی سمجھاؤں۔ ان کو چکر چھوٹے کھتے ہیں۔ ان کی خاصیت یہ ہے کہ ان کو ٹھنڈا اٹھایا جاتا ہے۔ اس لیے چھوٹے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رہی بات ڈانٹنے کی تو اس کی ایک ہی دلیل ہے۔ "افش نے پلیٹ آگے بڑھائی۔
 "یہ صاف ستمخرا تو ہے؟" توئی کا جملہ لھلھے والے نے سن لیا۔

"کیا بات کرتے ہو صاحب! میں سال سے علم کر رہا ہوں۔" توئی نے قدم سے ٹھکی سے کہا۔
 توئی کی بڑی شخصیت کو پہنچ کا سامنا تھا۔ اس نے ایک نوالہ منہ میں رکھا اور ساتھ ہی ٹھک اور تھیش کی مخصوص آواز نکلی۔
 "یہ آپ کے پہلے نوالے کی یاد پھر تصویر۔" توئی نے ہنسنے ہوئے کہا اور کمر گھٹے میں ڈال لیا۔

"تب افسوس ہو رہا ہے کہ اس کی دکان میں ڈرنڈ ہیں سال بعد یہ تصویر فروم کر کے لگا تاکہ مشہور زمانہ بزنس میں پہل سے بن چکے کھاتے تھے۔" افش خود بھی کھانے لگی۔

توئی کی بھی جھجک و نواہوں کے بعد دور ہو گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے لذت بخشا تو نہیں مگر منفرد ضرور تھا۔

ازگئی۔ پھر گاڑی کی کھڑکی سے مسائل کر پویل۔
"شکریہ۔ ناشتے کا بھی اور میرا دعا و امین کروانے کا

بھی۔"
"کوئی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی یہ جاگڑ تھے۔ شکر
ہے تمہاری نظر میری گاڑی پر نہیں پڑی۔" توی نے
ہنس کر کہا۔

"افش سنجیدہ ہو گئی۔" "لو عہری رکو۔" اس نے
ایمر جنسی میں کہا۔

"رہنے والے جیسا اور اسنے۔" اس نے قریب
کھڑے رکھنے والے کو آواز دی۔
"توی جیکے ہاتھ پر بھی پھول گئے۔ اس نے کوریکمانہ
ٹوٹل اسپینڈ سے گاڑی کو ڈالنا ہوا نکل کیا۔ چیخے افش
کھڑی تھی تھی۔"



پورا ٹیک میں دن کا آغاز جلد ہو جاتا تھا۔ ہر کلاس
کے لیے ایک کثیر کرا مخصوص تھا جس کو ڈور مہکتے
تھے۔ یہی دواہوں اور بڑی بڑی کھڑکیوں سے تر بھی
پھٹ پھٹ ٹھن ٹھن میں رہی تھی۔ کمرے کی آرائش
ایسی تھی جس کے پھاٹک سروں کا ساتھ اور غلوت
دونوں بصر تھے کمرے کے دونوں طرف ستر نظاموں
میں لگے ہوئے تھے ہر ستر کے اوپر لکڑی کے ڈھنڈوں
کی بد سے پردے نصب تھے جسے کسی اسپتال کے
ایمر جنسی وارڈ میں ہوتے ہیں۔ جن کو بدلت ضرورت
کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ ہر ڈورم میں ایک فن
موجود رہتی تھی۔ ان کے ستر کی دونوں سمت لکڑی کی
دوار لگا کر مختصر سا کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ صبح بچے میڈن
آہستہ آہستہ سے کھین لڑکیوں کو دنگائی کیونکہ انہوں نے
چرخ کچھ کر مہلت میں حصہ لیا ہو تھا۔ کوڑے سے
بعد ایک ہاتھ سے ٹھنکے ہاتھ سے ستر قائم بستوں
کے گرد پھر لگا کا شوق کر دیتی۔

ٹھنکی کی کوڑا سن کر لڑکیاں پھٹ سے ستر سے باہر
نکل آتیں۔ سہیلہ ٹھیل سے اسٹیل کاجنگ اٹھا لیں
میں میں ہاتھ دم سے پل بھرا تیں۔ سہیلہ ٹھیل پر ہی

"میں صرف اپنا دعا بیان کر رہی ہوں۔ تمہارا
مختصر تو چھٹنکی ہے۔"

"تم نے بات کہی میں نے سن لی۔ ایک سرسری
سی بات ہوئی مجب جانے دو۔ دھوکس دے کر تہ دل
کروانے کا کیا فائدہ؟ تم کوئی معلوم ہو جو سروں کو باطن
پر بھروسہ کرنے کا عمل درس دیتی پھاؤ۔" توی کا لہجہ
خفت ہو گیا۔

"صحیح کہہ رہے ہو۔" افش نے سنجیدگی سے کہا
اور ٹھیل کے چپے چل دی۔

"توی کو لگاؤ تھا ہو گئی ہے افش پھرتی سے بڑھتی
ہوئی ایک عورت کے پاس پہنچ گئی جو جراثیم پانیاں
کلب بیج رہی تھی۔ اس نے ایک کپڑے کے نیلے
بیگ میں کچھ دھیل ڈال رکھے تھے۔ توی نے وہیں
کھڑے ہو کر دیکھا افش نے اپنا لہر کا ڈیر افشویک
اس کو دے کر اس کا کپڑے کا سیلا بیگ لے لیا اور وہ
اس تہارے پر مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"میرا فائدہ ہو گیا۔ اس میں میرا کیرا نہیں
تھا۔" افش نے واپسی آکر خوشی سے کہا۔ توی نے
سے انداز میں ہنس دیا۔ پھر اس نے خاصوشی سے بڑے
میاں کی چٹیل سے اپنے نو تے چلے گئے۔

لگے لگے افش نے مزید تفصیل لے لیں۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" کو واپسی میں افش نے شرارت
سے پوچھا۔

"تمہاری خوشی کی وجہ سے کھٹ چلا رہا ہوں۔" توی
خفا نہیں تھا۔

"تمہیں تمہارا ہی ایک پر شیدہ روپ دکھایا ہے
میں بے خوش ہوں۔"

"یارک آگیا۔" تمہیں کہاں چھوٹوں؟" توی نے
دراڑ آہستہ کر دی۔

"میںیں دا بڈ بڈ بڈ کے آگے میرا کالج ہے۔" افش
نے اشارہ کیا۔

"کالج؟" جن تو چھٹی ہے۔"

"میں باطن میں رہتی ہوں۔" افش نے دعا خواہ کیا۔
توی نے گاڑی روک دی اور افش بھرا سہیل کر

لاڑکیاں اپنے مک میں چینی کٹنی دودھ ڈال کر انیس
 ٹوب چھینٹیں۔ کٹنی ہانے کی ضرورت کے ساتھ
 ساتھ ان لاڑکیاں کا تھنل بھی قلم سینٹو نے پھیل کو
 آتے دیکھ کر جلدی سے کھنی بجا دی اور تمام لاڑکیاں
 اوپ سے خاموش ہو گئیں۔ سسٹر گریس اور پانی زن
 چونچ سے آئیں اور تمام لاڑکیاں نے ٹوب سے سلام کیا۔
 سسٹر گریس جواب دے کر چند گئیں تو پھر سے یہاں
 میں بیچ چلے گئے۔

ہر روز ان کے مختلف طرح سے ہائے جاتے اکثر
 ساتھ شور بھی مچے۔ تا جبکہ دلہ ناٹھنے والا ہی جزو
 قلم ناٹھنے کے بعد لاڑکیاں غلیب پر اسکی کے انتظار
 میں صلیبی رہتیں۔

ایک بچہ صبح کے چوبیس بجے جلدی اور تھکی لاڑکیاں پھر
 فلیٹ پر چلی ہوئیں اور کھانے کے لیے پھر ڈانٹنگ ہال کا
 رخ کر گئیں۔ کچا ہوا دیا تھوڑا سا ہو گیا۔ باہم کو مالک
 اور کوئی سخت پڑھنے والی فرنی انداز میں تیار کیے گئے
 میں کو ایک لازمی جزو ہوا قلم کھانے پر لاڑکیوں کا
 سب سے بڑا اعتراض یہ ہوا کہ اس میں مسالے کے
 باہم پر صرف نمک اور کھلی مرچ کا چمڑکا ہوا تھا۔ جس
 سے ہر کھانے کا ایک ہی ذائقہ ہو جاتا تھا۔ ان نئے
 ذائقوں نے اس کا توڑ یہ نکالا کہ وہ کھجور، بیانی
 مسالے اور چائے مسالے کے پیکٹ ساتھ رکھیں اور
 ان کی مدد سے دانے کو کھانے کے قابل بنائیں۔

یہ پورڈنگ کی زندگی کا حسن تھا کہ اس کا ہر لمحہ فعال
 بھلوا جاتا۔ کھانا ختم کر کے لاڑکیاں کرسیوں پر بی
 براہمن رہ گئیں۔ جب سسٹر کھنی بجا دی تو لاڑکیاں ٹھکرے
 کہہ کر اٹھ جائیں۔

کھنڈ بھر صلیبی کے بعد اسپورٹس یونفارم پہن کر
 لاڑکیاں جیمز میں حصہ لیتیں۔ اپنے اپنے ہاؤس کے
 مطابق جیمز ان کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہوتا۔
 کسی جنگی سیاحی کی طرح ہر کوئی اپنے ہاؤس کو سرلند
 کرنا چاہتا۔ تھوڑے سے فارغ نام کے بعد سارا
 چھ بجے کھانا لکھوایا جاتا اور چائے خیمہ آئے آئے
 سات بجے سب بستر میں سوئے کو لیٹ جاتے تھے۔

اشیل کا یہ سارا یعنی میں موجود رہتا تھا۔ جس میں
 لاڑکیاں پہلے منہ دھوئیں پھر دانت برش کر تھیں۔ فارغ
 ہو کر وہ ہاتھ روم جاتیں لپٹا پٹک لور میں دھو کر کپڑے
 سے خشک کر کے وہ بارہ اصل جگہ پر رکھ دیتیں۔ ہاتھ
 روم جلیق سے استعمال کے باعث نہایت نہیں ہوتا۔
 ایک طرف سات بجے گئے تھے اور دوسری طرف اتنا
 ہی لمبا بیچ تھا جو اوپر سے چاقو اور اندر سے جوتوں کی
 امدادی تھی۔ انکا مرحلہ شب خوابی کا لباس تبدیل کرنا
 تھا۔

"اندرو نہ آتا۔" باہم نے بستر کے گرد ہوا کھینچے
 ہوئے پاؤں پر لپکا۔

"یہ کھینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہ آگے ہونے
 کا یہی مطلب ہے کہ بغیر اجازت اندر نہ آتا ہے۔"
 سسٹر ہاتھ لگاتے اس کی بدتمیزی پر ٹوکا۔

"موسوی سسٹر" باہم نے معذرت کی۔ وقت
 گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے ضرور شرارت بن
 گئی جو دوا دانت طور پر اکثر لاڑکیاں کر تھیں اور متوقع دوا دانت
 بن کر کھپائی نہیں جیتیں۔

لباس تبدیل کر کے پردے فاست سے صلیبی
 دیے جاتے اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ پردہ

ذرا سا بھی تر چھان ہو اور تمام خیمیں سدھی ہوں۔ اس
 کے بعد بستر ٹھیک کرنے کا کچھ بھی مرحلہ آتا جس

سے ابتدا میں ہر لڑکی جو جھمی تھی۔ بستر ساری چادر
 بچھا کر اس پر کھجور دھرتے پھر ایک اور چادر بچھا کر اس

پر چھایا اور اس کے اوپر سے سارا سارا بچھایا جاتا۔ پھر
 ٹپکی چادر کے کونے سے کھیل کر دیکھا سا ڈھک دیا جاتا

تاکہ کھیل جگہ پر قائم رہے۔ چادر لٹک کر معیوب نہ
 گئے اس لیے احتیاط سے چادروں اطراف سے چادر

میٹرز کے پیچ ڈال دی جاتی۔ آخر میں ہن لگا کر بستر
 مکمل ہو جاتا۔ چونچ لپک جاس منفرد سب تیار ہو کر

کیتھن کے پیچھے قلم بنائیں اور ڈانٹنگ ہال کا رخ
 کر تھیں۔ جو نیز اور سینئر اسکل کا مختلف ڈانٹنگ روم

ہو تھا۔ ڈانٹنگ روم میں موجود لماری پر لٹکا لگا ہوا
 تھا جو کیتھن صرف چندہ منٹ کے لیے کھولتی تھی۔

اس کے بعد بات کرنا بہتر سے لکنا سخت منع تھا۔ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی تھی۔

”ہام! آپ کو سسٹر گریس نے بلوایا ہے۔“ سسٹر کی اطلاع پر ہام حیران ہو گئی۔

پہلے پہل چھٹیوں کے انتظام پر ہام اکثر وقت بیکار سسٹر گریس کے آفس میں ٹھس جاتی اور حالات کے مطابق باتوں کا چاند کھول دیتی۔ اس کے علاوہ کہیں نظر آنے والی تو گفتار تو ذکر ان سے لپٹ جاتی۔ سسٹر گریس نے اس کو آہستگی سے سمجھایا کہ چھٹیوں کا رہن سہن مختلف ہوتا ہے۔ جو اسکول کے دنوں میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر لازم ہے کہ استاد شاگردوں اور دانشور کاظم رکھے۔ لیکن اس دن جب سسٹر کے خود بلوایا تو ہام خوشی سے جمو جھتی ہوئی دو ذکر ان کے پاس پہنچی۔

”ہیلو آپ کیسی ہیں۔ میرا بھی آپ سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔“ ہام کے قدم رکے تو زبان نے رفتار بکھڑی۔

”ہام! مجھے آپ کی ضروری بات بتانی ہے۔“ سسٹر گریس نے کچھ دیر بعد اس کی باتوں کی ترقین کو نکاس دی۔

”بیٹا! زندگی میں کئی دور آتے ہیں۔ ہر دور ایک تبدیلی سے شروع ہوا کرتی ہے۔ سب سے پہلی تبدیلی ہے۔ ان تبدیلیوں سے مجھ کو ضروری ہے۔ ان گرمیوں کی باتیں میں نہیں پہنچا سکتی ہوں۔ کی۔ میری فرانسس ہو گئی ہے۔“ سسٹر گریس کی بات سمجھنے میں ہام کو کئی لمبے لمبے لمحے۔

”پھر آپ میری فرانسس کو اوس۔“ میرا بھی کوئی گھر نہیں۔ ہم اسی طرح ساتھ رہیں گے۔“

”آپ کی فرانسس نہیں ہو سکتی۔ آپ کو ہمیں رہنا ہے۔“ سسٹر گریس نے محبت سے اس کا ہاتھ چمکوا۔

”آپ کیوں جاسی گی۔ یہاں سب کچھ اچھا ہے۔ جانے کہ وہی جی دو سرے شہروں میں گری اور شہر ہو گا۔ آپ کو تو شہر باگل بند نہیں۔“ وہ بے چارہ شہر کی تو ہام کی زندگی کا واحد حلق تھا۔

”اتنی کمزور نہ ہو کہ چنے کے لیے انسانوں کے ساتھ کی ضرورت ہے۔“ سسٹیں بہت اور اٹھنا ہے ہر رشتہ اپنے اندر تلاش کرنا ہے۔ خود کو سمجھنا ہے اپنی ذات کو پہچاننا ہے۔ جتنا تعلق اور رشتے میں خود کو بکھڑکی لانا خود سے اور خدا سے دور ہو جائی گی۔“

سسٹر گریس چپ ہو کر تحقیق کرنے لگیں کہ وہ نصیحت ہام کو کر رہی ہیں یا اپنے آپ کو سمجھا رہی ہیں۔ اس کے پہلی بار سسٹر گریس کے چہرے پر کوئی حکمرانیت نہیں تھی۔ وہ محبت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ ہمیشہ یہ سمجھ کر خود کو مطمئن کرتی تھیں کہ وہ اپنی خواہشات خدا کے واحد سے تعلق جوڑنے کے لیے قربان کر رہی ہیں۔ اپنے ایمان پر ان کو کبھی شرمندگی نہیں ہوتی تھی لیکن اس وقت ہام کے نصیحتوں کو رد کرتے ہوئے ان کو اپنی سفاکی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے پھر ایک بار اپنے سر کو جھٹکا۔

”کیسے وہ سفاکی نہیں تھی۔ فرض شاہی تھی۔“ ہام کی محبت میں گمراہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہاں نہیں تھیں وہ استاد بھی نہیں تھیں سب سے پہلے وہ ایک فن تھیں اور انہوں نے انسانیت کی خدمت کا وعدہ کیا تھا۔ ہام جیسے کئی نئے دوروں کی شفقت اور رہنمائی کے منتظر تھے۔ وہ اپنے نگاہ کے لیے ان مستحق بچوں کو محروم نہیں کر سکتی تھیں۔

ان کے دل وہاں نہیں جگہ ہو رہی تھی۔

”آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ اتنی پیاری ہیں کہ ہر کوئی آپ سے محبت کرے گا۔ خدائی سے ڈرنے کا مطلب اپنے وجود سے ڈرنا ہے اس بار کو غم کرنے کے لیے اپنے اندر قابلیت بھرا۔ ہر جو گاؤں تم تنہا نہیں رہو گی۔ تم اپنی ذات اور خواہشات کو سمجھو گی تو کوئی سمجھیں گے۔ وقت نہیں کر سکے گا۔“ ان موٹی موٹی باتوں سے نہ چلے وہ کیا بھی جس سسٹر گریس سے لپٹ کر روئے تھی۔

”ہام! ہمیرے پاس آپ کے لیے خفیہ ہے۔“ انہوں نے میز سے دست رخی چھڑی اٹھالی۔

”یہ جب آپ نے چوٹی کی جگہ تو اس میں جلوہ گر

چو کیدار پر ڈال اور ان قہم ملوک نظموں کا جواب دیا
 ہو تجھے چالیس منٹ سے وہ آویز ڈال رہا تھا۔ افش
 ہے باڑ چرے کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی۔
 چار قدم کی دوری پر وہ لوگوں کے لیے ان کی نظریں اور
 ساتھ ہی افش نے دھوپ کا چشمہ آنکھوں پر لگایا اور
 منہ پھیر کر دوسرے رخ چل دی۔ آوی کے صورت
 حال سمجھنے سے پہلے ہی افش قریب کھڑے رکشے میں
 بیٹھ کر جا چکی تھی۔

چو کیدار دوبارہ آوی کا غور کرنے لگا اس نے غصہ میں
 آکر گاڑی رکشے کے کتبہ لگا دی۔ "تیرا بڑا بھتیجی
 کیا ہے۔" کچھ دیر تک اس نے سوچا۔ "تو جی تو ہے اور بھی
 یوں منہ پھیرتی ہے جیسے بالکل اجنبی ہو۔"

اس نے کبھی ایک بار اسٹور کی پارکنگ میں پارک
 کی۔ افش اسٹور میں داخل ہو چکی تھی۔

"جب پہلا ہی جب میں چالیس منٹ باہر کھڑا
 چو کیدار کو اس نظموں کا سامنا کرنا پڑا اور تم منہ نہ کر
 سکتے تھے میں کھل گئیں؟" آوی گرومری ٹیکشن میں پہنچی
 کراہیں پر سلا۔

گرومری کے ہاتھ کے باہر کھڑا رہنا قابل تعریف
 ہے؟"

افش نے کلا چشمہ آنکھوں سے اتار کر سر پر لگایا
 اور ٹرائیڈ چلی گئے آگے بڑھ گئی۔

آوی نے بھی شرمندگی سے نہچنے کے لیے ایک
 پاکٹ اٹھل۔

"ایک تو تیس وقت لٹل کر تم سے ملے کیا اور اس
 گینڈے جیسے چو کیدار کو برداشت کیا۔ ذرا تو قدر
 کرو۔"

"بے شک قدر دانی بنتی ہے۔ میں اسی لیے دیر سے
 آئی تھی تاکہ چو کیدار وقت باکرہ میں گارڈ آف آؤر
 تیش کروے۔" افش نے ٹرائیڈ میں صلیب اور نوٹھ
 پیسٹ ڈالنے کو کہا۔

"واقعی اس نے مجھے ایسا رعب دیا ہے جس کا تجربہ
 مجھے پہلے بھی نہیں ہوا۔" آوی نے ہنسا کیے پاکٹ
 میں صلیب اور نوٹھ پیسٹ ڈال لیے۔

کیا قہم ہے آپ اپنے پاس رکھیں اور جب لو اس ہوں
 اس کو کھرا کر خدا سے دعا مانگئے۔ مجھ کیسے گا چھری اپنا
 جالو ضرور دکھائے گی۔" وہ باہم کو باہر نہیں دیکھنا
 چاہتی تھیں اس لیے تعلق کا اختتام امید پر کر رہی
 تھیں۔

"آپ میں جالو کھول گئی کہ ہم بیٹھ خوش رہے۔"
 وہ اکثر انہیں نکلے دیتی رہتی تھی۔ یہ چنٹ کی ہوتی
 چھری سسٹر گریس کو مست پسند آتی تھی۔ آپ وہاں سے
 لوٹا رہی تھیں۔ انہوں نے آہستگی سے چھری ہڈی اور
 دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے گلے میں پٹا کر اسے
 قہم لیا۔



اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی قیمتی کی گھڑی میں وقت
 دیکھا اسے انتظار کرتے ہوئے چالیس منٹ ہو چکے
 تھے۔ آوی نے تیسری مرتبہ ہاتھ کے گینٹ کی جانب
 قدم بڑھا گئے۔

"آپ نے مس افش کو قہم دیا؟" اس نے کہا
 موٹھوں والے ہندو قہم سے چو کیدار سے بوجھ
 جواب میں چو کیدار نے صرف گردن ہلایا۔ آوی کو
 اوپر سے نیچے تک غور۔

"آوی گفت سے دوبارہ اپنی گاڑی کے پاس کھڑا
 ہو گیا۔ ایک نو جوان لڑکے کو اوقات کے لیے آگے
 دیکھ کر چو کیدار کا قہم خاصا ملوک ہو گیا۔ آوی
 نے باجی منٹ بعد پھر آوی کی کسی ڈاس کا بارہ چڑھنے
 لگا۔ افش نے خود اپنی کھلی گولی پیچم بھیجا تھا۔

اس نے واہسی کے ایلے سے گاڑی کا دروازہ
 کھولا ہی تھا کہ آوی گینٹ کھٹنے کی نواز گئی۔ اس نے
 مڑ کر دیکھا تو افش چو کیدار کو اپنا گینٹ پاس دکھا کر باہر
 آ رہی تھی۔ اس نے خاکی ٹرائیڈ سبز قمیص اور سفید
 دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ رنگ مختلف ہونے کے باوجود وہ
 انہیں میں میلہ کھا رہے تھے غصہ سے غلی ہوئی
 ٹیل اس کے پہلے چرے پر مناسب لگ رہی تھی۔
 آوی نے افش کے کندھے کے اوپر سے ایک غریہ لگا۔

ایک منٹ پہلے اس نے قوی سے آخری بات کی تھی تو وہیں بھی نہیں تھا! افش! افش! وہ بھی۔ شاید وہ منے میں زیادہ ہی بولی تھی۔ وہ خفا بھی نہ تھی۔ نہیں جانتی تھی کہ قوی چلا جائے تو خواستہ پا کر گئی تھی مگر امتحان کی وجہ سے بچہ نے صبح میں اضافی کھائیں دیکھ دی تھیں۔

افش نیز تیز چل کر داخل دروازے کی طرف گئی کہ شاید قوی وہیں کھڑا ہو سکے۔ وہیں بھی اسے نہ پا کر افش کا دل شکست سے اچھٹ ہو گیا۔ قوی کا لٹکا ہوا تصویر نہیں تھا۔ جتنا اس نے چکھار کا تھا۔ دراصل افش کو چر کیدار کی پہلے چھٹکائی ہو چکی تھی۔ افش تصویر انکرنے صبح باہر چل گئی تھی۔ افش کو چر کیدار نے وارن کو شکایت کر دی تھی۔ "کدو" افش کو ایک طبعیہ درد خواست لکھ کر وارن کے دستخط کروانے پر۔ افش کو چر کیدار کی بد شکست بھی نہیں بھولی اور چر کیدار کا افش سے شک و دور نہیں ہوا۔ ان حالات میں قوی کے کہنے سے چر کیدار کا پڑا بھاری ہو گیا۔ بچے دل اور اس غفلت سے نرالی دھکیلے ہوئے افش کو غریب چائی تو قوی دکان دار سے تنگ کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں" آپ تسلی سے مل رہی تھیں مگر ساری کا خیال رکھیے گا۔ "قوی شونی سے افش کا رستہ روکے کر اٹھا۔

"مگر مجھے جلدی ہے۔ آپ ان کو جلدی قاضی کریں۔"

"تبی بی بی! آپ کا بھی کوئی بچہ ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" دکان دار نے ایک لڑکے کو آواز دی کہ افش کا

دل دکان دار نے قافلت پیچے وصول کیے۔ قوی فوراً باہر نکل گیا۔

"مگر تو سنی ایک ضروری بات کرتی ہے۔" افش نے باہر نکل کر آواز دی۔

"نہیں! اس نے بات سمجھ میں نہ کی۔"

"مجھے باہر تو چھوڑو۔" افش نے اپنا شاپر بھی قوی کو چھوڑا۔

"نہو حالت تمہاری باہر تھی تو ہی میری اندر ہو رہی تھی۔ پہلی بار ایک لڑکا مجھ سے ملنے آیا تھا جس کو کمرے کا نمبر بھی معلوم نہیں تھا۔ اس لیے چر کیدار وارن کے پاس گیا اور وارن نے کمرے میں بیٹام بھجوایا جس سے سارے باہر میں دھوم مچ گئی کہ افش سے کوئی لڑکا ملے آیا ہے۔" افش ناراضی سے نظر بھی نہیں ماری تھی اور چیزیں لیتے ہوئے ہیں ہم کلام بھی جیسے شیت سے تھیں کر رہی ہو۔

"آپ میں اور کیا کرتا۔" ہم دو چلتے سے پارک نہیں آ رہی تھیں۔ "قوی ہادیجے ہاسٹ میں چیزیں رکھتے ہوئے افش کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں پارک بورڈز کرنے تو نہیں جاتی کہ باقاعدگی سے جاؤں۔ میں تصویریں لینے جاتی تھی اور میری کوئی بھجوری نہیں کہ اپنے شوق کو ایک سی جگہ تک محدود کر لوں۔ ویسے بھی میرے امتحان ہونے والے ہیں میں مصروف تھی۔"

"مجھے تمہارے امتحان کی مصروفیت کا علم نہیں تھا۔ نہ تو میں نہ کرتا۔"

"بات مصروفیت کی نہیں میری سادگی کی ہے۔" ہمیں اندازہ بھی ہے باہر میں میرے ہاؤس میں کس طرح کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔

قوی کو بالکل احساس نہیں تھا کہ افش کے اندر بھی ایک روحانی لڑکی موجود ہے۔

"مجھیں کب سے فرق پڑے گا کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔"

"بس سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ ملاقاتوں کے بعد وہ مجھ پر ایمان رکھتے ہیں کہ سرعام میرا نام پکار کر مجھ سے ملنے کا اعلان کر سکیں۔"

افش نے قوی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دعب سے کہا اور اگلے شیت کے پاس چلی گئی۔

اس بار قوی اس کے پیچھے نہیں گیا۔ پہلے تو افش بے خیالی میں شیت پر بڑی چیزیں دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا تو دائیں بائیں دیکھا۔ قوی کہیں نہیں تھا۔

افش وہ قدموں چھلے شیت کی طرف نکلی جہاں

اچھلتی کوئی مہم کے سر سے اسکاٹھ کھٹکا اور
چوہوں میں پلٹ گیا۔ مہم لڑکھٹے گئی۔ خود کو سنبھالنے
کے لیے اس نے پڑائی سے جنگا پڑاؤا طعمی کھلے اور
بند ہونے میں مہم کے ہاتھ میں جنگا گیا اور چھڑی
نکل کر پھانسیاں سے لگرائی پر نہ پڑوہوئی کرانی میں گر
گئی۔ سات رنگ ستر کھول میں بھر گئے۔ اس دن
مہم کا جہاد نوٹ کیا اور وقت بدلنے لگا۔

”واپس پرست نیک جانی ہوگی“ کوئی نے اس کا
دو طلا پین نہ کیا۔
”بیب بیل ملاقات میں ہے تکلفی دوسری میں
یو سٹی اور تیسری میں لڑائی منع ہو جائے تو ایسے
تکلفی پر چوکیدار کی ہوا نہیں کرتے۔“ پیش نے نیک
سے سیرا نکالا اور دونوں ہاتھوں میں شاپ تھامے آوی کی
تصویریں بچھتی شروع کردیں۔

اس نے دو پینکھٹا نہیں۔ ہاں میں کل میں سرے
ہاں والی کڑواہوئی اور معمول کی طرح راکواری سے
گزر نے گئی۔ کھولیں کھاسوں اور اس کے سامنے
سے گزرتے ہوئے پورے ملک کے بچھے دروازے تک
پہنچی۔ اس کی منزل دو دن کی چھٹوں والے مختصر گھر
تھے۔ کھول کیا حلقہ لادو جو عمارت کی فیملی رہتی تھی۔
یہ حصہ راکواری کی عکس تھا اور اس سے ملحق بھی تھا
خود میان میں کیت نصب تھا جس کو حلقہ لادو اور
منہ کے علاوہ کوئی پار نہیں کرتا تھا۔

”میں آگئی۔“ مہم نے کھاس پر بیٹھے شلہ زیب لہ
دور اور طاہر کو متوجہ کیا۔

”ماہم بھو! میرے پاس کیا۔“ شلہ زیب نے ہاتھ
میں موجود ٹیلیفون لڑائی۔

”میں اس سے نشانہ لیتا ہوں۔“ شلہ زیب نے
مہمات سے چکر ٹیلیفون میں دکھا اور درست کا نشانہ لیا۔

چکر لہے ترنگے درست کے پتوں میں لگا اور کھو گیا۔
پتلے دو دن شلہ زیب استوار ہوا پھر اچھا اور گل پر بھی

ٹیلیفون لے آئے تو مقابلہ شروع ہو گیا۔ لڑائیاں چکر ٹکر
اٹھنے کرشمی اور شیشی کرشمی ٹکر لڑنے دس بار کھنے پر
ایک بار موقع دیتے۔

مہم نے کھائی سے اپنی دائرہ دف گھڑی اندری اور
شلہ زیب کی ٹیلیفون سے بدل لی۔ اگلے روز مہم لڑا

چھوڑ کر ٹیلیفون لہے پہنچی تو لڑائیاں تارا اتار کے اور گرد
پہنچی تھیں۔ تارا اتار لڑنے کے برتن تیار ہی تھیں۔

سب لڑکیوں نے کبلی مٹی سے اپنی اپنی پند کے

سندھ چھڑی دو باروں سے چٹکا ہوا انڈیا آسمان جھاٹکا
تھا۔ آخر بڑی طرے کے جھوکے تر بھی پھست پاند
کھڑکیاں اور پچی چوہوں دواویں کھتے سرسبز خوشی
سے لہے پھانسیاں کا منظر دکھاتے تھے۔ کھنے کوہوں
زندگی پرست و شیشی تھی۔ انہی رنگینوں میں ایک تھا
فرشتہ ٹیلیفون ہاتھ اس کے ہاتھ میں سات و کھوں سے
تھی چھڑی تھی۔ کبھی مہم مٹی کے کھلے میں قسم قسم
کے پتے اور کھاس دیکھ کر کھٹکا پھلتی تو یہ چھڑی اس کی
ڈولی میں جاتی۔ جس سے دوہا آگ کے پتے پھٹتی

بھونکتی۔ کبھی پھاڑی کوہوں کو شیشی بنا کر کھٹکا پھلتی
ہو جاتی اور چھڑی کو پتے بنا کر تھانہ پالی چھٹے۔

رہتی۔ جب اس کی شیشی خیال کے دریا کے وسط میں
پہنچتی تو اسی چھڑی سے چھٹا پھلتی بنا کر شیشی میں پھیر

کر لی رہتی۔ اس پر پتی پتی ٹیلیفون کی سناٹا تھا کہ
فرنگیوں کے دو میں یہ کسی شیشی سرور کی ریشمیں

کی آرام کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ کھ
ایک مشینی اسکول بنا دیا گیا۔ ”ناتے“ سیاست اور

ضوریات کی بے شمار رد و بدل کے بعد اب یہ ایک
بورڈنگ اسکول تھا جس کی انتظامیہ کی طرح طالبات

میں بھی مسلم بیٹائی احتجاج تھا۔ تمام طالبات اور بیشتر
استاذہ طویل پٹیموں میں اپنے گھروں کو چلے جاتے تو

سوائے مہم کے اس نے تعلیمی سے دوستی کی تدبیریں
یکہ کی تھیں۔ اس کے ہاتھ سسٹر لڑکیں کا اسکاٹھ لگا

ہو لوڑنے پر اس کے چوہوں تک نکل گیا۔ اس نے
چھڑی پکڑ کر پری کی طرح جہاد کرنا شروع کر دیا۔

سارے جذبات ظاہر کر رہی تھی۔ مارکر پھٹس اور
 دو مری پتھروں سے اس نے کئی تصاویر بنوا لیں۔
 اسکول کھلنے کے قریب جب اسٹاف کا وہاں سے
 گزر ہوا تو ہام کی شامت آگئی۔ اگلے کھینے پر کھیل
 آفس کے سامنے تھا کھڑی ہام شرمندگی سے سوچتی
 رہی کہ اس سے غلطی کیا ہوئی۔ اس نے چند تصاویر تو
 پتائی تھیں جس سے بے رنگ دیا کر کیسے کھینے لگی
 تھی۔ اس سوال کا جواب سوچتے سوچتے اس کے اندر
 سے کچھ ناکارے کا سا ادب بھر چکا۔

زوردار آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ زاری سہمی ہام
 دروازہ سے لگی نظر پڑی تھی۔ اس نے شاید کوئی
 ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اس لیے کچھ پاؤں دوڑا تلی
 تھی۔

"کھینچ رہاں سو چاہے۔" ہام نے کہا۔

کمرے میں کوئی نہ تھا۔

"کھینچ رہاں سو چاہے۔" ہام نے کہا۔
 کمرے میں کوئی نہ تھا۔
 "شیرت کے ہاتھ میں سلاخیں تھیں جن
 سے وہ شیریں رہی تھیں۔"

"میں کیا کیسے نہیں سوئی گی۔" ہام کی آنکھوں سے
 گرم قطرے سوزی سے سرخ ہوتے گاموں پر بہنے
 لگے۔

"اچھا میرے پاس آؤ۔" میوزک نیچر زب نے
 کہا۔

"نہیں۔ اس کو اس کے کمرے میں سٹا کر آؤ۔"
 شیرت نے عدے میں بڑے ہونے کا حق استعمال کیا۔
 نیچر زبوں سے ہفت پہلے واپس آگئی تھیں تاکہ
 کورس بلائیک کر سکیں۔

مختصر چھٹیوں میں آخر کی لڑکیاں ضرور جاتی تھیں۔
 ان کو تفریح کرائی جاتی تھی اور ان کی ضروریات کا
 خاص خیال رکھا جاتا تھا تاکہ کمرے میں اور سڑیوں کی
 طویل چھٹیوں میں سب اپنے اپنے کمروں کو ضرور
 جائیں سوائے ہام کے اس بار کیمپ زب کی تو سیج
 اور کچھ انتظامی امور جن نیچر زب کے سپرد تھے انہیں ہام
 کی ذمہ داری بھی اضافی مل گئی تھی۔

برتن ہٹا شروع کر دیے۔ ہام نے پیٹ استعمال کیے
 اور برتن خوب صورتی سے کھلے ہوئے۔ اس روز
 جب ہام واپس چار دیواری میں پہنچی تھی تو کئی مٹی
 کھینچنے کی طریت لگی تھی۔ انسان مٹی سے بنے اور
 مٹی میں ہی جاتا ہے اس نے بھی مٹی سے تعلق جوڑ لیا
 تھا۔ کھیل کے میدان میں پہنچی کمرے میں کھاس پر مٹی اور
 سکون سے سو گئی۔ اس کے سکون کی حقیقی وجہ تین
 الفاظ تھے۔ شہساری جذبہ اور حوصلہ۔ یہ تینوں
 خوبیاں اس میں موجود تھیں جو جلد بخند ہوتی تھیں۔

آسمان نے آہستہ آہستہ سورج کی جلی بھولی مار
 اس کی خند میں غفلت نہ رہے۔ نکلی نے زور پکڑا تو ہام
 کی آنکھ کھل گئی۔ ذرے کے مارے وہ دھنچتے ہوئے اندر
 بھاگی۔ دورم کے قریب سسڑا تھا نظر آئیں۔ ہام ان
 سے اپنٹ گئی۔

سسڑا ہاتھ سے اس کے پاؤں میں پھنسی گھاس
 دیکھی۔ اس کے فرار پر پیٹ کے نشان تھے اور ناخن
 مٹی سے بھر چکے تھے۔

"کھینچ رہاں سو چاہے۔" سسڑا ہاتھ سے
 ہام کو کھینچ کر پہلی فرصت میں نیچر زب سے بات کی۔
 ہام کے بدلے سے گندے کپڑے اور اس کے قریب
 کی غلاف درزی کے چپڑے نظر اس پر ان چپڑوں کے
 ساتھ کھینچنے پر پابندی لگا دی تھی۔ سلاخی کی تھن بھو
 مینوں میں گھنواڑے لگائے تھے۔ کھیل تھا ہام اس
 پابندی کا مفہوم ہی نہیں سمجھ سکتی تھی کی وجہ سے
 رہنمائی اور پھر اس کے گندے سے کھانے والے مختلف
 ہوتے ہیں۔ اس کی شہساری فرق جبکہ میں بدل گئی۔

ایک تحقیق کے مطابق انسان کی توجہ کا دورانیہ
 صرف دو سیکنڈ ہوتا ہے وہ کسی بھی چیز پر توجہ مرکوز کرنا
 ہے تو ہر دو سیکنڈ بعد توجہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ نظر اگر
 ایک سیکنڈ پر لگی رہے تو اس میں تفصیلات نظر آنے
 لگتی ہیں۔ اس نے چھٹیوں کے بے شمار سیکنڈ میں کئی
 چیزیں جانی تھیں اور اب اسکول کی زندگی بڑی دلچسپ اور پر
 ہر

"رشتے کو اتاری قائم کرو بھٹنا بھایا جاسکے۔ آج ہم اس کو گھروالوں کی طرح سنبھالیں گے فراہمیت ہے کل بھی اس کو ایسے ہی افراتفری میں وہ کل کرے اس سے بتر ہے آج کر کر سنبھالنے کی تربیت دے دو۔ آٹھ سال کی ہے جھٹکی مل باپ بھی ہوتے تو اب تک اس کا کمر لگ کر چپے ہوئے۔" انہیں نے زب کی دانتی پر اس کو بھایا۔

رات کے اندھیرے پر میں ماہم ایک بار چڑھنے کے کمرے کا رخ کر دی تھی۔ اس بار اس کی آنکھوں میں خوف نہیں تھا پہلے اس میں خمار بنے کاوصلہ تھا تو اب اپنا آپ ظاہر کرنے کی ہمت آئی تھی۔ اس نے وہاں کھول کر اندھیرے کمرے میں بھاٹکا۔ سب گہری نیند سو رہے تھے۔

صبح شینہ جوتے پہنے گئیں تو معلوم ہوا ان کی چپل سے لون بندھی ہوئی ہے۔ سبز لون دی تھی جس سے کچھیلی رات وہ سو بیٹھیں رہی تھیں۔ انہوں نے لون کا برا بھلا اور چل پڑیں۔ لون طویل دلائن سے ہوتا تھا۔ تک جا رہا تھا۔ ان کی دونوں کی منت لوہر کر دیں پتی ہوئی تھی۔ آخری سرائیک جوتے سے جڑا تھا اور لون کی نرم مٹی میں سناپناں گڑی ہوئی تھیں اور وہ جوتے کی گت کے جھنڈے کی طرح گھرا رہا تھا۔ اس پر وہ بطور سزا ماہم کو گھنٹہ بھر سیدھے غصے پر بیٹھا رہا اور اگلے کی اونٹنی دی نہ چل سکا۔ کسی نے اس کو سہیلی ڈال دیا تھا۔



"سرا آپ کے لیے آخر بیٹھیں نہ لو لگ، یعنی سے فون ہے۔" سیکرٹری نے فون پر آئی کو اطلاع دی۔ "بھلا ملا۔" چند لمحوں بعد فون پر ایک زنانہ آواز ابھری۔ "خوش خبری۔"

کوئی نے سہکراتے ہوئے کرسی سے ٹپک لگائی۔ "آپ کو غصہ کیا گیا ہے اگلے سے پہرے اتر کے لیے صرف تین آسمان سوالات کے جواب دیجیے اور گھر بیٹھے حاصل کریں۔ اگلا بیہرہ اتر۔" انکس کی

کھکھلائی آواز پر توئی نے قہقہہ لگایا۔ "بیٹا سوال کہ آپ اس فریڈے کو کیا کر رہے ہیں۔ آپ کے آپشن ہیں، کچھ نہیں۔ قلعہ ہوں یا ہو گا بھی تو منسوخ کر دیں گے۔" "کچھ نہیں۔"

"دو سراسوال۔ کبھی آپ نے ایمان گزارا ہے جس میں جہل بھر کر آوارہ گردی کی ہو۔ کھانا کھایا ہو مگر چٹ پٹی چٹکی لٹو نہ جس سے جہنم بھر ہو۔" "نہیں۔" توئی نے سوچ کر جواب دیا۔

"آپ کا جواب درست ہوا۔ میرا سوال اس پہرے پر اتر کے دو ایمان حاصل ہے۔ جہل قہم کر بیٹھیں۔ سوال ہے کہ آپ کی سیکرٹری شادی شدہ ہے یا بیکر شادی شدہ۔" انکس نے ایک دم لہجہ سخت کر لیا۔ توئی جواباً غصہ پڑا۔

"نہیں۔"

"تو اب جواب قریب ترین ہے۔" "آپ جانتے ہیں ایک خوب صورت دن ایکسپین اور زندگی سے بھر پور فکری کے ساتھ گزارنے کا موقع تو مجھ کی صبح گیا ہا بچے رشتہ میں اور میرے انداز میں ایک دلچسپ دن گزار کر اس کو یادگار بنائیں۔"

"گھوکے میں پک کر لوں گا۔" توئی نے ہنسنے ہوئے فون بند کر دیا۔

"دوسرے دن ٹھیک گیا ہا بچے ایک فرائے بھرتی مونہا ٹیکسٹائل گیٹ کے سامنے دی۔"

"یہ آپ مونہا ٹیکسٹائل پر کیسے؟" پتلی بار توئی نے انکس کو حیران کیا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ قہم کے انداز سے دن گزارنا ہے۔" انکس خوش گوار حیرت سے ہانپک پتہ نکلی۔

"میں کچھ تحقیق کر کے آیا ہوں تو پہلے آپ کیا کھائیں گی؟ کھانے کی ذمہ داری ہے یا شکر قہم؟" کوئی کی یہ نئی اداسی انکس کو ہنسنے لگی تھی۔ "پہلے ہم تصویریں لیں گے۔"

”بہو حکم“ توئی نے ہانگ اشارت کردی۔ چند
 گھنٹوں بعد دوسرے قریب گھاس پر بیٹھے تھے۔
 ”بہت سادہ بعد میرا دل لگا اچھا گزارا۔ شکریہ۔“
 افش نے پوچھا کھاتے ہوئے توئی کو پیش کیا۔

”نہ تو میرا بھی بہت اچھا گزارا اکی سال بعد۔“ توئی
 نے کٹی پر زور دیا۔ ”میں سے پہلے میں ابا کے ساتھ
 ایسے گھوما تھا دل ہی جگہوں پر خوشی ٹھیلوں سے الم ظلم
 کھاتے ہوئے تب بہت چھوٹا تھا۔“ توئی سوچ میں
 گم ہو گیا۔

”تم اپنے ابا کو بہت یاد کرتے ہو؟“ افش نے

پوچھا۔
 ”ہاں ابا زندگی سے بھرپور توئی تھے۔ جوانی میں
 گمز سوار کیا کرتے تھے انہوں نے کبھی کلاویہ اور
 خانہ دل کے چنگوں میں اپنی زندگی اور شوقی نظر انداز
 نہیں کیے اور نہ ہی کبھی اپنے شوق کو ذاتی زندگی پر
 اثر انداز ہونے دیا۔ دل کو ڈال کر رکھنا آتا تھا۔ وہ بیمار
 ہوئے تو اسی نے ابا کی جگہ لینے کی کوشش شروع
 کر دی۔ انہوں نے بڑا سہی سوجھ بوجھ تو حاصل کر لیا
 مگر اپنی طرح زندگی جینے کا نہیں سمجھ سکے۔“ توئی
 رک گیا۔

”تم اس بات پر ان سے خفا ہو؟“
 ”میں میں خفا نہیں ہوں۔ صاحب! اس وقت کی یہی
 ضرورت تھی۔ نڈر نہ کم کرنا بچے کی مشکلات سے۔“ چار
 ہو سکتے تھے اسی نے ابا ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے
 نہ صرف کلاویہ جیٹا بلکہ اس کو ترقی بھی دی۔ بہت
 دل دینا بھول نہیں۔ محبت اور اصل پسندی کا ایک
 پتھر سا پایا اور اولاد کو قید رکھنے کی کوشش کی۔“

”مگر تم نے وہ بچہ تو ڈھلایا۔“ افش نے ہنس کر
 مائل دیا۔ ”تم نے اگ کلاویہ شروع کر لیا۔ اپنے
 چھوٹے بھائی کو بھی اور آزادی حاصل کر لی مگر یہ کتنا
 بزرگ ہو گیا ہے۔“

”کیوں؟“ توئی افش کے انداز پر ہنس دیا۔
 ”اب تو کسی لڑکی کو بھگنے کا سڑ بھی نہیں آئے
 گ۔ اپنا کلاویہ ہے۔ اچھا کھاتے ہو۔ ایسے میں

ایڈیٹر زلو میں کا کیا گزارا جاتا ہے۔“
 ”میں کاتہ سی لو کا تو مڑا ہے۔“ توئی نے نظریں
 افش کے چہرے پر گاڑ دیں۔
 ”بھڑکے۔“ لو اور دل کی کوکھ نہ کر نہیںیں۔“ افش
 نے نظریں پڑائیں۔

”تم نے مجھ سے تین سوال پوچھے تھے۔ میرا صرف
 ایک سوال ہے۔“ توئی نے سنجیدگی سے پوچھا مگر
 افش کی نظریں اٹھ چکی۔ ”کسی بھی سنجیدہ سوال کے
 لیے تیار نہیں تھی۔ رہتے کو کام دینے کے خیال سے
 ہی اسے پتہ کیا تھا۔“

”کیا تم ایک دانا چھوٹے انداز سے کڑاؤ کی؟“ توئی
 نے کھل افش کا گھاس بھل دیا۔

”کیوں نہیں میں ایک شرط ہے۔ مثل چھوڑنے
 سے پہلے مجھے آس کریم کھاؤ گے۔“ افش نے پہل
 کی فرمائش کی۔



”جکم رونق جہاں میرے موجود سوئی سوئی فائلوں کو
 اہل بیت کردی تھیں۔ سامنے بیٹھے حافی صاحب ہر
 فائل کے مطابق تفصیلات بتا رہے تھے اور رونق
 جہاں ایک اگ و انزی میں ہدایات لکھ رہی تھیں۔
 وہ نول افراد کو سامنے جانے کی پالیسی پر بھی تھیں۔
 لٹریچر ہو رہی تھیں۔ جکم صاحب مصروفیت کی وجہ
 سے چائے بھول بیٹھی تھیں اور حافی صاحب
 گھبراہٹ کی وجہ سے۔ جب بھی یہاں منہ تک لے
 کر جاتے تو بچہ یاد آتا۔ وہ لفظ تو کھنکھاتے کہے
 جاتے۔ اسی سبب قتل میں وہ جکم صاحب کے چند سوال
 نظر انداز کر گئے۔“

”حافی صاحب! آپ کا دھیان کہاں ہے؟“ جکم
 صاحب نے ٹھوس کھچے میں پوچھا۔
 ”وہ جکم صاحب! ایک بات بتائی تھی۔“ حافی
 صاحب نے ہونٹوں پر زبان پھیر دی۔

”جکم صاحب خاموش رہیں۔ وہ لفظ بھی متاثر کرنے
 کی قائل نہیں تھیں۔“

”کیا ہوں۔“ توی نے کہا۔ اور اسے لے کر دکان کے وسط میں رکھے بیٹھے کی میز نمائش تک پہنچا جہاں خاص خاص کتابیں موجود تھیں۔

”کوئین تصلو پر۔“ توی نے ایک کتاب کی جانب اشارہ کیا۔ افش واہ کہتے ہوئے آگے بڑھی اور آہستگی سے اس کے پتے پلٹے گئے۔

”واہ۔“ آجی اچھی کتاب مارکیٹ میں موجود ہے۔“

”میں جانتا تھا جس پسند آگے کی۔ بحث کرنے سے پہلے قصارے پڑھنے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا۔ توی نے غریب کی نیت سے کتاب اٹھ لی۔

”نہیں بھئی۔“ علم کا رخو کرنے کے لیے لاہوری موجود ہے۔ میں تو وقت کراؤں کو پڑھتی ہوں۔ میرے لیے یہ قابلِ غلط ہے۔“

افش واہ کہتے ہیں کہ میں چاہتی تھی۔ اس لیے توی کے قصارے کے بعد صبح کر دیا اور پہلے پسند کیا ہوا بکسوں میں بیٹھ کر مصری۔ جب غل ادا کرنے کی باری آئی تو افش نے واہ سے ممبر شپ کارڈ نکالا جس پر وہ نصف رعایت لکھی تھی۔ اس روز ان دونوں نے ایک دوسرے کی پسند کو لے کر دکانوں سے جانا تھا۔

آج کے لیے وہ ایک بر سکون ریستورنٹ میں آئے تھے۔ توی کو ڈر تھا کہ افش شاید نکلتاں سے کھائے جانے والے کھانے پسند نہ کرے مگر یہ ایک ضروری رسم تھا۔ افش نے ہا میو پیڑ سے آرڈر دیا۔ کھانا آیا تو توی نے مسب عدلت چھری کاٹنا پکڑ لیا اور افش نے ایک لوا سے چپ اسٹیکس اٹھائیں اور صلاوت سے نوڈلز کھانے لگی۔ توی کو اس کا ساتھ اسی لیے پسند تھا کہ وہ اسے چونکا دیتی تھی۔ ہر موقع پر اس کا مجبور غلط ثابت ہو تا تھا۔ اس وقت توی کے ذہن میں یہ خیال دوڑ رہا تھا کہ جب افش کی چونکا دینے والی باتیں ختم ہو جائیں گی تب اس تعلق کا کیا مستقبل ہو گا۔

”مجھے کتنا پڑے گا کہ تم نے مجھے کلن سر براؤ کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کا دن قصارے کے منقو

”وہ توی صاحب کے حقیقی ہات تھی۔“ حلی صاحب نوڈل جہاں کے مزاج سے غولہ ڈبو تھے۔

”مجھے انتظار نہ نہیں۔“ توی جہاں بیٹھیں۔

”وہ توی جہاں آج کل ایک لڑکی کے ساتھ کھوم رہے ہیں۔ کلن دو سنی ہوئی ہے۔ اکثر اچھے نظر آتے ہیں۔“ بیگم صاحب نے سامنے موجود فائل ڈور سے ہندی جس کی آواز سے حلی صاحب سہم گئے۔

”ہم سے تھکوا لینے والا ہمارا ایک ملازم ہے۔ جرات کرتا ہے کہ ہمارے بیٹے کے حقیقی ہمیں پتہ بھی کر سکتا ہے۔“ بیگم صاحب کی گردن کے ساتھ ان کی آواز بھی مزید سن گئی۔

”اس کو یہ حق حاصل ہے تو صرف اس لیے کہ اس کی بات کسی غلط نہیں ہوئی۔ یہ بات سچی ہے تو مجھے فکر مند کس بات پر ہونا چاہیے۔ اس کے لڑکی کے ساتھ پھرنے پر یا اس لڑکی کے ساتھ پھرنے پر۔“

جواب میں حلی صاحب پھر لڑ گئے اور دونوں پر زبان پھیرنے لگے مگر بیگم صاحب کی نظموں کی تاب نہ لائے اور بول پڑے۔

”در اصل وہ لڑکی بیسلی ہے۔“

بیلی چیخ کر افش کو دیکھتی ہی توی نے نوست کی وہ کیمرس کی غیر حاضری تھی۔ اس کے ہاتھ میں پھو چسا پر اس تھا۔ بلی کھے ہوئے تھے اور لہجہ داکے نوڈل ہوا تھا۔ یعنی وہ خود کھا رہے تھے کہ توی تھی۔ دی سی تصدیق تو لڑکی اذی دانی ہو گئی۔ بیٹھنے لگی کہ آج وہ تصلو پر بیٹھے نہیں بھرف توی سے ملنے آئی تھی۔

”کیا رادہ ہے؟“

”کچھ عجیبہ ہوئے گا۔“ توی نے شرارت سے کہا اور حیلہ ڈرا کے وہ دھکس افش کو پکڑا لیں۔

افش اور توی ڈرا سے کے بعد ایک کتابوں کی شاپ پر آئے تھے۔

”بہت خوب مگر میں یہاں نہیں کچھ اور دکھانے

ہو گا مگر ایسا لگ رہا ہے تم ان ساری چیزوں کا سلسلے سے
تجربہ رکھتی ہو۔ "توی نے ریٹورنٹ سے نکل کر
گازی میں منحرف کیل۔
"یعنی میں اوہ اوہ آراب سے رہوں تو بامٹ حیرت
ہے؟"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے مگر ایک ہی پہلے پہلے
ٹھیلوں سے وہی کچے کھانے خفیا پتھر گھنٹوں کے ٹل
پتھر کرڈنگ کی تصویر بننے والی تو کی انکھ ہفتہ وار
دیکھنے ایک لہک کھیلو رو ٹھیلر جاتی ہے اور اس کو
اندھیرے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سیٹ کون سی
ہے۔ کتب خریدنے لگتی ہے تو نمبر شپ کارڈ ہوتا ہے
جو کہ صرف اس صورت میں ملتا ہے جب کارڈ ہولڈر
پاکو کی سے ہزاروں روپے کی خریداری کرتا ہو۔ ایک
فائن ڈائن ریٹورنٹ میں جاتی ہے۔ مینو دیکھے بغیر
آؤر کر لے ہے اور چاہے اسک سے کھانے ہے تو حیرت
تو بجا ہے نا۔"

"کیا یہ دوسرے الفاظ میں مجھ پر وہی زندگی چھنے کا
اثر ہے؟"
"نہیں مگر شکوہ ہے کہ اپنا یہ انداز پہلے کیوں نہیں
دکھایا۔" افش چند لمحوں کو چپ رہی پھر سوت سوچ کر
بولی۔

"تو آج تمہارا یہ شکوہ بھی دور کر دوں۔" افش نے
اس دوستی کو داغ لگایا۔

"یہ کیوں لے گئی ہو۔" توی نے گازی ایک مائل
شکل مگر کے سامنے روک دی۔

"مجھے یہ علم غلط کرل ہے۔" افش نے پرس
سے کمرے کی قلم نکالی۔

"یہاں۔۔۔ یہ تو کسی کا گھر ہے۔" توی کو اس کی
متل پر قہقہہ ہوا۔

"یہ میرا گھر ہے۔" افش گازی سے اتر گئی اور پرس
سے چابی نکل کر اندر داخل ہو گئی۔

"میں شرمیں تمہارا گھر ہے تو باطل میں کیوں رہتی

ہو۔" توی کچھ دیر جھکا پھر جیسے ہولیا۔
افش رازداری سے قدم پھرا رہی تھی۔
"تمہارا گھر ہے تو سامنے کے دروازے سے
کیوں نہیں جا رہا۔"
"کیوں کہ میں نہیں چاہتی، میرا کسی سے سامنا
ہو۔"

"میں باہر انتظار کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ تھا گھر
میں جاتا توی کو نا مناسب لگا۔

"تو روک۔" افش نے چاکر آگے بڑھ گئی۔
توی نے اور گھر کے سلسلہ کوئی نظر نہیں کیا۔ ہر کسی
نے دیکھا تو زبان مسئلہ ہو سکتا تھا اس لیے آگے بڑھ
کیا۔ داخل ہوتے ہی وہیں پہلے ایک دروازہ تھا جس
پر ایک چار سا نوٹس لگی کا ٹیکر لگا تھا۔ افش نے ایک
اور چابی سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کمرے
میں شدید ٹھنڈ کا احساس تھا اور کبھی کوئی روشنی کا
ذریعہ نہیں تھا۔ افش نے ایک سرخ بلب روشن کیا
اور قریب ہی میز پر اپنا پرس اور دو چار رک کر بلب بانٹھ

توی نے جائزہ لیا۔ کئی ٹیکر لگی ہوئیں کچھ نرسے
اور کچھ مشینیں موجود تھیں۔

"یہ میرا ڈارک روم ہے۔ یہاں میں قلم و دھوتی
ہوں۔" افش نے کہا۔

"وہابی ڈارک روم ہونے سے جین ہو کیا کہ یہ
صرف تمہارا شوق نہیں بلکہ پھین ہے۔" توی نے
ہلکی پھلکی محفل سے باہر کی ٹھنڈ دور کرنے کی
کوشش کی۔

"معلوم ہے مجھے یہ شوق کب ہوا؟" افش نے اوپر
سے درل کا سٹک کھولا۔

"جب میں کیا وہ سلی کی تھی۔" می نے کہا کہ وہ
ملک سے باہر جا رہی ہیں۔ کئی ہدایات نصیحتوں کے
ساتھ ایک فریاض تھی کہ میں ہر موقع پر ان کو اپنی
ایک اچھی سی تصویر بھیجوں۔ میں نے اس کو ایک
مغفلہ سمجھ لیا اور پہلا کیمرا خرید لیا۔ "افش لب درل
کھول کر ٹھکڑوں میں کٹ رہی تھی۔

آنسوؤں کی جہان ملک تشہیر کے قانون کرنسی کھاتے
ہیں۔ اپنے اس جذبہ خدمت کی خودی قدر دانی کرتے
ہوئے اس کرنسی کا بڑا حصہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع
کرواتے ہیں۔ "افش کے چہرے پر غصہ تھا۔
"یعنی ان سے تمہارا اصولی اختلاف ہے؟"

"ان سے میرا ہر درجے کا اختلاف ہے۔ اولاً کو نام
اور پیر۔ دہائی نہیں ہو گا۔ میں نے اپنا دوسرا کیمبر الیا
اور ہر اس چڑی تصویر لی جو میری زندگی میں نہیں تھی۔
اس طرح مجھے کیمبر سے محبت ہو گئی۔ ڈیڈ کے ساتھ
اختلاف کو پس پشت ڈالنے کے لئے میں نے اپنی راہ
بدلی لی اور باغی میں شغف ہو گئی۔ اب میں بچکے چار
سال سے اپنی پندرہ کی زندگی گزار رہی ہوں۔ لہجے
سے کہاں بچکے پر دشمنانہ ہے۔ بے اس کے ہر لطف
ہیں کیونکہ مجھے صرف چار سال اس ہر لطف زندگی کے
میں ہیں۔ دوسرے بچے کے ریپورٹ میں کہاں
ایک کلوزڈ قلب کی طرح کلاس رومز میں نے ساری
گورنمنٹیں ہیں۔ "افش نے تقریباً "ساری ریل وصولی
کی۔ جس طرح تصویریں دھل کر ادھوریں ہو رہی تھیں
اسی طرح قوی کی تقریریں افش کی زندگی واضح ہو گئی
کی۔"

وہ افش بوز فحمی۔ ایک ہر کن فیملی کی ڈسٹریڈ
لڑکی۔ جس نے زندگی میں اپنی راہ خود چننے کی تھی۔
جو آدمی کی زندگی اور خاندان سے کہیں میل نہیں
کھاتی تھی مگر پھر بھی قوی کو اس سے محبت ہو گئی
تھی۔



چھٹیاں ختم ہوئیں اور بورڈنگ کی رونق بحال
ہو گئی۔ ہم جماعتوں کی دواہی کے بعد باہم بہت سکون
سے رات گزارتی جبکہ دوسری لڑکیوں کی ابتدائی راتوں
میں مدھم سکھائی ڈورم میں سنی جاتیں۔ اسکول سے
بے حد محبت بھی کمرے سے چلائی کا کام کم کرنے میں وقت
لگتی تھی۔ پھر جب دو مہینے میں آہستہ آہستہ اس نے اپنے
وقت ہی نہیں مٹا تھا۔ سلت بچے بقیات گل کر کے

"شاید ہی اس کیمبر سے میں نے کوئی تصویر
لی تھی۔ ہوائی البتہ میں نے اسے خوب استعمال کیا۔ ہر
موقع پر کسی نہ کسی کو پکڑ کر اپنی تصویر کھینچوائی۔ میرے
ماڈم سبھی سب تصویر کھینچنے میں مشغول ہو گئے
تھیں۔ بے اس میں بھی کبھی کبھی اپنی تصویر کھینچتیں۔ کبھی
بکچن میں، کبھی کھلم کرتے ہوئے اور زیادہ تر تقریر
کرتے ہوئے میرے ذہن میں کبھی یہ سوال نہیں آیا
کہ ان کی تصویر کون لیتا ہے۔"

افش اب تشنگین کی مدد سے ریلیٹو کا عکس ایک
بڑے کاغذ پر انکروی رہی تھی۔

قوی خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔
"مگر میں کی تصویریں آٹام ہو گئیں تو بھی میں اپنی
تصویر کھینچتی رہی۔ جب میں تیرہ سال کی ہوئی تو کسی
نے مجھے بہت ساری تصویریں بھیجیں۔ لکھا تھا پوری
رہلی ہی پست کر دی ہو۔ ساتھ ایک مبارکباد کاغذ
تھا۔ میرا بھائی ہوا تھا کسی تصویر میں وہ اکیلی نہیں
تھیں۔ ان کی گود میں ایک بچہ تھا جس نے میری جگہ
لے لی تھی۔ "افش اب کیمیکل کی نرسے میں تصویریں
کاغذ بھردی تھی اور اس پر آہستہ آہستہ تصویریں
رہی تھی۔"

"ڈیڈ سے طلاق انہوں نے جانے سے پہلے لے لی
تھی۔ ان تصویروں کو دیکھ کر مجھے اس جان بھری اور
مہی کی بھی پلنگہ کی ہو گئی ہو۔ "ڈیڈ ہم دو تھی نے اس کی
آنکھوں کی نمی کو چھپا رکھا تھا۔"

"اس کے بعد میں نے کبھی بھی اس کے لیے تصویر
نہیں کھینچوائی اور مجھے میں کیمبر انڈیالا۔ "ڈیڈ اور ایک
تار لگی ہوئی تھی جس پر بے شمار کلب تھے۔ افش نے
ایک کلب کی مدد سے تصویر سو کھینچنے کے لیے انکروی۔"

"میرا شمار سٹاف؟" قوی نے پوچھا۔

"میں سے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی تصویریں
رشتہ تھا۔ دہائی پاکستان میں انکروی میں سب سے بڑی این
جی او چلاتے ہیں۔ تم نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہو گا
کیونکہ ان کی دوا دوا دوا کی طرح ان کے ڈونر بھی
اسپرڈ ہیں۔ یہاں موجود ضرورت مند یہاں ان کے

سب سونے کو لینے تو کئی سسکیاں بلند ہوئیں جو دم ہوتی ہوتی جھگڑ گئیں۔ باہر نئی تھی اس لیے اس کی توازن آخر تک آتی رہی۔ پلے نام کے بعد ہاتھیں کرنا سختی سے منع تھا مگر وہ نام ہی گیا جو اصولوں کے آگے جھک جائے۔ دیکھتے چند سالوں سے اپنی اصول توڑنے کی عادت کی وجہ سے اس نے انتظار کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آہستگی سے بستر سے نکل کر صلیب کے بستر میں گھس گئی۔ خوش قسمتی سے پردا سر کے کئی توازن کسی نے نہیں سنی۔

"ابھی نئی ہو" آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔"

نام نے سر کو گھٹی کیا۔
 باہر کی مٹی کی چار سال پہلے وفات ہو گئی تھی۔ وہ سال پہلے باہر کے پلانے وہ سری شادی کر لی تھی۔ اب اس کے خواب کو طوطا خاطر رکھتے ہوئے ان کے رشتے میں رواجی سوجھاپن نہیں تھا بلکہ شوکر کو نہ بھلاؤ تھا۔ سال پہلے باہر کا وہ سرا جھلی پڑا ہوا تو اس کی مٹی نے اب اس کا اس سے تعلق کا ایک اور تضاد پران کیا اور باہر اور اس کے بڑے بھائی کو پورے ٹنگ بھیج دیا۔

اسی رات ان دونوں کی خوب لڑکھائی ہو گئی۔ ٹانگے اور پرحال کے بعد وہ بالکونی میں کئی کتاب کے ساتھ بیٹھ جائیں اور گیت سے آتے جاتے والدین کو دیکھتیں۔ اہوار کے دو والدین میں سے ایک بچے ملے آتے اور چاہیں تو کچھ کول کو خواب آگاہ تک ساتھ لے جاسکتے تھے۔ نام کو کسی کا انتظار نہیں ہو گا تھا مگر بھی وہ والدین کی تھوڑی سی مصلحت کا منہ دیکھتی اور اپنی جگہ میں تنگ میوڑوں کو چھٹکوں سے آزاد کر رہتی۔

"خیریں! تم اور مر گیا کر رہی ہو۔ فون کل کا انتظار نہیں کرنا؟" نام نے اپنی ہم جماعت کو توازن دی۔

جن کے والدین اور شہول میں مقیم تھے وہ فون کے اور گرد جمع ہو کر فون کا انتظار کرتیں۔ بس پر انہیں صرف پانچ منٹ بہت کرنے کی اجازت تھی۔

"نہیں! ابھی کل میں آئے گی۔" خیریں قہقہہ آگئی۔ "یہاں انکسٹن میں مصروف ہیں اور تمی دینی کئی ہوئی ہیں۔"

"یہ یعنی اس میں تم ان کو نہیں دیکھ سکو گی۔" نام نے اسے قہقہہ سے توازن یاد دہانی کی گواہی پیش کی۔ "من کو دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ کل کے اخبار میں ان کی کئی تصاویر اور بے شمار سیاسی بیانات ہوں گے۔" خیریں کے کچھ میں اس کے نام کے برعکس تاثر تھا۔

"وہ نہ آئیں تو سرخیاں لگتی ہیں۔"

"مگر میرے والدین جب آجائیں تو سرخیاں لگ جاتی ہیں۔" سارہ نے قہقہے سے آتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ باہر بھی تھی۔ سارہ کے والدین بھی دنیا کا معروف طبقہ تھے۔ یاد تو تھا کہ وہ جب اس سے ملے آتے تو کثافت دم تک صدمہ جاتی۔

"تو اس وقت شانت۔" باہر نے قہقہہ کو دیکھ کر اس کا اظہار کیا۔ "خیریں چائنا آئی ہے؟"

"اس میں کیا مشکل ہے۔ بس شانت لے کر بچھو۔" نام نے باہر سے کچھ کہہ دیا۔ جو طاقت سے زمین پر لگا اور اس کا جھلکاٹ کیا۔

سب نے باری باری قسمت آزمائی کی۔ جب نام کی باری آئی تو شانت لینے کے لیے سب نے الگ الگ جگہیں تجویز کیں۔

"میرے پاس بستر کنڈیا ہے۔" نام نے شرارت سے کہا اور پدام چھوڑ کر مونا اخروٹ پکڑ لیا۔ نیچے زنب سہان اپنے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ جاری تھی۔ نام نے پوری طاقت سے اس کے سر کا نشانہ لیا جو اس کی کمر پر لگا اور وہ بچی کرا چلی۔ چاروں لڑکیاں بالکونی کی رنگ کے پیچھے چھپ گئیں۔

نام کو زنب سہان جیسی لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ پرحال میں وہ میاں دے رہے تھے جسے مگر باہر کو اب کی وجہ سے بچے اس کو بے حد پسند کرتی تھیں جو نہ خود قانون توڑتی تھی اور نہ کسی اور کو توڑنے دیتی تھی اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جس کے والدین اہوار کو ہاتھ دیکھنے سے ملے آتے تھے اور اگر نہ آئیں تو انہیں چاہے جتنی بھی مصروف ہو فون خود کرتے تھے جن کے لیے اہوار

کو دس بہت دیر سے پہنچے اور سویرے بہت جلد غروب ہو جاتا تھا جن کے دوسرے رشتہ دار بھی باقاعدگی سے خط اور کارڈ بھیجتے تھے جن کو لے کر وہ دوسرے کانٹ میں خوشی سے اترا پھری پہلی شخص ان کے خاندان کے کئی افراد نے اس ادارے سے حلیم زینب نے گیت بار کرتے ہوئے ہم کو دیکھ لیا۔ اس کی نظر سے ہم کو کچھ کاٹھنل احساس ہوا تھا۔

ہم کو سسٹر ویلن اپنے آئس کے باہر بے چینی سے ٹھل رہی تھیں۔

اسکول کی چھٹیاں ہوئیں تو والدین اساتذہ سے پروگریس رپورٹ لے کر بچوں کو مہر لے جاتے تھے اس روز کچھ مختلف تھا۔

”مگر تم نے سلمان بیک کر لیا؟“ سسٹر ویلن نے زور مزیں دہنے والی سسٹرز سے پوچھا۔

”جی۔ سلمان جانے کے لیے تیار ہے۔“

”سلمان کی حاضری ملنی ہوگی۔ میرے آفس سے مونیکا سٹو کی دھمکا شدہ ہائی گیند غائب ہے۔“

گیند اسکول کی ایک سہولت طلبہ نے پرو فٹیش باگی میں پھمکے کے بعد بھیجی تھی جو شیپٹے کے مٹس میں محفوظ رہتی تھی اب وہاں بار کرے تین بچوں والا پھول پھوٹا ہوا تھا جو چور کی نشانی تھی۔

”تو بہت اچھے خاندان کی لڑکی ہیں وہ چوری کیے کر سکتی ہیں۔“ سسٹر ہار کا اپنی ترغیب پر بھروسہ تھا۔

”یہ ہی تو حیرت ہے کہ ان کو کچھ نہ جانے کا سر قدر انتظار ہوتا ہے اور۔“ سسٹر ویلن نے غصہ میں زور دیا۔

”ہم کھلے ہے؟“ وہ معاملہ کی تہ تک پہنچ گئی تھیں۔

”ہم بھی اپنا سلمان ضرور بیک کرتی تھی۔ چاہے چند گز دور جا کر دوسرے کمرے میں کھانا کھول دے۔“

”سلمان کے کرنے تک نہیں۔“

”ہم سلمان کھول۔“

”ہم جانتی تھی کہ اس حقیقت کا کیا مقصد ہے اس لیے اس نے دوسرے کمرے میں لٹکی اور جیب سے صرف وہ گیند نکل کر بھاڑی۔ کمرے میں شدید جاکڑ تھا اور ہم زمین

پر نظریں گاڑے کھڑی تھی۔

”میں تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ سسٹر ویلن سزاوارے کر اڑدیکھ چکی تھیں اس لیے پیار کی زبان آدھلی۔

پھر نہ ہم نے آسودگی پر بند نہ مٹا دیا اس نے اپنے الفاظ روکے اور قہم احساسات بتا دیے کہ کس طرح اس کو اکیلے رہنے سے خوف آتا ہے اپنا خاندان نہ ہو اس کے لیے دکھ کا باعث ہے وہ گیند جو اگر اپنی سیلیوں کو جانے سے روکنا چاہتی تھی۔

ہم کے چپ ہونے تک سسٹر کو تسلی دیتے رہے کسی نے اس کی اس حرکت کی سزا نہ ملنی بلکہ کاغذات نکل کر باہر باہر تھی تو اس نے ایک نئی بات

یہی کہ خلاف توقع کام کرنے سے توجہ ملتی ہے۔

اسی بات کو لے کر سسٹر ہم گیت کے قریب تھی اسکول کی کھڑی زور زور سے جھانپے ہوئے لوہی تو از

میں گھٹا گئے تھی۔ گاڑاں میں بیٹھے والدین نے ایک سڑی گھبراہٹ والی تو ہم کے خیال کی تصدیق ہو گئی کہ خلاف توقع کام کرنے سے درحقیقت توجہ ملتی



گھر کے باہر گاڑیوں کی ایک قطار تھی اور اندر لان کے پاس چند بیٹھے تھے دار تک دم میں خواتین

سارے بچڑے اپنے اپنے انداز میں بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ تو سب چیزوں سے نظر بچا

کر بیڑیوں کی جانب دیکھا۔

”توئی! بات سنو۔“ بیگم رونق جمل نے تیسری بیڑی میں اس کو آواز دی۔

”جی۔“ توئی نے کوفت سے کہا۔

”مگر میں قرآن خوانی ہے۔“

”وہ کچھ رہا ہوں۔“

”تم بھی وضو کر کے سارا پڑھ لو۔ اس میں

تھما دے اب کی بری ہے۔ ان کی دھن کو جواب دینے

”جی۔“

”جی! چھل۔“ توئی کی کوفت غائب ہو گئی تھی۔

تھا مگر بلاوا آجائے تو کچھ نہیں ہوتا۔ سارے کام دھڑے کے دھڑے رہ جاتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے اخبار میں پڑھا۔

"تو یہ لایا جیسا شخص بھی نہیں دیکھا۔ کوئی کوئل کے ساتھ مل کر آیا کوئلہ کرنے میں لطف آتا تھا۔"

"تمہارے لایا جیسے ایک اور شخص تھا۔ صدیق صاحبہ تمہارے لایا جیسے ان کے سبھے مزاج اور قسم کی تعریف کرتے تھے۔"

"صدیق صاحبہ وہ فکرو خواہ لے؟" کوئی نے تصدیق کی۔

"ہاں وہی۔ کل ان کی بیوی اور بیٹی بھی آتی تھیں۔ بہت پیاری بیٹی ہے۔ کم عمر ہے۔ لڑکی ہے۔ بالکل اپنے خاندان کی طرح سلیقہ رکھتی ہے۔ اور فہم بھی۔ نو شین نام ہے۔"

"وہ تو جلدی کا پتہ ہے۔" کوئی نے کہا۔ "یعنی یہ بہت سے متعلق لایا کا ذکر ہے۔ سب ایک دھندلا تھا۔ وہاں نہیں آتی تھیں۔ بلکہ ایک باہر بڑا جس دامن کی طرح ماحول ترتیب دے رہی تھیں۔ جس میں ان کا پر پور مل رہا ہو۔"

"میں نے شادی کے متعلق سوچا نہیں اور ایک گھریلو سلیقہ شعار لڑکی سے شادی کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔" کوئی نے کہا۔ "بچہ میں کڑواہٹ تھی۔"

"تو اب سوچ لو اور ارادہ بھی بنا لو کہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ نو شین ہی اس گھر کی ہو جائے گی۔"

وہ تو جلدی خند میں بھی اس کی کہیں تھیں۔ "میری زندگی کا فیصلہ میری مرضی سے ہو گا۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔" کوئی کا جواب بلند ہو گیا۔

"یہ اہم نہیں کہ فیصلہ تمہاری مرضی سے ہو یا میری مرضی سے۔ اہم یہ ہے کہ اس فیصلے میں تمہارے لایا کی مرضی شامل ہے۔" وہ تو جلدی نے کوئی کا جواب اسی پر استعمال کیا۔

"تم اپنے لایا اور ان کی بیٹی کو اچھی طرح جانتے ہو۔ اپنی شریک حیات کا انتخاب کرتے ہوئے یہ سوچ لو کہ جس قسم کی لڑکی تمہارے لایا کی ٹیڈیل ہو شہرت

"لایا ہے مجھے نہ کو اپنے کمرے میں ہی پڑھ لو۔" وہ تو جلدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بار بار انگ

روم میں چلی گئیں۔ اس بات میں کوئی حکم تھا نہ کوئی روک۔ اس لیے

عمل کرنے کا بل بھی پورا ہوا تھا۔ کوئی نے لڑا کر وضو کیا اور عرصے بعد قرآن پڑھا۔ مفضل کے اختتام پر بیگم وہ تو جلدی کوئی کے کمرے میں آئیں۔

"آپ نے کیوں یہ چھپا چھپا کر مجھے بلایا ہوتا۔" کوئی کو شرمندگی ہوئی۔

"مجھے بہت سزا دیا ہے میں مجھ پر۔ تمہارے لایا کے کسی اور عرصے کا یہ سلیقہ سلیقہ تک پہنچانے ہیں۔ اتنی جلدی بہت نہیں پھر سکتی۔" کوئی نے محسوس کیا کہ پچھلے دو دنوں سے گھر میں اس کے لایا کا ذکر زیادہ ہو رہا تھا۔

"میں تو بس تم سے تمہارے دفتر کا بل پوچھنے آئی تھی۔ کام کر گیا؟"

بیگم وہ تو جلدی نے بہت سکون سے کوئی سے اس کے کام کے متعلق سوالات کیے۔ کچھ مسئلہ پر مشورہ کا جواب دیا۔ خیال ہوا اور پھر شب بھر گئے ہوئے چلی گئیں۔

صبح کوئی جاگت سے دائیں تیا تو پچھلے دن کی مفضل کے کئی اثرات مسخ ہو چکے تھے۔ جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحبہ اب تک ان میں بیگم صاحبہ پڑھ رہی تھیں۔ کوئی نے کوئی دیکھی۔ اس وقت تو وہ ناشتا کر کے جا چکی ہوئی تھیں۔ مفضل پچھلے روز کی تھکاوٹ کا اثر تھا جو آج بغیر کوئی سلیقہ نظر نہ آتا کہ کے گزرنے کا گھر قریب پہنچ کر اس نے لایا تبدیل دیا۔

"اسلام علیکم۔" کوئی نے سلام کیا۔ "میرا نام اس کے لیے لایا۔" کوئی نے جواب دیا۔ "میرا نام اس کے لیے لایا۔" کوئی نے جواب دیا۔ "میرا نام اس کے لیے لایا۔" کوئی نے جواب دیا۔

"تمہارے لایا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا معلوم انہوں نے زندگی میں کیا کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہوا

”ٹھیک ہے فریڈے کے بعد کسی دن پھر لگاتا ہوں۔“ توی کے کچے میں جھجک اس کی شرمندگی کی علامت تھی۔

ایش نے فون بند کر کے دوبارہ خط پر نگے غیر محلی ٹکٹ کو دیکھا۔ اس کے پاس خط کا جواب دینے کے لیے محدود وقت تھا اور وہ توی سے بات کرنے کے بعد ہی فیصلہ کرنا چاہتی تھی کہ کیا جواب دے۔

توی انگے پٹختے بھی اس سے نہ مل سکا۔ جس کی کچھ وجہ مصروفیت تھی مگر زیادہ تر اس کی روزانہ زندگی وہ اپنے گھر میں چلنے والے معاملے کی بجائے فی الحال اس کے نہیں جاننے والا چاہتا تھا کہ اس کے سامنے کرنے سے پہلو تھی کر رہا تھا۔

ایک پٹختے بعد بعض نے دوبارہ فون کیا تو توی اس وقت آٹھ میں نہیں تھا۔ اس لیے بات نہ ہو سکی۔ فون دیکھ کر ایش نے جب اٹھا لیا اور بی سی او کا سہ کیا اس کو جیون ملک فون کر رہا تھا جو ہاسٹل سے کہیں کر نکلتی تھی۔ اس نے خط کا جواب سوچ لیا تھا اور جواب لکھنے سے پہلے اس کو اپنی می سے بات کرنی تھی۔

سوئیچ کے ظلم اور غروب ہونے کے انتظار میں سختی زندگیوں ابتدا سے انعام کی مسافت طے کر چکی ہیں۔ وہ پناہ بھی کئی ہستیوں کے عین وجود والے کے شلہ تھے۔ ان میں بسنے والی ایک اور زندگی بچپن سے جوانی کی مسافت طے کر چکی تھی۔ کبھی وہ ایک مختصر شہرین کر اس سنگدل زمین کو اپنے قدموں سے گد گداتی تھی۔ پھر بچپن کی جگہ العزیز نے لے لی۔ اب نوجوانی کے ساتھ اس کے مزاج میں ایک توہم بھی آیا تھا۔

اس کے انداز کے ساتھ ساتھ اس کا چلہ بھی وہ سوال کو متوجہ کر رہا تھا۔ بندہ جوتے اس لیے پہنتی تھی تاکہ قدم جگا کر چل سکے چیز کے ہاتھ لو جگا کر دھاگے نکالے ہوئے تھے اور ٹکٹوں کے آرور ٹکٹیں مار کر دے کئی انگریزی کی شہر عمارتیں اور نقش و نگار

ہو سکتی ہے ایسی لڑکی جو اس گھر کو سنوار کر رکھے یا ایسی لڑکی جو ہمارے ذہب اور روایات سے ہی بخلاف ہو۔ تمہاری اپنے مرے ہوئے باپ کی خاطر یہ زبرداری ہے کہ اوپ کو اب کو خود سری طور پر دھکے پین پر ترنہ۔“ دوق جہاں کا تیرنہ لگاتے ہوئے لگا تھا۔

”ابا کے لیے میری خوشی اہم ہوئی۔“ توی اپنی دل کی مسلمات جان کر دم سمجھے میں بولا۔

”میرے لیے بھی تمہاری خوشی اہم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں وہ اندیش ہو کر دیکھ رہی ہوں کہ تمہاری دنیا خوشی کس میں ہے اور کیا وہی دل لگی ہے جس سے چند روز میں خود تمہارا سامنے کھٹنے لگے گا۔ اگر تمہارے ابا ہوتے تو تمہیں بہتر طور پر قائل کر سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ تمہاری کیا تھا ابا کا وجود نہ ہو کر بھی وہ ہم میں ہیں۔ ان کے فیصلے کا احترام ہم پر لازم ہے۔“ دوق جہاں نے بات مکمل کی تو ان کی آنکھوں میں دھندل چکی تھی۔

”میں نے صدیقی صاحب کو کہہ دیا ہے کہ اس کے ہمراہ کے گھر آئیں گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر تم ٹکٹوں سے پہلے اس سے ملنا چاہو۔“

”شکایت دینا اور بی بی لو۔“ دوق جہاں کھاس توی کو جھاکر اندر چلی گئیں۔ اسی اہم کام کے لیے انہوں نے تو جاکھنہ مقرر کیا تھا اور اب چالیس منٹ ہو چکے تھے۔

ایک ہاتھ میں فون پکڑے اور دوسری مٹھی میں ایک خط تھا۔ ایش نے چینی سے اپنے پاؤں کے پتھروں پر جھول رہی تھی۔

”اس فریڈے کو میں مصروف ہوں۔ چادر بھی نہیں مل سکتی۔“ توی نے فون کی دوسری طرف ہذر چٹس کیا۔

”ٹھیک ہے پھر ہفت یا اتوار کو کسی بھی دن آسکو۔“ ایش نے ظاہر نہیں کیا کہ اسے ضروری بات کرنی ہے۔

”کوئی نہیں یاد کرتے کہ ہم جس بات سے کیا مسئلہ ہے۔ چھوڑا ہے۔ پریشان نہ ہو۔“ اس کے دوستوں نے چند منٹ کی لامحالہ تلاش کے بعد اس کو تسلی دی۔

خضر جانچتا کہ اس کے دوست بغیر کے اس کی تمام ضرورت کا خیال رکھیں گے اور خائیں گے بھی نہیں سہرا اس ہونے میں اپنی اتنا اور خود داری بخولایا تھا تو کم ہو چکی تھی۔

خضر نے طے سے واپس چیتے ہوئے اس دہلی پتلی لڑکی کے بارے میں سوچا جس کی لڑکی کی وجہ سے وہ اس کی فعل میں رہ گیا تھا۔



”ہم کو کلاس کے بیچ میں اجس پہنچنے کے لیے کہا گیا اس لیے اور اپنی طور پر اپنی آنکھ کے اوپر چوٹ کے نشان پر اٹھ بیٹھی۔ تین مہینے سے اس نے کوئی فعل ذکر شہادت نہیں کی تھی۔ پھر یہ دعوت ملے کہیں ملے۔“ اسی شخص و بیچ میں اس کی بیٹی کرے میں بائیں طرف سر جھکا کر دیکھی گھڑی تھی۔ قریب سو سے پر سہا ہاں میں اس کے خالہ خانہ بیٹھے تھے۔

”ہم اور کیا اسکول سے جاری ہے۔ آپ کی اس سے دوستی ہے اس کے جانے سے پہلے میں۔“

”جیل اپنی کری پر بیٹھی کہہ رہی تھی۔“

”کیوں دیکھی آج کیوں جاری ہو؟“ ہم نے دوتی ہوئی دیکھی کوٹھے دکھایا۔

”کیوں کہ یہ چور ہے اس نے میرا لاکٹ چرایا تھا۔“ کمرے کی دایمیں جانب ایک جلی پہنچی تو اس نے جواب دیا۔ ہم نے مڑ کر دیکھ کر زنجب دیکھ کر ایک ہاتھ میں اپنا جینی لاکٹ کے ٹھسے سے کہہ رہی تھی۔

ہم کی آنکھوں میں بھی آنکھ دہکنے لگے۔ زنجب دیکھ کر جیسی لڑکیوں جن کے پاس گھر یا اور تحفظ ہوتا ہے وہ دیکھی جیسی لڑکی کا نام کیسے جان سکتی تھیں۔

”میں یہ کوئی غلطی ہے دیکھی جارہی ہے۔“

رکتے والے خاندانی ریموں میں اس جیسے وہ جاری تھے جو اس کا شب پر اس منگے اورے کا حصہ بنے تھے۔ لیکن تعلیمی اور دل میں دوستی خیالات سے جتنی ہے اس لیے خضر اور اس کے دوستوں نے طبقاتی فرق پر بحث نظر انداز کیا۔ یہی کلام کے پیچھے کے فراموش ہوئے تو تعلیمی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک یا دو گار تقریر تو ان کا حق تھا۔ خضر تو برسوں سے تعلیمی زندگی کے جھیلوں کو گزار رہا تھا اس لیے اس تقریر پر سب سے زیادہ حق اس کا تھا۔ اس نے ہائی بھلی کیونکہ اس سمیت کسی بھی لڑکے کو کمرے کا گراہ نہیں دیتا تھا۔ اس کے ایک دوست کے والد کی کہانی نے کچھ بچتے پہلے ایک ہونے ورہے کی کانفرنس منعقد کروائی تھی جس پر ہونے والوں نے چند کمرے کھلیے۔ خضر نے دیکھے تھے جن سے وہ کانفرنس اٹھائے آئے تھے۔ خضر نے دسویں پارٹیا ہوا کھول کر دیکھا ہونے میں حسب ضرورت رقم موجود تھی۔ جو اس نے پارٹیا نامہ باب کر کے جی کی تھی۔ وہ محنت سے جوڑی ہوئی رقم ضائع نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنے صبر کا پھل بخور رہا تھا اس لیے وہ تمام حقیقی خیالات کو جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ کسی بھی چیز کو اپنی تقریر کے دور میں جان سکتی نہیں ہونے دیتا چاہتا تھا اس نے سچ سے اپنے کرائی یا کلمہ کو دوبارہ سیدھے کیے جو پانچ گھنٹوں کی مسافت سے آکر کھائے تھے۔ اچانک ایک دہلی پتلی لڑکی اس سے آکر کرائی اور وہ معذرت کرنا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ کس کیسے پنے لڑکی لکٹن کی طرف سے کیے جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔

”لوئے خضر ابو کر کیا کر رہا ہے۔“ کسی دوست نے تو اڑ دی۔ وہ سب شام کا پانچ کر رہے تھے۔ خضر نے ٹھٹک ہوئے ہوئے موسم کے باعث ہاتھ جیب میں ڈالے تو خوشگوار موسم کے باعث بھی ماتھے پر پانی آ گیا۔ اس کی جیب میں ہوا نہیں تھا۔

”کیا ہوا یا ر؟“ ایک دوست نے اس کی کندھا دیا۔

”میرا ہوا نہیں ہے۔“ خضر نے بے چینی سے ارد گرد دیکھا کہ شاید گر گیا ہو۔

میں مشکوک کی عداوت ہو گئی ہوں۔" انیش نے رعایت لفظی کے تڑکے کے ساتھ کہا۔

"میں نے اتنے عرصے رابطہ نہیں کیا۔ اس بات کا غصہ نکال رہی ہوں؟" قوری نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہمارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ ناراض ہو کر سرخاٹنی جانے دوں شکوہ تو میں بھی کر سکتی ہوں کہ میری ذاتی زندگی کی تفصیل جان کر تم نے رابطہ ختم کر دیا۔" انیش نے بھی دھڑک کہا۔

"سو تو تم یہ سمجھتی رہی ہو کہ تمہارے مذہب کو جاننے کے بعد میں پہلو تھپی کرنے لگا۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا۔" قوری نے بھی جین ہو کر وضاحت کی۔

"میں نے پہلی بار اپنا خط تو ذکر کسی کو اپنے وجود میں جھٹکنے کی اجازت دی تھی۔ تمہارا ایک سوم خائب ہو جانا اسی بات کا محال تھا؟" انیش اپنی طہارت کے منافی نہ کر رہی تھی۔

"میں مصروف تھا۔ گھر میں میری شادی کی بات چل رہی تھی۔ میں پہلے اس معاملے کو رفع و مرجع کرنا چاہ رہا تھا۔ تم سے پہلو تھپی میری ناراضی نہیں۔ میری شرمندگی کے باعث تھی۔" قوری بھی خلاف طہارت اپنے مذہب کی وضاحت دے رہا تھا۔

"جب یونیورسٹی سے ایڈمیشن کا خط ملا تو میں نے تمہیں فون کیا۔ تم آفس میں نہیں تھے۔ میں نے سرت سوچا اور پھر مگر کو کل کر کے اطلاع دی کہ میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اور ان کے پاس آ رہی ہوں۔" انیش نے بتایا۔

"والہیں کب ہو گئی؟"

"خدا بدوش والہیں نہیں آتے۔ آگے کہیں اور ٹھکانہ بنا لیتے ہیں اور پھر بھی رہی ہے کہ تم میری واپسی کی چاہ نہ کرو اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔

در حقیقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے بارے میں سنجیدہ نہیں تھے اور اس تعلق کو آج نہیں توکل ختم ہو رہا تھا۔" انیش نے سمجھایا۔

"یعنی ہماری کہانی کا یہی انجام ہونا تھا؟" قوری نے

حقیقت میں تم ایک دوسرے کی زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ انسان بعض اوقات کسی دوسرے کی آسودہ زندگی سے جال ہو جائے تو اکثر دوسرا اس انسان کی زندگی پر رشک کر دیا ہو گا ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم میں آپ کی بات سے قائل ہوں کہ آنے والی چیزیں آپ دونوں کو ساتھ گزارانی چاہئیں۔ نسب کے والدین نکلو ہیں مگر نسب یہاں نہیں رکے گی آپ نسب کے ساتھ اس کے گھر جائیں گی۔" ترکیل نے فیصلہ سنایا۔

کیا؟ میں نہیں آگے اعراض بلند ہونے لگے مگر یہ سبیل نے ساتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کر دیا۔

"فیصلہ غلطی ہے۔" نسب اپنے والدین کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی اور اس کے والدین اس کو فیصلے پر قائل کرنے لگے۔ مام نے بھی فیسے سے سوچا ہوا منہ دوڑانے کی طرف بڑھایا تو ترکیل نے دھڑک دیا۔

"ہم اپنا مشورہ ہی نہیں کہ ہر انسان کی مجبوری اس کو بڑا انسان ہی بنائے۔ دنیا کب کی سبکی تھی اس لیے آپ کے لیے اس کا نقص قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس نے لاگت نہ لیا تھا۔" ترکیل نے مام کو سوچنے پر مجبور کیا۔

"چند ہفتوں میں لگتا ہے جی بدل گئی۔ تم کمرے کے باہر ہو۔ منظر بہت خوبصورت لگا۔" قوری انیش کو دیکھ کر خوش قہلہ اس لیے شادی سے بھیڑ رہا تھا۔

"اس ملک کی بہت تصویروں سمجھیں نہیں۔ اب تو یہاں ملک جا کر رہل ضائع کر دیں گی۔" انیش نے سادگی سے کہا۔

"نہیں باہر جا رہی ہوں؟" قوری سیٹھنچ کھاتے ہوئے رک گیا۔

"میرا امریکا کی بہت اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ سفر مشکل ہو چکا مگر

جو جمل لکھ میں پڑ چلا
”ہماری کوئی لکھی نہیں تھی۔ بس اتفاقات کی ایک
لڑی تھی۔ دل بسلاتے ہوئے مل لگا لیا ہے تو قوی ہوئی
ہے۔“

”یکہ لوگ اسے محبت بھی کہتے ہیں۔“
انشائے اطراف ایک دہریہ سمجھ کر تلی تھی جس
سے وہ آگے نہیں بڑھنا چاہتی تھی۔

”میں باتوں کو چھوڑ دو۔ ممکن ہے یہ ہماری آخری
ملاقات ہو۔ آج مجھے تمہاری گاڑی چلانی ہے۔ خدا
معلوم مستقبل میں تم جیسا امیر لڑکا ملے نہ ملے۔“
انشائے نے پہلے ساتھ لڑکے کی اوصوری کو شش کی۔
آوی نے چالی پھولی اور انشائے چالی لے کر
ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی۔ آوی بھی مل لوار کر کے
پیچھے آ گیا۔

”مجھے فونو گرافی پر صحتی تھی عمر، فائن آرٹس کے
ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا صحافت کے ساتھ تو پہلے میں
صحافت پڑھوں گی پھر۔“ انشائے ڈرائیو تک سیٹ پر
بیٹھتی ہی تیزی سے ہونے لگی۔

”تم جانتی ہو تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ آوی نے اس
کی بات کٹ دی۔ ”تمہیں ابتدا میں بھی نے سمجھا
نہیں۔ اس لیے تم نے اپنے آپ کو ایک خود ساختہ
خلو میں پکڑ لیا تاکہ آئندہ بھی کوئی تمہیں چلانے
نہ سکے۔ تمہیں خوف ہے کہ اگر کوئی جان لے گا کہ تم
بھی جذبات پر صحتی ہو تو تمہیں روک دیا جائے گا۔“
نصیری ہوئی گاڑی میں چھوڑ کر اس کو سوت لیا۔

”تمہاری زندگی میں کسی نے قدر نہیں کی تو یہ
تمہاری خالی نہیں ان کا قصداں ہے۔ تم تعلقات سے
بے گناہ رہ کر خاتمہ دہش ہی زندگی گزارنے کی خواہش
ہو۔ تمہوہ حقیقت تم جس رول سے بھی گردنی ہو تم کو
کے دل میں گھر کر گئی ہو اور یہی تمہارا مقام ہے۔“
آوی نے گھبراہٹ کر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔

”تم پہلے غصہ نہیں ہو جس نے میرا تجربہ کر کے
مجھے سمجھنے کا دعویٰ کیا۔“ انشائے نے مٹھی میں مضبوطی
سے گاڑی کی چالی پکڑ رکھی تھی اور خلاف حالت نگر

جھکار کھی تھی۔

”میں کوئی دعویٰ نہیں کر رہا۔ میں صرف اتنا جانتا
ہوں کہ جب میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا تو تم رات
کو بے چین رہتی تھیں۔ جب ساتوں کی خدمت کے
آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی ماں کو فون کیا تو واپس آ کر تم
خواب ہوئی ہو گی۔ آج جب میں نے اسٹےڈن ہاؤس کے
بعد رابطہ کیا تو چاہتے ہوئے بھی تم غصہ نہیں کر سکیں
اور میرا پسندیدہ رنگ پین کر میرے سامنے آ سکیں۔“

کئی مدت بعد تمہارے چہرہ کا غصہ ٹوٹا ہے اور اس بار
کوئی تمہارے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اپنی بی بی جو ڈی
باتوں سے تم پر ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں میری نمک
منگنی اور اپنے جانتے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مرنے کا
وقت تمہیں کھڑی انتظار کرنے میں لگ رہا ہے۔
اس سے صاف ظاہر ہے تم بھی جانتی ہو کہ میں تمہیں
پوک لوں۔“ آوی کی کھڑکی کے چہرے پر بھی ہوئی

انشائے کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور چالی اس کے ہاتھ
سے چھوٹ گئی۔ یہ اس کا کھیرانے کا انداز تھا۔
”لکھی باتیں نہ کرو۔ یہ ہمیں مشکل میں ڈال دیں
گی۔“ انشائے نے لاپرواہی سے کہا۔

”اگر ہم اس وقت جدا ہو گئے تو کیا ساری عمر مشکل
میں نہیں رہیں گے؟“

”تمہارے پاس دو سو کروڑ سارا دست ہے؟ اگر میں باہر
جانے کا ارادہ ترک بھی کر دوں تو کیا ہم شادی کر سکیں
گے؟ بیٹھ ساتھ رہیں گے؟ یہاں آتی آسانی سے ممکن
نہیں۔ مجھے اپنے خاندان کی پروا نہیں مگر تمہاری فیملی
کبھی بھی یہ شادی نہیں ہونے دے گی۔ مذہب
روایات ہے یا کہ۔ کس کس چیز کی وضاحت کرتی
پھول کی شیں۔“ انشائے قسمت پر ہنس گئی۔

”میں جانتا ہوں سب آسان نہیں۔ ممکن ہے
ہمیں انہیں منانے میں بہت وقت لگ جائے مگر مجھ
میں اسٹینڈ لینے کا حوصلہ ہے۔“ آوی نے اسے یقین
دلایا۔

”یکہ عرصے بعد تمہاری خدمت کے آگے گھٹنے ٹیک

دونوں نے اپنا فیصلہ قسمت کے سپرد کر دیا تھا۔

”تویر گینگ اسرہا پتہ قیدی کا سلام اس کشتی اور پر
اسرائیل جیل میں تین اور حصہ دار ہیں۔ ان میں اول
نمبر ایک بلوہ نوٹھ ڈیٹھ ہیں جو یو ڈنگ سے گھر تک کل
میں بلوہ نوٹھ لگا کر ظاہر کرتے رہے کہ پاکستان کی
تجارت ان ہی کے کندھوں پر ہے۔ دوم ایک لائن
ڈرائیو لگا ہیں۔ جن کو لائن پر جس زبانی یاد دہاتے ہیں۔
جن کا ورزی اسپیشل فائل پر ہو گئے اور عام خواتین کی
طرح انھیں بائس صاحب نہیں بلکہ اس کا نام لینے کو
ترجیح دیتی ہیں۔ سوم ایک نئی فون محل ہے جو بیڈرو
یکم انٹرنیٹ پر وقت ضائع کر رہے اور فاسٹ فوڈ کھانے
سے کھانا ہے۔“

ماہم نے زنبب کی فیملی کا نقشہ بھانجھا کر پیش
کیا۔ وہ باقاعدگی سے اپنی سیٹیلیٹ کو ای میل کرتے

اپنے شب دوڑے انھوں نے مکتی مکتی
پتلی کے ملانے سب لوگ مل کر کھاتے تھے۔
پچھلے روز ماہم میز پر بیٹھی تو زنبب نے دو گے بن سے
ماہم کو آواز دے کر افسانہ کی کہ ”کسی“ نے کھانے
میں ملاوٹ تو نہیں کی؟ پھر اپنے والدین کے نوکنے پر
اس نے فو معنی طیفیہ تو پھونڈے۔ مگر وہ اپنا سارا بن
اپنے کاموں میں مگن رہ کر گزارنی تھی اور ماہم سے
زیادہ بات نہیں کر لیتی تھی۔ زنبب کی ملا سہلان نواز
خاتون تھیں۔ وہ ماہم کو اپنے بچوں سے زیادہ توجہ دیتی
اور کوشش میں تھی کہ ماہم زیادہ وقت گیسٹ
دوم سے باہر گزارے مگر ماہم کا مظهر مجباً اس بات کا
شائبہ تھا کہ کسی کی بھی توجہ دینا نہیں ہوتی اس لیے وہ
خود بخود ہی سے اپنی راوا لگتی رہتی تھی۔

اسے آئے ہوئے تقریباً ”بھٹہ ہونیکا قاتل زنبب
باقاعدگی سے اپنی کرن کے گھر جاتی تھی“ جس کی
عقرب شادی تھی۔ کھانے کے بعد زنبب تیار ہونے
اٹھی تو فو زیہ نے قریب جا کر آگئی سے اسے ماہم کو
ساتھ لے جانے کو کہا۔

بھی دیں تو ان کے دلوں میں جکھڑاتے مجھے ساری عمر
لگ جائے گی۔“

”تجربیس میرے دل میں جکھڑنے کی کیا یہ کافی
نہیں ہے؟“

”تمہارے دل میں تو میرے لیے جکھڑا ہی بھی
ہے ہم ابھی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی وقت کورٹ میں
کو کے ۳۳ فیصل کے لیے میں پہنچتا تھا۔ جیسے ایک منگھٹے
میں اس کے قصور عروسی کو آنا تھا جتنی ہو۔ جواب میں
کوئی دیکھو دل نہ سکنا۔“

”دیکھنا۔ یہ اس قدر آسان نہیں۔“ افش نے
جھپٹا۔

”میں تمہیں قصور ہر جائز حق دیا چاہتا ہوں۔“

”اپنی زندگی کو آگے بڑھانا میرا جائز حق ہے۔ مجھے
ایک تپاقت وعدے کی نذر کر کے تم میرا یہ حق سلب کر
رہے۔“

”میں تمہیں کیسے جانے دوں۔ دیکھنے میں ہی دوری
میں ایک بات میں نے بھی ہے کہ تمہارے بغیر زندگی
کی زندگی پر صبح تاریکیوں سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ مجھے
اوجہ راست کرو۔“

”تمہارے اپنا۔“ افش آریا پار ہو گیا جتنی حق ہے۔

”کورٹ بند ہونے میں چالیس منٹ ہیں۔“ اگر ان
چالیس منٹ میں ہم کورٹ پہنچ گئے تو ابھی شادی
کر لیں گے۔ ورنہ یہ پہلی آخری ملاقات ہوگی۔“
افش نے کسی جواب کا انتظار نہیں کیا۔ پہلی اٹھا کر
گاڑی اسٹارٹ کی تو اس نے اپنے منہ سے نکالنے لگا۔

کوئی کے لیے یہ پہلی اس میزور قدر گاڑی کی طرح
تھا جس کو مجھے کاموں میں ملا اور جب ملا نہ سکا
گاڑی چھوٹنے والی تھی وہ اس طرح چند منٹوں میں
شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ افش کو جانے بھی نہیں
دے سکا تھا۔ وہ سخت اضطراب کا شکار تھا۔ گاڑی
نڈکھڑانے لگی تو کوئی نے اپنے ہاتھ سے اسے یک
وکیل کی سمت درست کی۔ وہاں افش کا ہاتھ نہیں
اڑکھڑایا اور وہ حوصلے سے گاڑی دوڑائی دی۔ دونوں
کے دل کا ایک حصہ خواہش مند اور دوسرا خوف تھا۔

ضرورت ہے وہ سوچتے ہوئے ہیں۔ "فوزیہ کے
تجربے پر مہم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے ہاں میں جیسے مرضی رکھوں۔" مہم بڑا
ہاں کر کرے میں جی گئی۔

"تو کھانا لایا یہ کتنی بد فیض ہے آپ ایسے ہی اس کو
منہ لگا لی ہیں۔ میرے تیل لگاویں۔ بورنگ کاکھانا کھا
کر مشہور ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے جو اندر جائے گا وہی باہر
نکلے گا۔" زنب نے کہا۔

"کسی میرا کتنا ہے۔" فوزیہ نے آہستگی سے ماش
شروع کر دی۔ "میں نے ماضی سے مہم کے اندر جو کچھ
میا ہے وہی باہر آ رہا ہے۔" فوزیہ کے الفاظ اور ماش
سے زنب کا ذہن لٹکنا ہونے لگا۔ نہ امت نے اسے
تعمیر لیا۔

کچھ دیر بعد زنب نے کمپنٹ روم پر دھک دی۔ مہم
منہ پھلنے لگی تھی۔

"میں مضطرب کرنے لگی تھی میں تم سے زیادہ ہی
کراہت ہو گئی تھی۔" مہم کے لیے یہ الفاظ غیر متوقع
تھے۔

"مجھے لگا تھا کہ تم یہاں آکر مجھے اور میری فیملی کو
خوب ستھائی کی مگر تم تو خاموش ہو گئی ہو۔ زنب چند
لمحوں کے گھٹنے کے بعد بولی۔

"میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ میری زندگی میں کسی
جے۔ بہت بڑی کی عمر میں آکر میرا ذہن بار بار اس
کی یاد دہاوت کر دیتا ہے میرے والدین مرتے ہیں
گمراہ بھی نہ بھی تو تھے مہم کھل میں ماضی کا ظہار
بھرا ہوا تھا۔ زنب جو صلی سے اس کو سختی رہی اور مہم
اپنی سوچوں کو لفظوں میں باعاطی رہی۔

"میں نہیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔" زنب نے
مشورہ دیا۔

"اس سے بڑی تبدیلی؟" مہم نے پوچھا۔
"یہ ماضی کی تبدیلی ہے۔" زنب کی تبدیلی کا
وقت ہے۔ کل مہم شاپنگ پر چلی گئی تھی مجھے بھی
شادی کے لیے کپڑے چاہئے ہیں۔ تم بھی جینز کی
شرٹ کے علاوہ کچھ ایسا نہ کھاتے مڑا آئے گا۔"

"اما آپ جانتی ہیں نا کہ سختی ضروری ہے۔ کوئی
تہنشا کر دے گی۔ میں اس کو شادی پر لے جاؤں گی۔

ابھی نہیں۔ میری چھٹیاں تو خراب نہ کریں۔" زنب
نے ضد کے انداز میں انکار کیا۔ فوزیہ کی تمام احتیاط
کے باوجود مہم نے یہ منہ نہ منا کر لیا اور منہ بسور کی میز
سے اٹھ گئی۔ وہ کون سا اس کی کزنز سے ملنے کے لیے
مردہ تھی۔ فوزیہ آئی نے اسے بھی جانے سے منع
کر دیا۔ وہ غصے سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یاد رہے میں پھر جیت گیا۔" لاؤنگ میں دانیال تیز
آواز میں دایو کیمرنگ کر رہا تھا۔

"میں ایسا ہو گا اگر دشمنین سے مقابلہ کر کے۔" مہم
نے گزرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ زنب سے ہمیشہ جیتتا
ہوں۔" دانیال نے ہنسیا۔

"زنب کو ہر کام کا مشکل ہے۔" مہم نے بے خیالی
میں چٹختی سے دوا اور دانیال نے خوشی سے قبول کر لیا۔

پھر دونوں مقابلہ بازی پر آ کر آہستہ آہستہ میل کے
بعد مہم کی گرفت بھی مضبوط ہو گئی اور کھنڈ پھر میں

دونوں۔ مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے کھنڈ ہو گئے کہ
اس بات سے بے نیاز ہو گئے کہ کون زیادہ جیتا کون

زیادہ ہارے۔
"ہاں مجھے مہم آپا آپ ایک مضبوط لڑی ہیں۔"

ایک گرم ہارے کے بعد دانیال نے استراحت کیا۔
"میں آپ کو آپا کہہ سکتا ہوں۔ زنب نہیں کئے

رہتی کتنی ہے دانیال تو ہے۔" دانیال نے مہم کے یک
دم خاموش ہونے پر پوچھا۔ خواب میں مہم نے انہماک

میں سر ہلایا۔
"زنب تم نے آج پھر ایل اسٹریٹ کر لے۔ کتنے

دکے ہو گئے ہیں۔ روز روز آئین کرنا صحیح نہیں
ہے۔" ایک گھنٹے بعد زنب کمرے سے نکل تو فوزیہ کا

دھیان زنب کے ہاں کی طرف گیا۔
"مہم آپ کے ہاں بھی کتنے خراب ہو رہے۔ پلو

سلے آپ کے تیل لگاؤں۔" فوزیہ نے بغیر اجازت مہم
کے ہاں میں ہاتھ پھیلا۔ "آف آپ کو کونائے کی بھی

”اسکول فنڈز پر اسکا رشپ صرف جیسا نہیں کو ملتی ہے مسئلوں کو نہیں۔“
 ”مجھے بحث سے قلعی رہی ہے۔“ مہم نے فحش کر غلط فہمی دور کرنا چاہتی۔

”نہیں بڑا! میں نے زنبب کے واسطے سے پہلے تمام معلومات لی تھیں۔ اسکول بورڈ کسی جیسلٹی کو اسکا رشپ نہیں دیتا۔“ ریحان کو معلوم ہو گیا تھا کہ مہم کے واسطے کے پیچھے کوئی بہت بڑی سفارش اور اس سے بھی بڑی لدو تھی جس کے باعث اسکول نے ایک ایسی بچی کو لے لیا تھا جس کا بیچے کوئی گھر نہ تھو۔

”مطلب؟“ مہم کا ذہن سن ہو گیا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بچی جس نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

”ذیہ کا مطلب ہے کہ اگر آپ جیسلٹی نہیں ہوتو آپ اسکا رشپ نہیں دے رہیں۔ کوئی ہے جو اسنے سوال سے آپ کی نہیں بھڑکا رہا ہے۔“ دانیل نے اپنے سینے سے لٹکائی۔
 ”شٹ اپ دانیل!“ زنبب نے مہم کا زانا ہوا رنگد کچھ کراٹھا۔



”جس کے کوئی شک اسکا میں بیٹھی وہ اپنے بے ترتیب خیالوں کو یکجا کر رہی تھی۔ اس کے سامنے دانیل جانب استقبالیہ پر بھاری جسم والی لڑکی بیٹھی فون پر میسج کر رہی تھی اور دانیل جانب دوسرے شیشے والا داخلی دروازہ تھا جو ایک جانب سے آئینہ نظر آتا تھا اور دوسری جانب سے شیشہ تھا اس کے خیالات اس کے اندر بھی غصہ ابھی جھٹس تو ابھی کھسک رہے تھے۔ انتظار کرتے ہوئے میں منٹ ہوئے تو اس نے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب اس کو ایک فائل پر زے کی طرح انگ کر دیا گیا تھا تو اس کی انا کو بھی بے سول رشتوں کا تعاقب گزارا نہیں تھا اسی لمحے داخلی دروازہ کھلا اور مہم کو کئیچے میں اپنا ٹکس نظر آیا اور وہ دوا

اگے دو زنبب کی بات سچ ثابت ہو گئی مہم کو پہلے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ فوری آئی کا تجربہ اور زنبب کے مشورے سے مہم کی وارنڈوب میں کئی دوا تکی کپڑے شامل ہو گئے۔ پھر بار بار میں مختلف قسم کے تجربوں سے مہم کا پاپا پڑا تو وہ پکڑا کر دے گی۔ جب آئینہ دیکھا تو لگا جیسے طوفانی بارش کے بعد منظر کھڑک رہا ہو۔ اب شیشے میں ایک پورا کھڑکھچور لڑکی نظر آئی تھی جس کے بالوں اور پانچوں پر کوئی مصنوعی آرامش نہیں تھی۔ شلوار قمیض اور دھڑا ایسا تھا جس پر لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ چہرے پر اب بھی پہلے جیسا لہجہ تھا۔ دانیل پر ریحان انگل نے بھی اسے سراہا۔ فوری دونوں کی دوستی میں اپنی کامیابی دیکھ رہی تھیں۔

”ذیہ! میں سوچ رہی ہوں کہ مشورین جاکر مجھ میں آرٹسٹک سینس ہے۔ یہ کام میرے لیے بہترین ہے۔“ زنبب نے کہا۔

”مہم! آپ پڑھائی میں بہت اچھی ہو۔ آپ نے کیا کرنا ہے؟“ ریحان نے شفقت سے پوچھا۔
 ”میں میڈیکل فیلڈ میں ہی جانا چاہتی ہوں۔ ٹیسٹس بنے کارا رہا ہے۔ کوشش کر رہی کی کہ میڈیکل پرائیویشن ہو جائے ورنہ میں فوراً میں کر سکتی۔“
 ”آپ کی یہاں نہیں کوئی دیتا ہے؟“

”ہمارا مشنری اسکول ہے اس کے اسکا رشپ پروگرام ہیں۔ میں بحث سے اسکول کے فنڈز پر مددتی رہی ہوں۔“ مہم کو وضاحت میں مدد محسوس نہیں ہوا۔
 ”آپ کا ذہب؟“ ریحان نے دانستہ حملہ اوجھڑا چھوڑ دیا۔

”میں مسلمان ہوں۔ ہمیں سے ہی چھٹیوں میں قرآن اور نماز کیجئے استسائی کے اس چلایا کرتی تھی۔“ مہم کو اپنے ذہب پر سوال ابھرا نہیں لگا۔ جولاب میں ریحان صاحب نے اپنی عینک کے فریم کے لوہے سے مہم پر ایک کڑی نگہداری جیسے تعین کر دے ہیں کہ وہ بصورت بدل رہی ہے یا ٹیوٹلف ہے۔ پھر آہستگی سے بولے۔

لے لیا ہم آج اس اجلاس میں بیٹھی تھی۔
 "آپ کیسے آج جا سکتی ہیں۔" استغیاب پر بیٹھی لڑکی
 نے ہم کو مخاطب کیا۔
 "مئی کیسے کیا کام ہے؟" سوئی تو عدو الے لڑکے نے
 اوب سے پوچھا۔

"مجھے اس بینک اکاؤنٹ کے بارے میں معلومات
 چاہئیں۔" ہم نے ایک کانڈ پر کھانبرا لڑکے کے سامنے
 رکھا۔

"بینک سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اکاؤنٹ اس کنبی
 کے نام تھا جو تین سال پہلے بند ہو گیا تھا اس اکاؤنٹ
 سے واپس کی گئی رقمیں سے کسی قسم کی ادائیگی نہیں ہے
 اور بند ہونے سے قبل ایک بھاری رقم میرے اکاؤنٹ
 منتقل کی گئی تھی۔" ہم نے اسکول سے حاصل کیے
 ہوئے کانڈ لڑکے کو دکھایا۔

"میرا اصل ناموں کے اخراجات اور ان کے بچوں
 کی نہیں تو کنبی اکاؤنٹ سے ہی ادائیگی ہوتی ہے۔ یہ تو
 اکاؤنٹ اس سے سینئر اسٹاف کو تو مراعات ملتی ہیں
 ان کی ادائیگی ہوتی تھی جیسے میڈیکل وغیرہ۔" لڑکے نے
 وضاحت کی۔

"میں صرف اس شخص کے بارے میں جانتا تھا تھی
 ہوں جس کو مراعات کی مدد میں یہ رقم ادائیگی ہوئی۔" ہم
 نے کہا۔

"اکاؤنٹ تو بند ہو چکا ہے مگر ہمارے پاس ریکارڈ
 موجود رہتا ہے۔ آپ اکاؤنٹس فہرست میں پہلی
 جائیں۔ میں جو نیز اکاؤنٹس کو دیکھ رہا ہوں آپ کی مدد
 کرے۔"

ہم نے نیز موجود کانڈ سینئر اور لڑکی کی ادائیگی ہوتی
 سب سے پہلی دیکھی۔ اس کی دل کی دھڑکن بے چین ہو گئی
 تھی جیسے انہی سختی کن رہی ہو۔ فہرست میں جو نیز
 اکاؤنٹس کی میرے ہاتھ کی ایک دم اس کی دھڑکن رک
 گئی۔ ہم کو لگا جیسے بننے میں موجود اسٹوڈنٹ کارڈ کی
 تصویر کو اس نے اس قدر سرسوار کر لیا ہے کہ میرے
 پیچھے بیٹھا تو جان لڑکوں کو اس کی شکل کانگ رہا ہے۔
 "مختصر جانوید؟" ہم نے لڑکوں کی زبان سے تصدیق

کری میں وہ شخص مکی۔ یہاں سوال رشتوں کا نہیں
 بلکہ شناخت کا تھا۔ آئینے میں نظر آنے والا شخص
 بالکل تھا اور کسی دوسرے کی نہیں اپنی خاطر صرف
 یہ جانتا جا سکتی تھی کہ اب تک کون کس پر وہ اس کی
 معاشی مدد کر رہا تھا۔

پلے تو یہ انکشاف اس کے لیے ناقابل یقین تھا کہ
 کوئی شخص اس کی مدد کر رہا ہے۔ پھر یقین کیا تو فیص
 نے اس کے اعصاب کو بکڑا لیا اور اس نے تیرہ کیا کہ وہ
 اس شخص سے کوئی رابطہ نہیں کرے گی۔ فائنل
 امتحان کے بعد اس کا محسوس ارادہ دھلا دیا۔ اس نے
 اسکول دیکھا تو معلوم کیا کہ کوئی پہچان لڑکی اس کے
 ہاتھ نہ لگے۔ صرف ایک بینک اکاؤنٹ نمبر تھا جس سے
 ہم کی نہیں لیا ہوتی تھی پھر کسی نے ہم کے نام سے
 اکاؤنٹ کھولا اگر اس میں اپنی رقم جمع کرنا وہی تھی کہ وہ
 پورا تک سے نکل کر آئے کیسے رابطہ لے سکے۔ ہم
 سمجھتی رہی تھی کہ یہ اکاؤنٹ اسکول بورڈ نے اپنی
 کسٹی کے لیے کھولا ہے جس کو ہم خود چلا سکتے
 نہ تھا اب اس کی پکڑیں سنبھلی تھیں جانتے ہوئے
 انہیں صرف اچھی باتیں یاد تھیں۔ بینک ہم کے لیے
 وہاں سے جانتے کا خیال ہی سہاں مدد تھا۔ کنبے خود
 کو قیدی سمجھ کر وہاں رہتی تھی مگر پھر اس میں جواہ
 رد و بار تھا تو اس کے علاوہ ہیں۔ "میں نے دنیا کی
 ٹھوکر سے اسے پہچانے رکھا ہر رشتے سے بڑھ کر
 اس کو سارا اپنا تھا۔" کیا بایا کہ معاشرے میں سر
 اٹھا کر چل سکتے۔ جس دن اس نے رشتہ سزا بد حال
 آسمان سیاہ ہو گیا اور خوب برسا جیسے اس کو روکنا چاہتے
 ہوں مگر اس کو جانتا تھا سو نہ رکے۔

بچہ کی راست وہ چڑے کے اس بننے کو قہم کر بیٹھی
 تھی جو اس نے ہوئی میں ایک لڑکے کی وجہ سے نکلا
 تھا۔ اس بننے میں جو رقم تھی وہ اس نے خرچ کر لی
 تھی اب اس میں ایک اسٹوڈنٹ کارڈ تھا اور ایک جنرل
 اسٹور کی رسید۔ اس کو خود میں اور اس بننے میں کوئی
 فرق نظر نہیں آیا۔ وہ بھی اپنے اصل سے ہجڑ گیا تھا
 اور ہم بھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہم جان رہی تھی اس

”تین سال پہلے اپنی راج مٹ سے پہلے انہوں نے اس اکاؤنٹ سے آخری بار تپ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کروائی اور پھر اکاؤنٹ بند کروا دیا۔“ خضر نے ایک کور ملنے پر انگلی رکھی۔

”کیا میں فن سے مل سکتی ہوں؟“ نام بے صبری ہو رہی تھی۔

”بھئی ریکارڈ میں ہر داؤچ میں یہی درج ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی فیس ادا کرتے ہیں۔“ خضر نے ذرا لمبی انداز سے کہہ کر نام کی سرخسہ پر ہاتھ رکھا۔

”خون کی گردش سے اس کا جوش بڑھ گیا۔“

”سن سے ملنے کے لیے کیا کر رہا ہے؟“

”دو سال پہلے اس کی زندگی ختم ہو چکی ہے۔“

نام ایک بار پھر خضر کی طرف سے اس نے چہرہ دکھایا جیسے داؤچ چل رہی ہو مگر حقیقت وہ اپنے آنسو چھاری تھی۔ تو جتنی اس کی فکرت تھی وہ تو گریبان چڑا کر اس شخص سے اپنا قصور پوچھ سکتی تھی اور نہ دامن ختم کر لیا حق مانگ سکتی تھی۔ اس کی زندگی کی حقیقت سنی تھے وہ بھی جانتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کچھ رسیدیں تھیں جنہوں نے اس کے ہر حق کی نفی کر لی تھیں گویا پیسے سے رشتوں کا تھان ادا ہو گیا ہو۔

خضر نے آہستگی سے ایک ترشہ نوشہرے اس کے ہاتھ پر رکھا۔ انہوں نے اس کے آنسو دیکھے تھے۔ اس نے نام کو احساس ہوا کہ وہ کتنی کمزور دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے اس کے لیے سے آنکھیں خشک کیں اور پھر انہیں ملائے ٹھکری کہہ کر اٹھ گئی۔ بھی دوا نہ آنے کا ارادہ کر کے۔ مگر اگلے روز وہاں پھر موجود تھی۔

خضر تقریباً ۱۰ سال سے اس آہن میں پارٹ ٹائم نوکری کر رہا تھا۔ بدحالی کے ساتھ ساتھ تجربہ حاصل کرنا سونہ بھی تھا اور تکلیف دہ بھی تھیں سلسلہ جلد ختم ہونے والا تھا اس کا Luma میں اپنے مین ہو گیا تھا اور ایم بی اے کرنے کے لیے اسے اسٹوڈنٹ لون

چاہی۔

”میں میں ہی خضر ہوں۔ نہیں۔“ اس کو افسر کانٹون موصول ہو چکا تھا۔

نام اب تک بے ہوشانہ انداز میں اس کی صورت کھور رہی تھی۔

”اکاؤنٹ نمبر“

”خضر مذہب انداز میں مخاطب ہوا۔ نام نے تمام کٹھنات کی فائل اس کی طرف بڑھادی۔

”صرف اکاؤنٹ نمبر۔“ خضر نے آہستگی سے ایک کٹھن الگ کیا اور معذرت کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

”وگیا وہ گمشدہ چیزوں کے ملنے کا دن تھا شرارت میں کی ہوئی اس حرکت پر نام کو شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ انتظار کے دن لمحات میں بھی اسٹوڈنٹ کارڈ پر موجود اس ٹکے کا نام ’کونین دیواش‘ اس کے گرد گھومتے تھے تو کبھی پورٹنگ اسکول میں تھے اپنے لوجھ سے کواٹک اس کا منہ چلائے تھے۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔“ خضر آیا تو اس کی بچی پڑتی رشتہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ ہاتھ میں موجود فائل اس نے میز پر رکھی اور اپنی سر سے ایک ٹکڑا لٹائی کا پیر لایا۔

”یہ لیں۔“ نام گھونٹ گھونٹ کر کے پانی صحتی میں آملنے لگی۔

”اب آپ بہتر ہیں۔“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“ نام نے ایک بار پھر اپنے وجود کو دکھایا۔

خضر نے فائل کو دیکھا۔ اس میں چار سے پانچ صفحات پر مشتمل کئی داؤچ تھے۔ اس نے ایک داؤچ نام کے سامنے رکھا اور ایک چم پر انگلی دبھیری۔

”یہ اس بچہ کے شہر کے لوگوں میں سے تھے۔“ جنہوں نے اس کو پوچھتے ہوئے دیکھا۔ یہ فیس ان کے توسط سے ادا ہوتی تھی۔“ خضر نے ہاتھ لگائے۔ نام نے کئی بار اس انہوں نام کو پڑھا مگر ان میں کوئی کھٹی نہ تھی۔

”یہ اب کہاں ہیں؟“ نام نے جھلت میں پوچھا۔

مل گیا تھا۔ اس لیے اس کو نوکری کی زیادہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ چوتیس سال کی عمر میں چالیس سال کا بننا بیٹے اس کی بھجوری بھی نور مل لگا کر توجہ سے دیکھتا اس کی خواہش۔ اس بار اس نے خواہش کو فوری ہی تھی۔ وہ آتش بچہ نام کے بعد پہنچا تھا اس لیے پہلی سے کام میں لگ جاتا۔

وہ اپنی میز سے کافی دور کھڑا ایک سینئر افسر سے بات کر رہا تھا۔ جب اس نے وہ بے باک ایک دلی لڑکی کو اندر آتے دیکھ لڑکی کی پشت اس کی طرف بھی اور وہ دیکھ بھاؤ اندر آئی تھی۔ فطری میز کے قریب پہنچ کر وہ میز سے گرلا۔ وہ بچے سے چہوہ دھائیے زمین کی طرف منہ کر کے وہ لڑکی جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔ فطریہ منظر دیکھا ہوا میز کی طرف بڑھ رہا تھا اور جس انداز سے لڑکی گئی تھی۔ اس کو فطری بھی بھولا ہی نہیں تھا۔ وہ ذکر میز پہنچا مگر اس بار کچھ چوری نہیں ہوا تھا بلکہ وہاں فطریہ کا اثر ثابت ہوا۔ رقم موجود تھا۔ فطریہ نے دانت بکڑا اور اس لڑکی کے پیچھے دوڑا۔ وہ بولی کیٹ تک پہنچ گئی تھی۔

"لیکسکو زنی مس! آخر تو بہت دیر میں..." فطریہ نے قریب پہنچ کر آواز لگائی۔

جواب میں وہ آہستگی سے مڑی۔

"میلو..." اس نے نظریں جھانکے تو بچے کو

"آپ ایسی طرح جانے لگے جلدی نہیں..." فطریہ نے بڑا لڑایا۔

"بنوے میں رقم بڑی محدود ہے۔ اس لیے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر آپ معذرت کی توقع کر رہے ہیں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی امانت آپ تک پہنچ گئی ہے۔" نام نے آکر سے کہا۔

"ان سالوں میں معیشت سختی دہل چکی ہے۔ آپ کو اندازہ ہے۔ اگر کی قیمت تار بجی ساگر آئی ہے۔"

فطریہ نے اس کے انداز کو کچھ کر کہا۔

"تو داپس کروں۔" فطریہ نے لوگوں کو گشہ وچر ملتی

بھی نہیں چاہیے۔" نام نے استحقاق سے ہاتھ

بڑھایا۔

"فطریہ نہیں کر رہا۔ حالات واضح کر رہا ہوں۔

وہیں میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ایسی بات پر خوش

ہو جاتے ہیں کہ انہیں حقیقت کا علم تو ہو گیا ہے

حقیقت دردناک سی کہلاتی ہو۔"

نام کو احساس ہوا کہ پچھلے روز فطریہ نے اسے بہت

اچھا حال میں دوتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ کسی اجنبی کو

خود پر ترس کھانے نہیں دے سکتی تھی۔ اس لیے پلٹ

کر چلے گئی۔

"آپ بھر کل کی طرح بیٹھے کھائے تھے چلی جائیں

گی تو نقصان آپ کا ہو گا۔" فطریہ نے ہلکا کواڑ دے کر

اس کو دوبارہ روکا۔

"میں نے کسی اجنبی کو حق نہیں دیا کہ میری زندگی

کے لیے نقصان پہنچا کرے۔" نام فرمایا۔

"نہیں وہ نقصان ہوں جس کے بننے اور تصویر کو

آپ نے اپنے عرصے سے سنبھل کر رکھا ہوا تھا۔ میں

آپ کے لیے اجنبی نہیں ہوں۔" فطریہ نے ٹھیکے کا

جواب محل سے دیا۔ نام نے شرمندگی سے نظریں اٹائی۔

وہ ٹھیک کر رہا تھا۔ رقم خرچ کرنے کے بعد وہ نام نے

بغیر مقصد بنا سنبھل کر رکھا تھا۔ قدرت کا اتفاق تھا کہ

وہ دوبارہ ملے اور نام نے رقم واپس کرنا داپس کر دیا۔

"ویسے میں آپ کو روک اس لیے رہا تھا کہ کل بھی

آپ کو صوری بات سن کر مل گئی تھی۔ مجھے آپ کے

والدہ کی وفات کا افسوس سے مرودیا میں صرف والد کا

رشتہ نہیں ہوتا۔" فطریہ نے کہا۔

"میں نے آتش دیکھا ہے کہ ان کا ایڈریس نکالا

ہے۔ ان کی بیوی ابھی تک حیات ہیں۔"

ایک بار پھر آسو نام کے کانوں سے چلنے لگے۔

معلوم نہیں اس کی زندگی میں کتنے اندر چڑھاؤ باقی

تھے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ بیٹھ

جائیں۔" فطریہ نے ان میں بچہ کی طرف اشارہ کیا۔

"میری کچھ میں نہیں آتا کہ خوش ہوں یا اوس۔ جن

رشتوں نے مجھے خود سے الگ کر کے پیچھا دیا تھا

میں اب ان کے پاس ایک بار دوبارہ ٹھہرائے جانے کے لیے کہیں جاؤں؟" ماہم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔
 "حقیقت چاہے جتنی کڑی ہو اس کو چاہنا ہو جو آج ہے تاکہ آپ زندگی کا وہ باب بند کر کے آگے بڑھ سکیں۔" فخر نے کہا۔

"بہر مشورہ تو یہی ہو گا کہ آپ صرف ایک بار ملاقات کر لیں اس سے جو احساس کشیدگی ہے وہ ختم ہو جائے گا اور مستقبل کی رو میں متعین کرنا آسان ہو جائے گی۔" فخر نے کہا۔

"ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میں آپ کو لے چلوں؟" فخر کو اس روتی گھبرائی لڑکی کی فکر ہونے لگی تھی۔

پتہ دیر بعد وہ اس کے ساتھ بانگ پر بیٹھی اس ایڈریس کی سمت جا رہی تھی۔ چند کلومیٹر مسافت کے بعد بانگ ایک ایسے علاقے میں داخل ہو رہی تھی جو پچیس برس پہلے تنگ لاہور کا پریش علاقہ تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ اب قدرے بچا اور پرانے لٹنے کا قہقہہ فخر کو کھر معلوم کرنے کے لیے ایک راؤ بیری کی

پلی بڑی۔ راؤ بیری کے سفید آہنی گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ماہم اس جگہ پہنچنے کو گھوڑے لگی۔

"بہتر یہی ہے کہ میں باہر انتظار کروں۔ پہلے آپ کو اندر جانا چاہیے۔" فخر نے کہا۔

ماہم نے اندر بڑھا تو سفید دیوار آئی جس میں وہ پورا لنگ آگئی تھی۔ سامنے تھکی پہاڑی اور مڑ کر فخر کو دیکھا جس نے کھلی لڑکھرائے مشہور ہنسنے کو کہا۔

دروازے پر کھٹ پٹ ہوئی۔ کوئی اندر سے لاگ کھول رہا تھا۔

گیٹ کھلا اور ایک نیلی شلوار قمیص میں ملبوس آدمی نمودار ہوا۔

"جی فرمائیے۔ کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

ماہم لنگ سی اس کی شکل میں کوئی شناسائی دھونڈنے لگی۔ اس کے پاس اتفاقاً نہیں تھے۔

"میں۔۔۔" اس کے ذہن اور زبان نے اس کا

ساتھ جھوڑا تھا۔

اس شخص نے نور سے ماہم کو دیکھا۔ پایاں ہاتھ بڑھا کر وہ انگلیوں سے اس کی آنکھوں کے نیچے ٹھین چڑوں جیسے پھول والی چٹ کے نشان کو پھولا۔
 "جسنا؟" اس نے حیرت سے تھوڑی جھپکی۔

ماہم کچھ کہہ نہ سکی۔

"اے! دیکھو کون آیا ہے۔ اے۔۔۔ برساتی ہے۔" وہ شخص دو ٹوک انداز کی طرف بڑھا اور والدین

پچھنے لگا۔

ماہم نے جتنی سے یہ مقررہ کچھ رہی تھی کہ بتا ایک لفظ کے اس کو بے چارگی لایا گیا تھا اور اس کی آمد پر خوشی کا ایسا عالم تھا کہ اسے یقین نہ آیا۔

"اے! تو کسے؟" ج میں برساتی ہے۔" وہ شخص دوبارہ ماہم کی طرف آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر

لے گیا کہ شہانہ صبر کے طرز کا قہقہہ صحن میں سبز رنگ کے ساتھ ایک تخت تھا۔ دائیں طرف باورچی خانہ تھا جس سے دوٹی تھا جسے اس شخص کی بیوی

نمودار ہوئی جس منظر کو ماہم شمیم خانہ سمجھتی تھی وہ درحقیقت کھر تھا۔

"ماہم۔۔۔ کیا ج میں ماہم آگئی ہے۔" سامنے کمرے سے ایک ضعیف خاتون کی نواز تلی اور اگلے

جی کے دو دروازے کا سارا پتہ صحن میں آگئیں۔ ماہم کو دیکھ کر ان خاتون کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماہم کے ہاتھ پکڑ کر اس پٹ کر کے دیکھا۔ جیسے پچھان رہی ہوں

اور ماہم کو سمجھنے لگا۔

"بھئی جی تو کہیں تھی۔" دونوں پٹ کر زانو قہار روئے لگیں۔ باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی

عورت سب سے زیادہ ہکا بکا تھی۔ چوہر کی شادی میں اس نے بھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا جس کو اس

کا شوہر سنا کہ رہا تھا اور جس کے آتے ہی گھٹنوں کی تکلیف میں جھکا اس کی ساس جو ہاتھ روم بھی سوئی پکڑ

کر جاتی تھیں تقریباً دو ڈسٹے ہوئے ٹکپاؤں سی باہر آگئی تھیں۔

کون کئی یہ لڑکی جس نے آنے کے بعد ایک لفظ

بھی نہیں کہا تھا اور اب ایسے رو رہی تھی جیسے صدیوں سے مجھ سے رشتوں کو پایا ہو۔



کیسٹ پلیئر پر غازی صحن کے گانے بج رہے تھے۔ موسیقی کی تواڑ میں جب فرنیچر کھینچنے کی تواڑ کی آہیرش ہوتی شہد ہوتی تو توی کی نیند کا نور نونے لگا۔ اس نے کورٹ بدل کر چنگ کے ساتھ والے حصے پر ہاتھ پھیلا۔ سلوٹ زہ سبز خالی تھا۔ اس نے بشکل آنکھیں کھولیں۔ پردوں سے سلیٹی مائل روشنی آتا شہد ہوتی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر لڑائی میں صاف لگا۔

"اتنی صبح کیوں جاگ گئیں؟" توی نے نیند سے بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ بچوں سے اسٹور لگنے والا مکان اب گھر لگنے لگا تھا۔ فرنیچر سے پلاسٹک انداز کرکشن رکھا دیے تھے۔ دروازوں پر پتھر لگے۔ ایکٹو ٹیکس کا سلاٹن جگہ پر رکھا جانے لگا تھا۔ ایک کونے میں اب تک خالی ڈبے لٹا پڑے اور کچے ڈاجبری صورت پڑے تھے۔

"قرنے یہ سب اکیلے کیوں سیٹ کیا۔ میرے اٹنے کا انتظار کرتی ہیں۔"

"دراصل میں سوئی نہیں تھی۔ گھر تیرے ہی کی سمت ایک کٹھنٹ تھی۔ دھڑک رہی تھی۔ کتا چنگ رہا ہے۔"

"توی نے خوشی سے اشارہ کیا۔ توی کو اس وقت صرف اس چنگ سے غرض تھی جو افش کے چہرے پر تھی۔

"مجھے پیش سے ڈیڈریشن میں دلچسپی رہی تھی مگر آج تک کبھی آزما نہیں تھا۔ چلی زندگی کی آزمائش ہے سوہوئی ہے۔ مگر اب میرا اپنا گھر ہے میں سارے ادیان پر دے کھول کی۔"

وہ ایک ایک کر کے ہر کونے کی چھانٹ کر رہی تھی۔ وہ زندگی میں بہت عرصے بعد خوش تھی اور توی کو کھڑا ہوا اس کی خوشی کا باعث ہے۔

اسے کوئی ملال نہیں تھا۔ اب کورٹ صحن کے بعد

وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے تو دونوں بے حد خاموش تھے۔ سست رفتار قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس آواز "۱۱۱۱" آئی تبدیلی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دم افش کے قدم رک گئے۔ توی کا دل دوسروں میں گھر گیا۔ جتنا اب وہ اس فیصلے پر غور ہوگی اور اسے ایک غلط فہمی سمجھ کر کھول جانے کو کہے گی۔ توی نے آہستگی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو افش جھک کر اپنے جوتوں کے حصے ہاتھ دی تھی۔ توی نے سکون کا سانس لیا اور اپنا ہاتھ چھڑا کر اس کو اٹھانے میں مدد دی۔ دونوں ایک مرتبہ پھر خاموشی سے سڑے کرنے لگے مگر اس بار دونوں نے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"ایک بات کہوں جو آخر افش نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔"

"مجھے بتئے ہوئے ہے کھانے ہیں مٹی کے ساتھ۔" افش نے قریب کھڑی ریزہ مٹی کی طرف اشارہ کیا اور ایک ماس کی شوقی واپس آئی۔

"آج اتنے خاص دن پر قہارے پاس کھانا نہیں ہے۔" توی نے کھانہ کی کون چکڑے ہوئے کھا۔

"کچھ منظر بدل پر افش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔" افش نے گاڑی کے بونٹ سے ٹپک لگلی۔

"بب کسی یاد گار دن کو یاد بار چینی کی خواہش ہو تو تصویر اتار لیتی جا ہے۔ اور اس وقتوں میں کام آتی ہے۔" توی کہتا ہوا آفریقا دکھانوں کی طرف چلا گیا اور

کچھ دیر بعد ایک فوٹو گرافر نے کر آیا۔ جس نے پر لائنڈیکر سے دونوں کی تصویر اتاری۔ دونوں کی شکل پر لہجہ ہوتا جوڑے والا نور تھا۔ توی نے تصویر اپنے ڈائٹ میں رکھ لی۔

"اب مجھے گھر چھوڑ دو۔" افش نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"مگر ہم مل کر رہائیں گے مگر مجھے تو ڈاؤنٹ درکار ہے۔" توی نے کہا۔

"ساری عمر مکاؤں میں رہنے کے بعد مجھے گھری

تھرا ہے گی۔"
ایش نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔



"سینٹر قیصر شادی ہوا ایک غیر مذہب تو اور ٹوکی"
توی کے آشکاف پر یکدم بدوقت جہاں پہلے سکتے میں
آئیں۔

"وجہات علی خان کے نواسے کی بیوی سینٹر قیصر
شادی ہو۔ وہ نہیں ہو سکتی۔" بدوقت جہاں اس زور
سے دھاڑیں کہ ان کی تواری کس کو بھی کے کوئے
کوئے تک مٹی گئی۔ جس خاتون کی نظر اگلے کا سانس
روک رہی تھی "ان کی دھاڑ سے کھر کے تمام افراد کا
خون خشک ہو گیا۔ توی بہت بہت کر کے ان کے
سامنے کیا تھا اس کو ان کے اسی دھمکی کی توقع تھی۔
وہ یہ خبر آہستہ آہستہ ان تک پہنچا چاہتا تھا مگر کورت
بھرنے کے جب وہ گھر پہنچا تو اس کی مکتبی کی تکرین
رکھی جا چکی تھی اور تیاروں زور پکڑ کر تھیں۔ اس
لئے وہ انتظار نہیں کر سکا۔

"تم نے ہماری نسلوں کو داغ دار روایت میں لایا
نہیں ہوئے۔" ہاں کی۔ اس کی اس گھر میں بھی ملتی تھی
نہیں بن سکتی۔ جو قطعی تھرنے کی ہے اسے ہم
سدھاریں گے۔ جاتی صاحب کے ہر "طلاق کے
پیر زہوا میں بہت تکسیر تو بن رہا ہے سامنے رہے
کی نہیں جھن نہیں گئے تھے۔" بدوقت جہاں نے کوئے
میں کھڑے لڑتے ہوئے جاتی صاحب کو ٹھہرایا۔
"میں اسے طلاق نہیں دلاں گا۔" توی کشتیاں جلا
کر کیا تھا۔

"اس سے تعلق رکھتا ہے تو یہ مگر جاہل اوسپ سے
باتھ دھو ہارے گا میں تم سے قیصر شادی کا نام تک جھین
لوں گی۔" جھین جاتی کہوں گی۔" تھنے سے ان کی
آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"کاش! موتا کا واسطہ دیا ہوتا مگر اسوس آپ کو
صرف ذیل ہی کرنی تھی ہے۔ نہیں چاہیے آپ کی
دوست۔" توی تھنے سے اٹھ اور کرسی کو ٹھوکر مار کر باہر

کی طرف پھرتا اس کا بھائی بوڑھا ہوا تھا اور کندھے
سے پکڑ کر اس کو دھکے کی کوشش کی۔ کوئی دو سراسل
ٹکائے کی توجہ دی مگر بدوقت جہاں نے دوک دیا۔

"آپ کے بعد اس گھر کا کوئی بھی فرد اس سے رابطہ
نہیں رہے گا۔ ہرگز نہیں۔"

توی تھنے سے دروازہ بند کر رہا تھا مگر سے نکل گیا۔
ایش کی طرف بھی منظر زیادہ مختلف نہیں تھا۔ فرق
اتھا تھا کہ اس کے والد کو ایش کی نگرانی میں دیکھی ہی
نہیں تھی اور ایش کو بھی تا فطرت کی محبت ہو چکی تھی۔
"تم سے اور توقع ہی کیا تھی۔ آخر تمساری رکوں

میں اس غلط صورت کا خون ہو رہا ہے۔ وہ بھی مجھ سے
تعلق تو نہ کر سکی اور سے شادی کرنے کے لیے جلی گئی
تھی۔ تمساری کی صورت سے میں نہیں نفرت بھی اس جیسی
نکلی۔ اگر تھنے کے بعد نہ کر سکیں تو ہم کھانا ہوں تمسارا
اجناس بھی اس جیسا ہی ہو گا۔ وہ وہی تو کرسی کرتی ہے
اور وہ کہوں گے اپارٹمنٹ میں زندگی بسر کر رہی ہے۔
جب یہ امیر زادہ چند دنوں کی عیاشی کے بعد ہمیں
بھوڑے گا تو تم بھی جو تیاں چنگنی پھوکی۔ تمسارے
باپ کی این بی اور چٹنے والے جیونی اسکولوں میں
تمساری لولہ تعلیم حاصل کرنے کو ترے گی۔" نفرت
اور گلیوں سے بھرے ہوئے یہ لفظ خلاف توقع ایش
کی آنکھوں میں آنسوئے آئے۔

وہ اپنا مختصر سا ایک اٹھا کر گھر سے باہر سڑک پر بیڑہ کر
توی کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد توی آیا تو ایش کو
چالاک کیا کہ وہ بھی اس کے لیے سب بھوڑا لیا ہے۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں کے کئی خدشات
دور ہو گئے۔ ایش کو لگا تھا کہ وہ پیار کرنے کے قاتل
نہیں مگر توی کی محبت اسے ہر مل احساس دلاتی تھی کہ
وہ کس قدر خاص ہے۔ توی نے زندگی کو بھٹ
ہراسوں سے مزین دیکھا تھا۔ ایک بھولے سے لپیر
فریج کے گھر میں سولی سے رہتا کس قدر خوفناک
ہو سکتا ہے۔ یہ ایش کے ساتھ رہ کر اسے معلوم ہوا۔
چند ہفتے کسی چنگ کے انداز میں گزارے۔ وہ ان ایسے
تھے کہ کئی لوگ اپنی تمام زندگیوں سے کر حاصل کرنا

ہر اپنے بھائی کا نام اور تین دن بعد کی تاریخ پر مبنی۔
انجنیوں کی طرح دعوت نامہ وصول کرنا ہے حد
تکلیف تھا۔

"تم بات کی ابتدا میں میرے پاس آتے تو میں ضرور
کوئی راستہ بتاتا۔ مصالحت کی کئی راہیں نکل سکتی
تھیں مگر تم نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اب یہ اتنا کا
مسئلہ بھی ہے اور عزت کا سوال بھی۔ اسی کی شرط وہی
ہے جو پہلے تھی۔"

"میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔" توی
کاہلہ گستاخ ہو گیا۔
"اور اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے ہو گیا۔ یہ
قیمت جتنی نہیں؟"

"وہ بھی عشق کی جھلک! آپ لوگ سمجھتے۔"
توی کا سارا جذبہ نجات کی طرح جھٹک گیا تھا۔ آج
اس کے لیے خاص دن تھا۔ اس کی سالگرہ تھی اور وہ
افش کے ساتھ مل کر نصف اندازہ ہونا چاہتا تھا مگر بھائی
کی آمد نے اسے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ وہ چھر کا
نہیں ہے۔ اسے گھر اور گھر والوں کی یاد ستاتی ہے۔ ان
کی جدائی نے اس کے دل میں کیسے ایک کٹی پھڑکادی
تھی جو افش کی بھرپور محبت چاہ کر بھی بچ نہیں کر سکتی
تھی۔ جب وہ گھر پہنچا تو افش گھر پر موجود تھی۔ جو ایک
منفوجیت تھی۔ زیادہ تر توی گھر آتا تو افش باہر نکلتی ہوتی
تھی۔ ابھی تصویر بننے بھی گھڑی کر افش کے کسی نئے
مرحلے کو طے کرنے اور کبھی پیچھے ہٹنے کی این ٹی اوز
کے کام سے جس سے وہ کچھ عرصے سے غفلت تھی۔
پھر کچھ دیر بعد گرو میں لٹی گھر آئی تو بی دیکھتے توی کو
دیکھ کر کہتی کہ بیگم جب بھی ہوئی باہر سے آئے تو
میاں کو تیار ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ توی اس کو بلبرے
میں قید کرنے کے لیے نہیں لایا تھا اور اسے یہی بات
سب سے زیادہ پسند تھی کہ اس نے شادی کے بعد اپنا
آپ نہیں بدلا تھا۔ پھر وہ نول مل کر کھانا تیار کرتے اور
سارے دن کی مصروفیات بیان کرتے۔

مگر آج کھانا بھی پہلے سے تیار تھا اور افش نے
غلاف عذرت شلوار کیس پہن کر کھانا چھاکا میک اپ کیا

چاہیں۔ پھر فریج پر کیا جس کو افش ترتیب دینے میں
کئی گھنٹے۔ اس کو خوش دیکھ کر توی کو اپنے فیصلے پر ناز
ہو تھا۔

"پہلو بس بہت کام کر لیا۔ اب تمہارا آرام کر لو۔"
توی نے بڑھ کر افش کا ہاتھ تھلا اور آہستگی سے اس پر
موجود گرہ مچا دی۔

"نہیں۔ ابھی ڈیکوریشن میں سیٹ کرنے ہیں۔"
میں نے اپنی کچھ تصاویر فریم کروائی ہیں وہ لگائی
جیں۔"

"ابھی نہیں۔" توی نے لاڈ سے کہا اور افش کو
کمرے کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر لیا۔



افش ٹیبل پر انگلیوں سے غائبانہ چانو بھاتے
ہوئے توی دل میں کوئی گانا گانگتا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے
ٹریبل ایجنٹ ہو کر اس کا تھلا اپنی سالگرہ کا تحفہ گرو خوش
ہو رہا تھا۔ انٹر کام کی ٹھنکی کئی اور ٹیکسٹری نے ایک نئے
ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دی۔ توی کی فکری انگلیاں
رک گئیں۔

"بچہ جی۔" جس نے جدید انداز میں کہا۔
انگلی ہی لیے اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوا۔
وہ لوں کے درمیان واضح سمجھا تھا مگر توی نے اٹھ کر
استقبال کیا۔

"کیسے ہو؟" جس نے نصرت سے سنا تھا۔
"یہ سوال آپ کو کچھ مہینے بعد یاد آیا" توی شکوہ
کرنے سے سبک نہ چلا۔

"آجے گروے صحت ہو۔" قصاری حرکت پر ہمارا
قصہ بڑھا تھا۔

میرا سامنے کے بعد غصہ جاتو نہیں۔ ویسے آپ کا
یہاں آنا آپ کو کبھی سزا دلوا سکتا ہے یا ملاقاتوں کو ٹھٹھنے
کی اجازت دے دیتی تھی ہے۔" توی آنے کی وجہ پوچھ
رہا تھا۔

مگر میں شادی ہے۔ اس کے بھائی نے دعوت
نامہ نکال کر میرے رکھ دیا۔ توی نے جھکا جھکا کر اس

حالت میں تم سطر کیے کوئی۔ میں کب سے تمہارے لیے یہ ٹرپ پلان کر رہا تھا۔ تمہارا وہیہ اتنا سلا ہو گا۔ مجھے ہرگز امید نہیں تھی۔“

”اپنی لولائی خبریں کر آپ کا وہیہ اتنا خطرناک ہو گا۔ مجھے بھی ایسی امید نہیں تھی۔“ وہ فیض کو دیکھ پچھا تھا۔

”میں تمہارے اندر کے فنکار کو دیکھتا ہوں۔ میں نے تم سے بھی توقع نہیں کی کہ گھر بیٹھو، بیچے پیدا کرو اور اُمیں پالنے میں خود کو ضائع کرو۔“ کوئی نے نرم لہجے میں کہا۔

”مگر میں نے اس بچی خواہش کی ہے۔“

”کیوں دباؤ ڈال رہے ہو؟ اس کی طرح جذباتی ہو رہی ہو؟“

میں کب کہہ رہا ہوں کہ مجھے اولاد نہیں چاہیے مگر ابھی نہیں۔“

”اب تمہارا بی بی بھولان کی طرح ہو رہے ہو صرف اپنا سوچو۔“

”میں نے اپنے بارے میں سوچنا ہو تا تو اپنی ماں کی پسند کی جگہ سے شادی کر کے زندگی گزار رہا ہوں تا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ ایک مختلف زندگی کا انتخاب کیا۔ اب تم چاہتی ہو کہ بندہ حوں میں جکڑ کر وہی زندگی گزاروں جس کو میں تمہو کر رہا کر آیا ہوں تو پھر میں نے کیوں اپنے خاندان کی ناراضی منہ لی۔ ایسی زندگی تو وہاں بھی موجود تھی۔“

سارے دن کی دہائی ہوئی تھی ساگر آگئی۔

”میں بھی تمہارے لیے بہت کچھ فکرا کر آئی ہوں۔“ فیض کی آنکھوں میں جلی تھکنے لگی۔

اس کے آنسو دیکھ کر کوئی خبر گیا اور اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

”میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتیں محبت کرنے والے رشتوں کو چھوڑنا کس قدر کرب کا باعث ہو تا ہے۔ میرے بھائی کی شادی ہے جس میں میں شریک نہیں ہو سکا۔ اب یہ خد کر کے مجھے مزید دہچی نہ کرو۔“ کوئی نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر بکھلایا۔

”میں ایک ہو کن جلی سے ہوں تو کیسے جان سکتی

ہو ا تھا۔

”ابھی رات تھو ڈے۔“ فیض نے جھگڑاتے ہوئے چہرے سے کہا۔

”صرف ساہو کی رات تھو ڈے کوش۔“ میرا خند کماں ہے۔“ کوئی اپنے بو بھل مزاج کا اثر اس خوشگوار رات پر نہیں ڈالنے چاہتا تھا۔

”خند بھی ہے اور کیک بھی۔“

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تھیل کے پاس لے آئی جہاں کئی موسم قیوں میں گمراہا کالٹ کیک رکھا تھا۔ دونوں نے مل کر کیک کاٹا۔

”میرے پاس بھی تمہارے لیے خند ہے۔“ کوئی نے بیک سے دھار ٹھٹ نکالیں۔ ”میری زندگی کو خاص بنانے کا شکریہ۔ یہ جو پ کے نور کے دو ٹکٹے ہیں۔“

”مجھے مینے؟“ فیض نے ٹکٹ کھول کر تہنخ پڑھی۔

”وہاں تمہی ہر کے تصور پر کھینچا۔ دنیا ایک بھلا کر بنا اور میں تمہیں دیکھ کر ریگیس کر رہا۔“ کوئی فیض کے چہرے پر متوجہ خوشی نہ دیکھ کر حیران ہوا۔

فیض کچھ لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر قریب چلی سینے بھل رپ رت کوئی کو تھیلی۔

”یہ میری طرف سے آپ کے لیے خند۔ گنڈ نود ہے۔“ فیض نے اس کے کندھے پر صوف کا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کوئی نے رپ رت کھول کر ایک نظر بھی بھر نہیں سوچو وہ صوفیوں کے قریب لے جا کر اسے آگ لگادی۔ فیض نے خوف زدہ ہو کر خود کو کوئی سے دھڑکیا جیسے اب اس کو خود کو لگی ہو۔

”ابھی اس سب کا وقت نہیں ہے۔ ابھی ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ دنیا وہ جتنی ہے تمہارے اتنے خواب ہیں۔ ان سب پکڑوں میں بڑھنے تو چھوٹی سی عمر میں خوار ہو جائیں گے۔“ کوئی نے جہاں ہو ا کھنڈ زمین پر پھینکا۔ فیض حیران اس کی صورت تک رہی تھی۔

”لوں کم کن مجھے ایسے مت دیکھو۔ ٹو سوچو اس

شاہجگ بیگ سے ایک اہل سفید رنگ کا بچہ سوت نکلا اور دھڑے سے کوئی کے ہاتھ میں چھوڑا۔ کوئی کے مضبوط ہاتھوں میں اس سوت بے حد چھوٹا لگ رہا تھا۔

”جو چچا اتنی چھوٹی سی ہونہ غور کرتی ہے اور نہ ہی رکھوت سختی ہے۔“ ہاتھ میں لے کر نکلتے ہوئے کہتا۔

”میرے ملائے ہاتھ میں محبت نہیں تھی۔ اور ان کے لیے بوجھ تھی۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہے۔“ کوئی نے جواب میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا سب بھول گیا۔

”میں مجھے تم کا بچہ ہوں۔ احمد، کبھی مجھے ہوں چھوڑ کر نہ جائے۔“ اس کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا تھا۔

”نہیں جانتی تھی، کبھی نہیں جانتی تھی۔ وعدہ کرتی ہوئی۔“ انہیں نے کہا۔

”میرا اپنا وعدہ تھا نہیں کر سکی اور اسے چھوڑ گئی۔“ چھ بچوں بعد ایک کھٹی سی بچی کو جنمو نے چلی گئی۔ کوئی نے اسے بہت مثلاً۔ وہ نہیں مانی۔ کوئی دوا کر اپنی محبت کا واسطہ دتا مگر اس نے نہیں سمجھی۔ ک۔ تم سے بذات کوئی آپریشن فیملی اور نوروں نرسی کے درمیان کارڈ دے رہی بیٹھا آگے کی راہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس بچی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا جو انش کے جانے کی وجہ تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک فن ملایا۔

”اے۔ میں تو ہی بل رہا ہوں۔“



تیم روٹن جہاں نے جب بی کو گود میں اٹھایا تو وہ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ وہ بی بی ان کے لیے ایک لڑائی کی مانند تھی۔ جو اس شاندار جیت پر انہیں ملی تھی۔ کوئی کی ضد ہار گئی تھی اور ان کی اتنا سرخ ہوئی تھی۔ ان کے لیے وہ بی بی اس بات کی نشانی تھی کہ وہ حق جہاں کو پہنچ کر نہ لانا کہ مل کر جانا ہے۔ سوچ کر ان کے کندھوں کے ساتھ ساتھ کر رہی تھی مزہ اڑ

ہوں اور تمہاری خواہش پوری کر کے شاید عمر بھر نہ جان سکوں۔ البتہ میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب میں پوری کار شہ اپنے عہد میں پہنچتا ہے تو پوری شہر کے ہندو کا حصہ اپنے اندر ہر کس قدر خوش ہوتی ہے اور جب شہر اس احساس کو دے گا تو اس کے ہر فرد کے بچے سے زمین نکل جاتی ہے۔“ انش نے آنسو پونچھے اور بچے ہونے پر ہنسی مانی۔

کوئی نے پھینکی ہوئی موسم تھیں کو فیس میں فرش پر پھینکا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے سوفٹ پر شرمندگی نہیں تھی۔ انسو صرف اس بات کا تھا کہ وہ بات سنبھل نہیں سکا۔ وہ انش کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہت دیر سے پکڑے ہوئے دوسرا بھل کر تار پل پھر انش کو دوا نہ کھول کر باہر نکل گیا کہ شاید وہ نہیں سمجھتی ہو مگر وہ نہیں سمجھتی تھی۔ کوئی ایک بار پھر اندر آیا اور پانی کے ٹھنڈے گلاس سے دماغ ٹھنڈا کیا کہ وہ آئے گی تو اسے کس انداز میں قائل کرے گا اسے یقین تھا کہ وہ ان جانے گی۔ تمام افکار تہ تیہ ہے کہ وہ غیر ارادی طور پر انش کے پاس نہ جانے لگے۔ انش نے مجھے گزر گئے نہ نہیں آئی۔ کوئی کو بے جا بلی ہونے لگی۔ اگلے دو گھنٹے اس نے اندر باہر آتے جاتے گزار دیے۔ وہ اس کی سرکاری طبیعت سے واقف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اسے وہ خود کو نقصان نہ پہنچا دے۔

”نہ خدا دے۔ کیا سدا۔“ کوئی نے دوسرے بل کے ساتھ سوچا جس کی رشتوں کی ہے اعتباری کو ختم کر کے ایک بار پھر جی کا غصہ بے دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ آئے گی تو اس سے معافی مانگے گا۔ اس کا نظریہ نے کامیاب کر کے کئی گئی ہوگی۔ گاڑی کی چابی پکڑ کر باہر کی طرف بھاگتا انش کا ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاہجگ بیگ لیے کھڑی تھی۔ وہ دوا اسے سے بہت گیا۔ انش اندر آئی اور شاہجگ بیگ پیڑ پر رکھ کر ایک کھانے لگی۔ اسے چھپتا بہت بھوک لگی تھی۔ جو منٹوں میں ایک بڑا سا ٹھوڑا جٹ کر گئی۔ کوئی نے ایک کالیک اور ٹھوڑا کٹ کر اس کی طرف بڑھایا اس نے وہ بھی کھا لیا۔ پھر انش نے

مکمل

”حالی صاحب! یہ آپ کے پاس میری لمانت ہے“ خیال رکھنا۔ ”دو دن قبل نے پتی گاڑی کی سیٹ پر رکھ دی اور گاڑی سے اتر گئیں۔ حالی صاحب اسے اپنے گھر لے آئے ان کی بیگم نے مکان نے اس کی اپنی اولاد کی طرح بدوش کی۔ مہم تین سال کی تھی۔ تخت پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ مکان پر آدھے میں پہنچے استری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ان کے دونوں بچے اودھم مچاتے آئے۔ دونوں نے نئے کھلونے لیے تھے۔ مہم کے پاس گاڑی بھی اور صابر کے پاس بے بیڈ تھا۔ جو تھا تو ٹوٹی بس ساتھ لیور کا تھا جس کی بدولت ہوا میں چھوڑ دو فری پر گر کر پھرتی سے پھرانے لگا تھا۔ مہم صبر سے تخت پر گاڑی چلانے لگا۔ تاکہ مہم بھی لطف اندوز ہو سکے۔ صابر کی بھی جس پھرتی اور اس نے لیور کا مہم کی طرف کر کے لٹا آواز کیا۔ لٹو فری پر گر کر کے بجائے مہم کی آنکھ پر گر کر پھر تخت پر گر کر کھوٹنے لگا۔

مہم نے تکلیف سے چٹخا شروع کر دیا۔ مکان استری چھوڑ کر آئیں اور مہم کو اٹھایا۔ مکان کے اوپر خون کا قطرہ موجود تھا۔ مہم نے خوف سے آنکھیں میچ کر رکھی تھیں۔ تسلی ہوئی کہ آنکھ محفوظ ہے۔ مہم نے حد شرمندہ ہوا اور مہم کو چاروں طرف سے معافی مانگی۔ مہم کا زخم بھر گیا۔ مہم کے اوپر جلد پر خشک ہو گیا۔ جیسے تین چوں والا کوئی پھول ہو۔

یہ روٹک جانتے کے بعد مہم کو اکثر یہ منظر یاد آتا۔ اس کی چوٹھی ساگرہ جیسے اجنبیت سے معافی مانگی۔ پڑوسیوں کے بچے کئی تھاں لائے اور مہم اور صابر نے اپنی سب مشق جو ذکر اسے ایک منگنی کر لیا لے کر دی۔ مکان نے کئی کپڑے لے کر دیے۔ مہم سب کھلونوں پر بھاری وہ خند تھا۔ مہم کی دلدلی نے بھجوا دیا تھا۔

”اس کا پورے ایک سال میں داخلہ کروا دیا گیا۔“

اور یوں مہم سفید دین جس جینہ کرور تک پہنچی گئی۔ مہم صابر اور مہم صابر دانی کہہ رہے تھے۔

اس کی ہند پکوں پر کسی کی پھونک کی سرسراہٹ ہوئی۔ وہ رات دیر سے سوتی گئی۔ اس نے پکلیں بست واپس ہوئی تھیں۔ اپنی اچھیلیوں کی بدولت آکھیں مل کر اس نے نہ کھلا۔ مکان اللہ کا توازن کچھ پر نہ کر پھونک رہی تھیں۔

”السلام علیکم۔“ مہم نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ ”جنتی رہو۔ منہ ہاتھ دھو لو گھس سو کو کہہ کر تھمرا دیا۔“ ہاتھ دھو کر کچھ مہم مجن میں تخت پر آگئی۔ صابر نے گرم گرم لٹا دیا اور مہم کے سامنے رکھ دیا۔ مہم نے ڈنک کر ہاتھ لیا۔ مہم نے مکان کے کمرے میں آگئی۔

”اللہ! میرے باپ کا ہم کیا ہے؟“ ہمت کر کے مہم نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“ مہم نے بھی نہیں پوچھا۔ جب انسان کا داری محل کر بی لیتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی لکین جاتا ہے۔“

مہم نے چونک کر اللہ کو دیکھا۔ ان کے لیے سے واضح تھا کہ ان کا مقصد تنہا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ایک حقیقت بیان کر رہی تھیں۔

”اور داری۔“ مہم کے الفاظ خود اس کے لیے اجنبی تھے۔

”وہ کافی برس پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ ان کے بعد حالی صاحب ہی ذمہ داری سے تھمرائے اغراہات دیکھتے تھے۔“

”جب میں انجان تھی تو خدائی کا درد ہے۔ حد تکلیف وہ تھا اب جاننے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ اس انکشاف میں اس سے کہیں زیادہ اتنت ہے کہ میرے رشتے ہیں مگر انہوں نے مجھے ایک نو عمر کی طرح خود سے الگ کر دیا۔“

”میری بچی! خود کو کیل ملامت کرتی ہو۔ بد قسمت ہیں وہ لوگ جو تم جیسی بیاری بچی سے محروم ہو گئے۔“ اللہ نے تسلی دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیلا۔ مگر

ہام کی شکل پر واضح تھا کہ اس کی کنواہٹ میں کوئی کی نہیں ہوئی۔

"یہ حکم صاحب کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام مدین شاہ ہے۔ اس کی بیگم صاحبہ سہلی ہے۔ اس کے چار بچے ہیں۔"

"دوسرے بیٹے کا نام علیل شاہ ہے۔ اس کی بیگم علیلہ مشہور سوشل ورکر ہے۔ انگریز اداروں میں تصدیق آتی ہیں۔ غریب عورتوں کے روزگار کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کے بھی دو بچے ہیں۔ تیسرے کا نام عبد ہے۔ وہ بہت سلجھا ہوا اور عزت کرنے والا لڑکا تھا۔ ملک سے باہر جاتا تو علیلہ صاحبہ کے لیے بھی تحفہ ضرور لاتا۔"

"وہ بھی شادی شدہ ہیں؟"

"ہاں بیٹا! اس کی بیگم نے بالکل بیگم صاحبہ کے انداز میں گھر سنبھالا ہوا ہے۔ سلیقہ، رعب اور انتظام تینوں ہی خوب پائے ہیں۔ اس کا نام نو شین ہے۔ لال خاموش ہو گئیں۔

"میں نے گھر کا پتہ دیکھ لیا ہے؟" ہام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

سیاہ آہنی گیت کے سامنے کھڑے ہو کر ہام نے اپنا حوصلہ اس حریفی نما گھر سے نواہٹ مچایا۔ آج وہ اس گھر کی دیوار میں لڑائے کے لواحق ہے۔ آئی گئی۔ اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔ جس میں اس کی تمام دستخط تھیں۔ اس کی فیس سب "بیک انڈائنٹ نمبر" اس کے تمام روزگاری کارڈ، وہ ہر بات کے لیے تیار تھی۔ اس کے افسر کے بعد عین ممکن تھا "اسے دھتے دے کر نکال دیا جائے گا" اسے ہوا نہیں تھی۔ اس کے دل میں جو آگ لگی تھی وہ اس کی جنگاری اس گھر میں بسنے والے رشتوں کو لگا جاتی تھی۔ وہ بے قصور ہو کر آگلی کیوں چلے۔ اس نے فحش جہالت تو ایک گارڈ نمودار ہوا۔

"مجھے گھر والوں سے ملنا ہے۔" ہام نے تہ کا

مقصود کیا۔

"سید صاحب! ہمیں جانب دوانا ہے۔" گارڈ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ لان سے گزر کر دو دروازے کے قریب پہنچی تو اس کی ساری اہمیت حیرت میں بدل گئی۔ سامنے دو اور لڑکیاں باغیچہ میں فاصلے سے بیٹھی تھیں۔ وہ دونوں گھبرائی ہوئی تھیں۔ ایک کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی۔ جو بیگم صاحبہ سے پہلی کی روش نکل کر بیٹی کو چار دیواری میں لور حوصلہ کی تاکید کر رہی تھی۔ ہام ایک غلطی کر رہی پر چنہ گئی۔ دو دروازے سے ایک ملازم نمودار ہوئی اور وہ کھلی دروازے کا کھلا۔ کچھ دیر بعد وہ لڑکی باہر نکلی اور وہ سر ہٹائی گئی۔ ہام نے رات بھر بار بار اپنے الفاظ حق کی طرف دہرائے تھے کہ اسے کیا کہنا ہے۔

"تپ تپا گئی۔" ملازم نے اسے لوہ سے مخاطب کیا۔ کہیں کہیں اس کا طبع باقی دونوں سے کئی گنا بہتر تھا۔

"میرا ہام نور ہے اور میں بیگم رونق جہاں اور قیصر شاہ کی بہن ہوں۔" ہام نے ذہن میں پتلا جملہ دہرایا جو اسے گنا تھا اور اجازت لینے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ سامنے صوفے پر ایک عورت غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ہام نے جھٹکے سے فاصلے اس کے سامنے ٹھیکر پر رکھی۔

"سید صاحب! ہم نور ہے۔"

"چنہ چنہ۔" خاتون نے اس کی بات کٹ دی اور اپنے ہاتھ میں تھامی ڈائری میں ہام کا نام درج کر لیا۔ ہام نے پھر رونے کی کوشش کی مگر وہ قائل دیکھنے لگی۔ "آپ نے مری سے پوچھا ہے؟" حیرت میں اس کے منہ سے انگریزی نکلی تھی۔

"کچھ کشادہ دل کو کوں کا احسان ہے؟" وہ نہ قسمت جیم خانے میں بھی لے جاتی تو میرا کیا اعتبار تھا۔

"آپ کی تعلیم کتنی اچھی ہے۔ اتنے منگے اور مشہور اداروں میں پڑھتے ہوئے آپ کو جانب کی ضرورت کیسے پڑ گئی؟" خاتون نے فاصلے میں کھڑات دیکھ کر کہا۔

"جالب۔" نام نے دریافت کیا۔
 "گور میں کوئی چند گھنٹوں کی نیوز کی تلاش میں
 نہیں ہوں۔ مجھے دن بھر کا لُچ چاہیے۔ جس سے بچے
 فیمل سینور لہو گوجا سکھو سکھو گئیں۔ آپ کے
 گھروالے ایازت سے دس گے؟"
 "اپنا کوئی ہو تو باہر میں دھنکے نہ کھا رہی ہوں۔"
 "ہم نے اجاڑے میں نوکری کے لیے پھانسی بھری تھی۔"
 "تو آپ ہنسنے ہی ہیں۔ باہر کی آپ کو
 ضرورت نہیں رہے گی۔ جہاں تک آپ کی پڑھائی کا
 تعلق ہے تو وہ اکو سو فیصد ہو سکتی ہے۔ ہمارے بچے
 اتنے پھولے نہیں ہیں کہ چوبیس گھنٹے گھرانی کی
 جائے۔ خاتون نے غافل رہا جس کی۔
 "میں یہاں اس لیے نہیں آئی۔ مجھے کسی اور گھر
 والے سے ملنا ہے۔"
 "ابھی آپ کی تقرری نہیں ہوئی۔ علاوہ انزالی لے
 کو۔"

خاتون نے ملازم کو توڑ دی جو لوازمات سے بھی
 انزالی لے آئی۔ نام کو خاطر واقعہ کی ہرگز توقع نہیں
 تھی مگر کچھ بھی پلان کے مطابق نہیں ہو سکا تھا۔
 "میرا نام تو نہیں ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ کچھ
 لو۔" خاتون نے انزالی کی طرف اشارہ کیا۔
 نام کو کھانے کی خواہش نہیں تھی مگر اسے گھر کے
 بارے میں مزید جاننے کا موقع مل رہا تھا جس لیے انکار
 نہیں کیا۔ نام نے پچھت نکال کر نوٹشیں کی طرف
 بڑھائی اور سچ سچ چٹا نہیں بلکہ اس نے خود ہی پینٹ کے کر
 پڑا کا ٹھوڑا اٹھا لیا۔ اس سب کے دوران نوٹشیں بغور نام
 کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ اس سے نام کو اندازہ ہوا کہ
 اس خاطر کا مقصد واضح ہرگز نہیں بلکہ یہ انٹرویو کی
 ایک کڑی ہے۔

"میری بڑی بیٹی ماہین بڑی کیسین میں ہے۔ ذہن کی
 کافی تیز ہے۔ بلکہ کچھ زیادہ تیز ہے۔ اس کا خیال
 رکھنا پڑا ہے کہ اپنی قابلیت صحیح جگہ استعمال کرے۔
 پھر وہاں سے موجد ہو گا اس قاتیو میں ہے اور ایک جیٹا سلا
 ہے جو انکی پہلی گاڑی میں ہے۔"

نام نے برا ظم کر کے پیٹ پر دھکا دیا۔
 "آپ سبھی بھی نوٹ۔ تو نوٹشیں نے اشارہ کیا۔
 نام کو ہینڈو کھانے میں بیٹھ کوفت ہوئی تھی۔
 ہف چھتری کے بے شمار پورے پیٹ میں کرتے
 تھے مگر نوٹشیں نے عمل مندی سے ساتھ چھتری بھی
 رکھوائی تھی۔ کہیں کہ اکثر مسلمان کو حالانے کی خواہش
 ظاہر کرتے ہیں۔ نام نے چھتری سے ہینڈو کو حال کیا پھر
 اس تھکے کے بھی دو گھنٹے کر لیے تاکہ پیٹ میں
 توڑتے وقت توازن ہو جائے۔ وہ دو گھنٹے اپنی پیٹ میں
 ڈال کر آرام سے بیٹھ کر نوٹشیں کی سکرپٹ سے
 اندازہ ہوا تھا کہ نام نے سبھی اس کو لیا ہے۔

"میرے علاوہ وہ علی بھائی کے بچے بھی آپ کی
 ذمہ داری ہیں۔ انھیں نام لانا پورا باسترے کر اس
 گھر میں آئی۔ جہاں باہر اس کا حق تھا مگر نام کو
 احساس تھا کہ وہ بھی ایک بڑی بڑا ہے اس گھر میں
 ان کی دنیا میں شاید ہی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ ہو۔
 "ابو کا بیٹی سچ انام کو کافی چھوڑتی ہے وہی تھیں
 کچھ لے جائے گی۔ وہاں کے کو وقت صبح ہی ایک
 دو بجے سے ملے کر لیا کرنا مگر وہاں رہے تھیں
 پڑھائی تھارے کام میں جا لیتے تھے۔ بچوں کے
 گھر کے گھر کے اسی گھر میں ہیں مگر کے باقی افراد کی
 ذاتیات کا خیال کرنا اپنی دونوں کو بچوں کی روٹین کے
 ساتھ ملالو تاکہ جیل میڈر زبان اور انداز کی بھی تربیت
 دے سکے۔ اس گھر میں سولیات کی کی نہیں اور گھر
 والوں کے دل میں وسعت بھی ہے۔ مگر مجھے دلچسپ
 چاہیوں۔ خاص طور پر عالیہ بھائی کے بیٹے سفیان کے
 معاملے میں۔ وہ ہمیشہ سے ہی کم گو ہے۔ اس کے لیے
 پہلے تین ٹیوٹرز کے چاہئے ہیں مگر وہ ان سے بھی بات
 نہیں کر سکتا۔" نوٹشیں نے دس منٹ مسلسل بولنے
 کے بعد سانس لیا اور موضوع بدلا۔

"جان میں جا کر گھر کو مگر راز تھیں نہ بچوں سے
 شام کو مل لیتا۔"

"بی بی سب۔" نام تھری طرح سیدھی کھڑی تھی۔
 "تم مجھے اتنی کہہ سکتی ہو۔" نوٹشیں پہلی بار

میں نے انہیں روک دیا تھا کہ گھر کے کون سے حصے گھر کے افراد کے ذاتی استعمال کے ہیں، انہیں اس کا داخلہ قبول نہیں، پھر بھی حسب عادت ہم نظر بچا کر پورے گھر کا جائزہ کر چکی تھی۔ دوسرے کی ذاتیات میں مداخلت نہ کرنے کا اس نے اب تک خاص خیال رکھا تھا۔ جس روز اس سے مداخلت سرزد ہوئی تھی اس روز اسے حدود کے اندر خود بلایا گیا تھا۔

ڈنر کے بعد اسے علیہ نے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ ملاقات کی وجہ بچوں کے اسکول میں ہونے والی چٹنیں، پھر بیٹنگ تھی، جس میں ہم میں جاسکتی تھی۔ دھتک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بعد ازاں اسے علیہ نظر تری تھی جو صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"آپ کو ہوں جانا چاہیے تھا۔" صوفے پر سر جھک کر کہا گیا تھا۔

"میں صوفہ تھا۔" علیہ کی سرزد تو انہیں ہم کے

کانوں میں پڑی۔

"میں نے بعد دو گھنٹے کاٹنا اس قدر مشکل نہیں

ہوئی۔" علیہ کا شکوہ قرار تھا۔

"تم جو چلی گئی تھی۔" دوسری طرف سر دھری

میں کوئی کی نہیں آئی تھی۔

"آپ ان کے پاس ہیں۔ آپ کا فرض بنتا ہے کہ

آپ بھی جائیں۔" شکوہ بڑھ رہا تھا اور احتیاط کم ہوتی

جاری تھی۔

"اپنے فرائض مجھے معلوم ہیں۔ ملک کے بہترین

اسکول میں پڑھ رہے ہیں۔ آسٹریلیا ان کے ہاتھوں کا

میل ہے۔ فرائض کی گہرست نہ کھلو، اور نہ حقوق کی

لست جملی کل جائے گی۔" بیجے کی سوئی اچانک آگ

میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہی۔ مگر بچوں کو ہم

دونوں کی ضرورت ہے۔ وہ بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کی

مدد تھی کیا ہیں۔ دوست کون ہیں۔ آپ کو سب معلوم

ہونا چاہیے۔" ہم بیچے میں بے بس اٹھا تھی۔

"دو ذرا بائیں کھینچنے کی غیبت سو کر سب کی ذمہ داری

اٹھانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے زندگی گروی رکھ دی ہو

اور اس سب محنت کے بعد انسان کی سزا چاہتا ہے کہ

وہ کتنا پروا اور ناکارہ ہے۔" علیہ بیچے نے سر جھک لیا۔

"میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ہم ایک گھنٹہ کی

طرح رہیں۔ اپنی مصروفیت میں بچوں کا نقصان نہ کر

بیچیں، ہم ایک کمرے میں ساتھ بھی بیٹھے ہوں تو

سر بیچے کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"بچہ بیٹا بیٹا محنت میں تم میری کوئی بچاس برائیاں

کرتا ہے۔ اس سے تم نے خود ثابت کر دیا کہ میرے

ساتھ وقت گزارنے کے بچوں کو کوئی مثبت اثر نہیں

پڑے گا۔" تو اور دوڑے کے نزدیک تری تھی۔

علیہ نے ہاتھ ایسے گھمائی کہ علیہ بھی چٹا کر

گھمائی ہر بحث ایسے ہی، صوفہ میں چٹنیں کر رہی تھی۔

"میں غل غل کلاس ہاؤس وائف کی طرح بحث نہیں

کرتا تھا۔" آئی ایم سوری۔ آپ جانتا چاہیں گے نتیجہ

نے کیا پر رشتہ داری؟

"میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تم سب سنبھال

لو گی۔ ہمیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ میں

تھوڑے فیصلوں پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ ہی

مداخلت کرتا ہوں۔"

جملہ عمل کرتے کرتے علیہ دوڑنے کے سامنے

آ گیا اور ہم پر نظر پڑی۔ ہم گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

علیہ کی غصیلی نظر سے ہم کو گفت اور شرمندگی کا

احساس ہوا تھا۔ علیہ جلدی سے کمرے سے باہر آئی

اور احتیاط سے دوڑا بند کر دیا۔

"آپ نے خود بلایا تھا۔" ہم نے فوراً صفائی چش

کی۔

"ہاں۔ میں نے بلایا تھا۔" شرمندگی علیہ کو بھی

ہوئی تھی۔ اس نے شک آکھوں کو ہی دنگ کر لوٹا

بھال کئے۔

"ہاں دراصل آج میٹنگ ختمی بچوں کے اسکول میں نیچر سے ملاقات ہوئی۔" عالیہ اٹک کر کہہ دی تھی۔

"رڈن پہلے سے بہتر ہے۔ سفیان کے ہوسورک اور نیسٹ میں بہتری سے متوجہ ہو کر شکایت ہے کہ وہ کم صدمہ دیتا ہے گوشت کدھر میں روئے کی تکفیل کرنے کی پیکش کر اؤ۔"

"جی بہتر۔ میں کوئی موضوع دے دیا کروں گی کہ کم از کم دس جملے بولے گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ گاہیں تھوڑی سی بہتری پر خوش ہونے میں ہفتہ ضائع کرنے کے بجائے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" ہام کا ذہن اب تک پچھلی گفتگو دہرا رہا تھا۔ اگر اس کی کوئی ہم عمر ہوئی تو وہ آگے بڑھ کر غم یا شرمیلی نفسیاتی فکر مسئلہ حل کے سلسلے میں وہ بہت نہیں کر سکی اور ایس میڈم کہہ کر پلٹ گئی۔

ہام کے دل پر یہ نفسیاتی دباؤ کی وجہ ہونے لگی تھی۔ وہ تو ہماری ختمی اس لیے جگل کی گھاس کی طرح خود بڑھی تھی۔ اس گھر کے بچے ہام کو خود جیسے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی لٹنڈک کی ایک لہر اس کے سر پر اندر اترتے محسوس کی۔

☆ ☆ ☆
خضر لاہوری میں کتابوں میں گہرا بیضا تھا۔ دور گھاس ڈور کے بیچ ہام کو دور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ خضر کی کرسی تریچھی تھی اس لیے توجہ نہ لگی۔ ہام بہت کر کے لاہوری کے لٹرو داخل ہوئی۔

"کھارو دکھائیں۔" چونے چہرے والی لاہورین نے کہا۔
"کھارو تو نہیں ہے۔" ہام نے معصوم شکل بنائی۔
"کھارو کے بغیر نہیں جاسکتیں۔" عورت نے بے زاری سے کہا۔

خضر فاصلے پر بیٹھا تھا اس لیے تو از رو پتہ مناسب نہ تھا۔ ہام افسردہ ہو کر دوڑاؤسے کی طرف بچی۔ آہستہ

سے ایک سے موائل نکلا اور باقی ایک زمین کی طرف پلٹ دیا۔ میٹنگ کی موائل میں کتابیں، دھڑو، حوڑ کی کواڑ کے ساتھ ایک کے بعد ایک فرش پر گر کر اور پر سکون فضا میں مل جل رہی تھی۔ ہر شخص نے ہزار نکلاؤں کیلئے۔
"اتنا شور کیوں کر رہی ہیں۔ باہر جائیں۔" عورت غصیلے انداز میں چلائی۔ ہام بے فکری سے کتابیں اٹھانے لگی تو خضر اس کی مدد کو آگیا۔

"موائل کیوں اتنے گھمبیر ہیں کب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس سے پہلے خضر تو شاید نے اعتراف کر لیا ہام نے کی گواہی۔

"تم نے مجھے کب بھی دھمکاؤں سے نہیں ڈرا۔" خضر کی شرارت پر ملاقات کے ساتھ بڑھتی جاری تھی۔ ہام نے نظم بن کر فوراً بات بدلی۔

"یہ لاہورین غیر شرمیلی شدہ ہونے کے باعث اتنی چلی چلتی رہتی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے مصائب نے خود بخود بتا دی ہے؟"

"میں خواتین کے بارے میں زیادہ معلومات رکھنے کا لاری نہیں سمجھتی سناؤ۔"

"بعثت پکارتا شروع کر دی ہے۔ جلد ہی حق کے جھنڈے گاڑوں گی۔" وہ بات کرتے کرتے ایک جنازہ بننے لگے۔ جو درشت کے تے کو درمیان سے تو حاکمات کر دیا کیا تھا۔ اور گرد کی استوائت گروپ بنا کر بیٹھے تھے۔ بے فکری کا یہ عالم دیکھ کر ہام چند لمحے خیالوں میں کھو گئی۔

"کس سوچ میں پڑ گئی ہو۔" خضر نے اس کے خیالوں کا سلسلہ توڑنے کے لیے بچی بھائی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک بے فکری ساتھ نہیں چھوڑتی۔" خضر بیٹھ خاموش ہو کر پوری توجہ سے اس بات سنتا تھا۔

"میں سمجھتی تھی اس گھر میں جا کر مجھے میرے سوالوں کے جواب مل جائیں گے لیکن جتنی تکفیل میں ہوئی ہوں اس سے مجھے خوف آتا ہے۔ ہاں سوچے مجھے میں قدم اٹھا چکی تو احساس ہوا کہ میں کسی خطی کی طالب نہیں ہوں۔" ہام اپنی زبان سے لوا ہوئے

الفاظ کا مطلب خود بھی نہیں سمجھ پاری تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے خضر کو دیکھا جیسے اسے یقین ہو کر وہ اسے سمجھا سکتا ہے۔

"جو چیز یک طرفہ محبت سے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ ایک طرفہ نفرت ہے۔ محبت کے غم میں تم آزار کم لذت تو ہوتی ہے۔ نفرت تو اس سے بھی عذراں رہ سکتی ہے۔" خضر نے وہ نظروں میں سمجھایا۔

"میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ اور صوری سطوحت ہے۔ یہ جیہٹے سوالوں کی جہل ہو گئی کہوتی ہے۔"

"جو جانتی ہو وہ جان کر بے سکون ہو رہی ہو۔ اس بات کی کیا یقین دہانی ہے کہ مکمل حقائق جان کر تمہیں سکون مل جائے گا؟"

"ایسا لگتا ہے نہیں کچھ بھی نہیں جانتی۔ سانپ پیڑھی کے کھیل میں ہر وقت پھنسنے کی جالی ہوں اور پھر سے ابتداء آگزی ہوئی ہوں۔" نام کا نامہ از غصیلے ہو جا رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے سب سے بڑی حقیقت تم جانتی ہو۔"

"ہاں۔" نامہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"یہ کہ تم کوں بچوں کی پیڑ ہو۔ استاد تیار کا یہ مقدس رشتہ کسی بدلے کی محنت نہیں چڑھتا چاہیے۔" خضر نے نرم لہجے میں سمجھایا۔

"تم جانتے ہو نہیں کہ جب اس نیت سے نہیں کی۔" نامہ کی حد اعلیٰ بڑھ گئی۔

"لیکن بچے یہ نہیں جانتے۔ انہوں نے تم میں ہمیشہ اپنی پیڑی دیکھی ہے۔ اب اس مصلحت کو رسوا مت کرو۔ سب کچھ بھول کر ایک بار صرف اس رشتے پر توجہ دو۔ ایک اچھی استاد ہو۔"

"تم راستے اچھے کیے ہو؟" نامہ کی نظر میں ستائش کے علاوہ کئی کمرے جذبات تھے۔

"اچھے لوگوں کی محبت میں رہتا ہوں۔" خضر کو آنکھیں پڑھنا خوب آتا تھا۔ چند لمحوں کے لیے نامہ نے نظریں جھانپیں اور کھاس کو دیکھنے لگی مگر خضر کی نظر

اسی پر قائم تھی۔ وہ صبح تک رہا مگر کیا نامہ کے پاس اتنا عطف تھا۔

"تم بہت قاتل ہو۔ تم نے اسے کیا کرنا چاہتے ہو۔" نامہ اس کی آنکھ کی مش دیکھی لینے لگی تھی۔

"میں بس اپنی تعلیم کا حق لو کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے اور حورا جواب دیا۔

"کامیابی بس وہ قدم ہی دور ہے۔ ایک قدم پونہ دو سنی سے بڑی سی فکری نے کر لکھو وہ سراسر ایک شہرہ آفاق کنڈیشننگ آپس میں ہو گا۔" خضر نے غور سے نامہ کو دیکھا اور یقین کیا کہ اسے اپنے خواب کا حصہ دار بنانا چاہیے تھا۔

"یہ تو کیا؟" نامہ نے اس کی نظریں توڑ دی۔

"میں ایک ایسا کامیاب بنانا چاہتا ہوں جہاں ہر بھی ایک مضمون کی طرف رجحان جائے۔ اس کی باقاعدہ کلاس ہو اور بچوں کی تعلیمی اشیاء فوٹ کر کے بچوں کی پس کاغذ پر اور ان کا عجیب فریق بھی لکھ آئے۔" خضر کی بات پر نامہ کے چہرے پر رونق آئی۔

"میں نے پیسے اور برصائی میں بہت خواری دیکھی ہے۔ دونوں چیزیں بیکار کر کے ایک ہی پمٹ کے بچے مینا کرنا میرا خواب بن گیا ہے۔" خضر کے ارادوں کی چٹکی لہجے میں لہلہاں گئی۔

"چٹکی گاڑی پونہ دوئی ملازم اور لٹھرا آفس بہت جاہلیت رکھتے ہیں۔ کیس تمہیں تسلا اقتصاد بھلائے پر مجبور نہ کر دیں۔"

"حقیقی رشتے بھی بہت جاہلیت رکھتے ہیں۔ کیس؟" مل جانے کے بعد خضر نے مجبور نہ کر دیں کہ مجھے بھلا دو۔" بے خیالی میں خضر کے منہ سے غصہ نکلا۔



اسکول سے واپسی پر وہ بچوں کو لے کر آفس کیم پارکر روک گئی۔ ہر سیکے نے اپنی پسند کی آفس کیم کون میں ڈالوائی اور کھانے لگے۔ نشان نے اپنی پڑھ لکھت کی مسجد جہاں اسے کی روایت قائم رکھی اور ایک ٹیڑھا سا تار دیا جس کی تیاری میں وقت درکار تھا۔

تھکاوٹ جسم کو ہو سکتی ہے تو ذہن بھی اس کے زیر اثر آسکتا ہے۔ سفیان اڑھنی بیماری کا شکار ہے۔ "ہام اپنی عمر سے بڑا کام کرنے جا رہی تھی۔"

"بیمہ اور تفصیل سے جانو۔"

"اس بیماری کو قحط کوٹا کہتے ہیں۔ بعض بچے کچھ بچوں پر بالکل نارمل انداز میں چلنے لگتے ہیں جیسے کمرنگ ٹیمپر بچوں پر لاکھ کو پیش کے بل بوتہ پر چلے گئے ہیں جیسے اسکول۔ اسکول کے ابتدائی سالوں میں واضح ہو جاتی ہے مگر سفیان کو بیش و پیش کا ساتھ میسر رہا۔ اس لیے اس کی لوت بھی یہ بیماری پوشیدہ رہ گئی۔" ہام اس پر تفصیل سے تحقیق کر چکی تھی۔

"یہ شعلہ ہام کے باعث ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے ہام کا نقص نہیں اس لیے علاج ایک طرح سے ذہنی طور سے سارا کاچھوڑ دیا ہے۔" ہام نے عالیہ کو پریشان دیکھ کر مزید وضاحت کی۔

"اسے سائیکھارٹ کو دکھاتے ہیں۔" عالیہ نے کہا۔



"یہ غیر معمولی بیماری ہے اس لیے اکثر اس کو شرم" بے چینی یا اضمحلت بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کم از کم پورا ایک مہینہ اس کی علامات جاری رہنے پر ہی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔" ڈاکٹر کے سر پر تو مس پل اور آنکھوں پر گناہ پڑنے لگا۔

"اس کی وجہ کیا ہے؟" عالیہ نے سوال کیا جبکہ ہام ساتھ والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"تحقیقات بہت واضح نہیں ہیں۔ کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اکثر انیس اور پندرہ لکھو ہوتی ہیں جس سے بچے کی شخصیت کی مناسب نشوونما نہیں ہو جاتی اور وہ صحت پر ضرورت سے زیادہ منحصر ہونے لگتا ہے۔"

"ہمارے معاملے میں ایسا نہیں۔ میں ایک دورنگ وومن ہوں۔" عالیہ نے اس الزام سے خود کو بری کر دیا۔

"آج آپ نے اسکول میں کچھ بولا؟" ہام نے سفیان سے پوچھا۔

"مجھے بڑے میں ایک بکسا ہے جب بھی میں بولنا چاہتا ہوں وہ بکسا زور زور سے ہٹا ہے اور سارے لفظ اس میں پھنس جاتے ہیں۔" سفیان نے مصومیت سے مقلد ہی۔

"معاذ میرے بچے غلام پر آئیں کریم نہ کراؤ۔"

سفیان نے ڈانٹا۔

"لطیفی ہو گئی۔" معاذ نے معذرت کی۔

لطیفی کھینچنے کے عمل کا بازی خد ہے جو لطیفی سے گھبرا رہا ہے وہ کبھی کبھی نہیں پاتا۔ سفیان کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ شکست کے ڈار سے کھیل سے ہی منہ موڑ لینا سب سے بڑی شکست تھی۔

"تو کیا ہوا۔ یہ لوہیں نے بھی کراوی۔" ہام نے اپنے دامن پر آئیں کریم کا چھینا کر اگر ایک نئے کھیل کا آغاز کر دیا۔ سفیان کو سکھانا چاہتی تھی کہ ہر وقت اپنی کڑی جانچ نہیں کرنی چاہیے۔ گناہ ہونا یا غلط ہونا زندگی کا حصہ ہے۔ اس کھیل میں سادوں کے ہی کپڑے مختلف آئیں کریموں سے رنگیں ہوتے جتنے مسکراتے۔ مگر پہلے تو نوٹین در ہوتے ہیں۔ جتنے ملاؤں میں شل رہی تھی۔ وہ پچھلے عین ہفتوں کے اپنے شوہر کے ساتھ وہ سب سے ختم ہوئی تھی۔

ابھانک پائی کہ ہام کو ایک کنڈر لے میں بیٹھا تھا۔

"بلوہ فوراً" لوہر تو۔ "ہام کی کواڑ پر بلوہ وہ ذاتی ہوتی تھی۔"

"بچوں کے کپڑے بدلواؤ اور فوراً" دھو دھو ہنسے دارغ نہ کہے ہو جائیں۔" ڈاکٹر بلوہ کو دے رہی تھی مگر اپنی شعلہ بار نظریں ہام پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ہام سرخسائی سے گڑی جا رہی تھی۔

"دراصل یہ سفیان کے علاج کے لیے اہم تھا۔"

اس نے ہمت کر کے گہری سانس لی۔

"علاج؟" شرمیلا ہے مگر غدا اخوات بیمار نہیں ہے۔ یہ کس قسم کا طریقہ ہے۔"

"بیماری جسم کی میس ذہن کی بھی ہوتی ہے۔"

"بعض اوقات والدین میں سے کوئی اپنے زانی کا شکار ہوتا ہے۔ تب بھی بچے میں اثرات منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ علاج کا جو پرہیز انسان کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے وہ زیادہ پرہیز ہوتا ہے۔ اس لیے ہر خطرے کو نمایاں کر کے دکھانا ہے اس سے بچ جائے اور ملامت کا شکار ہو جائے اور وہ لڑنے پر دوڑنے کو ترجیح دیتا ہے۔ آپ کے بچے کو بولنے میں کوئی دشواری ہے؟" علیہ ذہن پر زور دیتے گئے۔
 "ہو۔" نہیں بولتا یا اس کی جگہ ملتا ہے لیکن یہ کبھی بگھڑا ہوا ہے۔ "ہام نے اس بار بھر سبقت لی۔

"یعنی اگر وہ بولنا چاہے بھی تو زبان کی یہ کنوڑی اس کو شرمندہ کر دیتی ہے۔ اس لیے وہ میسر ہو لانا ترک کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسکول میں دوسرے بچے اس کا مذاق بھی اڑاتے ہوں۔" ڈاکٹر کی بات پر دونوں خواتین نے اذیت میں سر ہلایا۔

"ایک بار بیماری کی تصدیق ہو جائے تو فوراً علاج کی طرف پھرتا چلا جائے۔ آخری سوال پر چھٹا چلتا ہوں۔ کیا بچپن میں سفیان نے عجیبہ حالات دیکھے ہیں۔ کوئی معمولی صدمہ بھی چھوٹے بچے کے ذہن پر بڑا اثر چھوڑ جاتا ہے۔" ڈاکٹر کے ساتھ ہام بھی مختصر نظموں سے علیہ کو کہنے لگی۔
 علیہ نے اپنی گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو ختمی سے جھینپا۔

"جانتا اس لیے بھی ضروری ہے کہیں کہ جیتا۔ وہ خوف اب بھی اس کے اندر موجود ہے۔" ڈاکٹر کا پیشہ ہی خاموشی بانچتا تھا۔

"میرے شوہر اور مجھ میں کوئی قاتل و ذکرہ ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی مگر ابتدا میں زندگی خوش گوار تھی۔ ہمارے رشتے میں واضح اختلافات سفیان کی پیدائش پر شروع ہو گئے۔ سفیان نے بچپن میں ہی ماں باپ کی حلقہ کھائی تھی۔"

"کیا ختمی کی وجہ سفیان خود تھا؟" ڈاکٹر نے کھنڈ پر اہم نکات کہے۔

"جی نہیں۔ میرے شوہر چاہتے تھے کہ میں ہم کر دوں۔ لیکن کو کھر میں رہنے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔ میں نے ہم شروع کیا لیکن دوسرے بچے کی وجہ سے اسے دو کنبہ ہوا۔ میرے شوہر کی ماور میری اکثر تخرار ہوتی تھی۔ تب تک سفیان بولنے لگا تھا۔ میں نے سفیان کو تحقیق کی تھی کہ وہ کمرے کی باتیں باہر نہ کرے۔"

ڈاکٹر نے ہاتھ ملا کر مزید بولنے سے منع کر دیا۔ اس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ یعنی یہ ماں کی تاکید تھی کہ اس بچے نے غلطی اپنی غلطی میں شامل کر لی تھی۔

کیس ملوثی عمل کر کے ڈاکٹر نے سفیان کا تفصیلی معائنہ کیا۔

خضر لاہور واپس آیا تو ہام سے ملنے فوراً چلا گیا تھا۔ وہ سب گفت سے ایک تھکا لایا تھا۔ اس لیے ہام سے ملنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گاڑنے اسے لان میں بٹھایا اور اندر اطلاع دی۔ خضر کرسیوں کے درمیان لگا۔ تپیل کا شور بلند ہوا تو خضر نے کوئی کچھ اور کھلے پردے سے ایک کٹے کا صدمہ منظور کیا۔ درجن شدہ کی شدائی کی سائیکل پر سفیان کے کلاس میں نظم سنانے کو یہ سلیپیٹ لگایا جا رہا تھا۔ جس کا کریڈٹ جہانگ سب نے ہام کو دے دیا تھا۔ ہام کو سب سے پہلے ٹیک کھلایا گیا پھر باقیوں نے اپنی اپنی ٹیبلٹیں تھامیں۔ عدنان صاحب نے پوچھ کر بار دوایا تو خضر کو لگا جیسے ہام نے اپنی بچکانہ پالی ہو۔ ہام کی دبا محفل ہو گئی تھی۔ اسے اب کسی خضر کو کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ خضر نے اپنی بیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لمبائی سانس بھری۔

"ہام ملی بی! آپ سے کوئی ملے آیا ہے۔" ٹھوڑے اطلاع دی۔ ہام خود وہاں سے جانا چاہتی تھی اس لیے فوراً باہر نکلی۔ ہام کوئی سوچو نہ تھا۔ لان خالی تھی۔ ہام اندر میرے کو منتظر کر اپنے کمرے کی طرف چل نکلتی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ ستر پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر

ایک لمحے کے لیے ہام کو کوفت ہوئی۔ کچھ دیر پہلے
عالیہ ہام کا شکریہ کرنے اٹھتا رہی تھی۔ اب ان
کے خیالوں نے گویا تار تار سے اس کی عمر کے
لوگوں کی دلجوئی کر کے وہ تھک گئی تھی۔ اس نے دواخانہ
نکلنے کا اپنے آنے کی اطلاع دی۔

عالیہ قیصر شہ نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے دیکھتے
ہوئے میرا کاگی اندر میں گھرا ہوا کیا۔ ہام نے کوفت سے
دو قدم اندر بڑھائے اور عالیہ شہ کی طرف سوالیہ
نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے عالیہ شہ کے اس طرح
مستقل دیکھنے سے کوفت ہو رہی تھی۔

"کوئی کام تھا آپ کو؟" عالیہ ہام کو کئی کتابچوں پر
"ہاں۔ وہ۔" عالیہ شہ کھڑے ڈاسٹا آگے بڑھا اور اس
کے الفاظ کے ساتھ اس کے قدم بھی لاؤ گھڑا گئے۔
"ہام۔ میں۔ تم۔" ہام نے واضح طور پر اس
کی آنکھیں میٹھی دیکھیں اور پھر بالکل اچانک ہی عالیہ
شہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے پیچ لیا۔

"میری بچی۔ میری ہام۔ میری لاش۔"
اور ہام جو اس اچانک الفاظ پر غلا گئی تھی۔ عالیہ
کی بات سن کر ایک لمحے کو جیسے ساکت رہ گئی۔ اس
نے جھٹکے سے عالیہ شہ کو پیچے دھکیلا۔ بڑی آنکھیں
لڑتے ہوئے وقت نے توی کو کافی بدکار اور
رعب دار بنا دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد بالکل جھل میں
اور سر میں درد اور سفید ہل اس کے ہاتھ کی جاتی تھیں
کو مزید بڑھا رہے تھے۔ ہام کے اندر ایک ٹوکان بڑھا
ہو گیا۔ اس نے ہاتھ جھٹکیں جو موجود ہر چیز پر
دے ماری۔ ہر ٹوکان کی بو میں فرش پر گر کر گر کر رہی
ہو گئی تو ذہن کو پکڑا دینے والی چیز تو جھوٹیں پورے
کمرے میں پھیل گئیں۔ وہ شکست سے موٹی موٹی
کتابیں زمین پر پڑنے لگی۔ اس کے پاؤں میں کافی چہرہ
رہے تھے۔

"بیٹا۔ خود کو تکلیف مت دے۔ تم۔ تم میری
ازیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"
"تو کیا آپ میری شکایات کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟"

ہوا! وہ اندر سے چیخی۔

"مجھے بتایا گیا تھا کہ تم کہ تم میری نہیں۔
تصاری کنڈیشن اچھی نہیں تھی۔ تم زندہ نہیں رہ
سکیں۔" عالیہ نے اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ "میرا قصور
صرف اتنا ہے کہ میں نے آنکھ بند کر کے اپنی ہل پر
یقین کر لیا۔ شاید وہ جانتی تھی کہ تصاری موتیوں میں
میں دو سری شادی کر کے تم پر سوتیلی ماں مسلط نہیں
کر سکتا تھا۔"

"کاش۔ مری گئی ہوتی۔" وہ سوتیلی بہن کی۔ اس کی
سائیس ہمارا ہو رہی تھی۔

"ایسا نہ کہہ۔ اب ایسا نہ کہہ۔ جینے۔" عالیہ نے
ترپ کر کہا۔ ہام نے ذہنی نظروں سے اسے دیکھا۔
"مطلوبہ ہو۔" اسے کھڑے ہوا مگر سوچ۔ اس طرح تم
کئی شکایات سے بھری تھیں۔ یہاں رہتیں تو پہل پہل
اپنے وجود کی وضاحت کرنی پڑتی۔"

تو ایک ایک بات میں نے اپنے وجود کو تلاش
کرنے میں اپنی پہچان کے تعاقب میں گزارا ہے۔
وقت تو بھر گئی مجھ پر مہمان نہیں رہا۔" وہ سسک
اٹھی۔

"تم نے اپنی پہچان خود بنائی ہے۔ میرے ذہن میں
شاید یہ اتنی نہ گھبراہٹ۔" عالیہ رو پڑا۔ ہام شکست
نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ عالیہ کو اس کی نظروں
میں اپنے لیے کوئی تمنا نہیں۔ کوئی رحم نہیں نظر آ رہا تھا۔
"ایک بار میری بات سن لو۔" عالیہ نے التجائیہ
کہا۔

"اب ایسا کیا کر سکتے ہیں آپ جو میری عمر میں کا
ازادہ کرے۔" ہام نے طنزیہ انداز میں کہا۔
"تصاری ماں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔"
"ہاں؟" ہام کو ایک اور ایسی احساس نے گھیر لیا۔



عالیہ نے آہستگی سے لاش کے چہرے سے ہل
جھٹکے لاش گری خیر سو رہی تھی۔
"صبح کی روشنی میں فوٹو کرائی ابھی ہوئی ہے۔"

قصص الانبياء



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب ہے آپ
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ حضرت محمد ﷺ
کا شجرہ و ملت حاصل کریں۔

قیمت 300/- روپے
بذریعہ ذاک منگوانے پر ڈاک خرچ 50/- روپے

بذریعہ ذاک منگوانے کے لئے
مکتبہ محمد عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

عادل نے افش کی کو بیات دیر لڑی۔
”تو تم بچو، کیرالور قصور سمجھو اس تاریخی دن کی“
جب پہلی بار تم مجھ سے پہلے یہ اربو گئے۔ ”افش نے
کروٹ بدل کر نہ آگھوں سے جواب دیا۔
”چلو اٹھو۔ آج صبح میڈیکل رات پر لگتے ہیں۔ پہلے کی
طرح سارا دن باہر گزارا کریں گے۔“
”آج نہیں۔ جی بوجھل ہو رہا ہے۔“ افش نے
سستی سے کہا۔

وہ اکثر چھٹی والے دن بنا چلان کے نکل کھڑے
ہوتے تھے۔ ان کا بس ایک اصول تھا کہ افکار نہیں
کرتا۔ پھر جب بیماری پیسے مانگتا تو بچے ہوتے اور کوئی
پوسٹر کسی فلم کی تصویر کرتے ہوئے دیکھنے کو کہتا تو وہ بھی
دیکھتے۔ ہر دن سیر پالے کرتے تھے۔ مگر اب افش کی
انڈیو نمبر کی حس بھی اس کی طرح بے وقت اور بے ستر
وقت اور مصیبت برپا ہو گئی۔

”ابھی بچے کی کیا جلدی تھی۔“ عادل نے کوٹ
سے کہا۔

”ہاں ابھی تو تمہارے کھیلنے کو نے کہہ دی تھی۔“
افش نے چادر منہ پر ڈال لی۔ عادل نے سچ دیکھ کر
اخبار اٹھالیا۔

عادل نے افش کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے
تھے مگر وہ دل سے قائل نہیں ہوا تھا۔ بچے کا فیصلہ
جلد بازی سمجھتا تھا۔ اس نے بحث پر مزید وقت ضائع
نہیں کیا۔ جس طرح افش کی حالت تھی اسے پورا
یقین تھا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گی۔ چند ہفتوں میں
افش کی طبیعت بہتر ہونے لگی تو وہ پھر سے پہلے والے
معمولات پر آگئی۔ کیرالے کر نکل کھڑے ہوئے اور شام
ڈھلے گھر واپس آئے۔

”کوئی اہوار سے بچے کا ڈسب کیا ہو گا؟“ افش نے
ایک شام جمیڈ کی سے پوچھا۔

”ابن آدموں میں مت پڑو۔ ابھی وقت نہیں
ہے۔“ عادل نے خود بھی یہ بات نہیں سوچی تھی۔
وہ افش کی جنس کی علوت سے واقف تھا۔ اس

نے ایک دو بار افش کو کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتے بھی دیکھا۔ "یقیناً" اس نے کوئی راول سوچ لی تھی جو دوبارہ بحث نہیں چھڑی۔

چند مہینے گزر گئے تو وہ اپنی کوئی راہ نہ رہی اور عادل نے بھی آنسو والی تہریلی کو قبول کر لیا تھا۔

اور اس دن۔ عادل کی وی دیکھتے ہوئے صوفے پر اٹھا سو گیا تھا۔ افش کیمرے کی فلی اور تصویر اٹکے گئی۔

"یہ میرے ہاتھ کی اتنی خوبصورت تصویر کیا کرنی ہے؟" عادل نے جھلکا کر پوچھا۔

"نیکے کا روم سیٹ کھل گئی تو ایک بار آپ کی ہر طرح کی تصویریں سے بھر دیں گی، مگر جب آپ آپس جانیں تو وہ اواس نہ ہو۔" افش ان دونوں پہنچنے لگی تھی۔

"دوسری بار آپ اگر تم اپنی تصویر لگانے کا سوچ رہی ہو تو میرا خیال ہے ایک ہی تصویر بہت ہوگی۔"

عادل نے اس کے مونہے پر ہر جوت کی۔

"میں اس سے دور کتب جاکوں گی سانس کی طرح چھٹی رہوں گی۔ سانس کی دیوار پر جوں سوچ کی

دوستی پڑی ہے، وہاں میں طمع انقلاب کی تصویر لگاؤں گی، مگر سانس کی پہلی دوستی کے ساتھ پہلے جیسے

سوچ کرے میں طمع ہو رہا ہے۔" افش نے اپنا پان تھاپا۔

اور اچھی طرح اس نے سوچ سے رہیں لگائی تھی اور اس سے پہلے جانتے ہیں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ ٹائٹ

سوٹ میں ہی بہت پر جگہ لگائی تھی، زانی پوزیٹ کر کے وہ سوچ کے طمع ہونے کا انکار کرتے لگی۔ سوچ

کی پہلی جھلک سے پہلے ہی افش نے تصویر اٹارتا شروع کر دی تھی۔ ایک پہلے تصویر کے انکار

میں اس نے کئی دنوں صرف کر دیے۔ جب وہ اپنی کار کردگی سے مطمئن ہو گئی تو ٹھنکاتے ہوئے کیمرہ اور

زانی پوزیشن لگی۔ قسمت کو اس کی خوشی پر اعتراض نہیں تھا مگر وہ ایک کرسی کی کریمیں تھی اس نے سوچ

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لیا۔ اس نے ایک قدم پیچھے کیا تو زانی پوز سے ٹکرا کر پیچھے لڑختے لگی۔ ایک ذرا سی غلطی کی سزا میں وہ بہت سے زمین پر جا

دڑی لگی تھی۔ اسپتال پہنچنے تک بہت خون خرابا ہو چکا تھا۔ فوراً

آپریشن کر کے زانی کو زندہ نکال لیا گیا تھا مگر بری پیچور ہونے کی وجہ سے انکسور شو میں دکھایا گیا تھا۔ افش کی

حالت سمجھنے کا انکار ہو رہا تھا مگر اس کی ضروری سرجری ہو گئی۔ فالج میں شان حال کوئی کس کے آتے

اور مشکل الفاظ میں پیچیدہ ممکنات بیان کرتے رہے۔ وہ یونسی بے حال دوسری اور فلی کی رو کو درمیان ٹھنک

رہا مگر وہاں میں ہی قسم کھنے کی بہت نہیں کہایا۔ انکسور افش کی سرجری ہو رہی تھی تو عادل باہر بیٹھا

اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا، اس کے بے دوستوں سے بڑھ کر وہ بہترین استاد تھے۔ وہ اکثر لمبی چٹیلوں پر

بیٹھے۔ عادل بھی نوجوانی میں اکثر ان کے ساتھ جاتے رہا تھا۔ ان کے ساتھ جب وہ پ کے طور پر قہار

تھی کی موت ہوئی تھی۔ انہیں خیر انجیل زبان نے عادل کے ہاتھ پاؤں بچھا دیے تھے۔ آج بھی وہ اسی

طرح پر کھلا ہوا تھا۔ "فلی ایم سوئی۔ وہ دوران سرجری ہی چل

ہیں۔" وہ اکثر نے کچھ جانی پہچانی بات کی تھی۔

"مجھے رشتے کیوں داس نہیں آتے۔" عادل نے اپنے دل سے سوال کیا۔ جس سے محبت کا رشتہ قائم

کر رہا ہوں۔ وہ چند قدموں بعد ہی کہیں منہ موڑ جاتا ہے۔ اس نے باپ کے جنازے کو کندھا دیا تھا تو

انگلیف سے تڑپ کر سوچا تھا باپ میں نہیں لگنے کا مگر بھر بار بیٹھا۔ اب وہ کہیں سے افش کی مٹی میں دفنانے

کی بہت لالہ وہ خود کو قصود وار سمجھنے لگا۔ لغت حاست کرنے لگا جیسے اس میں کوئی خاص نقص ہو۔

جس کو چھو تا ہے مٹی کو جتا ہے۔ وہ اسپتال میں تھا اور کسی کے پاس کے مرض کا علاج نہیں تھا۔ وہ افش کے پاس گیا تو موت نے اس کا سناٹا چھو

تھی۔ اس کا جسم افش جیسا بے حد دیا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت علیہ نے بیوہ کرودا اندر نہ کر لیا اور عادل سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا۔ باہم افش کا ہی وہ سراپا تھا۔ باہم کو دیکھ کر افش کی یاد شدت پکڑنے لگی تھی اور وہ صبر سے صبر اپنے خصل سے نکلنے لگا۔ فرق اتنا تھا کہ باہم کی مہجور کی سے اب افش کی یاد کی جبین خستہ ہو رہی تھی۔ باہم اسے ایک تر و تازہ ہوا کے جسم کے کی مانند یاد آتی۔ اس کا خیال سلا کو اپنے دلی آگ سے بلند کر لیا۔ روشنی پہیلانے والے چراغ کا ادب اختیار کر گئی تھی۔ اس کے علیہ اور بچوں کا ساتھ بھی جھلکتے لگا تھا۔ اس رشتے کی مضبوطی کو ابھی دہ نہیں ہوئی تھی اس نے بچوں کو آئیں کہ ہم کھانا لے کی، باقی بھری اور راستے میں جب حاجی صاحب کے گھر ہم کو ڈراپ کیا تو سب حقیقت

سفید کر دیا تھا۔ عادل کو اسے بے سہ اور سرور کھینے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے اس سے باہم شروع کر دیا۔ وہ بے یاد لائے، اکسیا کہ کاش وہ بول نہ کر لیا کیونکہ نہ ہو تو وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ وہ بھی کو افش کی موت کا قصور وار نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس میں اپنا دل تیری بار دیا پر لگنے کی ہمت نہ تھی۔ اس کو لگا کہ وہ بچی سے دور ہی رہے تو بہتر ہے۔ وہ اپنی خواست سے اس شخص کو بھانا چاہتا تھا۔ اس نے باہم کو دور سے دیکھا تو بچوں میں جکڑی لگتی ہوئی تھی۔ باہم سے اسے خوف کیا تھا۔ وہ خود کو اس قاتل نہیں سمجھتا تھا کہ ایک نیا رشتہ ہو گئے اس کے لیے پلٹ آیا۔ بچی کی ذمہ داری اپنی ماں کو دے کر وہ کچھ سالوں کے لیے باہر چلا گیا۔ پھر روٹی جہاں کے انتقال کے بعد واپس آیا۔ چھوٹے بھائی کے بھی بیچ ہو چکے تھے۔ جس کی شادی روٹی جہاں نے آوی کے گھر چھوڑنے کے بعد نو شین سے کر دی تھی۔ اسی کا کڑا اسے اپنی ساگرہ کے دل سے موصول ہوا تھا۔

علیہ کا انتخاب نو شین نے کیا تھا۔ وہ سب سے پہلے نہیں تھی مگر کہاتے بیچے مگر کی بڑھی لکھی اور سبھی بھولی لڑکی تھی۔ ابتدا میں عادل شطرنج تھا مگر جلد ہی علیہ کے ساتھ نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ علیہ میں افش تلاش کر آتا تھا۔ اس نے علیہ کو کمرے عادت پر نوکنا شروع کر دیا۔ لیکن علیہ نے کمرے باہر قدم نکال لیا۔ وہ افش کو دین بن سکی مگر علیہ بھی نہیں رہی اور دونوں کے رشتے میں مزید مجھڑا آنے لگا۔

اس دن اسکول کی میٹنگ سے آکر مت عرصے بعد دونوں میں ٹھکارا ہوئی۔ عادل جان چھڑانے کے بعد از میں بات کھانا تھا تو اسے احساس ہوا کہ کمرے کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے بیوہ کرودا اندر بند کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے ہی جم گیا۔ باہر ہو کھلائی ہوئی افش کھڑی تھی۔ افش کی صورت دیکھے ہی اسکول کی آنکھوں کے سامنے گزرتی رہتی تھی مگر اتنی دیر تک بھی نہ تھی۔ عادل نے غور کیا وہ افش سے کچھ مختلف

شرعہ کی نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ وہ یہ کیا کر بیٹا تھا۔ چند فون کالز میں نوکرا چپک کیا باہم کے سر پر نکلیت دیکھے تو چند گھنٹوں میں ثابت ہو گیا کہ باہم اسی کا خون ہے۔ افش کا خیال اسے شرعہ کرنے لگا تھا۔ وہ اس کی لذت کی حفاظت نہ کر سکا تھا اور وہ سہول کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کا وقتی کھانا اس نے اپنا

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بچوں کے لیے ایک نیا جہاں



شرعہ بخاری

قیمت 300 روپے

حقیقت سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ اب تک مصلحت کی بنا پر خاموش تھے۔ باقی گمراہوں نے بھی باہم کی حقیقت کو قبول کر لیا تھا۔ سب نے اپنے انداز میں باہم کو احساس دلایا کہ وہ خوش ہیں کہ باہم اس گمراہ حقیقی فرد ہے۔ ناشتے کے بعد عدنان نے اسے اپنے آئس اسٹری میں بلایا جو دو دن قبل سے انہیں دراشت میں ملا تھا۔ گھر کا سربراہ ہونے کے ناتے ان کا فرض تھا کہ اس تبدیلی کو قبول کریں اور باہم کو سارا دے کر اس کی منتظر بن جائیں۔

"ہماری تربیت میں شامل ہی نہیں تھا کہ اللہ سے بحث کی جائے اور رسول پوچھنے کے حق سے ہم خود دستبردار ہو گئے۔ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اس معاملے میں باہم کی بھی نہیں کافی سنی ضروری اسطرح اس گمراہ کی صفائی نہیں جس میں سارا بھی قصور ہے۔" باہم نے خاموشی سے سر جھکا کر ان کی مہذرت سنی۔

"گھر کے خطا کر کے خود کو چھوٹا ثابت کریں تو چھوٹوں کی جگہ ہے کہ بچپن دکھا کر انہیں معاف کریں۔ تم کو اپنا رشتہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس گمراہ کا قریب بن چکی ہو۔ اب میری التجا ہے کہ خود کو بھی اجنبی نہ سمجھو۔ تمہارا حق اور ہمارے فرائض ابھی بہت زیادہ ہیں۔ ہمیں غیر کچھ کر تکلیف نہ دینا۔" انہوں نے شفقت سے اس کا سر سسٹایا اور اسے باقاعدہ اس گمراہ فرد تسلیم کیا۔

باہم سہلہ پر ہلکا سا مسکرائی اور لانچ کی طرف چل دی۔ ایک دو چمچ پینا اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ مسافت کی تنگن آنٹی زیادہ بھی کی منتظر پانے کی راحت ابھی تک محسوس نہیں کھاتی تھی۔

"لی لی لی! آپ کا خط کیا ہے۔" بلورہ نے ایک ہیرنگ آقا کو باہم کو گھمایا جس پر اس کے نام کے ساتھ دھج ورنج نہیں تھا۔ گمراہ لکھنے والا خود دوا دے پر چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے خط کھولا۔

"باہم! گوبلی ملاقات کے بعد میں دوڑی سوچتا تھا کہ اب ملو گی تو کن الفاظ میں تمہیں اپنے جذبات کے بارے

میں تبدیلی کر کے کیا۔ وہ گھر میں وقت دینے کا تھا۔ سفلیان کی حالت میں سدھار لانے کی کوشش کرنے کا تھا۔ علیہ کو بل سے سپورٹ کر دیا تھا کہ اپنی این پی او کی مصروفیات ترک کر کے گھر کی طرف توجہ دے۔ ساتھ ساتھ وہ بہت جگ کر دیا تھا کہ باہم کو حقیقت بتا سکے۔ اس نے عدنان اہللی سے بات کر لی تھی۔ وہ باہم کو تحفظ دیں گے۔ اس گھر میں اسے بھی جیسی رشتہ بن کر آتا تھا۔ اب وہاں اس گمراہ کی عزت بن کر رہے گی عدنان کی بیوی کی حیثیت سے۔



"میں جانتی تھی کہ آپ کی ایک پہلی بیوی بھی تھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اس کے وجود کو ہمیشہ اپنے درمیان محسوس کیا ہے۔ مجھے اس پر ایک ہی سبقت حاصل تھی کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں گمراہ اس میں بھی مجھ سے بازی لے گئی۔" علیہ نے چہرہ پٹا تھوڑے میں چھپا لیا۔

عدنان آہستگی سے اس کے پاس آدھرا اور اس کے کندھے پر ہانڈ رکھ دیا۔ علیہ نے اپنا سر عدنان کے کندھے پر تکیا۔ پہلے بھی عدنان نے اسے ایسی تسلی نہیں دی تھی۔ علیہ کے خدشے سننے لگے۔ اس نے آنسو پرچھ کر دیکھا تو احساس ہوا کہ عدنان کی کہن معمول سے زیادہ بھی ہوئی تھی۔

"وہ آپ کو معاف کر دے گی۔ ہم اسے مل کر سنا نہیں گے۔" علیہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ دیا۔ "تم میرا ساتھ دو لی۔" عدنان نے پہلی بار اس سے اس کا ساتھ مانگا تھا۔ وہ خاموشی سے سرشار کیے نہ ہوئی۔



وہ صبح اٹھی تو گھر میں عدنان کے بعد کی خاموشی تھی۔ راستہ جب باہم پر آشفتہ ہو رہے تھے تو باہر مللی گمراہوں پر بھی حیرت انگیز معلومات کی ہوجھاڑ ہو رہی تھی۔ سب نے اپنے اپنے ذہن کے مطابق معاملے کو سمجھ کر کچھ کچھ لیا تھا۔ عدنان شہاد اور سفلیان بیگم تو تمام



خضر کیس کے ایک دران سے جسے میں لوٹی
نیچی زین پر بیٹھا تھا، جب مام نے اوجھڑے ہوئے
ہوئے خضر سے کچھ کرکڑا ہو گیا۔ قدم پر جھانپے ہوئے
مام کو ٹھوکر لگی۔ اسے کرنے سے بچانے کے لیے
خضر نے پیٹ کر اسے قلم لیا۔ مام خضر کے کالر کا سارا
لے کر سنبھل گئی اور وہیں بیٹھ کر رہ گئی۔

”سب کو حقیقت کا حال ہی ہے خضر نے مام کے
چہرے سے اندازہ لگایا۔ مام نے اثبات میں سر ہلایا اور
علیل شاہ کے انکشافات کا خلاصہ کیا۔
”ہر اچھی وقت کے لئے“ مام نے کم صبر انداز میں
کہا۔

”تم نے اپنے غور کو معاف کر دیا“ خضر نے فیڑھا

سوال کیا۔

”معاف“ مام نے اپنے اندر غصا۔ ”سب کچھ
ایک ہی ہوتا تھا اور ایسی ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں زندگی
سے چاہ کر بھی شکوہ نہیں کر سکتا۔ جس بات کا شکوہ
کریں۔ سسر کریں، سسر ہار چاہیے، محض لوگوں کو
جاننے کا یا شیریں ہلاتے، زینب جیسی سیلیوں کا؟“
مام کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آئے۔

”مشکلات تھیں۔ بہت زیادہ تھیں۔ مگر وہ اس
کی زندگی میں نہیں ہوتیں۔ اگر میں اسی گھر میں رہ کر
پرورش پاتی تو ہر گز اپنے جد کو منوانے کی جنگ لڑتی
نہیں۔ شاید ہی اتنی خود اعتماد ہوتی۔ قسمت نے مجھ
سے وہ جد و جہد لے کر ایسے وقت میں اس گھر بھیجا
جب اس کے کہیں مجھے اپنانے کی آرزو میں کچھ بھی
کرنے کو تھا۔“

خضر نے حکمران مام کو دیکھا، ”وہ چند میٹروں میں
سستی بدل کر تھی۔ اب ان کے خاندان ہی خاندان کی جگہ
سچے غور و فکر گزار بن چکی تھی۔“

”اب بولنے کی باری تمہاری ہے۔“ مام نے کہا۔
”ایا کہیں؟“

میں جتوں تک میری تڑپ اتنی بڑھی کہ پچھلی رات ہر
مصلحت اور لحاظ بھلا کر تم سے ملنے چلا آیا۔ جسے
دیکھا تو یقین میں سنی شہزادوں کی کمان کی گنتی گئی۔ تم
نفلوں کی شہزادی تھیں جو کچھ مام سے کے لیے جنگ
مکمل تھیں۔ جسے تمہاری خنجر پر دیکھ کر میں دل سے
بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ اپنے اسامات کو
نفلوں میں اضمحل کر گئیں مشکل میں نہیں ڈالنا
چاہتا۔

میرا ساتھ دینا بہت دشوار ہو گا۔ تم میرے ارادوں
سے واقف ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ اس کو بانیہ تکمیل
تک پہنچانے کے لیے مجھے اپنی رادہ سے بل بل کٹنے
پڑنے ہوں گے۔ میں تمہارے ساتھ کی خواہش کر کے
جسے خنجر پر لینے کے بعد پھر سے سڑکی انتہ سے
دو چار نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے خود ہی تمہاری رادہ سے
بہت دبا ہوں۔ جب بھی کچھ راستے میں آتا ہوں
محسوس ہوتا ہے کہ خضر کا کو یاد کر لیتا ہوں کبھی زندگی کی
مسافت میں وہ قدم تمہارے ساتھ چلا تھا۔
دعا کو خضر“

مام مزید بوجھل ہو گئی۔ عالیہ اور علی مام کے
پاس آئے۔ عالیہ تو اتنے ہی اس سے پہلے تھی۔ وہ مام
کو تپانے کیے کر سکتی تھی۔ جس نے چند دن میں اس
کی ساروں سے ابھی زندگی سنا لی تھی۔ اس کے
لیے تو اعزاز تھا کہ سوئی ہی کسی دعا مام کی دل تو ہے۔
”ہم دونوں قدم چھانیں گے تو دفتر رفتہ رفتہ چھوڑ
یہ دو دیوان پار کریں گے۔“ علی نے تھکا ہوا ہاتھ
مام کے کندھے پر رکھا۔

”میری کو شرف ہو گی کہ تمہارے ہر ایک قدم کے
جواب میں میں اس قدم کو ذکر تک پہنچوں۔ ہماری
زندگیوں نے میرے فیصلے کی بدولت کیا کچھ گھوڑا ہے۔
میرے تب تک نہیں چل سکیں گے تب تک دل سے
اس رشتے کے ہر خاکے کو نہیں بھائیں گے۔ پھر بھی
جسے اختیار ہے، چاہے تو مجھے سزا ملے۔“

”میرا ہر فیصلہ اب تک میرے ہاتھ میں تھا مگر اب
میں آپ کو ایک اختیار دینا چاہتی ہوں۔“ مام نے کہا۔

کر خدمت طلق میں اپنی اپنی جھاپ چھوڑیں گے جس کی بازگشت درجن دینا تک سنائی دے گی۔“
 حضرت نے غصے سے اس مصمم لڑکی کو دیکھا جو غالباً اس کے سامنے کے صبر کا انعام تھی۔
 ”اب تم کو بڑا کتا تھا۔“ ہام نے ایک بار پھر تھانا کیا۔

”میں نے اسی سے تمہارا لڑکا کیا تھا۔“

”چھو۔“ ہام بڑی سچی تھی۔
 ”انہوں نے تمہارے لیے خد بھیا تھا۔“ حضرت نے اپنی جبب میں ہاتھ ڈالا۔ جبب ایک بار پھر خلی تھی۔ وہ کھرا کر اٹھ کھڑا اور اپنی جببیں اٹھائے لگا۔
 ”میرے پاس ہے۔“ ہام نے اپنا منہ کھلی۔
 اس کی پھیلے ہوئے منہ کی پٹی تھی جس نے اس نے سارا لے کر اٹھتے ہوئے اس کی فرنٹ پائٹ سے نکالی تھی۔
 ”یہ اسی کی ہے۔“ ہام نے پتھوہا اٹھو تھی ہے بھولان کی ہائی سے ان بڑی تھی۔

ہام کی آنکھوں میں آنسو آگئے کیا وہ اتنی خوش قسمت ہو سکتی تھی۔ سامنے پہلے ایک باپ نے اسے بناوا کچے ٹھکرا دیا تھا اور آج ایک ماں نے صرف اس کا ہلم سن کر اپنی سب سے قیمتی چیز اس کے حوالے کر دی تھی۔

”یہ میں اپنے گھروالوں کے سامنے پہنوں گی۔ میں نے بھی دیکھا کہ تمہارے بارے میں بتلایا ہے۔“ ہام کے منہ سے لفظ پیا نکلتا خوش آئند تھا۔ حضرت نے اٹھو تھی لانا ”دواہ نکالی۔“

”ویسے بھی تمہارا ایک ٹائوڈن ایریا ز کا ٹرپ مجھ پر اوجھار ہے۔“ ہام نے مسکرا کر کہا۔

”وہاں جا کر جیسے چاہیں گے۔ جو میں نے خط میں لکھنے سے معذرت کر لی تھی۔“ حضرت نے شرارت سے کہا اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے گئے۔



”وہی جو خط میں نہیں لکھا تھا۔“ ہام نے ہمت کر کے کہا۔
 ”نہ لکھنے کی وجہ۔“ حضرت نے نظریں چرائیں۔
 ”میں ٹھکوں کی شہزادی نہیں ہوں غصہ! میں پھول کے پاس مٹی میں مسکن بنانا چاہتی ہوں۔“ ہام نے کہا۔

”خواہش تو ہے کہ تمہارے لیے محل کھرا کر سکوں۔“ ٹکڑ میں جانتا ہوں مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ رکتا بھی تو میں ایک محل پر سو سکوں کہ تو ترجیح دینا گک میں تعلیم کا مقروض ہوں مجھے اس کا حق ادا کرنے سے نہ روکو۔“ حضرت جانتا تھا ہام کی بات رو نہیں کیا تے گک۔

”مجھے تمہارے ارادے کی ہمت قدر ہے۔ میں اس میں تمہارا ساتھ دیتا چاہتی ہوں۔“

”اتنے سلی سفر کر کے تم نے اب جا کر ایک مستقل ٹھکانہ پایا ہے۔ میرا ساتھ جیسے پھر سے بھٹکا کر سفر میں جٹا کر دے گا۔ پھوٹے پھوٹے گاؤں میں سوسائٹ سے عادی زندگی گزار کر وہی وہاں کی بیاد رکھنا ممکن ہو گا۔ جذباتی ہو کر فیصلہ مت کرو۔“

ہام رپ تھی۔
 ”مجھے مستقل ٹھکانہ نہیں چاہیے۔“ منج سے جو جو جمل بن میں محسوس کر رہی ہوں وہ اس بات کی ہی نشاندہی کر رہا ہے کہ میری زندگی میری ہی مستقل ٹھکانہ کی نہیں تھی۔ ایک مستقل ہم سفر کی تھی۔ جو دکھ سکھ میں میرے ہم راہ ہے۔ جس کو پریشانی میں آواز دے سکوں اور سکھ میں خوشیوں پائٹ سکوں۔ سفر کی تو ویسے بھی مجھے عادت ہو گئی ہے۔ گنا ہے صبر کی تو قسم ہو جاؤں گی۔ ہر انسان جب تک زندہ ہے۔ سفر میں جٹا رہتا ہے۔ اکثر لوں پھانسی کی مست سطر کرتے ہیں۔ جس میں تھکوت زیادہ ہوتی ہے اور منہ کے تل کرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ میں سامنے کی طرف سفر کو ترجیح دیتی ہوں جس میں اپنا راستہ بتاتے ہوئے سوال کے لیے بھی راہیں کھلی سکوں۔ ہم ساتھ مل

نیلگوں آسمان پر ہلن دھکن ہوئی روٹی کی طرح
جاہا بھرے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے دور دور سے
سیاہی مائل بادلوں کے قافلے آئے۔ چلے آ رہے تھے۔
منہ جیسے ہی مکان اس پر رت کی غبارت سے باہر نکلا
مست ہوا کے خوش گوار بھونکنے نے آگے پیچھے کر
استقبال کیا سفر کی ساری کلفت دور ہو گئی۔

وہ جو مکان آتے ہوئے یہاں کی گرمی سے دل ہی
دل میں غائف تھا "بادلوں کی جھلکیاں تے
الہ کھیلوں کرتے پھول پھول کو دیکھ کر یوں
کھسکوں ہو گیا جیسے اب سدا کی موسم نصرا رہے گا۔
فکس والے کو وقت منزل کا پتا تھا کہ وہ اطمینان سے

"یہاں اب ان بوڑھی بڑیوں میں انکادوم نہیں کہ سفر
کر سکیں اب تو بس بوڑھے والے کے ہونے کا انتظار
ہے۔ ایسا کہ تو کہتا ہے دیکھ کر میری "میں ٹھنڈی
ہو جائیں گی" والوں کے جواب میں اس کے دل کو جیسے
ٹھنڈی میں لے لیا تھا اس کا بس نہیں چتا تھا کہ اؤ کر

رکشہ خجالد خان

مجھ سے ملنے کی بات

پہلی سیٹ پر جم گیا۔

بست عرصے بعد وہ یہاں آیا تھا اسے اچھل طرح
باد تھا آخری بار وہ لڑائی کی وفات پر گیا تھا پھر اپنے
بیمبیلوں میں ایسا تھا کہ فرصت طلب ہوئی۔ ہاں نما
پلا ہر سال ہاتھ کی سے رہتی تھا کرتے تھے اس کے
صدا اصرار پر دائو بھی پہنچے وہ پہنچتے تھے اور گزار جاتی
تھیں۔ مگر پچھلے تین سال اس نے ہار اسٹیڈز کے
سلسلے میں ملک سے باہر گزارے تھے۔

پاکستان واپس آنے پر دائو پورا مین اس کے ساتھ
گزار کر گئی تھیں۔ وہ تو اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی
تھیں مگر وہ بھی کچھ وقت و حیل میں گزارے مگر
اسے فوراً جواب مل گئی تھی۔ مصروفیت اتنی زیادہ ہوئی
کہ وہ چاہتے کے باوجود بھی نہ ان کے ساتھ جا سکا تھا

ان کے پاس پہنچ جاتے
اتفاقاً "اسی دنوں اس کی سہیلی نے اسلام آباد اور
مکان میں دو پروجیکٹ شروع کیے تھے۔ ان میں سے
ایک پروجیکٹ اسے جو ان کرنا تھا اس کی برائے لی گئی
تو اس نے بلا تامل مکان والے پروجیکٹ میں شمولیت
کی خواہش ظاہر کر دی۔ یوں ایک پہنچتے بعد ہی وہ مکان
میں تھا پورے چھ ماہ کے لیے قسے ہوئے ممانے
بڑی عجیب و غریب اس کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔
کل رات ہی تو وہ سونے سے پہلے اس کے کمرے میں
تلی تھیں۔

"خیر! ایں اور تمہارے پلا تاج کل سنجیدی سے
تمہاری شادی کا سوچ رہے ہیں مگر تمہیں کوئی لڑکی
پسند ہے تو بتاؤ۔" انہوں نے آتے ہی بہت سنجیدی کی



پورے کرنے پڑتے ہیں۔" وہ بے ساختہ بولا اور وہ جس میں۔

"خدا را اب میرا کلن تو چھوٹے اور نہ ایک کلن والے لڑکے سے چار تو کیا ایک لڑکی بھی شادی کرنا پسند نہیں کرے گی۔" اس کے دہلیز پر وہ اس کے سر پر چیت لگا کر مسکراتے ہوئے چلی گئیں مگر تھکن میں سے ایک کے انتخاب کی "بھاری" ذمہ داری اس پر ڈال گئی تھیں۔

جیسی جھوٹ محفل کے ساتھ جھٹکتے سے رکی تو وہ سرجوں کو جھٹک کر محفل سانس خالی کرنا یہ ایک کدھے پر ڈال کر باہر نکلا۔ چلی بھی بارش شروع ہو چکی تھی۔ مکان کے مصافحات میں جدید طرز کے مکان کے دو صوفیاں قلم طرز قہری یہ عورتی بڑی شان اور وقار سے کھڑی تھیں۔ منتقلی گزری کا بھاری دروازہ نیم وا تھا۔ دھک دھک ہوا اندر جاؤں گا۔ بھر مچھلش کے بعد اس کے پاس خود بخود ہی آگے بڑھ گئے۔

قلم طرز سے گزر کر وہ سرخ افیتوں والے دھلتے کھمرے صحن میں داخل ہوا جس کے دائیں بائیں اور سامنے نیم دائرے کی صورت میں بڑے کدو تھا۔ جس میں ڈھیروں کھجور کے دروازے چھتے تھے۔ ستون اور

دروازوں پر پیلوں سے ڈھکی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیروں سکون آتا تھا اس کمری ہو تصویر اس کے تصور میں آتی تھی نہایت ہو سووی منظر تھا۔ بس کھرا اسیم تبدیل ہو چکی تھی۔

پورے گھر میں خاموشی کا ران تھا۔ وہ سرخ ہونے کے چکر میں اظہار کے کر بھی نہیں تھا۔ لہذا وہ سرخ گردن کھانکھا کر کسی ڈی ایچ کو حاشے ہوئے اس کی نظروں پر درخت تلے رگھے دلوں کے تخت پر سے ہونٹیں پرانے سے گرتے پانی کا چچا کرتے لوہے کو اٹھیں اور ٹھنک گئیں۔

نہیں ہی ہر جزوہ میں لباس بدل کھولے تک رک

سے ہو چھا تھا۔
"مما! جہاں تک میری پسند کا سوال ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ مجھے ایک نہیں داد تو کیا پسند ہیں۔" اس نے بھی ان ہی کی طرح حسرت سنجیدگی سے جواب دیا۔
"کون ہیں وہ دادوں۔" تجھے تو دلوں سے دریافت کیا گیا۔ "ایمان علی اور ایما وائسن" تنہا نے انتہائی معصومیت سے جواب دیا۔

"انتہائی بصورتہ مذاق ہے۔" اس کی شرارت پر وہ اسے مسکراہٹ دے کھورنے لگیں۔

"اوہو ممما! آپ پہلے بھی مجھ سے کئی بار یہ چھپکی ہیں اور میں آپ کو تپا چکا ہوں مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں پھر یہ بار بار یہ چھپنے کا مقصد؟" وہ ان کی گود میں سر دھک کر لیٹ گیا۔

"بیٹا! ہم نہیں چاہتے تمہارے ساتھ کوئی زبردستی ہو۔ شادی زندگی بھر کا بندھن ہے۔ اس بندھن کی پائیداری کے لیے تمہاری خوشی اور رضامندی کا شامل ہونا ہے۔ حد ضروری ہے۔" وہ پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے لگیں۔

"لو! اصل بات تو میں کرنا ہی بھولی تھی جس کے لیے آئی تھی۔ اگر تم کہیں باہر انٹرنیٹ نہیں ہو تو میری اور تمہارے بیابا کی خواہش ہے کہ تمہاری شادی

خانہ ان میں ہی ہو۔ تمہارے نظریں میں تو کوئی لڑکی تمہارے جوڑی نہیں۔ غور وہاں میں تمہارے کیا کی جی ٹھنک چھوٹے بچا کی ہوش اور چھپو کی مسک ہیں اور۔"

"یعنی آپ اپنے انکوتے بیٹے کی تین عین شادیوں کرنا چاہتی ہیں تاکہ اپنے ایمان پورے کر سکیں۔ فخر تک۔ پھر تو مجھے ایما وائسن کے لیے بھی اپنے نرم گرم جذبات بھرا کر رکھنے چاہیں آخر کو چار شادیوں کی اجازت ہے۔" وہ ان کی بات ٹھٹھ کر خوشی سے بولا۔
انہوں نے بھی اس کا کلن پکڑنے میں ہی نہیں کی۔
"مائی بہت تو تمہارے باپ نے بھی نہیں کی۔"

"کہتے ہیں مائے باپ کے اوچھوٹے کام بیٹے کو

سے تیار دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلائے سر اٹھائے ہوئے
ہوئے کھومتی رہو جو کوئی بھی ٹھیک اس خوب صورت
موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔ حیرت انگیز سی اسے دیکھ
کیا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی چھپوڑا یا نظر ہذا قسم کا تھا۔
جس نے آج تک کوئی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ کمرے بھی
آج تھا کہ اتنی بے خودی سے اپنا آپ بھلائے چربے پر
بچوں کی سی خوشی سمجھتے تھے۔ سب سے تیار ہو کر بارش
میں نہانی لڑکی پہن کر دیکھی تھی۔

اسے بھی شاید نظموں کی مری خود پر محسوس ہوئی
تھی۔ جو اس نے جھنگل سے آنکھیں کھول دیں۔ گھر
کے آگن میں ایک اجنبی کو یوں محبت سے اپنی
جاہ بٹھتے پا کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور
پھر اگلے ہی لمحوں میں ہراس پھیل گیا۔ وہ جو
اس کی دل پل بدلتی کیفیت سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اس
سے پہلے کہ اسے غائب کرنا وہ بھانسنے ہوئے وہاں
سے غائب ہو گئی۔

بائپتی کا بپتی جو اس ہاتھ سی پھیلی بیڑھیوں پر کرو
پائیس ہاتھ میں پکٹی جہاں سادہ دامن چہرے پر بڑی
سی رنگین چھتری تھے پکڑوں کے لطف اندوز ہوتے
ہوئے خوش کامیابی میں مصروف تھی۔

"تہست تہست تہست تہست! پکڑوں کے پاؤں
نہیں ہوتے! جو وہ ہلک جاسکے۔" اسے یاد کر
آئے دیکھ کر سوش نے ہانک نکالی۔

"تمہارے ہوتے پکڑوں کی مہال جو وہ تمہارے
چپٹ کے سوا کہیں اور جاسکے۔" فلک جو اس کے
پوری بیٹھ قبضے میں کیے بیٹھنے پر تھی ہوئی تھی تنگ کر
ہوئی۔

"وانے وانے پر کھانے والے کا نام کھانا ہوتا ہے۔
میرے نوالے کھانے کی ضرورت نہیں۔" اپنی بیٹھ
خالی کر کے سوش نے فلک کی بیٹھ سے پکڑا اڑایا تو

فلک کے ساتھ ساتھ زرش کو بھی پٹنگ لگ گئے
کیونکہ دونوں ایک ہی بیٹھ شیز کر رہی تھیں۔ اس
سے پہلے کہ تیسری رنگ عظیم شروع ہوئی تنگ کے
ہوا نیل اڑتے چہرے اور پھولی سانسوں نے سب کو
متوجہ کر لیا۔

"کیا ہوا تنگ؟" اس سے پاس بٹھا کر پانی پلاتے ہوئے
باہر آئی نے تشویش سے پوچھا۔
"نہیں کسی بھوت کا تو نہیں ڈرا آئیں۔" سوش
نے قسم دیا۔

"اللہ معاف کرے! وہ اس طرف گھن میں۔
وہاں دروازے کے قریب۔" وہ اصرار۔ "اللہ وہ۔"
پھولی سانسوں کے ساتھ دھڑکا شروع ہوئی تو سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کیا ہے۔

"اللہ واقعی تمہیں معاف کرے۔ اب کچھ آگے
جی۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے فیضان بھائی
نے شرارت سے کہا تو سب کے ہونٹوں پر دہلی دہلی
سکڑا ہوا پھیل گئی۔

"اللہ معاف کرے۔" تنگ کا نکلیے کلام تھا جس
کی وجہ سے اکثر اس کا رنگارنگ لٹکا تھا۔

"گھر میں دن دہائے ڈاکو کھس آیا ہے۔" حلا تک
آنے والے کی شکل بھی وہ تنگ سے نہیں دیکھ سکی
تھی کیونکہ اس نے بلیک ٹی کیپ اور آنکھوں پر بڑے
شیشوں والے سیاہ گانگنز چھارے تھے۔ گھر وہاں اس
کے کندھے پر بھی کچھ کلا کلا سا لہا تھا۔ ضرور مندرق

ہی ہوگی۔ "اور مندرق کے ساتھ بغیر اجازت دینے دوسری
سے گھر میں کھینے والا ڈاکو ہی ہوا! انہی کل ہی تو اس
نے انبار میں بڑھا تھا کہ چڑھے کیسے لوہو لوہوں کی
اکڑیت ہے روزگاری کی بوجھ سے ڈاکے والی پھر رہی
ہے۔ بس وہ بھی کوئی بڑھا کھسا انسان نہیں ڈاکو ہی ہو گیا۔
تنگ نے خود کو دیکھ لے کر تعجب دلاتے ہوئے سب
کے سوا ہر دھماکا کیا۔

"کیا؟" ڈاکو؟ "حیرت اور خوف سے ملی جلی
توازیں بھر رہی۔

جھٹے میں دب رہی تھی۔ بیرو بھی سر پر ہاتھ رکھ رہی تھی۔
 ”واکو“ ۳۶ نمبر نے سوالیہ کھولوں سے شرمندہ
 شرمندہ کھڑی اسی لڑکی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔
 ”مکت فہدیٰ سے سلام بھائی کر چاہتے ہاتھ کے ہاتھ
 بھاگتے میں دیر نہ کی۔ سوئی مرچ سلاگا کر مزے
 مزے پے اس کی خواہش باخشی کی داستان سب کو سنا کر
 محفوظ کر لی اور وہ اندر چاہئے کے پانی کے ساتھ خود بھی
 کھولتی رہی۔



رات بار بجے تھوڑے لمبے تو صحن ہم کو نہیں
 تھی۔ حالانکہ وہ جب سے کیا تھا۔ تب سے سب کے
 درمیان بیٹھا رہا تھا۔ سب کی تھیں اور خاص کر داد
 کے والدین انہی از محبت نے اسے سرشار کرنے کے
 ساتھ ساتھ ہی سر پر شرمندہ بھی کیا تھا۔ ایک اس کے
 آنے سے انہیں اس کی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اب تک اپنی
 مصروفیات کو سر پر سوار نہ کر تا تو خوشی انہیں ہر مہینے
 دے سکتا تھا۔ ہر سال وہ اپنے یہاں آنے کے فیصلے
 سے بہت خوش تھا۔ آٹھویں سونہ کر وہ بھری پری
 ”نعت منلی“ کے ہر فرد کے بارے میں فردا ”فردا“
 سوچتا تھا۔

یہ چھوٹی سی حویلی اس کے والدین اللہ نے اپنی
 حق طالب کی کمالی سے بہت محبت سے اپنی اولادوں کے
 لیے بنوائی تھی۔ ان کے بعد یہاں کی علاقہ جاتی سر پر لودا
 تھیں۔
 اس کے دادا کی چار اولادیں تھیں۔ بڑے کیا جن

کے دو بیٹے تھے۔ ان اور فیضان اور ایک بیٹی تھیں۔ پھر
 اس کے اہانتے تھے۔ وہ بچہ بچہ ہو کر تھی میں وہ فسر تھے اور
 مستقل لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ ان کی اکلوتی
 اولاد تھا۔ ان کے بعد صبیحہ چھو تھیں مگر وہ بیٹیاں
 بیو اور محک تھیں۔ وہ اوپر والے پورن میں رہائش
 اختیار کیے ہوئے تھیں۔ پھر آخر میں چھوٹے بچا تھے
 جن کے دو بیٹے سوئی اور زارش تھے۔ کزنز میں سب

”اللہ معاف کرے۔“ بعد ازاں لیے سوئی کی بائیک
 کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا
 ہے۔

”میری بائیک۔“ سوئی نے آواز بھانہ گا۔ اپنی
 راج داری کا نام سننے ہی دوڑ پڑا۔ چارو پانچ فیضان
 بھائی کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ سونہ تو وہ جمید کی سے
 پولیس کو فون کرنے کا سوچ رہے تھے۔ ابھی ہینڈ پھر
 نیلے ہی تو پڑوس میں چوری ہوئی تھی۔ وہ سب بھی اٹھ
 کر ان کے پیچھے ہو گئے۔

وہ قدموں راج داری سے گزر کر محلات کا جائزہ
 لینے کے لیے سب نے ستون کے پیچھے سے اوپر نیچے
 سرنگھل کر جھانک کر دیکھا۔ ہر آدمے میں تو سارے
 بھوں کی کھٹکتی تھی اور ان کے درمیان سیاہ چیتھر لود
 فی شرٹ سینے فٹھس کو دیکھ کر سب ہی چوگے اور
 آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

”کو بچہ آدھو تو میرا نمونہ آیا ہے۔“ دادا بار بار اسے
 چومتی خوشی سے نہل ہوئی جا رہی تھیں۔ مکت کے
 سوا سب ہی پرتوش انداز میں آگے بڑھ کر حوا سے
 ملے تھے۔ سوئی اور فیضان بھائی کے ساتھ اس کی
 ویسے بھی بہت دوستی تھی۔ موبائل لود انٹرنیٹ پر
 رابطہ بھی رہتا تھا۔

ستون کے پیچھے چھپی ٹھک کو وہ دیکھ کر غور پر غور
 آ رہا تھا۔ کاش اپنی بھی چھوڑنے سے پہلے ہم کو ہم آنے
 والے کو ایک نظر غور سے دیکھ تو لیتی۔ بے شک نمونہ
 لمبے عرصے سے یہاں ٹھک آیا تھا۔ اس کی آنہ ترین

تصویریں ہاتھ کے پاس موندور رہتی تھیں۔ خواہش ہانڈ
 ہوئے بغیر غور سے اگر وہ اسے دیکھتی تو حضور پھلان
 جاتی ٹھکری کپ اور گاٹھری وجہ سے وہ دھوکا کھا لیتی
 تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چپکے سے واپس ٹھک جاتی
 سوئی بد نیز اسے ہاتھ سے پکڑ کر سب کے درمیان
 کھینٹ لایا۔

”جی جی جی یہ ہی تھا! واکو۔“ سوئی کے شرارت سے
 پوچھنے پر اسے جمل ہوتے دیکھ کر ساری پارٹی کو بات

میرا۔ "تلی نے ہر اٹھا لیتے ہوئے مصروف سے انداز میں اطلاع دی۔

"بھائی جان کو اسے اکیلے نہیں جانے دینا چاہیے تھا اگر راستہ بھول گیا تو؟" ملک ملک کے لیے اہم کاہنی پیچیدہ کو تشویش نے آگھیرا۔

"ارے تالاب پتہ تو دہی ہے اگر راستہ بھول بھی میرا تو کسی سے پوچھ لے گا۔" بھائی چچی نے ہنسنے ہوئے تسلی دی۔

اور حزن جس کے لیے سب غور مند ہو رہے تھے۔ غیر کنارے بھٹا پانی کی سطح پر سورج کی کولہٹیں کرنوں کی جھلکاہٹ دکھ رہا تھا۔ خورد و گھاس میں کھلے جنگلی گلاب کے پھول سج کی تازہ ہوئے۔ "اس کے دو سری طرف تیار نگاہیں کے کھاتے تھیں۔ پچھلی آسمان کی مسک اور کوئل کی دھندلکھے سے کوئی کوئل اسے بے خود کے دے رہی تھی۔ ان فطرت کار سیاہ تھا۔ مگر ہر جیسے پنجگ پرورد شر میں ایسے مناظر خواب تھے۔ اس کی تلاش میں نکلا سروش آجواخانہ خوار ہونے کے بعد اسے آغوش نواباں پہنچا تو اس کی محبت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کہاں چلے؟" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سامنے غور سے دیکھتے ہوئے سروش نے پوچھا۔

"وہی اٹھ بیاریں۔ جنہیں اتنی محبت سے بٹھنے لگتے ہوئے ٹھکرانے کا ہوش ہی نہیں رہا تھیں۔" وہ جل کر لڑا لڑا حزن میں پڑا۔

جسے وہ انوں کھرچنے پھونک کرے میں سب ٹھٹھے پر اس کے خنجر تھے۔ یوں تو عام طور پر سب ناشتا اپنے اپنے پر رخصت میں کرتے تھے مگر آج چونکہ حزن کا پسلا دن تھا۔ اس لیے داد کی ہدایت کے پیش نظر سب اکٹھے ہوئے تھے۔

"تو تو حزن میں اس آج تو بڑا انتظار کرایا۔" بھونے لگی نے ہانک لگائی۔ اسے بے ساختہ شرمندگی نے آ گھیرا۔ اس لیے شاور لینے کی شدید خواہش کو پس پشت

سے بڑے حد تک بھائی سوہنے تھے۔ لیے دیے رچے تھے۔ ان کی بیگم فیصلہ نہا بھی بھی ان ہی کی ہم مزاج تھیں۔ جبکہ فیضان بھائی جو حد تک بھائی سے بمشکل وہ سب بھونے تھے اشتیاق زخمی اور پانی طبیعت کے مالک تھے۔ سروش بھی ان ہی کا پرتو تھا۔ اس لیے وہ ان کی کاڑھی بھجھتی تھی۔ حزن ان کی کہانی میں گھر گھر کو بھی دور نہیں ہوا تھا۔

فیضان بھائی کی بیوی شہر تلی بھی مندر سی تھیں۔ فلک نور زرش سے وہ کافی عرصے بعد ملا تھا۔ مگر وہ بھی اس سے جلد بے تکلف ہو گئی تھیں۔ وہ انوں کافی زائد دل تھیں۔ جبکہ مسک۔ بھلی بیگم شرمندہ سی پچھلے کامل دال ان کی کے بارے میں وہ کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ شام کے بعد سے وہ اس کے سامنے ہی نہیں آتی تھی۔ رات کے کھانے پر بھی سب اکٹھے تھے سوائے اس کے۔

"ڈاکو۔ تو کیا میں شکل سے واقعی ڈاکو لگتا ہوں۔" اچانک یاد آنے سے وہ ہنسنے سے باز کر ڈرنک نیکل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پانچ منٹ تک ہر زاویے سے غور گھور کر خود کو دیکھتے ہوئے ڈاکو کی والی کوئی بات نظر نہ آئی تو اپنی استقامت حرکت پر ہنس کر وہاں پہنچ کر دروازہ ہوا گیا اور ہر خیال جھٹک کر سونے کی کوشش کر لگا۔

لیکن سے اتنی طرح طرح کی خوشی میں ہونے مگر میں رقصاں تھیں۔ کچھ سانس بعد وہ اپنے آؤ خود لیکن کو روشنی بخشی تھی لیکن لاڈلے پوتے کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنانے کے لیے فوراً جب سے جی جی

والے پورچی خانے کی جگہ امریکن اسٹائل لیکن سلی تھی تو وہ گویا میل کاراستی بھول گئی تھیں۔

"ارے کوئی میرے حزن کی بھی خبر لائے اٹھایا نہیں؟" طوطہ بھونے ہوئے انہیں خیال آیا۔

"کیا! تو تو کھانا کھا کر کیا تھا۔ اپنے کیا کے ساتھ لڑا کے لیے کیا تھا۔ وہ تو وہاں آگئے حزن سیر کے لیے چلا

وال کہتا دھوکہ دہنہ خزان پر آمینہ

حلوہ پوری کلو اور مے کے شہری پرانے ہیں
جسے چھوٹے ہاتھوں اور ٹھیکیں کسی ٹھیک ٹھیک فروغ
نوشہ اور نہ جانے کیا کیا۔ ہاتھ انتہائی مزے دار اور
پر کھلف تھا۔ اور سے سب کا کھلف نہ رہنے کا اصرار
دانو نے تو حیرت سے کھلا کھلا کر مار ڈالا۔ وہ اس کے
استیجاب پر جیسے ہی ہاتھ روکنے لگیں فیضان بھائی یا
سروش میں سے کوئی چلا نکلتا۔

"داؤ! خزانہ تو کھلف کر رہا ہے ورنہ اس کی کھلی
دیکھیں صاف لگ رہا ہے مہس کی بھوک ابھی بلی
ہے۔" کور داؤ ان کی شرارت مجھے بغیر اس کی خلی
پایت لہاب بھر رہی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے اس کی
جان چھوٹی۔ اٹھنے سے پہلے سب سے ٹھہر چکا وہ اپنے
قریب بیٹھے سروش کو پچھلی کانٹا نہیں مولا تھا۔
جو لپا اسے نکال کر سروش بھی ہاتھ کر لیا۔

ایک ہی دن میں ان کی برسوں پر لپے کھلی بوت
آئی تھی۔ کھڑکھڑکی تو از پر اس نے کرن موڑ کر
دیکھ کر تیر تیر چڑھیاں اترتی مسکاتے سامنے آج
ٹھیک کر رک گئی۔ وہ کل سے اس سے چھٹی بھر رہی
تھی۔ رات کھانے پر اور بیاں مچا شہر بھی نہیں
آئی تھی۔ اسے خدس دیکھ کر خزانہ نے وہ کھلے
مسکراہٹ چہرے پر سہائی کے جواباً "زیر حق کی
مسکراہٹ اس کی طرف اچھائی وہ یوں تیزی سے کھل
کمرے کی طرف بھڑکی جسے ایک منٹ کی عرصہ کی
تو خزانہ اس سے صاف بے کھڑا ہو جائے گا۔ خزانہ
کدھے اچھا کر مسکراتے ہوئے پاس پڑے اخبار پر
جھک گیا۔

بلیو آئی کھیر کا پالا قاتلے اور اپنی ای کے ہارشن
میں آئیں تو انہیں سر قاتلے دیکھ کر ریشان ہو گئیں۔
"کیا ہو ای! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
"اس رنگ کے ہوتے میری طبیعت ٹھیک رہ سکتی ہے بھلا۔
اسی سے بچھو گیا ہوا ہے۔" وہ خاموشی سے سر

جھکائے بچھی مسک کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔

"آئی! اگر ای ہوائی دہر رہا کرے مجھے جلی گئیں اور وہ
جل گئی تو اس میں میرا کیا قصور؟" آئی کی سوائے کھنکھوں
کے خواب میں وہ لوٹے سے منگلی۔

"ہاں! بل! قصور میری قاتلہ نہیں ہوائی کا خیال
رکھنے کا کہہ کر مہی تھی۔ تمہیں اپنی کتابوں سے
فرصت ملے تب۔" زرش اور فلک بھی تو ہیں تمہاری
ی ہم عمر ہیں۔ مگر کبھی دیکھا ہے کہ وہ "انہیں" ۱۳۴
کو اس کی بات سنتے ہی جھٹکے لگتے تھے۔ وہ اس کی لاپرواہ
طبیعت سے تالاس رہتی تھیں۔

شادی سے پہلے مجھ نے ساری زندگی اپنی سر
لے رکھی تھی۔ اس کی شادی کے بعد مسک کی بھاری
آئی تو اس نے حیرت سے مجھ کو دیکھا۔ "پاس کیا تھا
اسے تو صرف ایک ہی شوق تھا مطالعہ کرنا۔ انہی
کتابوں سے لے کر اٹھنا۔" کھڑکھڑکی بھائی جے جو کھر
میں سمجھو وہی کھٹکھٹکی اس کی کھنکھوں سے پڑے بغیر
کھڑکھڑکی بھائی تو تو کام اس کے منے لگا میں مارے
بانہے کھڑکی بھی ٹھہر کر کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی تو
اسے حمل کیے بغیر اٹھنا نہ سکتا تھا میں سے تھا۔ اس
وقت بھی وہ صدیق سالک کی "ہر پھر کر" میں کھوئی
تھی۔ جب انہوں نے اسے ہوائی کا خیال رکھنے کا کہا
تھا وہ مطالعے میں منہمک رہی۔ تب جتنا ہوائی جل
جانے پر وہ پچھلے چندہ منٹ سے اپنی بے عزتی
بہداشت کر رہی تھی۔

"مجھ میں نہیں آتا کیا ہے گا اس لڑکی کے سر
بپ کا سلیو نے کوئی کن تمہاری تو قسمت ابھی بھی جو
کھر میں کھپ گئیں۔ اس کے بارے میں تو سوچ سوچ
کر میری غنیمتیں اڑ جاتی ہیں۔" ای کو بلیو کے آگے
دکھاتے دوتے دیکھ کر اس نے موقع غنیمت جانا اور
کتاب اٹھا کر چپکے سے پائیں بل کی طرف نکل آئی۔

"اللہ عاف کرے یہ ای بھی بل" طویل سانس
خارج کرتے ہوئے وہ جھولے پر بیٹھ گئی۔ مگر نہ جانے
کیوں کتاب کے الفاظ آنکھوں میں چبھنے لگے اور میں

ہوئی ان کے ساتھ تائے ہوئے بل کی یاد نہ چاہتے
ہوئے بھی بدلوں کی مانند لڑی چلی آئی اور وہاں وصل پر
برستے گنتی تھی۔



ایک بچے کی پھٹی کے بعد آج حرم کا آفس میں بسلا
دن تھا۔ گھر آیا تو کچھ اس قدر خند غالب تھی کہ کھانا
کھائے بغیر سو گیا۔ وہ اسے جانے آفس گھر وہ اتنی
گرمی خند سوا تھا کہ اگلے دن کو ان کی فیس چاہا۔ اس
لے اس کے قریب پہنچ کر بارہمی انہوں سے سختی
ہی اور وہ اسے دیکھے نہیں۔ کھانا لندی رنگ بھرے
بھرے ہوئے تھے۔ وہی پاک ڈھن پشلی دبا کھل
اسے دھار گیا۔ قند اس کے بال سلائی رہیں۔ حرم
اور اس کے سلائی تو اس کا اچھا چوم کر رہی تھیں۔ تاکہ
آرام سے اپنی خند چوری کر سکے۔

وہ اپنے تو شام کے ساتھ کمرے ہو چکے تھے۔ فریض
ہو کر تو لے سے بال درگزا تائیں بل میں کھلنے والی کمری
میں آکر اہول آملن تاری چار اور اڑھے ہوئے قند
سورج کی دم توڑتی کرلوں میں پرندوں کے غل کے
غل دالہیں کے سفر دراز تھے۔ سامنے کی دیوار کو کھٹے
پیلے پھولوں کی تیل اور اس پر پڑتی سورج کی اودیسی
گر نہیں ہوں۔ لگ رہا تھا جیسے پورے ماحول میں اداسی
رج بس گئی ہو۔ وہ کمرہ اس اداسی کو نبھانے کب تک
اپنے اندر اندر تار جا کر مٹا فون آگیا۔ وہ اس کے بغیر
اور اس تھیں۔ ملائکہ ہزار افسانہ کے لیے وہ ملک سے
باہر بھی رہا تھا مگر ماس کی دوری کی بدلی نہیں ہو سکی
تھیں۔

”پھر کیا سوچا حرم تو نے؟“ ایک عرصے تک رمضان
الہبارک شروع ہو جائیں گے۔ ”میرا اور تمہارے پایا کا
میدان میں کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم چاہ رہے تھے کہ
اس سورج پر ہم از کم تساری مٹھتی ہی کوئی جائے۔“
فرما ”فرما“ تب گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے

کھڑے پانی سے بھرتے چلے گئے وہ سوچتے گئی۔
”کیا باپ کا سایہ سر پر ہوتا ضروری ہے۔ لگا پڑا
آملن سامنے کو کافی نہیں؟“

وہ صرف سات سلی کی خیمہ بپ اس کے ابو انہیں
بانو کے ہاں جمو ذکر ان کا ستر مشعل خیر نے امریکا
گئے تھے۔ ان کی خوشیاں کیلائے وہ تو خود ہی ملایا گھری
میں ایسے کھوئے کہ چلتا مھل گئے۔

اسے یاد تھا وہ بپ تک اپنی ہی کے سینے پر سر رکھ کر
نہ سوتی اسے خند نہیں آتی تھی۔ اسی لاکھ کھنچ کر نہیں
پٹی کی بدلی نہیں خراب مت کریں گھر۔ پیشہ فیس کر بل
جاتے۔

بپ وہ چلے گئے تو اسے ساری ساری رات خند
نہیں آتی تھی۔ اسی کے دانے پر کھینچے منہ پر رکھے
سکتی رہتی تھی۔ ایسے میں بیٹھ جو سمجھ دار تھی اسے
مڑے مڑے کی کتابیں سنا کر سلائی کی کو شعل کرتی
اور وہ کھلی تھنے میں اتنی شرمک ہو جاتی کہ پتا بھی نہ چلتا
اور وہ سو جاتی ہیں۔ مگر جب بھی خراب میں کھانا دیا
نیلے پر ہی کے بھانے اسے اگلے آملن ”بھائی“ کہہ
کر چلا اگلی شکر خافت کو ان کی مضبوط پھلتی نہ پار
نوٹ جاتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ اس نے انہوں سے وہ سختی کر لی۔
اکیلے وہ کھینچے کا قرین چلے گیا۔ ابھی کتابیں اس کے
لے کر نکولا زور کا دم کرتی تھیں۔ جن میں کم ہو کر وہ
ابو گرد کی ساری مشعلات ساری پریشانیوں مھل جاتی
تھی۔ ”ب“ کے درمیان رچے ہوئے بھی اس نے اپنی
انگ خیالی دنیا بسا رکھی تھی۔ جملہ وہ سب کچھ تھا جس
کی وہ خواہاں تھی۔

مگر اسی اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس سے ملاں
رہتی تھیں۔ ان کی جلی گئی وہ ایک کھن سے من کر
دوسرے سے نکال دیتی تھی مگر جب بھی وہ سر باپ کا
سلیہ نہ ہونے کی بات کرتیں تو ان کی یہ بات خیر سے کی
ان کی طرح اس کے دل میں گڑ جاتی تھی۔ ملائکہ وہ
اپنی رات میں اپنی کو بھلا جلی تھی مگر جب بھی اداس

اسنے انہماک سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے ہاتھوں کی ہلکی سی لہر تک کے چہرے پر دوڑ گئی۔

"نکلیہ! ادا کو! دیکھا ایسے ہے جیسے اندر تک پہنچنے لگے گا۔" اس کی کمری آنکھیں اسے منسوب کرنے لگیں تو وہ کتاب اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ حنزو کی نگاہوں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔

"ہاں اس کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔" دل نے بے ساختہ صدا دی۔

رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کے لیے ساری پارٹی سوائے فیضان و حبیب کے نیکوں پر قبضہ جمائے کھڑی تھی۔ سوشل سٹریٹو کی محبت لایا تھا۔ سب سر اٹھائے تھے۔ انہیں انگریز تھمارے تھے۔

ہو جاوے گا۔ سب کے لیے حنزو کو نظر آیا۔ "نکلیہ! ادا کو! دیکھا ایسے ہے جیسے اندر تک پہنچنے لگے گا۔" اس کی کمری آنکھیں اسے منسوب کرنے لگیں تو وہ کتاب اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ حنزو کی نگاہوں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔

نکلیہ! ادا کو! دیکھا ایسے ہے جیسے اندر تک پہنچنے لگے گا۔" اس کی کمری آنکھیں اسے منسوب کرنے لگیں تو وہ کتاب اٹھا کر اوپر چلی گئی۔ حنزو کی نگاہوں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔

"دل نکلیہ!" وہ خوشی سے اچھل کر تلی بجاتے ہوئے چلی۔ حنزو اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پایا تھا۔ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی طرح خوش ہوتی، ابھی سویرنی پڑی پڑی سیاسی بحثوں میں ابھی تو کبھی ارد گرد سے بے نیاز کتاب میں منہ دے کر مکہ پر کبھی اسے چھوٹی سی ناگاہک ہوا تھا اور کبھی وہ اسے بوڑھی دماغ لگتی تھی۔

"تک بھی دعا کیجیے۔" اس کی کمری آنکھوں کے حصار سے گھبرا کر وہ بولی اور چند قدم آگے بڑھ کر خود بھی

کے بعد وہ مطلب کی بات پر آمیں۔ حنزو مڑ رہا گیا۔ ماما نے جو ذمہ داری آتے ہوئے اس کے سر والی تھی یہاں آکر تو وہ بکسر مچا لیا تھا۔

"ماما! ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ بہت جلد کسی فیصلے پر پہنچ کر آپ کو آگاہ کروں گا۔" من کی دانش سے بچنے کے لیے اس نے گول مول جواب دے کر بات بدل دی۔

ان سے بات کرنے کے بعد فون ہمارنگ پر لگاتے ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس ایک ہفتے میں وہ درش اور فلک سے کافی مکمل مل گیا تھا۔ دونوں بہت ابھی لڑکیاں تھیں۔ سوشل کے ساتھ مل کر وہ انہیں نگاہ بھی خوب کر تھا۔ وہ اسے حنزو بھائی کہتی تھیں۔ اس لیے انہیں کسی اور واسطے سے دیکھنے کی قوت ہی نہیں آتی تھی اور اب چاہتے ہوئے بھی کسی اور نظر سے ان دونوں کے بارے میں سوچ نہیں جا رہا تھا۔

وہ کافی مکہ تو اس سے تو ابھی تک اچھٹ سے بات بھی نہیں ہو چکی تھی جب بھی سامنے ہوتا تو وہ اسے ہی زبردستی ہو چکی تھی۔ پہلے دن وہی بات پر مشابہت ابھی تک شرمندہ تھی۔

بعد وقت کتاب یا اخبار ہاتھ میں لیے کبھی کتابی سے سیاست پر بحث کرتی، کبھی چھوٹے چچا سے کوئی کتاب ڈسکس کرتی۔ باپ کی لمبی چٹائی پر والے خود سے بے نیازی یہ مکہ اس تک سے تیار مکہ سے نکلا تھا۔ جس سے وہ پہلے دن ملا تھا۔

"آنکھیں بند کیے" اسے اٹھائے ہونوں سے بھارتی لڑکی۔" بے ساختہ بارش میں بیجا وہ منظر اس کی آنکھوں میں چمک اٹھا۔ چمکی سی منکراہٹ ہونٹوں کو چھو گئی۔ اسی بل اس کی نظر کھڑکی کے پار جمولے پر پڑی جسے مکہ نے آکر گرد کھا تھا۔ اس نے بغور اسے دیکھا۔ نمکین پانی میں ڈوبی وہ اس کی جھمپیں مٹام کا سارا درد جیسے اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ حنزو کو اپنا آپ ان میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ کھڑکی میں کھڑے حنزو کو

فلک نے حق کے منہ کی بات سمجھ لی۔ جو سوش سے پوچھ کر چھٹا رہا تھا۔

"اوسوں۔ اچھے بیچہ جلسہ میں ہوتے۔" سوش نے بڑے نرم لہجے میں گھر کا کرار اساتو اب دینے کی صورت میں جانے سے محروم ہونے کا خطرہ تھا جو اسے منظور نہیں تھا۔

"خیر بھائی! اتنی دیر ساری کتب دیکھ کر آپ کو حیرت نہیں ہوئی؟ ورنہ جو بھی بچی باور رکھتا ہے حیران ضرور ہوتا ہے۔" پیچھو کے کام سے اندر جانے پر زور بھی ان کے پاس آئی تھی۔

"بالکل سچی باتیں۔ میرے مہیا پاپا دونوں ہی مسئلے کے شریک ہیں۔ ان کی مالی لا تیرری میں دلا بہانہ تین چار ہزار تھیں ضرور ہوں گی۔" زورش کے پچھانے پر ان کا جواب تھا۔

"واقعی۔" کلب نے کر آتی مک نے حیرت سے پوچھی "آپ کیسے سمجھیں۔" "مٹھ صوف کرے اتنی زیادہ سب ملنے کرنے میں تو انہیں بہت عرصہ لگا ہو گا۔" میں بھی انہیں سے متبع کر رہی ہوں مگر میرے پاس صرف نو سو بیس ہیں۔ سہول اور مالیاتی کی لا تیرری میں کس زبان میں زیادہ بکس ہیں؟ کن رانڈ کو وہ شوق سے پڑھتے ہیں؟" خیر اسے یوں پتہ تو ش انداز میں سوال پر سوال پوچھتے دیکھ کر میرے حیران رہ گیا۔ کلب تو سامنے ہونے ہی گھبرائے تھی اور کلب اب یوں ایک دم سے۔ یہ لڑکی قدم قدم پر حیران کر رہی تھی۔

خیر اگرچہ کلبوں کا شیوا میں تھا مگر انی ذوق کے حامل والدین کی محبت میں رہنے کی وجہ سے "لوب" کی الف ب سے ضرور واقف تھا۔ اس لیے پور نہیں ہوا۔ ورنہ سوش تو تھکے کے درمیان ہی کب کا بے زار ہو کر جا چکا تھا۔

کافی دیر بعد جب وہ نیچے جانے کے لیے اٹھا تو نہ صرف کلبوں سے متعلق ملک کی دیوانگی جان چکا تھا بلکہ اس سے کافی بے تکلف بھی ہو چکا تھا۔

"مہا پاپا سے گاڑھی چھپنے کی حشر کی۔" شرعی سی

دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ سب نے احتمالی خشر و خشر سے دعا کی۔

سب سے لمبی دعا سوش کی تھی۔ پیچھو کے جانے پر سب ان کے لافنگ میں جا کر تپنے لگے۔ مک جانے جانے چلی گئی۔ فلک بھی اس کا ہاتھ بٹانے لگے۔ چلی گئی۔ جبکہ زورش پیچھو سے اپنے عید کے گینوں کی گھرا اسکیم ڈسکس کرنے لگی۔ سوش نے لی وی کارڈ رٹ اٹھا لیا۔

خیر آج پہلی مرتبہ لوہر آیا تھا۔ ورنہ پیچھو سے تقریباً دو زائد ہی نیچے ملاکت ہو جاتی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ پتا سالانہ جو بیک وقت ڈانگ لور ڈرانگ دوم کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ ان ڈور پائٹس اور خوب صورت والے مشینوں سے غصت سے گرا تے تھا۔

سامنے والی دیوار میں نصب کلبوں سے کچا کچ بھری لٹاری لافنگ کے وقار میں اضافہ کر رہی تھی۔ "آٹھ نو سو کتا ہیں تو ضرور ہوں گی۔" خیر نے سوچا۔

"کلب کھو گئے پو شاہو!" لی وی سے پور ہو کر اس کی طرف منہ کر کے سوش نے پوچھا۔ "یار میں سوچ رہا تھا اتنی لمبی دعا میں آخر تم نے کیا لگا۔" خیر شرارت سے مسکرایا۔

"نو! اپنی سخی سی عقل کو تھکانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے پوچھا ہوا تھا۔ اندر کہہ کر تو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے تو اللہ سامنے سے خوب فرمائیں لیں۔" سوش فارم میں آتے ہوئے اپنی دعا کی تفصیل بیانے کا ختمے سن کر خیر چکرا کر رہ گیا۔

"شان دار سا بھگ۔" زیرو میٹر فراری، ملٹی بیٹل کمپنی میں بہترین چاب ورلڈ فور لوب۔ لوب۔ وہ ر شوق نگاہوں سے جانے لے کر آتی فلک کو دیکھ کر تھک گیا۔

"بس۔ بس۔ کافی ہے۔" ہمارا دماغ کھانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے جانے کی رٹے رکھتے ہوئے

سکر ایٹ چہرے پر سہائے یہ سوچا وہ بیڑیاں اتر
مکمل اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی مک
سکراتے ہوئے اپنی نگاہ میں اس کا نام دہن کرنے
لگی۔



رمضان المبارک کے بارگشت دن پر لگا کر اڑتے
چار بے تھکے دو سراسر عشو شروع ہو چکا تھا اب تو سب
کی دو دنیاں بھی سیٹ ہو چکی تھیں۔ ہل مگر حرم کو جس دن
ساعت پر جانا ہوا تھا اس دن واپسی پر اس کی حالت
غراب ہوئی تھی۔ عصری نماز پڑھ کر جو سواً صطرب کی
خیر لا آقا تھا۔ داد اس کے بے وقت سونے پر ہوتی رہتی
تھیں اور اس کے آنس دلوں کے خوب غائبانہ لہنے
لیٹیں مہنوں نے اسے کوئی کائنات چاہو ڈا تھا۔

درش اور فلک نے صبح سے دلوں کا چیر لیا ہوا تھا۔
انہیں عید کی شاپنگ کرنے بازار جانا تھا۔ مگر کوئی لے
جانے پر تیار ہی نہیں تھا۔ اپنی کانگریج ٹک مکان کے
مضافات میں تھا۔ بازار اور مارکیٹیں یہاں سے کافی دور
تھیں۔ اس لیے اکیلے جانا بھی مشکل تھا۔

"دلو! آخری عشو شروع ہو چکا ہے۔ ہوتے
چوڑیاں تو ایک طرف ہم نے تو ابھی پیرے بھی نہیں
کئے" دوستوں کے لیے کارڈ اور گفٹس بھی بننے
چاہیں۔ ہماری بات تو کوئی سنتا ہی نہیں۔ پلیز ہاپ ہی
کسی سے کہیں نہیں بازار لے جائیے "ساری
لڑکیاں دلو کو گھیرے ہوئے تھیں۔ فلک اور مک تو
باقاعدہ رونے لگی تھیں۔

"اچھا اچھا۔ انظار کے بعد تیار رہنا۔ میں کبھی
ہوں کسی سے۔" وہ انہیں باقی بچنگل من کے گھیرے
سے گھیرے۔

"دلو! دلو! دلو" سب ایک ساتھ چلا گئیں۔

وہ سب اسی شام انظار کے بعد سوش اور حرم کے
ہمراہ آئے تھے پلیزیز "کو شاپنگ پر لے جانے کا سنتے
ہی قاصر ہونے لگی تھی۔ وہ انہیں مدد مان بھائی کو ضروری کام
یاد آ گیا تھا۔ جبکہ ٹھیک ٹھاک فیضان بھائی کے سر میں درد

ہونے لگا تھا۔

سوش کو چونکہ بیوقوف کوئی نہ تھا نہیں سوچا تھا
اس لیے اسے یہ سراسر بھگتی پڑی تھی واحد حرم تھا جسے
پلیزیز کو شاپنگ کروانے کا تجربہ نہیں تھا اسی لیے وہ
خوشی خوشی ساتھ چلا گیا۔ فیضان بھائی اور داد تو
فورا "بے بیڑ کارنر" کی طرف چلی گئیں۔ درش اور
فلک کا اوروں کیڑوں کی خریداری کے بعد بچنگل کے
لیے اور لور بھگتے کا تھا۔

"پلیزیز تم لوگ میرے لیے کوئی سوٹ دیکھ لیتا میں
جب تک کہ انہیں خریدوں ان ٹھکانے آئی کو ہرگز مت جانا
کہ میں بیک شاپ میں ہوں۔" اپنے کسی میں موجود
آٹھ ہزار میں سے صرف ایک ہزار نکال کر ان کی
طرف پڑھایا۔

"ارے اسے میں تو اچھا سا سوٹ کہا شرت میں
بھی نہیں آئے گا۔"

"تم پھر رنجو ہو" کوئی انہیں ہی کتاب تو ضروری
انہیں ہی تو ہے ہی میرے پاس وہ چین من سٹے سوٹ
ہائے ہیں انہی میں سے کوئی بنالوں کی عید پر۔"

حرم بیک شاپ میں پہلے سے موجود کارڈ دیکھ رہا تھا
اسے آتے دیکھ کر مسکرایا۔ اسے یقین تھا مک
سیدھی بیس ہی آئے گی وہ چونکہ کارنر میں کھڑا تھا
اس لیے مک کی اس پر نظر نہیں پڑی جبکہ وہ کارڈ کی
لوٹ سے اسے خوشی خوشی تھکی کی مانند ایک ریک
سے دوسرے کے درمیان پھرانے لگا تھا۔

اپنے پسندیدہ مصنفین کی دھیر ساری کتب کاؤنٹر پر
ڈھیر کرنے کے بعد شل بنوائے گئی۔ اسے میں سفید
چادر سلپتے سے لپٹے ایک عورت دکان میں داخل ہوئی۔
اس کے ساتھ آٹھ سال کا بیڑی ہڈی آنکھوں والا کنویر
سایج بھی تھا اور گھٹنے میں ہار لگا تھا۔ وہ بولے سے
سلام کر کے کاؤنٹر کے پاس نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔
اسے دیکھ کر کنویر نے تھکوا پلیز چلتے ہاتھ رک
گئے اس نے دروازے سے پیچ نکال کر عورت کی طرف
پڑھائے شاید وہ اسے پہلے سے جانتا تھا اور بچنے کے سر
پر ہاتھ پھیلا۔

ہو گیا۔

”فصلیہ صحت پر ہی تیار ہے۔ اللہ پاک اسے شفا دے۔“ ملک کو سن کر بہت افسوس ہوا۔ اسی بل اس کی نظروں پہنے کی غلطی وہ یہ ان آنکھوں سے نکلا۔

”سنئے!“ جاتی ہوئی عورت کو روک کر اس نے پرس میں موجود قلم پر غلطی سے تھام لی۔ ”سوری اگلے ایک گھنٹہ پہلے اس پر کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں۔ پھر بھی آکر لے جاؤں گی۔“ اس نے محنت سے ہارٹس دکان دار سے معذرت کی۔

حزو کا رُخ چرے کے آگے سے ہٹا کر چنے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھ گیا جھوٹے جھوٹے قدموں سے باہر جاتی ملک اسے اپنے چل میں اندر بہت اندر گرائی میں اتنی محسوس ہو رہی تھی جیسے وہ ہر ایک نئے روپ میں اس کے سامنے آتی تھی مگر اس کا یہ روپ تو ہر روپ سے زیادہ خوبصورت تھا، کچھ سوچ کر وہ کاؤنٹر پر چلا آیا اور ملک کی جھوٹی ساری کتابیں بیچ کر دے گا کہ کرم کو بیچ کر دے گا، لیو اس کا بیٹلہ جانے کو بے قرار تھیں۔

حزو کا بیٹلہ جانے کے بعد اس کی عمارت میں نہیں چل رہا تھا، ”اگر مکان پہنچ جائیں۔“ عید تو بے بھی پھر ہی کرنے کا ارادہ تھا اس لیے اسی ملاقات سے ہی ہلاک چلے آئے تھے۔ چنے اور جھوٹوں کا چاک سانس پا کر دائرہ نسل ہو گئی تھیں اور چنے کے آنے کا مقصد بتا چلا تو خوشی ہو پڑا جو کسی نہ کسی وسیعہ دیکھ کر بھی پھر اتنی تھیں پھر بھول کی جھنگ میں یہی طے پایا کہ عید کے دن حزو اور ملک کی پہلی گھڑی جانے جبکہ شادی کچھ عرصے بعد کرنے کا ارادہ تھا۔

دائو نے لگے ہاتھوں دونوں بیٹوں اور بیوی کی رضامندی سے سوش اور فلک کی زبانی نسبت بھی طے کر دی۔

ابھی طرح خود کو یقین دلانے کے بعد سوش نے جو اچھلا کودنا شروع کیا تو حزو سے اسے سنبھالنا مشکل

عید کا دن اپنی تمام رونقوں اور رعنائیوں کے ساتھ نعمت خیل میں اترا تھا۔ دائو خوشی سے کھلی پر دی تھیں شیر خوار بھی اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اس عید پر ان کی تمام لوازمیں ان کے ہمراہ تھیں۔ ایک سال کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔

مکملی کا انتظام پانچ سالہ سن کیا گیا تھا۔ حزو کی ماما نے جھوٹے کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالا۔ مکملی کا بوڑا اور انگوٹھی تو وہ دائو سے ہی لیتی تھی۔ تقریب میں صرف قرعہ رشتہ دار ہی نہ ہوتے جو حشر شام ہی آتا شروع ہو گئے تھے۔

حزو نے ملک کی ایک جھک دیکھنے کے لیے صبح سے لاکھ کو شش کی کئی عمارت کا نام رہا تھا۔ یہ بھی نہیں آتی تھی۔

یہی دور فیصلہ تھا مکملی اسے تقریب کے لیے چنے لگیں تو وہ بہت خوش نظموں سے اسے دیکھ گیا۔ اس نے اپنے لڑکھن جوڑی دار فراک پہن رکھا تھا جو آگے سے گھٹنوں سے نیچے تھا اور پیچھے سے گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔ کانوں میں دائو کے چاندی کے کنوڑے والے جھمکے اور ماتھے پر گول ہنسا سجاد کھاتے سفید موتیا کے پھولوں سے گندھی چوٹی آگے کندھے پر ڈال رکھی تھی۔ غصت سے کیے گئے سبکاپ کے ساتھ بلاشبہ پھولوں کی ملک لگ رہی تھی۔

اسے جھوٹے پر حزو کے برابر لاکر بٹھایا گیا۔ پھر جب دائو نے اسے تیلوں کی گونج میں حزو کے نام کی انگوٹھی پہنائی تو دل نے لگ انگوٹھی کے عوض ساری وفا میں بٹھو میں بیٹھے حزو کے نام کر دیں۔

”مکملی مبارک ہو۔“ سب سے نظر بچا کر حزو نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کا بچہ سر مزید جھک گیا۔ آنکھوں میں خواب اور ہوش پر مسکن اثر اتنی تھی۔

سفر تک گراؤں میں جس میں سائیب دوزخ اور اس کے
اور گرد بھری ڈھیلوں گلاب کی پتیاں اندر صرف لگا
کھا تھا۔

"Life is Beautiful but
less than you"

کسی کی زندگی میں اپنی اپنی اہمیت کے اس
خواہ صورت اختیار نے اسے دوسرے تک سرشار کر دیا
تھا۔ وہ کتنی ہی دیر لفظوں پر انگلیں پھیر کر ان میں
مجھیں چنڈیوں کی خواہشوں کی محسوس کرتی رہی۔ یہ اس
کی زندگی میں سلامتی کا ایک لمحہ تھا جس کے اندر کوئی
کتابیں بھی نہیں اور وہ ان میں کہہ سکتے تھے کہ
کبھی اور کم بھی نہ کر دے۔ اس کی زندگی میں کوئی اور یہ
دیکھ لیتا تو کہتا "تو کبھی نہ جیتے گا"۔



ایک جزو ملکات میں آخری دن تھا۔ جس پر وہ جیت
کے لیے تھے وہیں مل گیا تھا وہاں پہلے تک پہنچ چکا
تھا۔ شام کی ملاقات سے اس کی دہائی تھی۔ وہ باہر صحن
میں چلا آیا۔ دلو اپنے تخت پر اب اس بیٹھی تھیں۔ دلو
کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ
دیا۔

"آتے رہنا ان بوڑھی آنکھوں کو ترسانا ہے۔"
دلو نے اس کا ہاتھ چما لیا اور پاد سے اس کے بال
سلائے لگیں۔ وہ ان کے بوڑھے ہاتھ اپنے
ہتھیلیوں میں قلم کر کے اقتدار سے نکال دیا۔

"بہت یاد آئیں گے آپ کے یہ محبت بھرے
لمس۔" اس نے تو دلو سے ساتھ چلنے پر بے حد اصرار
کیا تھا کہ ان کا ایک ہی جواب تھا اب تو تمہارے
دلہے پر ہی توں کی۔ دلو کے وطن کی طاقت ہو رہا تھا۔
وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ چمتی کی دھڑکی پر اندر چلی
گئیں۔ وہ تخت پر لیٹ کر خالی خالی نظروں سے نفرت
جنرل کے ہر گوشے کو ادا کر رہا تھا۔ کچھ سوچ کر اوپر
چلا آیا۔

مکھی کے بعد مکھ اس کے سامنے نہیں آتی تھی۔

وہ درجہ نخل کے آئینے میں خود کو دیکھ جاری
تھی۔ بچے تعجب تو کیا "الغرض بڑے ہو چکی تھی۔
سب مسلمان جاننے تھے کہ مکھ کے دل میں بیٹھ کر
خوش گہوں میں مصروف تھے۔ وہ پہنچ کے بغیر بھولوں
سے گندھی چلنے پر ہاتھ بھرتے ہوئے آئینے میں سولہ
سنگار سے آراستہ اپنا روپ دیکھ جاری تھی یہ وہی
اجنبی اجنبی ساگ رہا تھا۔

"آج فیصلہ ہوا مگر ساڑھی میں کتنی پیاری لگ
رہی تھی میں۔" اسے اچانک ان کا خیال آیا اور وہ اپنی
دو جھٹکتے گئی۔ "انہیں کتنا شوق تھا کہ اپنی لکڑی
کرنے کا۔" لیکن اس نے کل ایم ایس سی MSC
کونڈ میڈ اسٹ میں مگر کیا پاشاوی کے بعد ان کے
خوابوں کا؟ اور پھر اتنی کتنی اچھی پیشتر تھیں "انہیں
رنگوں سے کھینچے کا تھا اشتیاق تھا مگر شادی کے بعد اس
نے ان کے احوال میں کچھ پریشانی نہیں دیکھا تھا۔

کیا شادی کے لیے ہر لڑکی کو اپنا ہر شوق بدل دیں
پر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے؟ کیا مجھے بھی اپنی آنکھوں کو بھولنا
ہو گا؟ حقیقی خیالات اچانک حملہ آور ہوئے تو میں
بے سکونی اترا شروع ہو گئی۔

اس نے سر جھٹک کر ہر خیال دور کیا اور دلو
انارنے لگی۔ جھٹکے انارے ہوئے اس کی نظر
رائشنگ نخل پر پڑی۔ وہیں بیٹا سا ملت چک رہا تھا۔
وہ اسے گریہ پر آنکھیں پٹی۔ اس کی کانٹھ میں
لکھا تھا۔ اس نے دلو کو جان کی سی لگے لکھا ہو گا۔

ہتھیلیوں میں ہے اقتدار بہت اثر آیا۔ ہاتھوں کی
لڑش پر چھو پار اس نے کٹ پیک کھولا تو بارے
خوشی کے جلی سی چنچ لگی گئی۔ اندر ڈھیلوں کتابیں
رکھی تھیں۔ وہ ایک ایک کتب اٹھا کر دیکھنے لگی۔
سب کی سب وہی تھیں جو وہ اس دن کلاں پر چھوڑ گئی
تھی۔ حیرت نے آنکھوں کا سلا کر لیا۔ کچھ دیر پہلے
میں لکھ رہی تھی سکونی روح میں آرتے سکون میں
مہم ہو کر اپنا وجود کھوئے گئی۔

ذہن کی تہ میں اک کڑا بھی رکھا تھا۔ اس نے
جھٹکتے ہوئے اٹھایا۔ کڑا ہے حد خواہ صورت تھا۔

”دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ حزنو چونکہ انکو تھا اس لیے اس کی سہیلی خواہش بھی کہ وہ اس کی شادی میں اپنے سارے ارمان پورے کریں۔“
 ”سری طرف مسجد عظیم بھی جی جاتی تھیں کہ ان کی چھوٹی بیٹی کی شادی میں کوئی سرکاری نہ رہے۔ چونکہ بھائیوں نے انہیں وراثت میں سے انکا جائز شرعی حق دیا تھا اس لیے وہ بچے کی کوئی شادی نہیں تھی۔“

مگر حزنو نے جہیز نہ لینے کا شہسار چھوڑ کر انہیں پریشان کر دیا بلکہ اس نے تو یہ کہتے ہوئے شادی اور دلہن کے لیے سونے کی جنگ کروانے سے بھی منع کر دیا تھا کہ جب اسے اپنے بڑے اور خواہصورت گھر موجود ہیں تو اس کی فضول خرچی کی کیا تک ہے۔
 سب نے زور دیا تو اس نے صاف کہہ دیا اس طرح جو تعلق جائے اس سے کسی بے سارا لڑکی کی شادی کروا دیجئے گا۔ چونکہ اس کی نیت صاف تھی اور جذبہ جنگ تھا کسی بے مصلحت نہ تھے۔

پھر کھنڈ کر کے شادی کا دن بھی آپہنچا۔ مکہ کی حالت صبح سے عجیب تھی۔ کبھی نئی رفاقتوں کی خوشی ایک ایک میں سرشاری بھر جاتی اور کبھی آشیانہ چھوڑنے کا غم رنگ و بے میں سرایت کرنے لگتا تھا۔ اسی دھوپ چھاؤں سی کیفیت میں نکاح ہوا اور اسے حزنو کے سہلو میں لانا چاہا گیا۔

میوان بٹکتے اور بیچ لالچ شربت میں دوا جی دہانوں کے قہار لوازمات سے آراستہ۔ مست پیاری لگ رہی تھی۔ جنو عمری نے گویا حسن میں چار چاند لکھ دیے تھے۔ بیچ رنگ کی شیر دالی میں حزنو کی چھب بھی نہ لائی تھی۔

”بھئی دلسن پر روپ آتا تھا مگر میں تو دلن کے ساتھ ساتھ دھامسایاں پر بھی ٹوٹ کر روپ آیا ہے۔“
 کسی مسلمان خاتون نے گھر پر قہقہے کے ساتھ جھوکیا تو سب نے ان کی ہل میں ہل ملائی۔ دونوں کی بخودی چاند سورج کو شہزادی تھی۔

وہ بھی اوپر نہیں جاتا تھا مگر جانے سے پہلے آخری بار وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور عمل سنا تھا۔ وہ مکہ کو تلاش کرتا دیکھنے دینے کی طرف آیا تو وہ ہاتھوں کے جانے میں چھو جانے لگی تھی۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس سے وہ قدم بچے آہستہ مکہ میں اچھاگت اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

”تم دو کیوں رہی ہو؟“
 ”نہیں نہیں تو میں کہاں دو رہی ہوں۔“ اس نے نرسناک آنکھوں سے جھٹکنا چاہا مگر آنسوؤں نے پھولوں کی بازوؤں کو گرم فاش کر ڈالا۔

”وہ دراصل آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا۔“ وہ حزنو کی اندر تک لڑتی شفاف گہری آنکھوں سے گھبرا کر نظریں چرا گئی۔ اب کیوں کا جواب کیا جاتی۔ بے شک عقلی کے بعد سے اس کے سامنے نہیں جاتی تھی مگر یہ احساس کیا کہ تم تھا کہ جن دو لڑکیوں میں وہ سانس لیتی ہے وہ اس کی خوشبو سے جو جھل ہیں اسے چھو کر آتی ہیں۔

جب سے اس نے حزنو کے جانے کا سنا تھا۔ آنکھیں پونجی پھٹنے کو بے تاب رہتی تھیں۔ بیڑیوں کے پاس ہی بار سنگھار کا بیڑہ تھکا ہوا ہے چھینا تو ڈھیروں پھول دونوں پر برس گئے۔ بہت سے وعدے بہت سے اقرار خاموشی کے طویل وقفے میں خاموشی کی زبانی ہی کر کے حزنو نے کھڑا ہوا۔

”اب میں چلتا ہوں بہت جلد تمہیں لینے آؤں گا۔ میرا انتظار کروں گی میں۔“ بڑی تپ سے پوچھا مکہ نے بے اعتبار لگات میں سہلایا۔ اس کا دل اس سرسبز دل میں اندر تھوڑے آگے بڑھ گیا۔
 ”سنو!“ جاتے جاتے پکارا۔

بچا ہے دل کے قہقہے کو فتح کر سکتے ہیں آنسو مگر حیرتی آنکھوں میں یہ ایک مجھے اچھے نہیں لگتے۔
 ”آئندہ آنکھوں میں کچھ نہ ملے۔“
 مسکرا کر کہتے ہوئے وہ لیے لیے ڈاک بھرتا چلا گیا۔ اس کے قدم کھنٹی مکہ سوچ کر رہ گئی۔ ”یہ شخص واقعی ڈاکو ہے۔ خلی ہاتھ آیا تھا اور اب میرا سب کچھ لوٹ کر لیے جا رہا ہے۔“

کر دیا۔

انہی سمن کے لیے دونوں شمال علاقہ جات گئے تھے۔ وہاں سے واپس پر مین کا پتہ لگایا تھا۔ جہاں دعوتیں بھگاتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ سینے بعد جب دونوں واپس آئے تو ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے جیسے کئی سالوں سے ساتھ ساتھ ہوں۔

کمرے میں پڑ سکون مار کی کاراج تھا۔ حنزہ جیسے میں منہ چھپائے کمری چکر سوا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی ملک نے بڑے پارے اسے چٹائی کی کوٹیشن کی تھی مگر وہ کھٹا کھٹا کرنے کے بعد وہ پھر غافل ہو گیا تھا اسے دس منٹ میں اٹھنے کا انٹی ٹیمپ روٹی وہ ناشتا بنانے چلی گئی۔ حالانکہ غلطیوں موجود تھا مگر اسے حنزہ کا ہر نظم بنے ہاتھوں سے کرنا اچھا لگتا تھا۔ ناشتے کی غلطی سمجھتے ہوئے وہ اندر آئی تو حنزہ ابھی تک خواب غرق کون کے حزمے میں تھا اسے نو بجے آفس جانا ہوتا تھا اور اب ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

"لفظ معاف کرے" آپ ابھی تک سوئے ہیں؟" جس نہیں جانتا کہ؟" کمر پر ہاتھ رکھ کر وہ اسے گھور کر رہ گئی۔ پھر اچانک کچھ سوچ کر شرارت سے مسکرائی اور ٹائم جیس پر الارم سیٹ کر کے اس کے کتان کے پاس رکھا اور گھڑی کے پردے میں چھپ گئی۔ الارم کی چنگھلائی آواز اور سوئچ کی تیز شعاعوں نے بیک وقت حنزہ پر حملہ کیا اور وہ ہڑباز اٹھ بیٹھ۔

اس کی بدحواس شکل دیکھ کر ملک کے قہقہے چھوٹ گئے اسے یوں غور پر بندھ کر کہ حنزہ ایک جھنگے سے بندے سے آکر ملک کی طرف پھلکا اسے شاید فخر آ گیا تھا اسے اپنی جانب پڑھتے دیکھ کر ملک مارے ڈر کے اٹھتا تھا مول نیچے اپنی دیوار سے جا لگی۔ ابھی کل ہی تو ممانے بتایا تھا کہ اول تو حنزہ کو فخر آتا نہیں مگر آج اسے اسے داری کی خبر نہیں ہوتی۔ اس کا اصل خشک ہو گیا۔ حنزہ خطرناک تیردوں سے اس کے سامنے آگھڑا ہوا۔ دونوں ہاتھ دو اور پر نکا کر اس کے فرار کا راستہ بھی معدوم کر دیا۔ اس کا ہاتھ اپنی طرف

شدائی کی رسول کو سب نے خوب انجوائے کیا سارے لڑکے حنزہ جگہ لڑکیوں ملک کی طرف ہو گئے۔

یوں ہی ہنسنے مسکراتے ہر غصتی کا وقت آپ بچا تھا۔ ہر آنکھ جس میں کچھ دیر پہلے خوشی کے ستارے چمک رہے تھے اب اداسی سے جھلکا رہی تھی۔ ابھی ملنے ملانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک مجبور و نما ہو گیا۔ صبح کا بھولا شام کے ڈھلتے سماؤں میں واپس چلا آیا تھا۔ ابھی چند دن پہلے ہی ملک کے والد نے جو داؤد کے بھائی تھے انہوں نے فون کیا تھا اپنے کیے پر بدعت شرمندہ تھے۔ دو نوکر معافی مانگ رہے تھے۔ معاف کرنا آسان تو نہیں تھا مگر سرت سے گلوں شکوہوں کے بعد داؤد نے انہیں معاف کر کے آنے کی اجازت دے دی۔

"شام کے سامے اگرچہ داخل رہے تھے مگر تھی تو ابھی شام نہ۔" یہی سوچ کر سمجھنے بھی انہیں معاف کر دیا تھا مگر ان کے آنے کو پھر بھی راز رکھا تھا۔ حالانکہ وہ ایک بار پھر اپنا راز تبدیل ہی نہ دیتے۔ وہ ہر غصتی کے وقت تک تکی ہی کیے تھے اور ملک جو سوچتی تھی جب کبھی ان سے سامنا ہوا تو انہیں اسی طرح نظر انداز کرے گی۔ جس طرح انہوں نے ان کو کیا تھا۔ مگر انہیں اچانک سامنے پا کر وہ بیچر مٹی ٹھوہ کیے ان کی کھلی ہاتھوں میں جاسٹلی اور لٹا رہی کہ ہر گھڑی ٹھوہ آنسوؤں میں نہ کہلے۔ قرآن مجید اور دعائوں کے سامنے تلے باب وہ غفلت مٹیل سے دلوان ہوئی تو اور بہت سی چیزوں کی طرح اپنی ذات کی عرو میاں بھی دہیں چھوڑ گئی۔

شدائی کے بعد زندگی اتنی خوب صورت ہو جائے گی۔ ملک نے سوچا بھی نہیں تھا حنزہ نے نہ تو چاند مارے تو ڈالانے کے وعدے کیے اور نہ ہی کسی دوسری دنیا کے خواب دکھائے تھے۔ بس سیدھے سیدھے اپنا مل جو وہ پہلے ہی اس کے ہم کر چکا تھا اسے پیش

پڑتا دیکھ کر مک نے کبوتر کی طرح سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ حزن نے جھگے سے اس کے پیچھے کھوئی سے لگا کر کہا: "اما اور شدت کی انگلی سے اس کی ناک کی چھتک زور سے دبا کر قفسدار کر فس پر اب مک کی قفل دیکھنے والی تھی۔"

"ابا بہت خوف ناک ہوں میں؟" اس کی رہشت بھری آنکھوں میں معصومیت سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ مک ٹھٹھے سے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں بٹا کر گھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"اللہ معاف کرے۔ آج تو میری جان ہی نکال کر رکھ دی تھی۔" اس کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ حزن اپنی شرارت سے لطف اندوز ہوتا کچھ دیر کرسی فطوں سے اُتے دیکھتا رہا۔ وہ دو تھی ہوئی اتنی بھاری لگ رہی تھی کہ مٹانے کا پروگرام کچھ دیر بعد پر اٹھا کر اس کی لمبی چوٹی کو جھٹکا پتا مشورہ لینے چلا گیا۔ اس کی بیٹھ کو پیار سے دیکھا دکھاتے ہوئے مک نے بے اختیار فس دی۔



شادی کے شروع کا عرصہ تو یوں چلک چھٹکے گزرا تھا کہ پتا بھی نہیں چلا تھا شہر اب جسے ہمارے ہاں وہ نہیں شروع ہوئی تھی تو سب کے جانے کے بعد وہ گھر میں آگیا اور ہو جاتی تھی۔

کرنے کو کوئی گھر بھی نہیں تھا۔ مختلف کاموں کے لیے مختلف راستے تھے۔

حزن کے سارے کام بے شک وہ اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر وہ ہوتے ہی تھے تھے۔ توڑی دیر میں ختم ہو جاتے اس کے بعد سارا دن وہ ہوتی اور اس کی عقلی وہ اب اس دو تین سے شدید پر ہونے لگی تھی۔ بے مقصد مجھل سڑنگ کرنے کے بعد کچھ سوچا مگر حزن کا نمبر ملانے لگی۔

"کیا ہو رہا ہے ڈیر سبز؟" سلام کے بعد حزن نے پوچھا۔

"اب کا انتظار؟" وہ بے ساختہ بولی۔

"ابھی سے؟" ابھی تو بارہ بھی نہیں پہنچے۔ "اسے حیرت ہوئی۔ مک اب کیا پتا تو اس کے جاتے ہی آئے کا انتظار شروع کر دیتی تھی۔

"اللہ معاف کرے حزن! میں تو سارا دن اکیلے سخت پرور ہو جاتی ہوں۔ تائیں ناکیا کر لیں۔" وہ اپنا تکیہ کام دہراتے ہوئی۔

"بڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دو۔" حزن نے حل ڈھنسا کیا۔

"ہمیشہ تو کر چکی تھیں مگر یہ کتنا بڑھوں۔" اس نے منہ جا کر مشورہ دے کر دیا۔

"تو ہمیشہ کتاہوں سے دو بارہ دو تھی کر دو۔"

"کتاہیں۔" اس نے ڈیر لب دہرایا "اسی نے شادی کے بعد ہر وقت کتاہوں میں منہ دے رکھنے سے سختی سے منع کیا تھا۔ اس کے لاکھ نہیں کرنے کے باوجود اس کی کتاہیں لاکھوں میں بھجوانی تھیں۔

مک کو خود بے حیرت ہو رہی تھی۔ کیسے وہ اتنا عرصہ کتاہوں کے بغیر زندہ رہی تھی۔

"مگر حزن! میری کتاہیں تو تین ہی میں رہ سکتیں۔ اسی نے لائے ہی نہیں دیں۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوئی۔

"اللہ معاف کرے ڈیر سبز! یہ ضروری ہے کہ تم صرف اپنی ذاتی کتاہیں ہی دھو۔ تمہاری لائبریری سے استفادہ کر لیا کرو۔" وہ اس کا تکیہ کام دہرایا اور وہ فون کو گھور کر دیکھی مگر وہ تکتا اس کا مشورہ نہ کیا تھا۔

اس لیے برا نہیں ملتا۔

"اچھا مجھے سناٹا نہ جانا ہے۔" کتاہیات کریں گے۔

"اللہ حافظ۔" وہ فون بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے ابھی تک لائبریری میں جھانکا نہیں۔

"اللہ معاف کرے اتنی خوب صورت لائبریری۔" اس نے اندر داخل ہوئی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پڑے سے ہل نما کپڑے کے تین اطراف میں دیوار گیر الماریاں نصب تھیں۔

چو تھی طرف تو تھی دیوار گلاس کی تھی۔ جس سے

بھول جاتی تھی۔

پورا کمرانہ کی میں دووا تھا۔ پھر یہوں کی اونٹ سے چمن چمن کر آئی سوئی کی کرکھی اندھ میرے سر پر پکار تھیں۔ جمادی ساز کے بیڈ کے ایک طرف منگ "بچہ" دوسری طرف حنہ تھیں۔ وہ بچے پھر خواب تھا۔ حنہ نے کھسکا کر کوٹ پہلی تو نیم دا آنکھیں لارم نہیں کے رہیں وہ اس سے ٹکرائیں۔ وہ تھکی پانچ سو گنا رہا پھر گنت کھا کر اٹھ بیٹھا۔

اسے ٹھیک تو بجے آٹھ بجنا تھا اور اس وقت پہلے تو ہو رہے تھے۔ صبح نماز کے لیے تو اس کی آنکھ خود بخود کھل جاتی تھی۔ مگر پھر سو سوتا تو الٹا مشکل ہو جاتا تھا۔

پہلے تو وہ لارم بیٹ کر پوتا تھا۔ مگر جب سے شادی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھ منگ کی کلائی میں تھکتی چوڑیوں سے تھکتی تھی مگر رنج کل۔ وہ حسرت بھری نگاہ اپنی سوئی ہوئی نصف بستر ڈال اٹھ کھڑا ہوا اور بھاگم بھاگ واش دم پینچا جلدی جلدی شاور بیٹے کے بعد ڈار منگ دم میں آکر جو وہ کھاتو پینے کرتے جوتے نہ ارد۔ شادی سے پہلے وہ اپنے ذاتی کام خود کرتا تھا۔ مگر اب جب وہ مکمل منگ پر انحصار کرنے لگا تھا تو وہ لا پرواہ ہوئی جا رہی تھی۔ یہ تو اب روز کا مکمل دن چکا تھا۔

فیس کی تنہا میرے نکل کر یہوں کو وہ ڈی مگروں کے مقام تک آئے آئے اپنی گری کھو کر جھینٹا ہٹ میں بدل گئی۔ منگ سے اپنا غلامی بنا کر خواب کتابوں میں لگم ہو کر لا رہا ہوئی تھی۔ رات دیر تک پڑھتی رہتی۔ اس لیے صبح آنکھ دیر سے کھلتی تھی۔ اس کے آنے جانے کا حساب رکھنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ بغیر باتھ کے وہ جیسے تیسے تیار ہو کر چپے پہنچا گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ ٹھکر گاڑیوں کے آگ میں سب سے زیادہ کھلے خوب صورت سرخ گلاب پر پڑی ہو اور سے ہی نمایاں تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے بریف کیس

گاڑی میں رکھا اور گلاب توڑ کر کمرے میں چلا آیا۔ لمبے لمبے ڈاگ بھر تانک کھسکا اس آگروک گیا۔ رہتی زلفوں کے ہلے میں اس کا معصوم چہرہ بھی گلاب کی مانند لگ رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے دیکھے گید کچھ دیر پہلے والی جھینٹا ہٹ پر اب پھر غالب تھا۔ حنہ میں چلے گلاب سے اس کا مکمل سلاہا۔ منگ کی آنکھیں کھل کر بھر کر وہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ جھپٹتی نہ سائیڈ ٹیکل پر رہتی تھک پڑ چھل رکا کر جتنی تھکی سے کیا تھا اتنی تیزی سے واپس چلا گیا۔ اسے اس سے دیر ہو رہی تھی۔

حنہ آٹھ کے گرد پڑھ کر غور پر غف کے انتظار میں کھڑا تھا کہ سر پہلے والی چپٹے ڈاگ چلا ہوا۔ وہ اس کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے پا ہوتا سزاؤ سامنے اپنے ٹھکانے پر بار طلعہ کو پار کر جان رہا تھا۔ اب کینڈا میں ہوتا تھا۔

"اسے تو اب آیا؟" مارے خوشی کے حنہ نے اسے جھنجھاکر دھوا۔

"ارے ہار اڈیاں توڑے گا کیل۔" اس کی آہنی گرفت سے ٹھہرا کر طلعہ چچا اٹھا۔ وہ ہنستے ہوئے اسے اپنے کپڑوں میں لے گیا۔ ہاتھ پاؤں میں دقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں تھا۔

سونیا اس کی بیوی کی کل اتنی تو وہ ناظم دیکھتا تھا کھڑا ہوا۔ اسے سونیا کو شاپنگ پر لے جاتا تھا۔ اس لیے اجازت چاہی۔

"تو اپنی بھابی سے تو ملای نہیں یہ تاجر کرب آرہا ہے۔" وہ اس کی شادی پر پاکستان نہیں آتا تھا۔ حنہ اسے پار کنگ تک چھوڑنے اس کے ساتھ چل چلا۔ "بب تو کے میں تن زار مصروف ہوں۔"

"تو بس پھر کل ڈار تو میری طرف کرے گا۔" حنہ نے فیصلہ کیا۔

"ہو تم میرے پار کا پس مگر کھا بھابھی کے ہاتھ کا ہونا چاہیے۔" کھواری کا مٹا ہوا کرتے ہوئے طلعہ

نے شراب بھی عائد کر دی۔

"ویسے بھابھی کو کھانا پانا تو آتا ہے؟"

"گھر سے ایسا دینا، جو ایک بار کھائے آئندہ کھانے سے توبہ کر لیتا ہے۔"

"واقعی۔۔۔" طلحہ گھر گیا۔ جبکہ حمزہ قفسہ دار کر بیٹھ گیا۔

"گھر سے بار گھبراہٹ مذاق کر رہا تھا۔ مکہ اگرچہ کچھ کاتی ہے مگر اچھا کاتی ہے۔"

"ہوں۔۔۔ میں بھی کہوں تیری تو نہ کیوں فکر تھی ہے۔" وہ اس کے پیٹ میں مکا مار کر شرارت سے بولا۔

"تمہاری بچ بچ گھر اگر گروں نیچی کر کے اپنا۔ چاہو لینے لگا۔ سب کچھ فٹ تھا۔ سکون کا ساٹھ لیتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دیتے طلحہ کو گھورا اسٹے ہی بل

وہوں کا مشترکہ قفسہ پارنگ میں گرجا اٹھا۔

گھر آتے ہی اس نے مکہ کو گل کی دعوت کی اطلاع دی۔ "مما پلانا تو پر سوں ہی ایک ہفتے کے لیے

ملتان گئے تھے۔ ورنہ سارا انتظام ممانہیل لیتیں۔

اچھے عرصے بعد طلحہ سے مل کر وہ بہت خوش تھا۔ رات گئے تک اسے اپنی اور طلحہ کی شرارتوں کے بارے

سنا رہا تھا۔ مکہ بھی ہاتھ میں پکڑی "ممانہیل" کے لفظوں پر اور بھی مزہ کی باتیں بدل مچل کر بیٹھی تھی۔

مگر جب سوئے مٹی تو حقیقت انرجین کی "ممانہیل" اور حمزہ کی "شرارتیں" انہیں میں گھٹا ہو چکی تھیں۔

پڑھا تھا اور سنا پڑھا تھا۔ باقاعدہ۔۔۔

خدا! خدا کر کے میٹنگ ختم ہوئی۔ وہ جس وقت پارنگ میں پہنچا، صلیب بجے تھے۔ اس پر

جنملا بہت سوار ہونے لگی۔ گاڑی گھر کے کچھ عرصے میں روکی تو آٹھ بج رہے تھے۔ دوپہر ہو چلے، اس کاٹھے

سے براہِ حال تھا۔ گھٹنے سے گاڑی کا دروازہ بند کر کے وہ لمبے لمبے سانس لے کر خود کو باہر کرے لگا۔ اگرچہ وہ

بہت نرم مزاج تھا۔ اسے غصہ دے سے آقا تھا مگر جب آتا تو بے حد شدید آتا تھا۔

پارے گھر میں منائے کاران تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ آج یہاں دعوت ہے۔ وہ نیم کارہ ایک لافنگ کو جب سے دھکتا ہے وہ دم میں چلا آیا۔ یہاں بھی تدریجی تھی۔ مکہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ اسے آواز میں دیتا نیچے چلا آیا۔ لیکن تپا بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پول تو وہ سرشار علی جاہلی

تھیں مگر آج اس نے مکہ کو انہیں روکنے کی خصوصی ہدایت کی تھی۔ وہ بچن میں بھی دیکھ گیا۔ بھانیں

بھانیں کرتے خلی بچن نے اس کا بلغم پکڑا دیا۔ مسان کچھ ہی دیر میں اسے اٹھنے لگے اور صلیب۔ غصہ پھر

سے اس کے دل پر سوار ہونے لگا۔

لا بھری کے گھر اور اسے سے وہ مٹی کی بیسی لکیر دو رنگ چمکی تھی۔ غصہ سے وہ دروازہ کھول کر وہ اندر

داخل ہوا۔ جانتے ہی مکہ ہرگز سے بے نیاز۔

دوڑ موڑ کے حلیے میں ہاتھ میں کتاب پکڑے آتی کم تھی کہ اس کی گھڑی خرابی مچل ہوئی۔ غصہ کنٹرول

کرتے کرتے حمزہ کا چہرہ تدریجی پانڈ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں سے گواہ دیکھو گی پھوٹنے لگی تھیں۔

"مکہ۔۔۔" اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر تیز تیز میں اسے پکارا۔ وہ چونک کر بیٹھی ہوئی۔

"ارے تمہو! کپ کپ آئے مجھے تو ہر بھی نہیں چلا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمزہ کی آنکھیں دیکھ کر کچھ

غیر معمولی بن کاٹھاس ہوا۔

"جس میں ان کتابوں سے فرصت ملے تو تمہیں بھی کچھ بتا دے۔ تم ابھی تک چار کیوں نہیں ہو میں؟

مسان آتے ہی ہوں گے۔" سخت لمبے میں بات کر گیا۔ بالکل اجنبی لگ رہا تھا۔

"مکھن سے مسئلہ۔۔۔" بلی الفاظ اس کے منہ میں ہی وہ گھٹے اسے یاد کیا کل رات ہی تو حمزہ نے طلحہ کی

تہ کا پلانا تھا۔ مگر ابھی دعوت کی یاد دہانی کر رہی تھی۔ مگر وہ "مستحق کے قید خانے میں" ایسی کھولی کہ کچھ یاد ہی

نہیں رہا۔ اس کی آنکھیں فوراً مائل نکال کی طرف اٹھ گئیں۔ یہاں سوا آٹھ بج رہے تھے۔ چند رو منٹ میں مسان آنے والے تھے۔

”یعنی۔ یعنی جسیں یاد ہی نہیں رہا۔“ سوز کلام
مکھوم کیا۔

”۔۔۔“ حنزہ دراصل میں یہ کتاب پڑھنے
میں۔ ”اس نے فخر ہو کر اپنی مقلد پیش کرتی تھی“
مگر آج حنزہ کو سننے کے مواقع نہیں تھا۔

”بس۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ مکھ سر کیا راز
مکی۔ اس کے ہاتھ سے جیسے سے کتاب کھینچ کر دیا
پر دے ماری جو دیکھ کر ریش مر سے ٹکرا کر زمین پر
ہو گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز میں مکھ کی حیر ہو گئی
دھڑکنوں کی آواز دب گئی۔

”تم ایک نہایت نیکو شخص ہو۔“ مست اللہ اور باہل لڑکی
ہو۔ تمہاری شادی مجھ سے نہیں ہونے کیوں سے ہوئی
چاہے سچی جن کے سوا نہیں مجھ کو دکھائی نہیں
دیتا۔ ”اس سے پہلے کہ وہ کچھ زیادہ کہہ جائے کچھ غلط کر
جائے، بمشکل خود ضبط کرتے ہوئے اس کے لڑتے
دخو کو کھینچ کر دھکیل کر لے لے ڈک بھرتا ہوا چلا گیا
جبکہ مکھ جس کی آنکھوں میں سے پانی ٹپکتا ہو گئی
تھی۔ اپنے لڑتے دخو کے ساتھ کھینچ کر دھکیل دیا
رہی۔

حنزہ گلاس میں بیٹھ چکی تھی۔ گھونٹ گھونٹ چیا
میرس کی بیڑیوں پر آجھا جیسے جیسے پانی حلق سے
اترتا جا رہا تھا اس کا حلق بھی لٹھلا رہا جا رہا تھا۔ اب
اسے یہ سوچ سوج کر دھشت ہو رہی تھی کہ صلحہ کو کیا
منہ دکھائے گا۔ آف کول جانے کیا کرے؟ اس نے
شادٹ ٹوش پر تو بازار سے کچھ لانا بھی مشکل تھا۔
گلاس میں موجود چلی ہانڈی ایک سی گھونٹ میں حلق
سے اٹار کر اس نے صحنہ کر گلاس زمین پر دے مارا۔
چھانکے کی آواز سنانے میں پچھل چا گئی۔

”سر پڑے چھ مکی۔“ چونکا تو تب جب سیل پر
صلحہ کی کل آنے لگی۔ بے اختیار نظر گڑبڑ کی طرف
اٹھ گئی جہاں نورج رہے تھے۔ ”ہیلو“ اس نے مرے
مرے ہاتھوں سے کل رہی تھی۔

”یار حنزہ! سو سوری“ سچ کا پروگرام تو کینسل سمجھ
ہم گھر سے نکل چکے تھے کہ سونا کے بھائی کے
لیمکسٹن کی خبری ہم اسپتال چلے گئے۔ ابھی بھی
وہیں ہیں تو پلٹے پھرتے ہیں۔ ”معدرت کرنا ہم پھر کسی
دن پھر لگائیں گے۔“ صلحہ رست کھلایا ہوا تھا۔ کچھ
سے بغیر جلدی جلدی اپنی بات ختم کر کے فون بند
کر دیا۔

حنزہ کو رست پڑا پوجہ سر سے سر کا محسوس ہوا۔
طویل سانس خنک کر کے وہ مکان ہو گیا تھا۔ کھلی
پل خود کو سرزد کر کے صلحہ کے سامنے کے لیے پل
ی بل میں دھاک مارتے تھے۔

”اب مکھ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جوں ہی
غصہ لٹھلا ہوا اسے آکھس ہوتے تھے۔ اس نے آج
تک مکھ کے خرمے کسی جگہ کی طرح اٹھائے تھے۔
کبھی دوائی شہر کی طرح پیش نہیں آیا تھا۔ اسے اب
چیت ہو رہی تھی۔ مکھ جس پر وہ چاہنے کے باوجود
نہیں نہیں کیا تھا ان سے انتہا بے گھر کیا۔

”مجھے اسے مٹانا چاہیے۔“ اس کی آنکھوں سے
لہجہ آنکھیں بار بار منسوب کرنے لگیں تو دل نے
خو رہا۔

”نہیں۔“ لفظی اس کی تھی۔ معلق دوا سے آگیا تھی
چاہے۔ ”اس کے اندر کا دوائی مواد انگریزی لیتا ہوا
ہوا اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے
بھی دوا پڑھ گیا۔

”میں آج تک مکھ کی ہر لفظی ہر کوئی ہر
لاہوائی نظر انداز کرتا آیا ہوں مگر اب نہیں اسے ہر
صورت مجھ سے معلق نا تھی ہوگی۔“ اس کے اندر پہلی
بار پیدا ہوئے دوائی مو نے فیصلہ سنایا اور دل کو بھی
اپنا ہمنوا لیا گیا۔

دل کو بھی اپنے ساتھ ملائے کی لاکھ کو شش کی مگر
دل کے تو کھن ہی تھیں تھے۔ جو کچھ مٹتا۔ آخر تھک
پار کر اس نے دل کو لاکھ کے گھد میں قید کر کے خد کا لاکھ
لگا دیا اور دل بے جا درد مارا گیا۔

اور سیکھ کر آیا کہ ساتھ ملا کر بحث پت شلن داری
 دعوت کا نظام بھی کرنا تھا۔
 کھانا پاشہ بہت لذیذ تھا۔ سب نے خوب دلواری۔
 سوائے خنز کے سب کچھ دیا ہوا گیا تھا۔ جیسا کہ چاہ دیا
 تھا۔ پر اس دن ان ہول آج ہوا تھا۔ وہ مضطرب ہو کر
 اٹھ بیٹھا مگر کچن کی صورت نہیں آ رہا تھا۔
 وہ لوہو اوجھ رہا کہ کوئی مصروفیت دھونے لگا۔
 دودھ مار سے ہوئی اس کی نظریں بند کے میں سامنے
 لگی دال پر تنگ پر رکھیں۔ یہ دیکھنے آج ہی
 بھجوائی گئی۔ خوب صورت کتاب کی پتوں کے بیچ
 بھولی سی نظم لکھی تھی۔

اپنی باقی رہنمائی کو بھلا دیں
 دل سے دلواری کے قہار نکال دیں
 اور غرض

جو ہوئی ہیں غلط فہمیوں نے
 نہیں غلطوں
 کہہ چکا ہوں نہیں کرتے تو چلو
 ہمیں قدم پر دلواری
 کہ کھجوں میں
 ان کی بات نہیں چلتی

ایک بار وہ بار تین بار ٹھہرا بارہ فیروز لاری طور پر
 اس قسم کو بڑے گیا۔ "کھجوں میں ان کی بات نہیں
 چلتی۔" دماغ میں اس پہلے کی تکرار نے اسے بے گل
 کر دیا۔ آواز ہوا اس سانس لینے کے لیے دھڑکن کی طرف
 چلا آیا۔ مگر کوئی دیر کی میز میزوں پر بیٹھی ملک کو دیکھ کر
 ٹھک گیا۔

خنز کی طرف اگرچہ اس کی پشت تھی مگر وہ بے
 خودی سے اسے دیکھ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ رو رہی
 تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے آنسوؤں میں شدت آتی
 چلی گئی۔ پیچھے کھڑے خنز کو اس کا ہر آنسو اپنے دل پر
 کرنا آخروں ہو رہا تھا۔

خنز دیکھنے سے اس کے قریب آ بیٹھا یوں اچانک سے
 سامنے دیکھ کر وہ بچا تھی۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا

وہ سر اٹھوں میں بکڑے بیٹھا تھا۔
 "آپ کا سر دیا ہوں تاکہ پریشان نہ کیے کہ خنز مضطرب
 ہو گئی۔ مگر منہ خالی خالی غصوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ
 پہلے کی طرح اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ اس کے لیے
 فکر مند ہوئی۔ ملک کے سارے انداز و اطوار پر اسے
 جیسے ہو گئے تھے جیسے وہ پہلے تھا۔

اس رات کے بعد اس نے ملک کی آنکھوں میں
 آنسو نہیں دیکھے تھے اور نہ ہی ہاتھ میں کتاب۔
 اگلی صبح وہ ایک دم پہلے والی ملک میں کر اس کے
 سامنے آئی تھی۔ ملک اس کا پہلے سے بڑھ کر خیال
 رکھتی تھی۔ مگر کیا کہیے کہ اس کا بلی مطمئن ہی
 نہیں ہوا تھا۔ اسے اس کا ہر انداز سنبھالنا تھا۔ ملک
 کی محبت سے لبریز ہل اس سے معافی مانگتا تھا جبکہ
 ہائی اس ملک سے معافی مانگتا تھا جتنی تھی۔ محبت اور
 ان کی جنگ نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔

"آپ کی جانے لفظی ہو گئی ہے اور دلواری؟"
 "ضرورت نہیں۔" دانستہ اس کی طرف دیکھنے
 سے گریز کرکے وہ بے رخی سے کہہ کر دلواری دلواری
 طرف بڑھ گیا۔
 "بھری خط اتنی بڑی تو نہیں خنز کہ کتاب صرف تھی
 نہ کر سکیں۔" وہ منہ داس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

خنز طویل خاموشی کے تانے پر دلواری گیا۔ وہ
 بہت تھکا ہوا تھا۔ چائے کی تھوہیہ طلب ہو رہی تھی۔
 جاتا تھا ابھی کچھ دیر میں ملک کے چائے کی پیالی
 تھا۔ حاضر ہو گئی۔

آج صبح وہ سارا دن سانس پر گزار کر تھا ہار اکر
 واپس آیا تو ایک سرور اتر اس کا مختصر قلم طبعہ اپنی سبز
 کے ہمراہ آیا ہوا تھا۔ اسے چند دنوں تک واپس لینڈ
 جاتا تھا خنز تو تقریباً روزی باہر ملاقات ہو جاتی
 تھی۔ پر آج وہ اور سوینا بطور خاص ملک سے ملنے آئے
 تھے۔

ملک نے انہیں بہت اصرار سے ڈنپر روک لیا تھا

شہادت سے اس کی ناک کی ہلچل دہلی بھبھ بھی اس پر چار آتا تھا۔ وہ ایسا ہی کر آتا تھا۔

”ہمنو! میں بھی جان گئی ہوں، مہمان دہی بہترین چال ہے، ہر شوق امثال میں اچھا لگتا ہے، آسمان بھی میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دلائی گی۔“ اس کی سمجھ میں پھر ہر شے کی شکایت کی۔

”مجھوں میں اتنی بات نہیں چلتی میں بھی سمجھ گیا ہوں۔“ ہمنو نے بھی تسلیم کیا اور مسکراتی نظر میں کہہ ڈال کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ جہاں خوب صورت زندگی ان کی منتظر تھی۔

تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر وہ نوں نے وہ سنی سیکھ لیے تھے، جو زندگی کا سفر سہل بنانے کے لیے ضروری تھے۔ اپنی اپنی جگہ وہ دونوں ہی خوش رہتے تھے۔



شاید سواری گھر ہمنو نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے نرمی سے اس کے آنسو پھٹے لگا۔

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے مک کو مٹائے گا میرے سامنے ذرا سڑکوں پر شعل لیں سواری تو ہے بے شک، مگر اٹھار نہ کرنا سواری سے ہولے ہولے غصہ کی مک کو اپنی شل اور اڑھاتے ہوئے اس نے بے ساختہ شعر پڑھا۔

اس کی اس اچانک کلایا پلٹ کر مک کا غصہ بدحواس رہ گئی۔ سرخ بھری کی روش پر چلتے ہوئے خاموشی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ گیت تک پہنچ کر ہمنو کو خیال آیا وہ جہاں اسے لے جانا چاہا رہا تھا۔ ٹھٹھے ٹھٹھے وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر ہو چاہے گی۔ اسی لیے گاڑی نکال لایا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مک جہاں اس کے مزاج کی تبدیلی پر حیران تھی۔ وہاں خوشی بھی بہت زیادہ تھی۔ جیسے بھی سہی ہمنو کی بارش تو دور ہوئی۔

”اب میں بھی آپ کو ہراس نہیں ہونے دے گی۔“ سن انہوں نے چری چری اسے دیکھتے اس نے دل ہی دل میں عزم کیا۔ اس کی چہرہ کی ہلچل ہمنو کھل کر مسکرایا۔ وہ بھی نہپ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

نجانے مک کو کیا ہوا اس کے کنہ سے سر نکا کر زاد و قطار دھنسنے لگی۔ ہمنو نے بھی دیکھا کہ وہ اپنا سارا افراد نکال کر بھی نہیں ہو جاتے۔ دیکھو مجھے در لگتا ہے مجھے سے تھکے سے تھکے تم مجھ سے خفا ہو بھی تو اٹھار نہ کرنا وہ بھی گواہیں دیتی تو ہمنو نے صحت کان پکڑ لیے وہ دوتے دوتے یکدم ہنس دی۔

”ہمنو یہ سب۔“ اس نے جھپکی سیٹ پر رکھی بہت ساری نئی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا مگر ہمنو نے دھمک دیا۔

”میری مک آنکھوں کے بغیر اور سواری ہے اور میں اپنی مک کو قطعاً اور سواری نہیں دیکھ سکتا۔“ پیار بھری گرمی انکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے ہمنو نے غفلت

خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے خواتین کے لیے ایک اور چال



دیکھو محبت

33735021

قیمت - 300 روپے

محکمہ

کتاب خانہ انسداد - 37، انسداد کراچی، فون: 33735021



نصیب کھول دے۔ کوثر نے دھڑکتے دل سے اپنے رب کو پکارا اور مصلوں کے پاس جا کر بیٹھا مناسب سجاوٹ اور حنا کو کھینچ کر شکر کے گئے کسی بدایت سے کہ جلی گئیں۔

شکر کے نصیب پر نہ جانے ایسا کن سا ناکام لگ گیا تھا جس کی جلی گئی تھی تک نہیں مل رہی تھی۔ شکر کے لیے پھولی نہیں فورین اور حرا کے رشتے تھانک کے اور اللہ کے رحم سے وہ اپنے گھر کی ہو گئیں۔ اس شکر نے جانے کیوں پیچھے رہ گئی۔ جب کہ وہ اپنے گھر کے لیے سب سے پیاری بیٹی تھی۔ شکر کا اصل نام خوریہ تھا مگر خوریہ سے "شکر" کا نام اس کے اچھے کاموں سے پڑ گیا۔ گھر کے ہر فرد کا کام وہ لیوں پر مسکراہٹ بکھیرتے کہتی۔ اگر بھائی کی کوئی چیز چم نہ ہوتی ہے تو اس شجرہ مشنوں میں ڈھونڈتی۔ اس کی فیصل پر اس کی پسند کے مطابق کوثر مصلیٰ کر دیتی۔ اس کے ہر حکم پر سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ محلے میں کسی بدوین کو شکر کی ضرورت پڑتی تو شکر اپنی جیب خرچ سے اس کی مدد کر دیتی۔ اس کے اچھے کام کرنے پر ہر کوئی اس کو شکر کے شکر ہی کہتا تو شکر جیسا لفظ اس کی ذات سے چپک سا کیا اور اس کا اصل نام کوثر مگر شکر کے سارے اچھے کام وقت کے ساتھ ساتھ دھندلے ہونے لگے۔ جب اس کے بھائیوں اور بہنوں کی شادیوں ہو گئیں مگر شکر کا جو دن سب کے لیے غیر ضروری سا ہو گیا۔ اس کی وجہ سے وہ وقت پر اپنے گھر سے رخصت نہ ہو سکی۔ ہر کوئی شکر کو نصیب حص کر گیا اپنی اسکر پر توجہ نہ۔ آج کل ان لوگوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے جن کی اسکر اچھی اور فریش ہو۔ یا پھر

"شکر یہ بیٹا! اقرب تک چار نہیں ہوئیں۔ وہ لوگ کلنی دیر سے آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مزید ان کو انتظار کرانا اچھا نہیں لگتا۔" کوثر نے کمرے میں آکر ٹھہر مندی سے اپنی بیٹی کو بتایا۔

وہ لب اسک کے کئی شیڈ ہادی ہادی اپنے ہونٹوں پر آنا رہتی تھی اور اب اس کے ہونٹوں پر غیب بد نما ساسرغ رنگ ظاہر ہونے لگا جیسے اس نے کسی کا تازہ خون پی کر اکل دیا ہو۔ وہاں کی اسکا تک اندر کھرا بی بی اور وہ نول ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر ہاتھ دوسری طرف لپکی۔ کوثر اپنی بیٹی کی حرکت پر پریشان سی ہو گئی۔ "مفہ لڑکی مجھی!"

وہ ہاتھ دوسری تیزی سے اپنے ہونٹوں کو بانی سے رکھنے لگی۔ جیسے جیسے اس نے کوئی افسانہ خون پیا ہو اور وہ یہ راز چھپا رہی ہو۔ لب اسک کے ساتھ صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کا کھنڈر جانور لیا کہ کیا وہ ضرورت ہے یا پھر ان کے سر دھوئے دالوں کی ٹھکریں مگر وہ نہیں دہیندے۔ اسکی آئینے نے توجہ کر دی۔ وہ چہرہ لگا ہے ایک خوش حال خوش مزاج لڑکی تھی۔ پھر کی مکمل رہ گئی؟ اس نے سوچتے سوچتے آئینے سے پوچھا جہاں سے جواب آتا یا مگر نہ تھا۔

"شکر یہ۔ جلدی باہر کو یا پھر میں اندر آؤں۔" کوثر نے اب کی بار عقلی سے کہا۔

"جی۔ جی۔ بس" مفہ "اس نے کاہنچے ہونٹوں سے جواب دیا۔ اس کی توڑ پر وہ قسم کی گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھنے لگے۔

"والف۔ اس دفعہ میری مدد کرنا۔ میری بیٹی کا



کپڑے ملا کر بنو م نقش فر فر لو لویا پھر معصوم بن کر
رشتہ دیکھنے والوں کا چنگ بجا کر دل بیت لو وہ سب کی
پاتوں پر سر ہا دیتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اب
خود بھی شادی سے لاپرواہی ہو گئی تھی۔ اس کا دل
شادی کے لیے بھج سار گیا۔

پھر شکریہ اپنے پر آنے والے رشتے پر خود ہی انکار
کرنے لگی۔ گوثر بھی کی حالت پر پیشینہ رہنے لگیں۔
شکریہ کو بہتری نصیب تھی کئی راتیں مگر اس پر کوئی
اثر نہ ہوا۔ اثر ہوا تو اس کی وجہ اس کی چھوٹی بہن حنا
تھی۔

وہ رات اس کی آنسوؤں میں مگزی۔ وہ سو رہی تھی
جب اسے اچانک اپنے کمرے میں آہٹ ملتی وہی
اس کی چھوٹی بہن حنا اس کا زور نکل کر برس میں
ڈال رہی تھی۔ شکریہ کے تو جیسے ہاتھ پاؤں کھٹکے

ہو گئے اس نے لائٹ تھن کر دی۔ حنا بول اچانک۔ بہن
کو سامنے دیکھ گھبرا سی گئی۔ شکریہ نے زور کاٹھا نہ
اسے دے مارا وہ زمین پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگی۔ اس کا ٹیک زمین پر کر گیا۔ زور اور ہتھکڑی
— جو اس نے اپنی ہل کی لٹاری سے نکالا تھا وہ بھی
شکریہ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

”تمہ۔ تمہ کیا کر رہی تھیں؟“ شکریہ نے زمین
پر سوجھو چڑھوں کو دیکھتے جیڑائی سے پوچھا۔
”سب تب کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ روتے
روتے قصے سے کہتی۔

”بھئی وجہ سے؟“ شکریہ کو اس کی بات پر جھٹکا سا
لگا۔

”ہاں۔ تب کی وجہ سے۔ تب نے تو شادی نہ
کرنے کی ضد لگا رکھی ہے۔ مگر اس میں میرا کیا قصور
ہے۔ جو جو لوگ کئی بار رشتہ جیتنے پر بھی نہیں انتظار
کرنے کے لیے کہہ دیا جاتا ہے۔ ای۔ ای۔
بھائیوں کو صرف آپ کی زندگی کی فکر کھاتے جا رہی
ہے۔ میری کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ آپ نے
میرے لیے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔“ حنا نے رو

د کر اپنے دل کے اندر دہلی باز میں اس کے منہ پر دے
مارا۔

وہ چپ چاپ اپنے بستر پر جا بیٹھی۔ شاید اس نے
اپنا قصور مان لیا تھا۔ اسے اپنی چھوٹی بہن حنا کا سوچنا

چاہے تھا۔ مگر ابھی بھی وہ نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے اگلی صبح ہی اس نے مل کو کما کر وہ شادی کے لیے تیار ہے۔

تو رین اور حرا نے تو یہاں تک اسے کہہ دیا کہ اب اسے کسی سے بھی آنکھیں نہ کر کے شادی کر لینی چاہیے۔ جیسے شادی نہ ہو۔ تو رین نے ہلے ہو۔ وہ دن رات اللہ سے مبرا کی دعا مانگنے لگی۔ آخر یہ نصیب آسمان پر جو نہ ہے یہ سب اوصاف ہے۔ یا پھر حقیقت یہ کیا وہ بھی دامن کے روپ میں ہر لڑکی کی طرف اپنے گھر سے رخصت ہوگی۔ یا پھر اس کا جنازہ ہی اٹھایا جائے گا۔ وہ اللہ سے سوال

پر پہنچی "آنسو اس کے چہرے کو بھگوتے رہتے اور پھر اپنے نصیب پر رو لینے کے بعد جو سکون کی فینڈ اسے ملتی۔ اس کے اچھے دنوں میں بھی اسے نصیب نہیں ہوئی تھی۔

رشتہ دیکھنے والے آتے اور پھر بول جاتے۔ جیسے وہ بھی شکر کے گھر نہیں گئے۔ رشتہ والا بھی پریشان سی ہو گئی کہ کسی نے تعویذ کے شکر کے لیے رشتے تو نہیں روک دیے۔ کوئی بھی نصیب پر چھپ چھپ کر دیتی رہتیں مگر حرا کا رویہ بالکل نہیں بدلا اس کا صرف ایک مقصد تھا کہ شکر یہ جلد از جلد اس گھر سے چلی جائے اس دن وہ سامان بٹانے کے بعد مل کے گھر سے نکلتی تھی۔ جب وڑکی گواڑ پر اس کے قدم روک گئے۔

"بہنہ۔۔۔ یہاں سے میں مل سے بات کر رہی ہو۔" کوڑنے طے سے حرا کو دیکھا جو اپنی مل سے اپنی شادی کی بات کرنے آئی تھی۔

"شادی میرا حق ہے اور مجھے جو لو سے ہی شادی کرنی ہے۔ اگر آپ نے میری شادی نہیں کی۔ تو میں کوئی بھی اتھلی قدم اٹھاؤں گی۔"

کوڑنے نے حرا کی جرات پر اسے زور کے طمانچے مارے۔ "مجھے میری اپنے ابا کی عزت کا خیال نہیں کیا۔ کم عرصہ۔ بھائیوں بہنوں کی محبت بھول

گئی۔ جو ایسا کہہ رہی ہے۔" کوڑنے دوتے دوتے اسے جھجھوڑا۔ جس پر جو کوئی محبت کا ایسا بھوت چڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی مل کا رعب بھی بھول گئی۔

"آپ سب کو میری فکر ہے۔ آپ سب کو مل کو کوئی کی زندگی کی فکر ہے۔ اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ اگر میری بھی شادی ہو گئی تو رین اور حرا کے وقت تو کسی نے بھی کیا کائنات سوچا۔ پھر میری دلہہ کیوں۔ میری بھی شادی ہو گئی۔ اب انہیں کوئی پسند نہیں کر دیا۔ کیا ہی نہیں۔ سب فحش چاہتیں کہ جلد از جلد ان کا بوجھ آپ کے لوہے کے میٹال کے کندھوں سے اتر جائے۔" حرا کی آواز زور سے ملتی۔ شاید اسے بھی دیکھ تھا کہ کیوں شکر یہ کا نصیب ان میں ایسا تھا۔

کوڑنے بھی غصے سے بھری۔ شکر کے بھی آنسو بہنے لگے۔ کاش اس کی مل ایک بار تو کمرہ تھی۔ کہ وہ بوجھ نہیں۔ وہ ان کی سب سے بڑی بیٹی ہے۔ مگر اس کے کان ترستے رہ گئے۔

حنانہ اپنی شادی کے حوالے سے دھکی دے والی کہ اگر اس میل کے آخر تک اس کی بولو سے شادی نہ ہوئی تو وہ کچھ بھی کر کرے گی۔ اس بار سے شکر کے لیے فیصلہ کر لیا کہ وہ مل اور بھائیوں سے خود بات کر کے مدت جلد حرا کو رخصت کر دے گی۔

شکر کے نے حرا کو کئی بار مطمئن کیا مگر حرا کا رویہ بدل نہ سکا۔ شکر کے اس کی محبت کا وہ پتھر تھا جسے بھٹکانے کے لیے اگر خیراب کا استعمال بھی اسے کرنا پڑا تو وہ پیچھے نہ ہتی۔ محبت چیز ہی ایسی ہے جو لوگوں کو ہزار درجی ہے۔ حنا اس کی وہ سبب تھی جو اس پر اپنی جان تک لٹانے سے گریز نہیں کرتی تھی۔ آج وہی سبب اس کے مرنے کی دعا میں مانتی نظر آئی۔ شکر کے پاس اپنا کوئی نہیں بچا تھا۔ اس کا کوئی تھا۔ تو صرف اللہ تھا۔

اللہ جس کو وہ اپنی ہر تکلیف پر پکارتی۔ تو وہ اسے لازمی صورت میں سکون گواہ نکات۔

وہ دھاکے کی بارگزار تھا۔ یہ بھی دانش آدم سے باہر نہ نکل سکی۔ اسے ڈر تھا کہ گنج پھر لوگ اس کا دل توڑ جائیں گے۔

اس نے دھاکے کے لیے فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ اس کے اندر کا دانش آدم اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ وہ دانش آدم لاک کر کے روئے۔ وہ نے اللہ کو پکارنے لگی کہ معاف کر دے اسے کیسے بوجھ سمجھ لیا۔ حتیٰ کہ اس کے والدین۔ اس کی باری بہنیں۔ بھائی اس کے نہ رہے۔ ظلم خدا اس کے ساتھ۔ اور اس ظلم کا جواب تو اللہ کے سوا کسی اور سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بہت دیر تک دانش آدم میں دھکی رہی۔ اور حصار روانہ ہوئی بلکہ ہو کر رہ گئی۔

رات کا وقت تھا۔ وہ بستر پر لیٹی اپنی حرکت پر شرمندہ تھی کہ حافض سے اس کے پاس آگئی۔

”آپ۔۔۔ آپ نے اچھا نہیں کیا۔۔۔ وہ لوگ دوسرے شہر سے آپ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے اور آپ نے ان کی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر آپ نے خود کو کیوں دانش آدم میں لاک کر لیا جبکہ آپ نے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔“ دھاکے لفظ چاہا کہ وہ پوچھی وہ خاموش تھیں جھکائے ہنسی رہی۔ سچ میں اپنی اس حرکت پر وہ خود بھی بہت حیران تھی کہ وہ کیوں آپ لوگوں سے منسوب کرنے لگی ہے۔

دھاکے میں کی خاموشی پر تب ہی کئی اور۔۔۔ سچ کہہ رہی تھیں۔ یقین ہو گیا ہے کہ آپ مجھے خوش دیکھنا چاہیں چاہیں تب مجھ سے اور میری محبت سے مجلس ہیں۔ اس نے فیسے سے سن پر اڑا لیا۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ دھاکے ایسا کچھ نہیں۔۔۔ میں کیوں خفیں خوش نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں تو اس بات پر مطمئن ہوں کہ جو اچھا ہے وہاں کاکھرا رہتا ہے۔ میں خود قصاری شادی کے لیے لاہور بھائیوں سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔“

”بس کیا؟“ رہنے رہے۔ اپنے بھولے

وہ دھاکے آپ کے پاس ایک اچھا موقع تو آیا تھا۔ پھر کیوں دانش آدم میں بیٹھی رہ گئیں۔“ دھاکے نے جیسی نظروں سے دیکھ جانے کی کو خوش کی۔

”نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ خود نہیں چاہتی۔ کہ۔۔۔ اس سے بات مکمل نہ ہو سکی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدلا رہ گیا کہ کہیں اس کی پھولی۔ بہن نہ جانے کہ باہر لوگوں کے انکار کرنے پر اس۔۔۔ کھل میں ڈر رہا کیا کہیں وہ ایک بار مزید دھکائی جائے۔

”آپ۔۔۔ کہیں آپ۔۔۔ کسی سے محبت تو نہیں کرتیں۔ یا پھر آپ کو محبت میں دھکائی۔“ دھاکے سوچتے سوچتے اس کی طرف دھکائی کہ وہ پھلا۔

”نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں۔۔۔ میری سچی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھمنے لگی۔

”میرا نہیں ہے۔ تو میرے آنسو کس بات پر؟“ دھاکے نے منہ اسے انکشاف دینا چاہا۔ فیسے سے پھٹ پھٹ کر۔

”آپ اس لیے۔۔۔ کہ مجھ سے سات سال چھوٹی میری بہن میں۔“ دھاکے نے وہی جو پر سوال پہلے اس میں سونہر تھی۔

دھاکے کا چہرہ بدل ہو گیا۔ بہن کے آنسوؤں پر وہ چپ کر کے کمرے سے باہر نکل گئی اور کئی گھنٹوں تک سوچتی رہ گئی کہ قصور سچ میں شکریہ کا نہیں۔ قصور صرف اس کی قسمت کا ہے۔ جو وہ غنوں کے لیے رہ گئی ہے۔

ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہ لوگ پھر ان کے گھر آئے۔ اب کی بار وہ شہر کو دیکھنے کے لیے تھیں۔ بلکہ فحش کی رسم کرنے آئے تھے۔ کوڑ کے پاؤں زمین پر نہیں رکھ رہے تھے کہ یہ کیا ہجو ہو گیا کہ اتنے اچھے گھرانے سے حویہ کے لیے عزت سے رشتہ آگیا ہے۔

وہ خود یہ سن کر حیران تھی کہ ان لوگوں نے اس حد کی حرکت کے باوجود رشتہ جوڑنا چاہا۔ دھاکے کا دئیہ۔

بھی ہل گیا۔ اور وہ شکرہ کے ساتھ شاپنگ میں مصروف ہو گئی۔ شکرہ کو یہ سب غراب جیسا لگ رہا تھا۔ اس کا دل اندر سے ڈر رہا کہ کبھی کوئی اس سے یہ کہہ جائے کہ "اوہ! ایک لمحہ کے بعد شکرہ دکن کے روپ میں فرید کی زندگی میں شامل ہو گئی۔"

شکریہ کی پہلی رات وہ فرید کا انتظار ہے مری سے کر دی تھی۔ وہ اس فرشتے کو دیکھنا چاہتی تھی کہ جس نے اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا شکریہ پر سب اسے سمجھا رہے تھے۔ کہ فرید ایسا نیک شریف لڑکا قسمت سے ملتا ہے۔ اسے پیشہ فرید کا خیال رکھنا ہو گا۔ اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی فرید کا دل نہیں دھکے لے گی۔ وہ فاشعار ہو ہی نہ گی۔ پیشہ اس کی خدمت کرے گی۔

ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دوسرے پر آمیت ہوئی۔ اس نے صحت سے اپنی نظرس جھکا لیں۔ فرید شکرہ کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس بیٹھ کر آ بیٹھا۔

شکرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہے۔ شکرہ زبان ساتھ نہیں لے سکتی تھی۔ اس سے پہلے شکرہ بہت کھلی۔ فرید نے ایک قیمتی انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دی۔ اور پھر وہ بولنے لگا۔

"میرے ہاتھ اسٹ شکرہ جو تم نے میرے رشتے کو قبول کر لیا۔ جب میرے گھر والے کو تم نے انتظار کر دیا تو میں سوچنے لگا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ پچھلے پانچ سال سے میں تمہارے حلقے میں رہا تھا۔ تم جانتا چاہتی ہو۔ کہ میں تمہیں کیوں سوچتا تھا۔ تمہیں غلاب جمل یاد ہوں گی۔ جو تمہارے محلے میں پہلے رہتی تھی۔" فرید نے پیار سے اس سے پوچھا۔ "غلاب جمل۔ جی۔ جی۔ غلاب جمل۔" اس نے ایک دم سوچتے جواب دیا۔ اور فرید کو حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"غلاب جمل میرے دوست رحیم کی بیوی ہیں۔ جو اس وقت کیٹیڈی ڈال کر اپنی اور دوسروں کی بچت

کر داتی تھیں۔ جس میں وہ ہو گا۔ تم نے اپنی کبھی کسی کو ضرورت پڑنے پر دے دی تھی۔ وہ میں ہوں۔ جو یہ اس دن اگر تم میری مدد نہ کریں۔ تو شاید میری زندگی کا کوئی مقصد پرانہ ہو تا اور نہ ہی میں زندہ جا کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا۔ یہ ساری دولت تمہاری اس پھول سی مدد کی وجہ سے میرے پاس آئی۔ میں نے غلاب جمل سے تمہاری بہت تعریفیں سنی تھیں۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں تمہیں دیکھوں۔ تم سے بات کر دوں۔ اور تمہیں سوچنے سوچنے تک مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ غلاب جمل اللہ کو پیاری ہو سکتی ہیں۔ پھر رحیم کے کہنے میں نے تمہارا دل دریافت کیا۔ اور میں اللہ کے کرم سے تم میرے سامنے آ گئی ہو۔"

فرید نے پھر — اپنے کونٹ کی جیب سے ایک سبز پھول نکال لیا اور پیار سے دیکھتے ہوئے اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

"میرے یہ لپٹیں نے تمہیں بہت چاہا ہے اور اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تمہیں بھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔"

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ شکرہ کو اللہ نے اتنا پیار بخش دیا تھا کہ شاید ہی اسے کوئی شکوہ کرتی۔ اس کے ہونٹوں پر یہ سوچ کر مسکراہٹ بکھر گئی کہ اس کا اللہ چاہتا ہے کہ شکرہ صرف اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی رہے جیسا کہ فرید کا ہاتھ خلاصے ہوئے وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس کی اندر جری راتوں کو روشن کرنے کا وہ تحفہ اس نے دے دیا ہے۔ وہ اسے جان سے پیارا ہے۔ اور پیارا ہی رہے گا۔



نبیلہ عیسیٰ

قصہ سحر

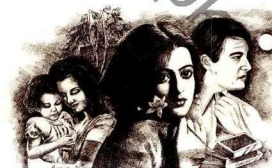
دارا مرصحنی ایمانی عظیم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ جو نور مٹی میں بڑھتی ہے۔ ہاں عظیم اس کا اپنی سبیلوں سے زیادہ ملنا چاہتا ہے۔ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری باتیں لگائی ہیں۔ جبکہ دارا طوراً اعتدال اور اچھی لڑکی ہے۔ عظیم عظیم اکڑا اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی بی اس کی حمایت ہیں۔

فارہ اپنی ٹیمینہ خانہ کے بیٹے کفایت پرانی سے منسوب ہے۔ وہ سال پہلے بہت کفایت کی پسند سے عسکری کئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لا تعلق ہے۔ فارہ کی والدہ جنہو در عجمانی بہن ٹیمینہ پرانی سے ملنے کا اپنی چاہتی ہیں۔ کفایت اس میں اور پرت لگنے نہیں جاتا۔ مجبوراً سہارا کو چاہنا پڑا ہے۔ وہ کفایت کی بد قسمتی پر غصہ کر رہی ہیں۔

جنہو ٹیمینہ اور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ جنہو حیدر اور عزت حیدر۔ جنہو حیدر بڑا پس ہے اور بے حد شہان دار پرستانہ کی کامالک ہے۔ ولید و عمن اس کا بہت قریب ہے۔ اس سے منیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اشتیاق ماحول نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فارہ کی بہن عمن بڑی ہوتی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے بولہ نور مٹی میں بڑھ رہا ہے۔ وہ کچھ کرانے خواہش کر رہی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھل کر نیو کو فون کرنا ہے۔ جنہو اسے ہسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باعث بنتی ہے۔ عزت بھی ولید کے ہاتھ میں سوچنے لگتی ہے اور اس کے لیے انکھوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید ایمان میں جاتا ہے۔

کفایت فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روٹی ہے۔ ٹیمینہ اور اشتیاق پرانی کو علم ہوتا ہے تو ان میں سخت عداوت ہوتا ہے۔ ٹیمینہ کی طبیعت بڑے سختی ہے۔





اشتیاق پر دہائی تھکان سے حد دے کر فنا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ اتفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ قادیان سے خوش نہیں ہو جاتی۔ عزت مجبور کے سوال سے ولید کا کیمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی جو صلا افزائی نہیں کر سکتا۔ رضاحیدر مجبور کو قادیان کی شادی کے سلسلے میں لیصل آباد بھیجتے ہیں۔ قادیان جانی، قادیان نہیں، قادیان کو بعد اسرار ہو کر ملتی ہے۔ اور انعامیہ جگر کی بارگاہی کے ہاتھوں چلی جاتی ہے۔ وہاں مجبور اور قادیان کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کلیات سنا سنا سے بیان کر دیتی ہے۔ قادیان کی کل کو قادیان ہے کہ وہ رضاحیدر کے بیٹے مجبور حیدر سے ملی ہے۔ لیکن یہ خبر نہ جاتی ہے۔

شادی میں مجبور حیدر، قادیان کے قریب آنے کی کالی کو شش کر تا ہے مگر قادیان کا سخت اور کمزور دینہ چہار اسے ہانک کر دیتا ہے۔ مجبور قادیان سے رضاحیدر کو طوا نا ہے۔ رضاحیدر اسے دیکھ کر تو تک جاتے ہیں مگر قادیان کو شش کہہ کر وہ سمجھ نہیں پاتے۔ قادیان کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے سولس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بڑا ہوتی ہے جبکہ سولس خوب لکھی لکھا ہے۔

تھکان تو جی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ قادیان پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر قادیان ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمر جیسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے تمام کا خیال کرتے ہوئے خود بغیر قادیان کے چلا گیا تھا۔ قادیان اس کی بات پر یقین نہیں کرتی۔ مجبور قادیان کے درمیان قادیان کو اپنے اس میں ایک شائد اربہ کچھ پر غائب کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے قادیان کالی میں جت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

۱۳

تین بیویاں

"تین بیویاں ہیں سے عزت۔ سراسر سوا کل ہیں اور میں اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔" ولید نے اپنے تاثرات پر شکل قبول کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"یعنی کہ تم میرے حق میں نہیں ہو۔" عزت اپنے حلق کی منہ خیزی سے ہلکی ولید کو لپکا "چپ ہو گیا۔"

"تین بیویاں ہیں۔" تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔ "اس کا خون منہ لدوری کا تھپا تھا۔"

"ولید۔" تم چپ کیوں ہو۔ "تھپا تھا۔"

"کیونکہ یہ سوال فضول ہے۔" ولید کی مختصر چپ فونٹی۔

"چھاپا۔" ہر بھی تم کو جواب دے۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو۔ "اس کے سوال اور نظموں کا مرکز ولید رحمان کا چہرہ تھا۔ اور سوال کی شدت اور جواب کی طلب میں ہرگز رستے مل کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔

"عزت! ایشی۔" سب نہیں چاہتے۔ "ولید نے سلائے والا طریقہ اختیار کیا۔

"یعنی کہ تم مجھے نہیں چاہتے۔" اس نے اس کی بات سے جواب لیا۔ کیا تو ولید کو تعذیب میں ڈال گیا۔

"عزت! پلیز۔" اکیلے سیدھے سوال کر دی۔ "ولید کے گیسو میں جھنجھوٹ کا عنصر تھا۔

"کیونکہ تم اگلے سیدھے جواب دے رہے ہو۔" جبکہ میں ایک سیدھا سادہ جواب مانگ رہی ہوں۔ تم میرے حق میں ہو یا نہیں ہو؟ یاں یا ناں میں ایک جواب۔ "عزت کے مزاج میں اس کی پرانی مشہوری کا رنگ نمودار کیا۔ اور ولید رحمان اپنے مزاج کی صورت میں جا اڑا۔

"نہیں۔" میں تمہارے سوا کل ہیں کے حق میں نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔"

ولید کا سر گلی میں چلا اور عزت کی پوری دنیا ہی گلی میں مل گئی۔

اس کے چہرے پر اک سرسری سایہ سا لہرایا اور دل کے اندر اک طوفانی اہل سا اضافہ ہو چکا۔ مشکل مگر یہی

ہمت سے دعا کی۔

جنون جھاگ کی طرح جھٹک گیا اور جسم لٹوٹا لیٹا۔ برف کی مانند۔

اور زبان منہ میں ایسے سارکت ہو گئی تھی جیسے بے جان ہو اور وہ اسی۔ دل میں اٹھنے لگا۔ برف جسم اور سارکت ہوئی زبان کے ساتھ اپنا ایک کندھے ڈالتے ہوئے اپنا کندھے کھڑی ہوئی اور نئی اس کے قدم ایک پل کے لیے غیر متوازن سے ہوئے مگر اس نے یکدم کڑی کی پشت۔ ہاتھ رکھتے ہوئے کڑی کا سارا لے لیا۔

"عزت! میری بات سنو۔" ولید اسے یوں اٹھتے دیکھ کر ٹھٹک کر کہہ اے عزت سے ایسے رد عمل کی توقع نہیں تھی کہ وہ یوں بغیر کچھ کے اٹھ کر کھڑی ہوگی۔ اور چل دے گی۔

"عزت۔!" جب وہ اس کے پکارنے پر بھی نہ رکی تو ولید نے یکدم بے اختیار اس کی کھالی پکڑ لی اور عزت کے داپھی کے لیے اٹھتے قدم بھی یکدم رک گئے۔

"میرا ہاتھ چھو لو۔" عزت کا ہجہ صدیوں کی اجنبیت لیے ہوئے تھا۔ اس نے اضطرابی طور پر ہاتھ پکڑ لیا تھا گھبرا کر چھوڑ دیا۔

"تم میری بات سنو۔" ولید نے اپنی بات بے زور دیا۔

"میں کچھ نہیں سنتا چاہتی۔" عزت کا وہی سہجہ اور انداز تھا۔

"لیکن میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بھی ایک سی بات پہ اڑ گیا تھا۔

"میں نے کہا۔" اس کی ہنسنے والی مہربانی تھی۔

"میں اپنی بات کے بغیر نہیں جانے نہیں دلاں گا۔" ولید نے اس دیکھ کر اس کی جس رنگ میں عزت سنتا چاہتی تھی۔ مگر اب نہیں۔ اب وقت گزر چکا تھا۔ چند ساتھیوں میں چلے۔

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔" اس احتجاج کا وقت گزر گیا اب میری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھو گے تو مجھے ناگوار گزرنے کا۔ اتنا ناگوار کہ میری جگہ سے جا کر ہمارے دیکھنے کے بعد اپنا کپسی جلا ڈالوں۔"

عزت کی جاتی علیین اور اتنی سفاک بات پہ ولید کو بے ساختہ جھرمجھری سی آگئی اور وہ راز تھا۔

"مگر عزت! ہمیں کچھ کہنا چاہیے۔"

"سب عزت نہیں۔ بے عزت کو مجھے کیونکہ تمہاری نظروں میں خود کو اپنے مقام سے گرا کر اب ایسی ہی ہو گئی ہوں۔" وہ پہلی غراحتی نظر اٹھانے اور اس سے پہلے میں۔ خود ولید کو بھی کٹ کے رکھ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کہنے کی کوشش کرنا تو یکدم بلی اور ریٹورنٹ کی حدود سے ہی لٹکی چلی گئی تھی اور ولید بے بس دلا چار سا کھڑا رہ گیا تھا۔



اس کے گاڑی اشارت کرنے کی دیر تھی کہ اس کے آنسو بھی اشارت ہو گئے۔

ولید رحمان کا خواب اسے اپنے چہرے پر اک زوردار تھپڑ کی طرح محسوس ہوا۔

جس کی تکلیف کی شدت اسے انداز تک پہنچ گئی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

گاڑی روڑ پہ ڈالتے ہی اس کی آنکھیں دھندلا گئی کیونکہ زار و قطار بہتے آنسوؤں میں دھانی بہت تھی۔ دھانی پوری زندگی میں اس شدت سے اور گھٹکیوں سے نہیں دھنی تھی اور آج اگر دھانی بھی تو ولید رحمان کی وجہ سے۔

اور عزت کو کچھ تکلیف اس چیز کی بھی تھی کہ وہ قطری طور پر بہت ہی لاسر اور آوار خیال لڑکی تھی۔ اس نے

کبھی لوگوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ حالانکہ آج تک یہ خود سچی اور کالی میں رہتے ہوئے ہزاروں ہاتھ اس سے دھتکی کے لیے لوہہ بند کی کے نام پر آگے بڑھے۔ لیکن اس نے ابھی کسی کو گفت ہی نہیں کر سکی تھی اس چیز کا کوئی درس لیا تھا۔

لیکن اب اچانک ولید رحمان کی چادر میں جھکا ہوا کردہ عزت۔ عزت ہی نہیں رہی۔ خود اپنی ہی نظموں میں کر گئی تھی۔

کیونکہ وہ اس سے محبت اور محبت کے جنون میں اپنے مقام سے بہت نیچے آگئی تھی اور وہ سب اعتبار کر ڈالے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچا بھی نہیں سکتی۔ لیکن پھر بھی حاصل کیا ہوا۔؟ اٹھی!

اور اب اس فتنی کے بعد اس کے دل میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہی دکھ تمام راستے سے دلاتے ہوئے گھرا رہا۔ کیونکہ وہ دیکھ دینے والا خود ولید رحمان تھا۔ وہ اس کی محبت اور جذبات کی قدر نہیں کر سکا۔ بلکہ اس نے پرواہی نہیں کی اور یہی چیز عزت کو مار گئی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی وہ ایک بار پھر فتنی۔

ڈراٹنگ روم میں مونس مرزا پر اعلان تھا۔

"عزت۔" "رضاحیدر اسے دیکھ کر پکارے۔

مگر عزت کوئی بھی جواب دے بغیر بیڑیوں کی طرف بڑھ گئی۔ کیونکہ وہ ایسی حالت اور کیفیت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کا اس وقت سامنا کر پائی۔ اس لیے نظموں سے دلچسپی رکھ کر محرم ہی دیکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ رضاحیدر نہیں جانتے تھے کہ وہ کس حال میں ہے۔؟

جبکہ مونس مرزا اس کی آنکھوں کی سرشتی اک نظر میں ہی جھاپ گیا۔ جس کو محسوس کر کے اس سے وہاں بیٹھنا

بھی محال ہو گیا۔ اس لیے وہ عزت جلد رضاحیدر سے دعا سلام اور ادائیگات ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔ مگر عزت حیدر کی گھڑی گھڑی سی حالت اس کے ذہن سے گھو نہیں ہو سکی۔

شاید اس لیے کہ وہ ایسے عجیب سے بار بار تکرر دیکھا تھا۔ اسی لیے وہ عزت کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کو یکسر غفلت میں ہی سمجھ گیا مگر اب اصل وجہ سمجھنا باقی تھی۔!



اور آج صاف ہی یحکم اور بی بی کو لے کر قبرستان گئی تھی۔

اور علی مرتضیٰ کی قبر پر جانے کے بعد یحکم نے اپنے چھٹیں سالوں کے تمام بچے ایک ساتھ ہی دوسرے۔ جن کو سمیٹتے سمیٹتے پورے اور بی بی کل بچکان ہو گئی۔

اور پھر وہاں ہی میں جھٹکل انہیں اپنے ساتھ لے کر گھر آئی۔

"آئی۔" ایہ ٹیبلٹ کہاں ہیں۔ سرورہ ٹھیک ہو جائے گا۔" ولید نے عشا کی نماز کے بعد انہیں میڈیسن دی اور انہیں ریختے لٹکانے کے بعد خود ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی اور مجھے مجھے قہقہوں سے چلتی بی بی کا ڈانچے کے صوفے پر آ بیٹھی۔

چند لمحوں ہی میں صوفے کی پشت سے سر نکالنے کے بعد اس نے اک گہری سانس کھینچی اور قریب ہی صوفے پر رکھا۔ ریموٹ اٹھا کر بی بی تن کر دیا۔ کوئی ڈرامہ آرہا تھا۔

”میں تم سے محبت کرتا ہوں مکمل۔“ ”میرا نہیں دلا رہا تھا۔“
 ”مجھے تمہاری محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے سو رہا“ ”میرا نہیں کی ہے اعتباری اور ہے رفتی مکمل کی محبت۔“
 ”مکمل۔ محبت سے نہ مت پیچو۔ محبت کی ضرورت تو ہر انسان کو ہے۔ انسان کو محورا ہے محبت کے بغیر۔“
 ”یہ وہ اپنے ڈانڈا کو آنا رہا تھا۔“

”تمہاری محبت کے بغیر میں ادھوری ہوں تو ادھوری ہی ٹھیک ہوں۔“ ”میرا نہیں بلکہ میں ہی نہیں رہی تھی۔“
 ”آخر تم تھا کیوں ہو۔“ ”تم اپنے دل کی بات کہو تیں۔ میں تمہاری حیات ماننے کو تیار ہوں۔ جو تم کو کسی
 میں ہی کہوں گا۔ تمہاری ہر خواہش چاہت پوری کروں گا۔ تم ایک بار کو سو سہی۔“
 وہ بار بار اسرار کر رہا تھا اور دہرانے کا کواری اور جھنجھوٹ سے بے اختیار روٹے کشول ہی پرے پھٹکا۔
 ”ہو نہ محبت۔ نام نہاد محبت۔“ وہ مڑی منہ میں بیڑی تھی۔

”ارے۔ اس کو دھکا دے دی ہو۔ محبت کو؟“ ”تی گل مٹا کی نماز سے فارغ ہو کر شیعہ کی طرح پکڑے اپنے
 کرے میں جاری تھیں جب ہی وی لاؤنگ سے سٹاپی رہتی ہی کی کو لافین کر رہی تھی اور ہی آگین کیونکہ انہیں
 نہیں تھا کہ وی لاؤنگ میں ملور اسی ہوگی۔“

”محبت کو نہیں۔ محبت کے ذرائع کو دھکا دے دی ہوں۔ تو محبت کے نام پر ہر دے سے قوی کا مظلوم بن
 چکا ہے۔“ اور اس کے لیے میں اک عجیب سی چیز تھی۔ اور وہ اس چیز سے انداز میں ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
 ”یہ ذرا میری تم خود بھی کر رہی ہو۔“ ”تی گل بنی صاف گوئی سے کتنی کچھل سکتا ہے آکر اس کے برابر ہی
 صوفیہ چٹہ نہیں۔“

”تپ یہ کہیں نے کہہ دیا کہ میں۔ ایسے ذرائع کر رہی ہوں۔“ ملور ان کی بات بہت ہی طرح لگی۔
 ”کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔“ ”تی گل اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔“
 ”آپ نے دیکھا ہی تو نہیں ہے تی گل۔“ ”دیکھ میں تو جان جائیں کہ تپ کی ملور ان کی ذرا نہ نہیں کرتی جو

بھی کرتی ہے۔ صاف ماننے کرتی ہے۔“ اس نے تپ کے جواب دیا۔

”پھر بھی تمہارے حیرت کر رہا ہے۔“ ”میں حیرانی ہوئی۔“
 ”وہ مجھ سے محبت نہیں کر رہا۔ بلکہ اپنے تپ کو دھکا دے رہا ہے۔ ایسا دھکا جو آج کل ہر لڑکا لڑکی اپنے
 تپ کو دے رہے ہیں۔ جاننے کی ہیں کہ اس معاشرے میں محبت کا وجود پایہ ہو چکا ہے پھر بھی محبت۔ محبت
 کی رشتہ نگاہ سے ہے۔ محبت تپ کے ہزار طرح کے چ پھلوں سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ محبت تو انسان کے
 کسی ایک عمل یا کسی ایک کیفیت سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنے مقام اپنے مرتبے اور اپنی انا کے
 تحت سے نیچے آنا اور انھوں کے ہر پھرتی اعتماد کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ محبت نے محسوس ہونا تو وہ کسی بھی
 عمل کسی بھی کیفیت اور کسی بھی اظہار کے بغیر ہی محسوس ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ شرط لازم ہے کہ محبت لگی ہو۔“
 ”کھوت کا ذکر نہ ہو۔“

ملور ان کا ہر چیز کے بارے میں اپنا ہی اک فلسفہ ہوتا تھا اور لی گل اس کے اس فلسفے پریش ہی مسکراتی تھی کہ
 بھی بھی ملور ان کی باتیں سن کر انہیں یہی لگتا کہ ان کے سامنے بھی ایک بی بی لگی ہے بھی بی بی معصوم اور
 بھی بی بی جادو ہے۔

”تم مجھ پر اچھے۔ تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تیمور حیدر کی محبت کو محسوس کر چکی ہو۔ اور
 محبت کو بھی محسوس نہ کرنے والا۔ جب اسے اپنے اس پاس محسوس کرنے لگتا ہے تو اسے اسی طرح

”تھکے راستہ خود اس نے بچھایا ہے میرے سامنے۔“ اس کا ہر الزام تیمور حیدر کے سر تھا۔
 ”وہ تو بکلیں بھی بچھائے گا۔ بھر کیا کر دگی؟“ کئی کل کا سوال رہتا تھا۔
 ”وہی کہوں گی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔“ اس کا جواب اٹھ رہا تھا۔
 ”محبت سے ٹھیل رہی ہے تو۔ اور محبت سے کھینا آگ سے کھینے کے برابر ہے۔“ انہوں نے پھر سمجھایا۔

”جانتی ہوں۔“ اسی ہنسنے والی۔
 ”اللہ دے اللہ دے تجھے۔ یہی تو کہی دے گا ہے۔“ وہ کہہ کر باہر نکل گئیں اور پورے گھر کو قریب چار سو فٹ
 انتہائی فاصلے سے اٹھا کر دھڑکایا۔
 ”میں کھیلوں گی اور ضرور کھیلوں گی۔ اور اب تو ہماری طرح سے کھیلوں گی۔ اگر اسے بھی پتا چلے کہ اس کا
 معنی کون ہے۔؟“
 وہ مجھے سے بیڑی ہٹائی ہوئی اٹھ کر اپنے بیڑہ دم میں آگئی۔!



رات کا ایک بجھا تھا جب اس کے تیل فون پر اک بے چین سی رنگ بچی۔ لیکن وہ ٹھکرائے اذکیے لاپرواہی پڑی
 ٹھکرائے کرنے والے نے مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار ٹھکرائے متین بار اور پھر کئی بار ہی کال
 کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے ٹھک آکر تیل فون آف کر کے کمرے میں چھل دیا۔
 ”ہو نہ۔ اب نہیں دیکھ رہی۔ اب نہیں۔“ وہ وقت گزر چکا اب۔ عزت نے دانت چیس کر
 ٹھکراتے ہوئے کہا اور کوٹ بدل کر کھڑکی۔
 لیکن تیل فون آف کر دینے کے بعد بھی اسے ساری رات یہی احساس ہوتا رہا کہ وہ ساری رات ہی اس کا نمبر
 زانی کر رہا۔ اور اسی احساس کے تحت وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں سکی اور صبح بچے ہی اٹھ کر اپنے بیڑہ دم

سے باہر نکل گئی تھی۔
 ”عزت۔ ابھی جاری ہو رہا؟“ راہجو بیگم نماز پڑھ کے باہر تھیں تو عزت کو گیت کی طرف جاتے ہوئے

دیکھا۔
 ”بائنگ کے لیے جاری ہوں بہت سستی ہو رہی ہے کچھ دنوں سے۔“ اس نے ذرا کی ذرا پلٹ کر جواب دیا
 اور وہ بد قسم گیت کی طرف بچھا دیے۔

”تیمور بھی کچھ دیر پہلے ہی نکلا ہے۔“ انہوں نے پیچھے سے توازی اور عزت سنی ان سنی کرتی گیت کہ اس کر
 کے روٹھ چکی۔

جائنگ ایسا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے عزت آکر پہل ہی اس ایسا تک آجاتی اور یہی حال
 تیمور کا بھی تھا۔ وہ بھی پہل ہی آنار۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو زیادہ دور سے آتے اور اپنی گاڑیوں یا
 بائیک پر آتے تھے اور ٹرکیوں یا آٹو سائیکل پر آتے تھے۔

”عزت۔!“ وہ بائنگ ٹرک پہنچتے تھا تھے کافی دور آگئی تھی جب اسے پیچھے سے تیمور کی توازی سنائی دی۔
 اور اس نے بمشکل رک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

"جی بھائی۔؟" وہ بھی اسے میں قریب آپکا تھا۔
 "وہ آگے کیوں جا رہی ہو۔؟" وہ اپنی میں دیر ہو جائے گی۔؟ "وہ قریب آکر رہا۔"
 "میں جتنا بھی آگے چلی جاؤں۔۔۔ مجھے وہ اپنی میں دیر نہیں لگتی۔۔۔ فوراً پلٹ آتی ہوں۔" عزت کا لہجہ عجیب
 سا ہو گیا جسے تیمور اپنی بے دھیانی میں سمجھ نہیں سکا۔
 "اچھا۔۔۔ یعنی اگر مستحکم ہو تو۔۔۔؟" تیمور مسکرایا۔

"جی۔۔۔" تیمور فاسٹ لوک اکثریت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ "وہ بھی جواباً" مطہر مسکرائی۔
 "مجھ کو تمہاری ایسی عجیب و غریب اور ابھی ابھی کی باتیں سمجی کچھ سے بلا تریں اس لیے پلیز کوئی ابھی
 سی بات کہو اور وہ اپنی کی راہ۔" تیمور نے اسے عقلی سے سمجھو۔
 "مجھ کو سمجی باتیں تو ابھی ابھی ہی ہیں لیکن خلاف معمول آپ کا سوا بہت قریب نظر آ رہا ہے۔ اس
 فریٹش میں کارپین۔؟" عزت نے اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی کے لیے قدم بڑھائے۔
 "انسان کی فریٹش میں کارپین اس کے دل کی خوشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" تیمور مست رہی گئیں اور مطہر
 نظر آ رہا تھا۔

"اور آپ کے دل کی خوشی کا نام۔؟" وہ دونوں سن بھائی جا آنگ نہ کہ بہت آہستہ رفتار سے بھاگ رہے
 تھے۔

"مادر امر تھی۔" تیمور کو بھلا چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔
 "مادر امر تھی۔ وہی عوام کی۔؟" عزت چوکی۔
 "ہاں۔۔۔ کوئی۔" تیمور نے اس کی مشکل آسان کی۔
 "کوئی بات چلی۔؟" عزت کو تجسس ہوا۔
 "بابا۔۔۔" تیمور اس کے سوال پر قہقہہ لگا کر نہا اور عزت کے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
 "بات نہیں چلی۔۔۔ وہ فیصل آباد سے چلی اور کوئی آئی۔" وہ خاصا غلبہ اندوز ہو رہا تھا۔
 "واٹ۔؟" کراچی۔۔۔ مگر کیسے؟ "آکب۔؟" عزت کی حیرانی اور تجسس بڑھ گیا۔
 "میں کسی کو قریب لانے کے لیے کسی کے قریب جانے کے لیے دل میں لگن ہوتی چاہیے۔" قاصد نے خود بخود

ہی سہ جاتے ہیں۔ تیمور کو اپنے کارڈ کے پتے پر نظر ہو رہا تھا۔
 "لیکن بھائی کیسے۔؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔
 "وہ ہماری بیٹی کی نذرانہ کی سیٹ پر آئی ہے۔ میں نے اسے آفری تھی۔" ہانا خراس نے بتائی دیا۔
 "اور اچھا۔" تو یہ سلسلہ ہے، اویسے ہے تو بہت خوب صورت۔ بہت سزا سنگ کی لڑکی ہے۔" عزت کو تیمور
 سے ملنا قات ابھی طے پا رہا تھی۔

"میں کی چیز تو ہے جو ہمیں لے لوں گی۔" تیمور جانتا تھا کہ وہ حق سزا سنگ ہے اسی لیے ذرا کو بھر کے بولا۔
 "یہ صرف پینڈی کی ہے یا محبت۔؟" عزت نے بھی وہی سوال کیا جس کا نام ساتھ تیمور پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔
 "بات پینڈی کی ہے ہی شروع ہوتی ہے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہی پینڈی کی محبت اور طلب کی حدود سے بھی آگے
 نکل جاتی ہے اور میرے پیسے دل کے باطنوں مجبور ہو جاتے تو اسے لوگ دیکھنے نہ جاتے ہیں۔" تیمور نے وضاحت
 ہی دیکھ اس انداز میں ہی تھی کہ عزت ساری پتہ نشین کچھ گئی۔
 "ہوں۔ تو یہ معاملہ ہے۔؟" وہ ذرا بے سوچ سے سمجھ میں ہوئی۔

”وہی اس کارپاس کیا ہے آپ کے اس معاملے کے حوالے سے۔“ عزت کو لید کا خیال آتے ہی بلورا کے رسپانس کا بھی خیال آیا۔

”تو بہت اچھا ہے۔ اور نہ ہی بہت برا۔“ تیمور کو کئی لمبی رکھنے کی عادت نہیں تھی۔

”کیوں۔؟ کیا کہیں ہے؟ کیا کسی ہے؟ آپ میں؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تیمور حیدر اسے چاہتا ہے؟“ عزت آخر ایک بہن بھی فوراً منی دل میں بھائی کی محبت کا اہل تھا تھا۔

”وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے کہ اس معمولی سی بات پر ہی خوش ہو جائے۔“ تیمور ہنس۔

”بھائی۔“ عزت فحش سے بولی بھی اور تیمور نے مسکراتے ہوئے ذرا غصہ کر عزت کے کندھے کے گرد اپنا بازو حائل کرتے ہوئے اسے اپنے قریب کر لیا۔

”اسے ڈونٹ وری میری جان۔ اب ٹھیک ہو جائے گا۔ فی الحال میرے لیے کسی بہت بے کردہ میرے پاس جاب کر رہی ہے۔ میری دسترس میں اور میری نظروں کے سامنے ہے۔ اور نہ جب تک میں بھی تب بہت بے سکونی تھی میرا بس نہیں چلا تھا کہ میں کیا کروں۔؟ مگر اب۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے۔ رفتہ رفتہ سب سٹ ہو جائے گا۔“

تیمور نے اسے تسلی دی تھی اور عزت چپ کی چپ دہائی۔

”تو کیا بھائی کو بھی ان کے دل نے دے دی؟ تیمور کیا۔۔۔ جیسے مجھے کیل۔ ولید رحمان میری ذات سے انکاری۔ اور بلورا امرتشی ان کی ذات سے انکاری۔ اللہ یہ کہیں افکارش ہے۔؟“ عزت کابل کانپ گیا اور اس نے بے ساختہ تیمور کی چلی خوشی کے لیے دعا کی۔

”عزت۔! انکھر کے قریب پہنچ کر اس نے عزت کو حویلی کیا۔

”جی۔؟ دوڑو گی۔“

”کہیں گم ہو گئی ہو۔؟“

”نہیں۔! کہیں بھی نہیں۔“ اس نے لٹی میں سر ہلایا۔

”کیا بات ہے۔؟ کچھ اب بیٹھی لگ رہی ہو۔؟ کوئی براہیم تو نہیں ہے؟“

بلورا آخر تیمور کو محسوس ہوئی کیا۔

”تیمور! ہم اس کی ڈانٹ۔ یہ ڈانٹ وری۔“ وہ آہستگی سے کتنی تیمور کے کندھے سے الگ ہو کر گیت کی

طرف بڑھی۔

”عزت۔! تیمور نے اسے پھر سے آواز دی۔

”اسے بھائی۔! آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں۔؟ اس رات میں جاگتی رہی ہوں اس لیے اب طبیعت کچھ ایسی ہو رہی ہے۔“ وہ سستی سے بولی۔

”رات میں کیوں جاگتی رہی ہو۔؟؟“ اس نے انکا تکتہ اٹھایا۔

”کچھ فریڈ پریشان تھی اس کے ساتھ چھٹ ہوئی رہی۔“ عزت نے الٹا سیدھا براہ راست گز کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

”آرے شیو۔۔۔ کیا بات ہے یا کچھ اور۔؟“ وہ اسے سر نہا کر میری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”نہیں۔ شیو۔۔۔“ اس نے آہستہ میں سر ہلایا اور تیمور اس کے سر ہلانے پہ چپ ہو گیا۔

”او کے جان۔! ناشاکو۔ اور یہ رات رات بھر جاگنا۔ کو صحت خراب ہوئی ہے۔“

اس نے جاتے جاتے اسے ہدایت دی اور عزت پلٹ کر اندر آگئی اور اس کے پیچھے تیمور بھی آیا۔



”سے تلی کم ان سب؟“ دروازے پر ہلکی سی دھچک کے بعد داور امرتسنی کی توانا ابھری تھی اور اپنے لپٹ باپ پر بڑی تیمور حیدر اس کی توانا پر چونک کر متوجہ ہوا۔

”میں کم ان؟“ دروازے پر سے گرد و بار سے لپٹ باپ کی طرف مڑا۔ اور اپنی اک ضروری فائل کلوز کرنے لگا۔ اسے میں داور اس کی نکیل کے قریب آچکی تھی۔

”پلیز سنٹ ڈاؤن!“ تیمور نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے مقابل کر رہے بیٹھے کا اشارہ کیا۔

”تھیک ہے!“ داور فائل نکیل پر رکھتے ہوئے خود کرکسی پہنچ کر بیٹھ گئی۔

جبکہ تیمور اپنے کام میں مصروف تھا اور داور اسے بڑی دیکھ کر کافی براہ راست سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے آہٹ کی ہشنگ۔ کھر کھی نیشن۔ دوا دواں۔ کھی ہشنگ۔ کھر ناہو مارا ہل فرش۔ گلاس دواں کھر نکل نکیل۔ فائلز اور لپٹ باپ۔ اور لپٹ باپ کے کی بورڈ پر متحرک اس کے ہاتھ ہوا تھا اور ہاتھوں سے بڑھتے بڑھتے اس کی نظر تیمور حیدر کے خوب صورت اور دو جیسے چہرے پر جا گھری تھی۔ وہ اپنے کام اور اپنے حیران میں پورے اندھاگ سے مصروف تھا۔

اور اس کی اسی مصروفیت نے داور کو بھی آگاہ کر ڈالا تھا۔ وہ گھری نظر سے اس کا چہرہ لینے لگی۔ جو تیمور بھی محسوس کر گیا۔ جب ہی وہ اچانک اس کی سمت پلٹا اور داور اپنی محنت سے گزریا کی۔

”ہاں مس داور امرتسنی۔ فریڈیک؟“ تیمور اس کے گزریا کے۔ خاصا لطف آندو ہو اگرا اپنی مسکراہٹ دکھایا یہاں تک کہ کچھ کچھ جھپٹسم نہیں ہونے دیا۔

”آپ نے بلایا تھا نا؟“ داور نے اسے بلایا کیا کہ اس کے جانے پر تلی ہے۔

”ہاں ہاں!“ داور اصل میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک ہائیڈریشن کاؤنٹ کریں۔ اور ورنہ کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں۔ کیونکہ اس طرح آؤن پوائنٹ لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا آپ ایگنیٹی ہیں اس لیے اپنے پندرہ کرڈ اور کوئیکز سے ملنا بہت ضروری ہے آپ کے لیے۔“

تیمور مکمل طور پر اس کے لپٹ باپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لمبہ بھی دہرائی تھا۔ پرو فیشنل!

”اوکے! لیکن تو مجھے کتنے بعد کیونکہ فی الحال میری نکیل پر بھی کام کر رہا ہے مجھے آج ایکسپریس

کمپلیٹ کرنا تھا۔“ داور نے دھڑک انداز میں وقت لگا۔

”فریک ہے آپ کمپلیٹ کریں تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔“ تیمور نے اثبات میں سر ہلایا اور داور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ وہ فائل ہے جس پر کل کام کیا تھا۔“ داور اجاتے جاتے اسے چند سیکل دے گئی جن کو دیکھتے ہوئے تیمور کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

”سب گاڑی پتار سے اور مس داور ابھی آپ کا نظارہ کرتی ہیں۔“ سچان کی توانا پر تیموری طرح چونکا۔

”دو بائی بک؟“ فریڈیک نے گز کر کیا؟“ وہ گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے فائل سمیٹ کر اٹھا اور اپنا سامان اور دیگر چیزیں لے کر آہٹ سے باہر نکل گیا۔

اور جیسے ہی آہٹ پلٹنگ سے نکل کر پہنچے کیا داور کو گاڑی کے اس انتظار کرتے دیکھ کر قدم لٹکے سے گئے۔ وہ بے بی پنگ کھر کے سوٹ میں لمبوس چہرے کے گرد اچھی طرح چوہے کا ہار بنائے بیک کلاسز کھڑی تھی اس

لے آئے بے پناہ بخشش کی۔ اور اس پر اتفاق یہ کہ آفس سے باہر نکلتے ہوئے خود بھی ایک گلاسز بن گیا۔
 ”سر ملینہ! آج رات میرے آگے بڑھ کر دو اندھو لگتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔

”آج میں حشر نہیں آئیں؟“ پوچھنے پر اس کے برابر گاڑی کی ایک سیٹ پر بیٹھتے ہوئے جان بوجھ کر یہ ذکر
 چھپڑا تھا۔ تاکہ ٹھوڑی دیر پہلے والے احساس کا اثر زائل ہو جائے۔

”میں کے گاؤں ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں اس لیے دو تین دن کی چھٹی پہ ہیں۔“ تیمور بھی سنبھل چکا تھا۔
 ”اور فاروقی صاحب؟“ میا سوال سوچا۔

”وہ کل ریڈی کی فیکٹری میں ہی ہیں۔“ تیمور کچھ گیا تھا کہ وہ خاموشی کے اس قتل کو قائم نہیں ہونے دے
 رہی بار بار خود ہی غلطی ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔

”گورنر صاحب؟“ تیمور۔ ”اگلا سوال خودی کروا اور ماوراء الحک عمی کیونکہ وہ اس کے حضور کچھ کا مجسمہ سامنوم
 کچھ مٹی تھی۔

”میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں۔“ ماوراء اب سے اسے کہنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ
 وہ اس سے بات کر پاتی۔

”رنگ۔“ تیمور کو اچھا ہوا کہ وہ سیریس ہے یا یو خی بات سے بات نکالنے کی طرف سے کہہ رہی ہے۔
 ”ہوں۔“ میں واقعی ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں مگر یہ میرے گھر کی ضرورت ہے۔“ مٹی کی طرف سے

گاڑی کی سولت تو ہے مگر ایک ڈرائیوگر جادو میرے گھر کے باہر میرے انتظار میں کھڑا ہے مجھے پہنچے نہیں ہے۔
 ملازم بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں اس لیے سترے گھر میں یہ کام خود کیے لوں اور سب کو شمالی بخش دوں۔ آپ

کو بھی اور آپ کے ڈرائیوگر کو بھی۔“ ماوراء کو بات کرنے کے لیے ایک اچھا ٹاپک میسر آیا تھا۔
 ”آپ کو میری یا میرے ڈرائیوگر کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ملازم آخر انسان ہی ہوتے ہیں اور

انسان اپنے کام کے لیے جیتے ہیں ایک ڈرائیوگر اگر آپ کے گھر کے باہر آپ کے انتظار میں جادو کو کھڑا رہتا ہے تو
 یہ اس کا احسان نہیں ہے بلکہ وہ اس گھر کے رہنے والی معاوضہ لیتا ہے۔ اور یہ کھڑا رہنا ہی اس کا کام ہے۔“

تیمور نے کہا تو چند چٹپٹے کلمے جب ہی ہو گئی تھی۔
 ”یعنی۔“ مجھے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی چاہیے؟“ وہ جان بوجھ کر اس کی بات کو اٹلے سرخ پہ لے مٹی تھی۔

”میں نے یہ کہہ نہیں سکا۔“ تیمور کھڑا ہوا تھا۔
 ”دلائل تو کچھ ہی دے رہے ہیں؟“ ماوراء کا انداز سنجیدگی لے ہوئے تھا۔

”میں نے سنا تھا کہ ڈاکٹر دلائل سے قائل ہو جاتی ہیں اس لیے۔“ وہ حفا اٹھایا تھا کچھ لڑکیوں کے تجربے
 اور مشاہدے کی بنا پر آپ کو ایک جیسا کچھ لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے مگر تاکہ اکثر تجربات غلط ثابت ہو جاتے

ہیں۔“ ماوراء کے لیے میں استغناء سے سارنگ تھا۔
 ”آپ کے معاملے میں تو کچھ زیادہ سی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔“ وہ جواب دہ تھی۔ ”آپ سبکی سے بولا مگر ماوراء اس کی یہ خود

کلامی یا آسانی سن چکی تھی۔
 ”میرا حال تو میں نے بات کی تو تو وہ ہیں کی وہ ہیں وہ گئی۔“ ماوراء نے پھر سے یاد دلایا۔

”لوگ۔“ آپ ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کا کسی اونچے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمیشن
 کروا دوں گا آپ ایک دو دن میں خواندہ کر سکتے تھے۔“

تیمور کو بھلا کیا یہ اہم تھا اس نے فوراً ہائی بھری تھی۔

”میں تکلیف“ اس نے سست بے سست سے انداز میں اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔
 ”موجودہ جگہ اگر ایک بات بتائیں تب آپ ڈرائیو تک سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پہ کس کو لے کر
 جائیں گی؟“ بی بی کی فریڈ کو کیا کسی جملی نمبر نہ۔“

”تجربہ کرنے والی“ بی بی نے پوچھا تھا اور گاڑی کی گلاس دھند سے باہر دیکھتی بلور نے اپنے چہرے سے گردن موڑ کر
 تیور حیدر کے چہرے کی سمت دیکھا اور ذرا توقف سے جواب سے نوازا۔

”تپ کو۔“ اس اتنی سکون سے کہا کیا یہ لفظ تیور کو یکدم ٹھنکا گیا تھا اس نے خود ”بلور“ کے چہرے کی طرف
 دیکھا تھا مگر افاقہ یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں کے تیور نہیں بھٹپ سکے تھے کیونکہ آنکھوں پہ
 گلاس کا پردہ تھا۔

”ٹھیک۔“ تیور کو پتا نہیں جیسا ساگھا تھا کہ حقین نہیں آیا۔ مگر پھر بھی دل میں ایک جگہ ایسی خوشی نے شہود سر
 اٹھایا تھا۔

”ہاں آپ کو۔“ کیونکہ ٹھیک میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس طرح گاڑی کی ایک سیٹ پہ بیٹھ کر سفر کرنا
 اچھا لگتا ہے یا آگے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر۔“

بلور اپنا دل چاہتا تھا کہ اس سے کہیں بچاؤ نہ ملے اور تیور اپنے دل میں اس کی سیٹ چاہنے کی توجہ سے
 کرنا دیکھتا تھا۔

”سفر تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔ اس ڈرائیو تک سیٹ میں جا سکتا ہوں۔ اور آپ۔“

”لیکن یہ میری کامیابی کا دن نہیں ہے۔ میری کامیابی کا دن وہ ہو گا جب میں ڈرائیو تک سیکھوں گی۔ اور گاڑی کو
 ہوا میں چھوڑ دوں گی۔“ مگر تب کو ساتھ لے کر گئے تھے۔ میری کامیابی کا دن اب آپ کا ہوتا ہے۔ اور جس کام میں
 آپ کا ہاتھ میرے ساتھ ہے اس کام میں آپ کا ساتھ ہی تو میرے ساتھ ہونا۔ چاہیے؟“ اور اسرار اس
 کے ساتھ جھکی جھکی لیکن تیور بچوں کی طرح اس کے پاس نہیں گیا تھا۔

”سب۔“ گاڑی کی کھڑکی کے کنارے لگا کر اس نے کہا۔ ”بی بی اور بلور نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا تھا۔
 ”ہاں۔“ آگے۔ ”کہ کہ کہ گاڑی سے اتر گیا اور گاڑی کے پیچھے چلتے ہوئے ٹیکسری کے اندر آگئے جہاں
 فاروق صاحب پہلے سے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔“



”ولید۔“ آیا بات ہے؟ ”تجربہ تو میں روز سے سست پریشان سے نظر آ رہے ہو۔“

جیسے ہی وہ تیار ہونے کے بعد ناشتا کرنے کے لیے بیٹا زید و بیگم نے اپنی توشلیں کا اہتمام کر دیا۔ وہ پچھلے دو دن
 روز سے اسے ٹوٹ کر رہی تھیں۔

”نہیں ٹھیک کوئی بات نہیں ہے۔ میں ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث ہر فیملی میں سست سے کرائس چل
 رہے ہیں اسی وجہ سے ہمارا ذہن بھی ابھی ایسا ہی کشیدہ ہو جا رہا ہے۔“ ولید نے بہت اچھے طریقے سے بات
 سنبھالنے کی کوشش کی۔

”ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث۔“ ذاتی جذبات کی کشیدگی کے باعث؟ ”زید و بیگم کا سوال بہت گہرا تھا۔
 ولید کی بیوقوف نظریہ ایمان لے آیا تھا۔
 ”تپ سے یہ کس نے کہا؟“ اس نے پھر بھی پوچھا ہی چاہا تھا۔

”تسماری ان کھلی کتاب سی آنکھوں نے روز چا چتا ہے کہ رات کو تارے گتے ہو۔ سوتے نہیں ہو۔“ زبیدہ بیگم اس کی کیفیت بیان کر رہی تھیں۔

”جس کوئی کے پاس کرتے کو کچھ نہیں ہو تاہم رات کو تارے ہی گتے ہے۔“
ولیدہ بھی سی گئی تھی کہ کرنا شے کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ زبیدہ بیگم کی الجھن اور تشویش میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”کیوں۔۔۔؟“ تسمارے پاس کچھ کرنے کو کہیں نہیں ہے۔ دن بھر کام کرتے ہو بلکہ رات رات بھر کام میں موزی رہتے ہو، تنک جاتے ہو پھر بھی خمیس خیر نہیں آتی اور تم سوتے نہیں ہو۔“
”صاف ایسی۔ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں سوتا نہیں ہوں۔“ ولیدہ ان کی کڑھکاؤ کو کرنے کی غرض سے موہا بدل کر بولا۔

”تسماری آنکھوں کی سرخی کتنی ہے کہ تم سوتے نہیں ہو، وہ بھی اپنی بات پہ چند خمیں میری آنکھوں کی سرخی غلط کرتی ہے کیونکہ میں سوتا ہوں۔ لیکن بس تھوڑی دیر۔“ زبیدہ پر ری نہیں ہوئی اس لیے یہ کم بات چہ چا کر دیتی ہیں۔“ ولیدہ نے اپنی آنکھوں کو کوسا۔

”وہ کم ولیدہ! کوئی بات ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ اس سے چھپا ٹھیک نہیں ہوتا۔“ انہوں نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”ہو نہ اسوں کو بتانا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر توجہ ان کی اپنی سرخی ان کی آنکھوں کو گھیر لیتی ہے اور پھر ان کی خیر پر ری نہیں ہوتی۔“ ولیدہ بڑے سکون اور بڑے پیار سے کہتا چائے کاپ واپس رکھ کر اٹھ کر اہول۔

”ولیدہ! یہ پیلیاں کیوں بھجوا رہے ہو خیر؟ اور ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تم نے۔“ زبیدہ بیگم تڑپ سی تو مٹی خمیں نہ صرف چائے پی کر ہی اٹھ گیا تھا۔

”بھوک نہیں ہے۔ رات کو کھانا کھاؤں گا کھر۔ آج اور پھر تارے گتوں کا۔“
وہ ان کو ٹالنے کے لیے اور بھلانے کے لیے کہتا ہوا ان کی بیوشالی جرم کر ان کے ہاتھ کو چھتا ہوا اپنا بیگ لے کر تیزی سے گھر سے نکل گیا تھا۔



”ولیدہ! رحمان کہاں ہے؟“ راج کل ۱۲ بجو نور مٹی کے گرت سے نکلے ہوئے ساشا کو بے ساختہ ولیدہ کا خیال آیا۔
”جہاں بخش دی اس کی۔“ عزت کا انداز بڑا سنا تھا۔

”جہاں بخش دی اس کی؟ کیا مطلب۔۔۔؟“ ساشا کو گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جھٹکا گا۔
”مطلب۔۔۔ آؤ لو کر دیا۔“ اس کی وہی اولی لاہراؤلی مولا تھی۔

”مگر کیوں عزت؟“ چا کاپ یہ سب کیوں۔؟“ ساشا گاڑی کا لاگ کھولنا بھی بھول گئی تھی کیونکہ وہ میرے ساتھ چلتا نہیں چاہتا تھا اور میں اسے زبردستی ٹھیک نہ رہی تھی۔

”مگر عزت! وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ ساشا کی ولیدہ کی ذات سے اختلاف ہی کرتی کر رہی تھی مگر جب سے اسے قادری شادی میں دیکھا اسے بھی وہ دست اچھا لگا تھا اور عزت کے ساتھ اس کی جوڑی پسند آئی تھی۔
”لیکن مجھے اتنا اچھا لگتی نہیں چاہیے جو اپنی ذات اپنی چاہ اور اپنے دل کے لیے بھی کچھ نہ کر سکے۔“ عزت نے غصے سے سر جھٹکا۔

کہا کرتا چاہیے تھا۔ "ساشا کو حیرت ہوئی۔

"مجھ سے انتظار کرنا چاہیے تھا مجھے پروا نہ کرنا چاہیے تھا۔ میری محبت کی قدر کرنی چاہیے تھی اسے۔" مگر تمہارا اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ وہ دانا ہے دنیا داری اور خود دنیا داری سے ڈرتے ہیں وہاں داری کبھی نہیں کہاتے۔ عزت نے اک ایک لفظ چار کر ادا کیا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگی تھی کہ اچانک کسی اسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"عزت۔ آپ میرے ساتھ چلیں گی پلیز۔؟" عزت نے یکدم گردن موڑ کر دیکھا اور سامنے کھڑے مونس مرزا کو دیکھ کر اس کے دلخیز کی گھوٹتی ہوئی سوتلی ایکہ۔ مونس مرزا کی نظر پر رک گئی تھی۔

"میں زیادہ دیر نہیں سچ کے بعد آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" مونس مرزا اس وقت کافی زیادہ شرافت کے لہو سے میں کھڑا نظر کرتا تھا۔

جبکہ عزت کو اچھی طرح تھا کہ وہ اتنا بھی شریف نہیں ہے۔ اسی لیے وہ اسے انکار کرنے کی بجائے حتمی کہ اس کا سیل فون بجائے گا اور وہ جیسے ہی سیل فون پر جکرنگ تو ولید رحمان کے نمبر پر نظر پڑی اس کے اعصاب جلنے لگے اور اس شخص چند سیکنڈ سوچنے کے بعد اک نظر ساشا کو دیکھا اور اک نظر اپنے سیل فون پر اور پھر مونس مرزا پر ڈالتے ہوئے دانی قد مول پر پلٹ گئی تھی۔ وہ بھی مونس مرزا کی سمت۔

"وہ کس ساشا! تم کھڑا؟ تم سے بعد میں بات ہوگی۔" عزت بھی اپنی دانی سے کتنی مونس مرزا کے ساتھ چل رہی تھی لیکن ساشا! جن قد مول پر کھڑی تھی اس کی پہلوں کی آواز سنائی دے لگی۔ لیوان کی گاڑی زمانے سے پاس سے گزر گئی تھی۔

"ہیلو مونس ساشا! کسی نے اسے پکارا تھا۔

"ہو۔۔۔" ساشا نے غائب ہائی سے ہوں کہا۔

"میں ولید رحمان۔" اس نے اپنا تعارف کر دیا اور ساشا یکدم گرنٹ کھائے رہ گئی۔

"ولید رحمان۔؟" اس نے پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا اور ڈراپ کی کیا کہ اس کا نام نہ پرایا تھا۔

"آپ۔ آپ یہاں۔؟" ساشا کو اپنے آؤت کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

"جی ہور! اصل مجھے عزت سے ملنا تھا۔ میں کافی دیر سے ان کے سیل پر زانی کر رہا ہوں مگر کبھی کل ریسپیو نہیں ہوئی کبھی ملتی ہی نہیں۔" وہ بانجھ سے بچتا رہا تھا۔

"لیکن وہ تو جی گئی۔" ساشا کو بتاتے ہوئے محبت عجیب سا محسوس ہوا۔

کیونکہ ولید رحمان کے چہرے۔ صاف کھٹا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بڑی مشکل سے یہاں تک آیا ہے۔

"کہاں چلی گئی؟" ولید کے چہرے کا رنگ پتھر کا پڑ گیا۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔" ساشا کے منہ سے نکلے ہوئے اس پہلے ولید رحمان کو یکدم ہچکچاہٹوں میں گھیر کے رکھ دیا تھا اور اس کے سر پہنے اڑ گئے تھے۔

"مونس مرزا کے ساتھ۔؟" سب کی بار اس نے ڈراپ دہرایا تھا لیکن اسے اپنی یہ مدغم سی آواز بھی کسی کے سر پہاں میں سے آئی سنائی دی۔

اور اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ عرصہ پہلے بخود شی کے اسی پارنگس ریڈیا میں ہونے والا مہلات آج ایک بار پھر صاف ہو گیا تھا اور اس کا نشانہ صرف ولید رحمان بنا تھا۔

اور اس کے دل و دماغ کی محسوس میں ختم ہو گئے تھے۔

شاید اس لیے بھی کہ عزت حیدر نے جہاں سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہیں یہ یہ سلسلہ ختم کر گئی تھی۔ اور ولید

رحمان کے پاس اذیت کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔
ساشا خاموشی سے گاڑی لے کر چلی گئی اور وہاں کھڑا دیکھتا رہا۔

اور اپنے کام میں مصروف تھی جب اس کے فون پر قتل ہوئی۔ سوا کل نکال کر دیکھا تو قاتل کا نمبر نظر آیا۔

”ہیلو! آفس نے ذرا دیر کے لیے کام کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔“

”حقیر تہہ بالا امر قاضی زندہ ہیں کیا؟“ قاتل نے پل کر پوچھا۔

”جی ہاں! آپ کو بھی اطلاع پہنچی گئی ہوگی۔“ قاتل نے بھی بڑے مزے سے جواب دیا تھا۔

”لیکن اب میرا خیال ہے کہ میرے ہاتھوں گزری جائے گی۔“ قاتل نے دانت کچکھائے تھے۔

”وجہ؟“ قاتل نے ساتھ ساتھ اپنا کام بھی کر رہی تھی کیونکہ اسے تیمور کے آگے شک ہے کام ختم کرنا تھا۔

”وجہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔“ ایکسیس شہر میں رہتے ہوئے قاتل اس طرح غائب ہو گیا کہ ایک دوسرے

کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو گیا اسی لیے دعا میں بھی نہیں میں لکھنے؟“

”جو کہ یا تو کہ اکل منڈ ہے۔ کل ملتے ہیں۔“ قاتل نے اسے قتل دی۔

”آج کیوں نہیں؟“ قاتل نے پوچھا۔

”آج تو قاضی مصروفیت ہے۔ آفس کے بعد ذرا نیچے سینٹر ہے۔ آج صبح سلطان ہے۔“

”اے وہ! تم ذرا نیچے تک سیکھ رہی ہو۔“ قاتل نے کہیں کر خوشی ہوئی تھی۔

”ہاں۔ اور ابھی اور بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔“ قاتل نے کہا۔

”اوکے! ہر ٹھیک ہے۔ تم سیکھو اور کل لازمی ملنا ہے۔“ قاتل نے بات ہی بدل دی۔

”لوگو! اللہ حافظ۔“ قاتل نے بھی فون رکھ دیا۔

اور جیسے ہی وہ ذرا سی سیدھی ہوئی قاتل صاحب کے ساتھ تیمور داخل ہوتے رضاحیدر کو دیکھ کر ٹھٹھکی اٹھی اور

بھی حال رضاحیدر کا بھی ہوا اور اسے دیکھ کر پلٹ کر چلی گئی اور ان کے چہرے کا رنگ حقیر سا ہو گیا۔

”سلام علیکم سر!“ قاتل نے بڑے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

لیکن رضاحیدر کی طرف سے جواب نہ ملا۔

”سراپہ جھاری تھی پھر آئے ہو۔“ قاتل نے پوچھا۔

قاتل صاحب نے قاتل کو دیکھا تو جبکہ رضاحیدر ب کچھے کچھے کھنکھاتا تھا اور ان کا سر غائب

تیمور حیدر کے سر سے کی طرف تھا۔

”تیمور!“ قاتل نے آواز خاص بلند کر دی۔

”ایک دم دودھ دانہ کھول کر اندر آگئے تھے جبکہ تیمور ان کی ایسی بلند آواز اور ایسے تیمور دیکھ کر اپنی جگہ سے

ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

”جی ہاں! آج صبح ۳۳ کے لیے میں احرام اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔“

”تو تم اس لڑکی کو فیصل آباد سے یہاں لائے تھے۔ بعد ازاں یہاں سے لائے تھے۔“

(پلی آف کھد شہرے میں ملاحظہ فرمائیں)



امروت کی پیدائش کے وقت اتفاقی طور پر دو نما ہونے والے چند ناگوار اور نقصان دہ واقعات کے سبب وہ اپنے خاندان میں "مستحسور" ہو جاتی ہے۔ اس کے بیاہیاں، داوی اور حقوں میں بھائی باپ اسے اکلوتہ مہم علی "مستحسور" کاٹی نظر اور کافی زبان کھینے دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی منتقلی بھی اس ہی افواہ کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی خواست کے صبح شام قہقہے میں کراہت خود ترسی کا شکار ہو کر دولتی رہتی ہے۔

پاورے گھر میں صرف دو لڑائی اس کی بدل جھٹی کرتے ہیں اور کھڑا لڑائی کی باتوں کو حق قرار دیتے ہوئے امروت کو بھی ان پر کلن دھرنے سے منع کرتے ہیں۔ امروت کی اپنے دادا سے خوب جتنی ہے۔ وہ سارا دن ان کے ساتھ دلچسپ لا بھرتی میں گزارتی ہے۔ جہاں وہ لا بھرتی میں تھے دادا اسے سمجھاتے ہیں کہ تم دھائی دھیمان، اور اسکا کرشب نے کیا ہر ملک چلی جاتا۔ امروت اپنے باپ، بہن بھائیوں کی طرح برصغیر میں کمزور سے نظر دہائی کی باتیں کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اپنے جدوجہد شروع کرتی ہے مگر پھر بھی بہت اچھے نمبر حاصل نہیں کر پاتی۔ اسی دوران میں اس کی شادی کا سلسلہ چلتا ہے مگر یہ دو روز قبل دو لڑائی کی وجہ سے بہن کے بیوہ ہو جانے پر اس کی شادی رہ جاتی ہے اور اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ اپنے دل بڑا اشتہ ہو کر غریب کی گولیاں کھا کر خود کشی کی کوشش کرتی ہے تاہم یہ جانی ہے۔ اس واقعہ کے بعد امروت کی زندگی مزید سبب ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف چھوٹے ملک کا ٹیوٹر اور تدریس کے خیال میں اسکا کرشب فارم بھرتی ہے مگر ہر جگہ سے اٹار ہو مارتا ہے۔ بالآخر پانچ سو روپے نقد سہ سے اسے اسکا کرشب مل جاتا ہے تو اس نے تدریس کی طلبا سوسائٹی اپنے ذاتی فائدے سے دیتی ہے جس کی دوسرے امروت کو نہیں ٹھیک لگا رہا ہے۔ باقی ستر لاکھ کی لڑائی میں اس کی طرف سے ہوگی۔ اس کے علاوہ اس کی بیوی بانی کے

منہ کھل ناؤں





بعد امرود کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہو گا۔ یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد واضح رہتا ہے۔ دادا جی امرود کے لئے پیسے اکٹھے کر کے اسے برطانیہ بھیجوا رہے ہیں۔ باقی اسے خواب پھل رو تہ کرنا ہو گا۔ خدا را شرفی نبی! اور دلی کوئل سے اس کی باتدلی ملاقات ہوتی ہے۔

امروہ جڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی شاپ میں جاب کرنے لگتی ہے اور لیڈی مرے کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ لیڈی مرے اور اولاد خاتون ہیں۔ انہوں نے۔ شغل کاک ہائی اپنے بائیں ہاتھ میں ٹھٹھہ بچوں کو کھانا کی طرح رکھا ہے۔ ان ہی میں ایک عالمیان مارگریٹ ہو تا ہے۔ وہیں سادہ صاف اور امین اون سے اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جب جاب کے دوران روزانہ کے ساتھ مل کر اکاؤنٹی ٹھہرانے لگتی ہے۔

اسی دوران امرود کے باپا جن کی اعظم مارگریٹ میں قالمیں کی دکان ہوتی ہے۔ آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا بیس بچوں لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ انہیں ایک ہو جاتا ہے۔ امرود انہیں تسلی دیتی ہے اور اکاؤنٹی ٹھہ سے ملنے والے پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی مرے بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرود وہ رقم بھی پاکستان بھیجوا دیتی ہے۔ امرود کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرود اپنی کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالمیان مارگریٹ کی سہا پناہ زمین کی طرح اس کی کھڑکی میں بھاگتا ہے۔ امرود کی بیچ لگ جاتی ہے۔

۳ دلی سرجی قیام طے

"تمہیں یہاں۔۔۔" امرود وہ قدم پیچھے ہٹتی۔
"تم یہاں۔۔۔" کھڑکی کی چوڑھت پڑے وہ
گرنے کے قریب ہوا انہماں نے جلدی سے مضبوطی
سے کھڑکی کو تھام لیا۔

جنگل دیباہوں میں اے جس کے سبز میٹھی غنیمت
سوئے سب ہی جتنوں کی آنکھوں میں ایک آنکھ کر
کے جا گئے تھے۔
"یہ میرا گھر ہے۔"

"یہ میرا گھر ہے۔" مسکراہٹ دہانوں پر چھوڑ گیا۔
کسی جنگلی نگہوار کی طرح جسے وہ اپنا گروہ مانتا ہو گا۔
امروہ نے بے طرح حیران ہو کر جیسے خود کو ہوش میں
لانا چاہا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی ابھی جو اس
نے دیکھا وہی تھا۔ حقیقت تھا خواب نہیں تھا۔ اس
کا کوئی فیو ایسے اس کے کمرے کی کھڑکی میں آکر اسے
پہنچا گیا تھا کہ یہ اس کا گھر ہے۔ اس نے جلدی سے
آکے شہر کھڑکی سے سر ہا ہر نکلا۔ وہ رات اور وہ سری
کھڑکی کی طرف لپک رہا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔
آخر وہ کیا کر رہا تھا۔ اسے تو مئی رات کے وقت

تھکے اس پر خفا ہو رہی تھی۔
"انگل ہو گیا؟" تھوڑا کوہیما کہ کر وہ چلائی۔
"ہاں گل ہوں میں۔" ملین پائونڈ اسے ایسہ کو اپنا کر
مسکراہٹ دیا کہ اس نے سر ہلا دیا۔

"اچھا تو ہے۔" تھوڑا کھر ہے۔ "مئی رات میں وہ اسے
چڑا رہی تھی تو پھر سیدہ راستے اندر آکر دیکھا۔"
"اچھا!" عالمیان نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے اور اس
کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

"یونہی خود نشی کو نگر ہے اس پر اور مجھے اس پر۔ بزنس کے لئے رجائیات اور طریقوں پر اس نے جو اسائنمنٹ لکھی تھی اسے یونہی خود نشی نے لکھنے کی صورت میں چھاپ کر لائبریری میں رکھا ہے۔"

سلو حنائے آگے بڑھ کر لیڈی سر کو جھگے سے لگایا اور ساگر دوش کی۔ امرت بھی آگے بڑھی۔ عالیان نے جلدی سے ٹیک چھاپ لیا۔

"یہ بچا ہوا ایک میں ساتھ لے جاؤں؟"

"اسنے سے ٹیک میں بھی تمہاری جان ہے۔"

لیڈی سر مت خوش تھیں۔

"نہیں۔۔۔ ٹیک میں جان نہیں دے رہی اب۔۔۔ ملا آپ کو معلوم ہے لوگ آپ کے گھر کو یونہی خود نشی میں کیا کہتے ہیں؟"

"کیا کہتے ہیں؟"

"فشل کاک۔۔۔" یہی معصوم انسان تھا وہ کیسے بچا اکل رہا تھا۔

"کون کتا ہے میرے وائٹ ہاؤس کو فیشل کاک؟"

عالیان نے امرت کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں کہتی۔ یونہی خود نشی میں پہلے سے ہی یہ فیشل کاک کے پیروں سے مشغول تھا۔ میں نہیں کہتی۔" امرت گھبرا گئی۔ یہ ہاں بیٹا دونوں کیسے ہو کھلا دیتے تھے۔

"عالیان! آج رات ہمیں وہ جانو۔" وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے بیٹھی تھیں۔ عالیان ہنسنے لگا۔

"آپ مجھے رہنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟"

"ٹھیک ہے جی جی۔"

وہ اپنا ہیک اٹھا کر کھڑکی کی طرف لپکا۔ امرت حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی کیا طریقہ ہے آنے اور جانے کا۔

"آج میں وہ اڑے کے راستے پر چلا جاتا ہوں۔"

عالیان لیڈی سر سے مل کر کمرے سے باہر آ گیا۔

"کیا ڈرنا ہے؟" امرت پوری قوت سے چلائی۔

اس نے جھرمجھری لے کر ڈرنے کی لڑائی کی اور کان میں انگلی ٹھکانے لگا پھر سر کو جھکا کر کان کو صاف کرنے کا عمل کیا۔ امرت کو کھلی برا لگا۔ اس نے اپنے اسٹڈی ٹیبل پر رکھا ایک حدود موٹا میگزین اٹھا لیا اور اسے مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا۔ عالیان کو برا لگا۔ وہ چیخ مچی سے کھڑے ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا وہ کھڑکی میں کھڑی جوت ہے اور کیا وہ نیچے کھڑا رہو ہے؟" ستاروں بھری رات نے وقت کے کان میں سرگوشی کر کے پوچھا۔ وقت نے کندھے اپنا کتے اور مسکرا کر کہا "مستعار کر۔"

امرت میگزین اسے دے رہی تھی وہ تیزی سے گھری وہ سری طرف چلا گیا۔ اس نے تقریباً خود کو آدھا کھڑکی سے باہر نکال کر اسے دھونڈنا چاہا لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا۔

کچھ ہی دور میں اسے گھر کے اندر سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ رات کے اس وقت اس طرح کی آوازیں کا آنا عجیب تھا۔ خاص کر لیڈی سر کی آواز۔ کدہ کمرے سے باہر نکلی تو سلو حنائی ہاتھ پر تپنے کمرے سے نکل کر ابھگی تھی۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"ویدی کا بیٹا آیا ہے۔" انہیں ساگر دوش کرنے۔

"کب آیا ہے؟"

"ابھی۔۔۔ کواکھور چلیں۔" سلو حنائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں لیڈی سر کے کمرے میں چلی گئیں۔

لوہے اور لیڈی سر کے بیچر بیٹھا عالیان انہیں متا سا ہوم بیک ٹیک کھلا رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مصروف تھے جیسے دنیا میں انکی وہ دو انسان ہی موجود ہوں۔ امرت دیکھتی ہی ہوا تھی۔

"میرا بیٹا ابھی تمہاری یونہی خود نشی میں ہی چھتا ہے۔"

یہ لیڈی سر نے اسے ایک بار بتایا تھا۔

”تعداد اکرا کس طرف ہے؟“

”کیوں؟“

”مجھے اس کی کڑی دیکھنی ہے؟“

”کیوں؟“

”اتنے کیوں؟ مجھے دیکھنا ہے کہ اوپر سے نیچے کھڑا
میں کیا لگ رہا تھا۔“

”جیسے سامنے سے کھڑے لگ رہے ہو۔“

”کیا لگ رہا ہوں؟“

”اے! ”مرد کو خاموش ہو جاؤ۔“

”اوہ کئے دو دانے سے اندر جھانک کر اس نے خود
فی الفور اندر کر لیا کہ یہ اس کا گھر ہے۔“

”تم لیڈی مسکے رہے ہو؟“

”بالکل! وہ گھڑی میں سے سر باہر نکال کر ٹھیک
اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ خود کھڑا تھا۔“

”لیکن ان کا ہم تو مار کر بٹ نہیں ہے۔“

”ایک دم سے عمارت کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔“

”اس نے جلدی سے اپنی پشت سے بیگ اُتار لیا اور چوڑا
منا کی ایک نئی گھڑی نکال کر اس کے آگے کی۔“

”یہ میں نے بیک کیا ہے۔“

”تم لگ رہے ہو؟“

”کو کے! میں چاہ۔“ اس نے ایک دم ایسے ہاتھ

چھوڑ دیے جیسے وہ جہاں نہ دیکھ رہے ہو گھبراہٹ۔ ”مرد

تجربہ دہانی گھڑی کی طرف دیکھ کر نیچے جھانکنا چاہے

تو وہ زمین پر جھٹک لگا چکا تھا۔ ”مرد نے سر

گھڑی سے باہر نکال لیا۔“

”گھڑی کے لیے تھک گئی۔۔۔ اب تم سو

جاؤ۔“

”وہ دونوں باتوں کو منہ کے دائیں بائیں رکھ کر ذرا

سناٹا لیا۔“

”گھڑی کے کون کد رہا تھا اسے ”مرد تو اس بندر کے

تواشے دیکھ رہی تھی۔“ فیسے سے اس نے گھڑی بند

کر لی تھی۔“

”میں نہیں جانتا کہ میں وہاں سے یہاں کھڑا کیا

لگ رہا ہوں لیکن یہاں سے تم گھڑی سے بھاگتے

ہوئے تھامس کے ہاتھ سے بنی گھڑی ایٹھ دھندو۔ ”جیسی
لگ رہی۔۔۔ اس تم ذرا فیسے میں ہو۔ تھامس کی گھڑی تو
مسکرائی ہے۔“ ”یک کو سنبھال دو تو انہوں نے گھڑی کی تکی
بھاگنا چکا لیا۔“

”بندر۔۔۔! اتنے پیارے اسپانچر زمین کو امرت
بندر کہہ کر بیڑا ڈالنے لگی۔ اس کا بڑا ایک وہ جگہ میں
رکھ گئی۔ اس کا بڑی موٹا نہیں تھا رات کے اس وقت
ایک کھانے کا ہال میں وہ عمارت کے اس طرح آنے
کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے بھی رات گئے تک
سو رہی رہی۔“

”یہ اس کا گھر ہے۔ یعنی عمارت میں لیڈی مسکراہٹ
بچ رہے تھے۔ لیڈی نے ہاتھ سے عمارت کے بل کر
اسے بھی یہ گمان نہیں ہوا کہ وہ بھی کسی ایسے ادارے
میں رہا ہے جہاں بے شمار اور عجیب و غریب روٹ پڑتے
ہیں۔ اس کے اندر اور عجیب و غریب تھے کہ لگا تھا کہ وہ
کی بڑے خانہ کی طرف توجہ دلا رہے تھے۔“

”مرد کو عجیب سا لگا۔ کیا یہاں ہر دم سراٹھیں ایسا
فی ہے۔“ ”لیڈی خانہ کی طرف روٹ پڑا تو وہ لگا۔“

”اس کا ہم عمارت تھا۔ اس کی بل کا مار کر بٹ تھا

یہ سب کیا پھر تھا۔ شاید لیڈی مسکراہٹ اس کا ہم

عمارت میں رکھا ہو۔ اسے اندر کھلی ہوئی تھی وہ دروازہ

”آٹن“ یا ہرگز نہ ہو لیڈی مسکراہٹ سب ہی جگہوں سے

بست بار کر لی تھیں اور نیچے ان سے۔ تو ایک بچہ ان

کے لیے اپنا ہم تو بدل ہی سکتا ہے۔ ان کے ہاتھ نیچے

بھی تھوڑی بہت اور بول لیتے تھے۔ تو عمارت کسی

کی تاج تاج لولہ ہے۔ اسے والدین کے ہم پر صرف

ہاں ملی۔ اسی لیے اس کا سر ہم مار کر بٹ ہے۔“

”عمارت اس کا اچھا دوست بنتا جا رہا تھا اس کے

بارے میں ایسی معلومات ہونے پر وہ اس کے لیے

افسوس محسوس کر رہی تھی۔“

”صرف افسوس۔۔۔ اور کچھ نہیں۔“

”کھلی گھڑی سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ ”مرد کو

اس واقعہ پر اس میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس کا

کمرانچ لہڑی مہر نے اسے دیا تھا کالی ہوا تھا کہ کھیل کود
تو جس شخص اور کمرے کی سب سے خوب صورت بات
یہ تھی کہ کھڑکی کے عین سامنے کی دیوار پر کسی نو آموز
خطاط کے قلم سے لگی "کس لکھون" کی چلے رکھی
سے نئی پیشنگ لگی تھی۔

اس کی زندگی میں کئی انوکھے واقعات ہو رہے تھے۔
ابھی تھے یا رہے تھے لیکن اس کے لیے سب تھے۔
کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی اور غیر ارادی طور پر اس
طرف دیکھنے لگی۔ بھول جانا یہاں کمرہ تھا۔ بہت خوب
صورت اور زندگی سے بھرپور تھا۔ جس فریج انداز
سے وہ خفا ہوتا تھا کہ اس کا ٹیبل مارک تھا۔
فرانسیسیوں کو سیکھنا چاہیے۔ خفا سے ہوا جانا ہے۔
تین امروں پر نہیں سوچ رہی تھی کہ وہ کتنا خوب
صورت اور زندگی سے بھرپور ہے یا پھر خود شی اس کے
کے کو کتنی شکل میں لائی ہے۔ وہ تو اس کے
پہاڑ ہوئے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ کسی
قد و کراہت سے۔



اچھے سارا دن اور بھل جاتی رہی۔ لہڑی مہر کے
لیے ان کے بچوں کی طرف سے دنیا بھر سے تحائف
آتے رہے۔ ان کا وقت تو بیکار نہ رہتا تھا۔
اور تو اور سب اپنے اپنے کمرے اپنی اپنی جگہ ٹیک
رکھے بیٹھے تھے اور اس کاٹھ پر لائے ہوئے مہر کو سامنے
بٹھا کر ٹیک کرتے تھے۔ اور لہڑی مہر ٹیک کٹ
رہی تھیں۔ ہر ٹیک بٹھانے کوئی نہ کوئی ان کاٹھ ہو
جانا۔ کمرے سے تم کوئی ٹیک کٹے۔ امرو کے پیش
تھے ٹیک کٹا کھا کر وہ تنگ بھی تھی۔ تحائف کاٹا
ڈھیر لگ چکا تھا کہ اسے لہڑی مہر دھک آئے گا تھا۔
کیسی اور دلی تھی انہیں۔ جوان کی نہیں تھی اور ان
کی اپنی اولاد سے زیادہ ان کی تھی۔ جن میں قوم و
نسل کے سب و دریاہات کا فرق تھا۔ فرق نہیں تھا تو
ایک محبت میں فرق نہیں تھا لہڑی مہر نے انہیں محبت
دی تھی تو وہ بھی تجوس نہیں تھے۔

مشہور حجازی گٹار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آئٹم علامت، مضبوط جلد، خوبصورت گروپش

200/- 250/- 300/- 350/- 400/- 450/- 500/- 550/- 600/- 650/- 700/- 750/- 800/- 850/- 900/- 950/- 1000/-

قیمت	کتاب کا نام	موضوع
450/-	آوارہ گرد کی لہڑی	موضوع
450/-	دنیا کا گھر	موضوع
450/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
275/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
225/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
225/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
225/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
300/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
225/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
225/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
300/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
120/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
400/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع
400/-	دنیا کے عین سامنے	موضوع

200/- 250/- 300/- 350/- 400/- 450/- 500/- 550/- 600/- 650/- 700/- 750/- 800/- 850/- 900/- 950/- 1000/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

رات تک جب آخری خنڈ بھی آچکا تو ان سب نے آتش دان کے پاس بیٹھ کر وہ تھاغف کھولے۔ اسے جیسی قیمت تھاغف تھے کہ امرد کی آنکھیں خیر ہو رہی تھیں۔ لیڈی مر ایک خنڈ کو کھولتیں اسے کتنی ہی دیر پھولی رہیں۔ اپنے ہونٹوں سے لگاؤں اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیتیں۔ وہ تھاغف بلاشبہ بہت قیمتی تھے کیونکہ انہیں محبت سے خرید آیا تھا۔ بے لولاد ہو کر بھی ایک خاتون نے ان اظہاروں سے زیادہ خوش پائی تھی۔ اور یہ صرف اسی لیے ممکن ہوا تھا کہ انہوں نے انسانیت کی معراج کو بھولا تھا انہوں نے رنگہ نسل کو مٹا کر ان سب کے گھٹے سے لکھا تھا۔

وہ ایک ایک خنڈ کو کھولتیں اور اسے بیچنے والے کے بارے میں انہیں بتاتی جا تیں۔
 ”دیکھو زارامو کہ کن کو۔“ اپنی منگی کھڑی مجھے بھیج دی۔ مجھے اس کی ضرورت ہے یا۔ اسے اب میں کچھ کموں کی تو تلاش ہو جائے گی۔ ہر سال مجھے پہلے سے مونگا خنڈ دیتی ہے۔ پارت نام جاب کرتی ہے۔ جب گھر آیا کرتی تھی تو میرے پاس میں کلن کے ساتھ اپنا بیلاں کلن جوڑ کر سوا کرتی تھی اور اگر کسی سوئے میں اس کا سر کھٹک جاتا تو انڈھ کر کھٹے میرے کلن سے کلن ماکر سو جاتی تھی۔ جانے اسے کیا خط تھا۔ کتنی ہی رات میں خوابوں میں وہ کچھ بھی تک سنی ہیں۔ میں بھی وہ سننا چاہتی ہوں۔ اور اسے دن انڈھ کر رکھنے پڑا کرتی تھی کہ رات مجھے کھٹے والے سارے خواب اس نے بھی سنے ہیں۔ ”ساتھ ساتھ لیڈی مر اپنی آنکھوں کی کی صاف کرتی رہیں۔

یہ باتیں سن کر جان کر امرد کو لگ رہا تھا اس نے ملک نہیں بدلا۔ دنیا ہی بدل رہی ہے۔ کیونکہ میں لیڈی مر جیسے اور بھی لوگ ہیں۔

”یہ دفین نے نوہ بتایا ہے۔“ انہوں نے لکڑی کے ٹھیس خنڈ کو اپنی سب کے سامنے کیا۔ خنڈ پر ایک تصویر کھدی تھی جس میں ایک عورت کرسی پر بیٹھی ہے اس کے سر پر فرشتوں کا ہار چمک رہا ہے اور وہ سب سے اس فرشتہ صفت خاتون کے سامنے بیٹھے اسے

محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔
 ”یہ دیکھو کیا ہوا؟“ دفین نے بگھے۔ قریب کل جرمی میں ہوتا ہے اپنا پڑاؤں کر رہا ہے اور ایک اس کی او بھی چلا رہا ہے۔ یہ بارہ سال کا تھا جب ایک رات میرے پاس رہا تو رات کے کسی پہاڑے منتر سے نکل کر میرے بڑے کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ نکلنے کے جب تک کھڑا رہا۔ جب اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ یہ میرے پاس کھڑا مجھے کھٹکی ہاتھ سے دیکھ رہا ہے۔ کیا مجھے سے کیا وہ کوئی عورت اس کو زمین پر ایسی خوش قسمت ہو گئی جسے اس کی لولاد اور انوں کو ایسے اچھے اچھے کر محبت سے چھلتی ہو۔“

بہت دیر تک لیڈی مر کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر امرد انہیں ان کے کمرے میں لے آئی۔ بیڈ سائڈ ٹیبل پر ایک پھولی کی تصویر فریم میں رکھی تھی وہ پہلے وہاں موجود نہیں تھی۔

”یہ عیاں کھڑی ہے۔“ لیڈی مر تصویر کو ہاتھ میں لے کر اسے ہونٹوں سے لگاتے گئیں۔ تصویر ہاتھ سے چلتی تھی جس میں عیاں نے اپنے کھٹکی کو دکھایا تھا کہ وہ لیڈی مر کو نوہوان اور خوب صورت جیسے دیکھنا چاہتا ہے۔

”بہت بابر کرتا ہے مجھ سے۔“ انہوں نے امرد کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے سب بچوں کے بارے میں بتایا تھا اب وہ اس کے بارے میں کہیں نہ بتائیں۔

”اٹھارہ سال کا ہونے کے بعد جب یہ لوارے سے نکلا تو میں اسے کھڑے آئی۔ یہ میرے دوسرے سب بچوں میں سب سے چھوٹا تھا اور بچپن میں بہت دوا کرنا تھا۔ جب یہ ایک دن اور ایک رات میرے پاس رہ کر جاتا تو مجھے بتایا جانا کہ وہ اپنی بہن سے منسوب ہو جاتا ہے۔ نوہا ہے رات رات بھر سوٹا نہیں کھاتا نہیں کھاتا۔ پھر میں جا کر اسے مل کر آئی لیکن اسے کھڑے بلاتی۔ پھر یہاں وہ تو میں نے سوچا اب اسے اپنے پاس رکھوں گی۔ وہ کھڑا کیا اور بہت خوش تھا بلکہ خوشی سے وہ تکیہ۔ کئی کئی گھنٹے وہ کھڑی رہی اور اس کو

مصلیٰ میں اپنی مٹی تھی۔ اور تو اور اگر وہ سو رہے ہوتے اور دادا انہیں اٹھانے کی کوشش کرتے کہ بہت سوئے تو لیں اور دلدی دادا سے لڑنے لگیں کہ کیوں اٹھایا جا رہا ہے انہیں۔ بچے ہیں۔ سوئے ہوا جائے۔

”یہ بچے ہیں۔ دن کے دن بچ رہے ہیں۔ کلم دادا نے اپنے دن کا آوارہ رونق کھایا ہے۔ اس عمر میں میں نے اپنے گھر کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔“ دادا کہتے۔

”دوقت اور تھے۔ مملو رہ لیاں جا تھیں۔“ وہ اچھے وقت تھے۔ میرے لہائی کے سوجھتے لگتے تھے اگر میری آنکھوں میں غم کے بعد کھلتی تھی۔ مسجد کے امام صاحب نے بچوں کو جلدی اٹھانے کی عادت ڈالنے کے لیے قرآن مجید کی ذمہ داری باری باری سب پر لگائی تھی۔ کچھ دن لوگ تھے اس زمانے کے۔ محنت سے تربیت کرتے تھے۔ میری ماں محمود پر دو بیاں لگائی تو میرا باپ مجھے محمود کے پاس بھجوا دیا۔ کچھ دن مجھے بھی بتا چلنا چاہیے کہ تیری ماں تجھے جھلس کر تیرے لیے دلدی کا دیر ہے۔ میرے لہائی کے نسلے کی بائیاں میری ماں مجھ سے بھراؤں۔ کتنی تھمارے لیے محنت مشقت کر کے آتا ہے اس کی دھول مٹی صاف کرنے کی مشقت تم کو۔ اگر ہمارے ماں باپ ہمارے چاچو چچیلے ہی کرتے رہتے تو وقت کی سختی نے ہمیں نہیں کر دکھا ہوتا اور ہم پٹلے سے بیکے کرتے جیسے ہو جاتے۔“

”بس بس۔“ دلدی کو بیٹھ دادا کا بچہ راکھا۔ دادا کے اس بچہ کی سمجھ لب مرد کو آدمی سمجھتے تھے۔ ”پھر کیا ہوا۔“ ”مرد کو مت دیکھی ہو دیر تھی اس قصے میں۔“

”مجھے اچھا تو نہیں تھا کہ وہ محفوظ ہو گا لیکن کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا۔ فن جتا تو میرا دل سمجھا۔ میرے کان ڈور تھل کی کو آواز لگے رہتے لیکن پورا سال بیت گیا۔ اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ ایک رات میں سو رہی تھی تو کسی نے میرا لہاف اٹھا کر بدام کے

کمرے کو دھکتا رہتا آفتاب دن کے قریب بیٹھا اور کھتا رہتا اور پھر رات رات۔ بھلی دلدی پر انکیشن فٹنس دھکتا رہتا۔ میں نے سوچا کیا نانا گھر کا ماحول ملا ہے شاید اس لیے لیکن کئی ہفتے گزر گئے اس کے معمولات میں تبدیلی نہ ہوئی دن بھر باہر کھیتا۔ رات کو غم اور دلدی بچہ بزم میں نے انتظار کیا کہ شاید وہ خود کو بدل لے۔ وہ بڑا ہو چکا تھا اب اسے کچھ دلدی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ قتلہ زندگی میں آگے بڑھنا چاہیے تھا لیکن وہ مجھے نہیں کر رہا تھا۔ ایک دن جب شدید برف باری ہو رہی تھی میں نے اس کے چند گرم کپڑے ایک میں رکھے اور اسے چند اذانوں کے گھر کے دروازے کے باہر کیا اور اس سے کہا۔

”انسان بن جاؤ تو آجائے۔ اپنے گھر کو میں جیسے بیدار کرتے نہیں دلدی کی۔“

”پھر؟“ ”مرد کو بے حاشا حیرت ہوئی۔ لہذا سر اتنی سختی سے کام لیتی تھی۔“ ”مرد ایک سال مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ بہت غدی ہے۔ غصہ بھی بہت آتا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسے مجھ سے براخیز ہو جائے گا۔ مجھے دکھ ہوا کہ گھر میں نے اس کے ساتھ زیادہ ہی سختی سے کام لیا۔ لیکن میں کیا کر سکتی۔ میرے گھر کا آرام و آسائش اسے پہلے کر دیا تھا۔ میں اپنے گھر کو آگ لگاتی تھی لیکن مالکان کو ایسے ناکام ہوتے تھے کہ کچھ سختی تھی۔“

لہذا میرے خد کے قریب کھڑا ہوا۔ بیٹھے امرت تھوڑی دیر کو چپ سی ہو گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ لگا کر مل ہوتے رہتے تھے اسکل دلدی میں لیکن کبھی انہیں ڈانٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ بلکہ ان کا جب فریاد نہ کر سکتے تو کلم چپے چپے انہیں پیہ دیتی رہتیں۔ ورنہ دلدی۔ آئے دن دلدی سے غی موڑ سائیکل بدلتے۔ رات دن بائیک چلاتے رات گئے گھر آتے۔ اور میں تو کچھ نرا مہاکس کے ساتھ مصروف رہتے اور لیں بلایا کے سامنے یہ سب کرتے۔ لیکن کبھی انہیں ٹھیک کرنے کے لیے کوئی محنت

جھوٹے سے ٹیکہ، ایک موسم ہی جا کر میرے آگے
 کیا۔ وہ عیالان تھا۔ کوئی کے راستے میرے
 کمرے میں مجھے سر اڑھوئے کیا تھا۔
 "لو تو یہ روایت اب تک قائم ہے۔"
 "ہاں؟" میڈی سر ہٹکراتے لگیں، لیکن اب کچھ
 ایسے کہ میں اپنا کمرہ بدل لیجی ہوں۔ وہ ایک ایک
 کمرہ کی پھلا پھلا بھاٹکا آتا ہے۔ اس رات اس نے
 بائیس سو نو روپے کا سوونٹ کارڈ میرے آگے رکھا۔
 میں انسان بن چکا ہوں۔" اس نے غر سے مجھے
 دیا۔

میں نو روپے سے اسے اس کا رشپ دیا تھا۔ "میڈی سر
 نے اپنی آنکھوں کی ٹی صاف کی۔" اس نے مجھے
 باؤس میں کیا تھا۔ جب میں نے ان سب بچوں کو گود
 لیا تھا اس وقت میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں
 انہیں بہترین انسان بنائیں گی۔ مجھے کوئی بھی راست اپنا
 پڑے وہی نہیں کھل گی۔ ایک عورت کی گود میں
 جب بچہ آتا ہے تو اس پر نہیں اور ویوں جتنی بڑی قدر
 داری عام ہوتی ہے۔ ایک ایسا فرض جس میں خلعت
 کی کھانسی نہیں ہے۔ جب ایک انسان کو پرورش
 کے لیے۔ تربیت کے لیے ایک انسان کو جاننا
 ہے تو جیسے کل انسانیت کی لگائیں اس کے ہاتھ میں
 دے دی جاتی ہیں کہ اسے جس بات کو کل انسانیت
 کے لیے وہاں بن جائے یا وہ بد مذہب ہو اپنے آگے اور
 پیچھے اور دائیں اور بائیں خیر کی روشنی بکھیرا چلا جائے
 ۔ سارے انسان خیر ہوتے ہیں۔ امرد۔ جس ان کی
 پرورش کے جو کو اسے دیتے ہیں وہ انہیں کچھ کا کچھ
 دیا دیتے ہیں۔ یہ سب پھول ہوتے ہیں اس ہم ہی
 انہیں توڑ کر فصل کر اپنی مرضی کے چھڑ میں پیوست
 دیتے ہیں۔



دیرا کو Platt Lane پر واقع گیلری آف
 کانسٹنٹم جانا تھا۔ پہلے اس نے امرد کے لیے ہاؤس کی
 لٹوں کو کل کل مل دے کہ خصوص دو سی اے او میں

گوند حاکم اسے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔
 "میں سائیکل پر نہیں چاؤں گی۔"
 "کیوں۔ ابھی بھی ڈارٹی ہو سائیکل پر بیٹھنے سے باز

"جیسے تم چلائی ہو کوئی بھی بیٹھ کے لیے ڈارٹ
 ہے۔ یہ نو روپے کی تک ٹھیک ہے۔ کیس اور جانا ہے تو
 سہوے پاس۔"

"ٹھیک ہے۔" دونوں بس سے Platt Lane
 آگئیں۔ موسم چل گیا تھا تو ڈیرا الٹک شوز پہنے لگی
 تھی۔ جیت جیت جیسے جنگل میں بچے کے شکار کے لیے
 جاری ہو۔ ہاؤس کے منت سے اس کا دل ہٹا دیا۔
 وہ اپنی آنکھوں کو ایسے بچہ کھڑا کر چاتی جیسے کسی غریب
 انجینی کی ایکٹ ہو۔ امرد کو اس کے ساتھ چلنے
 ہوئے ایسا انسان ہو گا جسے وہ اس کی بڑی گارڈ ہے اور
 کوئی امرد کو کسی بھی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
 وہ اس کی دل میں خلاص کرتی کہ کاش وہ بھی دیرا جیسی
 ہو جائے۔

اس نے دیرا سے پوچھا نہیں۔ خود سے ہی سوچ لیا
 کہ وہ غریب اوری کرنے جا رہی ہے کہ ہڈوں کی ٹیکیں
 گیلری پہنچ کر اسے اتار دیا وہ آگے شاید دیرا پہل اپنے
 کسی آرنیبل کے لیے مواد اکٹھا کرنے لگی ہے یا اپنے
 بلاگ کے لیے کچھ تصویریں لینے۔ جس باریک جی
 سے وہ بلو سات کا جائزہ لے رہی تھی وہ عام انداز نہیں
 تھا وہی ایکٹ کا سا انداز۔

"تمسار ایساں چوری کرنے کا راز تو نہیں ہے نا؟"
 تو اس کو آہستہ دیکھ کر امرد نے ہنسا۔

"تم میرے بارے میں ایسے بھی سوچ سکتی ہو؟"
 ایکٹ نے اسے ٹھوکر۔

"وہ۔ تم ہی قسم کی قسمیں دیکھتی ہو نا؟"

"مطلب جو فلموں میں دیکھتی ہوں وہی سب
 کرنے بھی لگوں۔ مجھے یقین دلاؤ کہ پاکستان میں
 سب تمہارے جیسے نہیں ہیں؟"

امرد نے منہ پھلایا اور ایسا انداز اپنایا کہ اب وہ
 دیرا سے کوئی بات نہیں کرے گی۔ شام تک۔

بلکہ رات تک۔

”پاپا یہ مرنے کی ایسی ہی جھلک ہے رکھنا لیکن کھانا نہ کھاؤ“
میں یہاں مخصوص طرز کا ایک لباس ڈھونڈنے لگی
ہوں۔ جب وہ مل جائے گا تو پہلی کی تفصیل بھی بتا دوں
گی۔ تم چاہو تو ایک سے گیلری کو مل سکتی ہو۔ خاص طور
پر میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔“ وہ رچھوٹی کی رفتار سے
ایک ایک شو کیس کے آگے سے سرک رہی تھی۔ وہ
دو ٹوئیں بائیں ہاتھ کے ڈاکے کی شکل میں تھیں۔

نہ صرف پچھلے بلکہ پورے برطانیہ میں ”وی گیلری“
تک قسم دوم ”ای“ انفراسونک میں بیٹا کی حیثیت کی
مالک گیلری ہے۔ گیلری میں ہزاروں سے زائد آئینہ
رکھتی ہے۔ لیٹ 17ء سے اب تک کے فیشن کے
موڈلز، ڈیزائن، ہینکاک، کپڑے، ٹیوٹے، زیور، رات اور ایسی
ہی وہ ساری چیزیں جسے بنانے پر کاسٹیوم ڈیزائن میں
تلاش کے لیے رکھے گئے ہیں۔ یعنی یہ ڈس ایسی
سب چیزیں کا جدید طرز سے سماجی تہذیب کے ظاہر
ہے جو دیکھنے سے غفلت رکھتا ہے خاص طور پر 17ء-
18ء-19ء کے حصے دیکھنے سے غفلت رکھتے
ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ بھی یورپ میں بھی غور و خوض
نے دستانے پہنے تھے اس کثرت کے استعمال کو لباس
کی طرح ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے گھیر وار لباس پہنے
جاتے تھے کہ اصل جسمت کے بارے میں اندازہ
نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ تو پھر ایسے پارے کی لباسات سے
انہوں نے کیوں کر اپنی جان بچائی؟ خاک کیوں کر
نہیں؟

”غیر وقت کی مدد ہے۔ اور شاید آئے وقت
گزر جانے والے وقت کے بدتر ہونا ہے۔“ ہوتا
رہے گا۔ ایسا ہی فرمایا کیا ہے۔

ان لمبوسات نے امرت کو بھوت گردا۔ وہ بے حد
غامت سے سلائی کیے گئے تھے انہیں پہننے سے زیادہ
دیکھتے رہنے کو دل چاہتا۔ موی پٹے جو انہیں پہنے
گھڑے تھے۔ سانس لیتے تھے اور دیکھنے والوں کو اپنے
ساتھ وقت کے تھیر کے سفر جانے پر مجبور کر دیتے۔
امرت نے ان کے ساتھ وقت کا سفر کیا۔

جب وہ مٹی بھر کر گیلری دیکھ چکی تو دریا کے پاس
آئی۔ وہ ایک وکٹوریہ شو کیس کے سامنے کھڑی چل
سے کھڑے ہر ایک کی باری تھی۔

”محب ہے کیا کر رہی ہو؟“

”اپنے لیے ڈریس بنا رہی ہوں۔“ اپنے کلم میں
مصروف وہ بولی۔

وہ ایک وکٹوریہ فریک کا اسکیچ بنا رہی تھی۔ جس
کے بازو کشی تک تھے اور آگے جلی لگی ہوئی تھی جو
کلانی پر ہلو ٹائی سائٹ میں بند ہو جاتی تھی۔
فریک میں چار مختلف رنگ کے کپڑوں سے بنائی تھی۔
لیکن اس کا ہر اہم ٹکڑا ٹکڑا تھا اور جابجا اس پر سفید جالی
کے پارے لہریے دیے کر چھوٹے کٹے تھے۔ اس کا
گھیرا تھا کہ امرت کے پانچ ٹکڑا سوٹ آرام سے بن
سکتے تھے۔

امرت نے دریا کی طرف دیکھی۔ شاید وہ ایک
بے حد عجیب فریک تھی اور اس کی خاص بات یہ تھی۔
کہ اسے دیکھنے سے ہی ایک شلن کا احساس ہو آتا تھا۔
مستحی اور داخلی لذت کا۔ وہ اپنا کام مکمل کر چکی تو وہ
دو ٹوئیں باہر آگے۔ امرت کے پاس مزید وہ کھتے تھے بھر
اسے اپنی جانب پر جاتا تھا۔

”کیسا ہے؟“ وہ اپنے اسکیچ اس کے آگے کیا۔

”زبردست۔ پر اس کا کوئی کیا؟“

”بہت ہی خاص دن بنوں گی۔“

”اپنی شادی پر۔۔۔؟“

”اس سے بھی خاص دن۔۔۔“

”شادی سے بعد کر خاص دن اور کیا ہو سکتا ہے

۔۔۔ کا وہ بکھین بن رہی۔“

”مجھے نزدیک شادی سے بھی زیادہ ایک اور دن

بہت زیادہ خاص ہوتا ہے کسی لڑکی کے لیے۔ جب

اسے لگتا ہے کہ اسے دو زندگیوں کے نزدیک کو ایک کر

دینا چاہیے۔ جب وہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے اپنی

زندگی میں کسی اور ایک اپنے ہی جیسے بے حد اہم اور

اکلوتے انسان کو شامل کرنا ہے۔ یعنی وقت جب وہ

لوگ بلاخر یہ طے کر لیتے ہیں کہ ان میں بلاشبہ کون ہے

اور ملکہ کون۔۔۔ ۲۴ فری فقروہر نے چلے لب کا کونا
 و انھوں میں نے کر شرارت سے چھوڑنے ہوئے کہلا
 ”جب کوئی قصصیں پوچھ کرے کھاس دن؟“
 وراہل کھول کر ہنسی۔۔۔ ”میں میں نے توڑی
 ہی تبدیلی کر دی ہے۔۔۔ جس دن میں اسے پوچھ
 کہوں گی۔۔۔ اس دن۔۔۔ جس دن تجھے اس بیکر سے
 اس نے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ کھو سمجھ لیتا میں
 مگر کر تکی ہوں۔“

امرد کو اس کا احتوا اچھا لگا۔ وہ جانتی تھی اسے
 پوچھ کر کیا نہیں چاہے گا بلکہ یہ اہم کام وہ خود کرنا پسند
 کرتی تھی۔ ایک فراک امرد کو بھی بہت پسند آتی
 تھی۔ وہ چلے گھائی رنگ کی تھی جس پر چمکے نیلے مسخ
 پیلے پرول والی ٹھیکوں کو ایسے بچا کیا تھا جسے وہ ایک
 دوسرے کے آگے پیچھے بھاگتی ہوئی شرارتیں کرتی
 تھیں گویا کہ کرتی ہوں۔

امرد اس فراک کو اپنے سب سے خاص دن اپنی
 شادی کے دن زیب تن کرنے کی خواہش کو اپنے اندر
 پیدا ہونے سے نہ روک سکی۔ یہ خواہش اب تک اس
 کے اندر جاگن دور نہ اس نے بھی اچھی شادی کے بارے
 میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا اس نے تو بھی اس شخص
 کے بارے میں نہیں سوچا تھا جسے کبھی تو اس کی زندگی
 میں آنا ہی تھا اس کی منگی ہوئی تو بھی اسے کوئی دلچسپی
 پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کون شخص ہے اسے صرف
 اپنے گھر کے ماحول سے پہچانتی تھی اس کے ماحول سے
 نکلنے میں دلچسپی نہ تھی کہ اس کی شادی بھی بچے ہو
 گئی تب بھی اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش
 نہیں کی کہ وہ کون ہے کیسا ہے۔

اس نے کئی بار اس بارے میں سوچا کہ ایک دوا
 کے علاوہ وہ کیوں اپنی سب سے لا معلق رہتی ہے۔
 ان کے ساتھ معلق کیوں نہیں بناتی۔ اس کی
 دو تیس دور دور سے دو تیس ہی کیوں رہتی ہیں وہ ان
 کے اور قریب کیوں نہیں جلیا جاتی؟
 اس نے دوا کو یہ سب بتایا تو وہ خاموش سے ہو
 گئے اس وقت تو نہیں لیکن آئندہ دنوں میں دوا

نے اسے بتایا کہ ”ایسا اس لیے کرتی ہے کیونکہ آج
 تک سب نے اسے تکلیف دی ہے اسے سب
 انسان ایک جیسے لگتے ہیں صرف تکلیف دینے والے
 ۔۔۔ اندر کے اس دہم اور خوف کی وجہ سے اسے کوئی
 اتنا اچھا لگتا ہی نہیں کہ وہ اس کی ذات میں دلچسپی لے
 اس سے احتوا رہے گا کہ پوچھا۔“

وہ نور وراہل Platt Platform پارک آگئے
 سینڈویچ اور کوک بک ان کے ہاتھ میں تھی۔ چمکے تھے
 ایک دم سے وہ اپنی اور ساتھی دیوی زبان میں چلی
 دی۔ ہر تیزی سے بائبل پر مبنی طرح ڈاکر جھانک
 لگا کر اس کی کھینچنے کے ایک سبب ہوئے کہ گردن
 سے جالیا اور جھٹکتی ہی دیکھنے اس پر لائن گھر نوسل اور
 گلابیں کی بو پھانڈ کر دی پھر اس نے اس ٹرکے کو کسی
 چمکے بلو ٹرکے کی طرح اٹھایا اور جھیل کے ٹھنڈے
 پانی میں اچھلا دیا خشکاب کی تواز آتی اور کنارے پر
 کھڑی ہو کر اس کی بلو ٹرکے کی طرف لہر لہر کر اسے
 مزید تقابلات سے نوازتی رہی۔

دراگے فیصے اور اپنی لہرائے کی رفتار کو کچھ کر امرد
 اندازہ لگا سکتی تھی کہ دیوی زبان میں اس وقت کیا شکر کیا
 جا رہا تھا۔ بلو ٹرکے سے پانی میں ڈکی لگائی اور تیزی سے
 ہاتھ پی مار کر دوسرے کنارے سے نکل کر بھاگ گیا۔
 ”کہا کیا تھا اس پر ہاڑی بکھرے لے؟“ امرد کو اس
 کے بھاگنے کے انداز پر بہت ہنسی آتی۔

”میری کر رہ چکی پھر کر گیا تھا۔“
 ”تم نے کیسے اس پر تشدد کیا اسے ٹھنڈے پانی
 میں پھینک دیا۔ کوئی مسئلہ ہو گیا تو۔۔۔ وہ تو نہیں لے
 آیا تو۔۔۔؟“

”ہو نہیں لے آئے یا فوج میں تیار ہوں۔ ایک
 بار اسکول گرافٹ میں میرے ایک کلاس فیلو نے مجھے
 ہراساں کیا تھا۔ میں دس سال کی تھی اس وقت۔۔۔ وہ
 ایک نو فرار گنداز کا تھا اور اسکول کی ہر کنوڑ فری اس
 سے ڈرتی تھی۔ اگلے دن خوف سے میں اسکول نہیں
 گئی۔ میرے پیار کو میرے اسکول نہ جانے کی وجہ معلوم
 ہوئی تو انہوں نے مجھے گھر کے باہر ہاڑی طرح جی

دروا رکھتے ہیں لیکن جن کے بارے میں خود پاکستانی نہیں جانتے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ صرف ان رپورٹوں کو جانتے ہیں جو انہیں ہم نواز غیر ملکی جاکر دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ پاکستان میں ہزاروں عورتوں کو استغلا میں لاکر قتل کرے۔ وہ ایسا تب کریں گے جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ان رپورٹوں کے حلقے ہی انہیں ان کے خیمے مل جائیں گے یا ان پر ان کا تھوڑا سا ٹکے گا۔ ہمارے دوس میں ایک بات بھی جانتی ہے کہ پاکستانی اس وقت سیلون کے جانے کے لائق تھے جب وہ ہندوستانی سے پاکستانی بنے تھے۔ اور تب جب وہ ایک ایسی طاقت بنے تھے۔ اور بس۔ پاکستانیوں نے یہ سیلون ہندوستان میں لے لیا۔

امروز جانتی تھی کہ جب کہ وہی ہے خود امروز کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ پاکستان ایسی طاقت کس

سن میں بنے۔
"میں نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی کر دیا۔" امروز کو اسے رہنے کے موضوع پر وائس لائبریرا۔ وہ مزید دیر کے ساتھ شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ پاکستان کو لے کر کوئی عالم سہی سوال پوچھ سکتی اور اسے اس کا بھی جواب نہ آتا تو۔ تو برا ہوتا۔ کہ اسے کہ ایک پاکستانی کو تو پاکستان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔ "زیادہ نہیں بلکہ بالکل ٹھیک کیا۔" حضرت نے پتلی نے اس کی اندر کے کندے کپڑے کو جھکو جھکو کر پھیل ڈالا ہو گا۔

"تم بہت بھلور ہو رہی رہا۔"
"اگر مجھے ایسے برف میں دھلانا نہ جاتا تو میں کبھی اسی بھلور نہ ہوتی۔"

ایک لمحے کے لیے امروز بالکل خاموش سی ہو گئی۔ ایک دیر اچھی جسے بھلور بھلا گیا تھا۔ ایک امروز بھی جسے مسل مسل رہا یا گیا تھا۔ وہ دونوں انسان تھیں۔ لڑکیاں۔ لیکن ان میں سے ایک کی کٹا مضبوط اور کٹی قوم آگے تھی اور دوسری کی کٹا کنوڑ اور بہت پیچھے تھی۔ دونوں انسان ہی تھیں مگر بھی برابر نہیں

برف میں گرنا تک دیا ہوا۔ میرے دل پر ایک بھی گرم کپڑا نہیں تھا۔ میں چپختے اور چلانے لگی۔ خاموشی سے میرے پاس بیٹھے رہے۔ جب میں بالکل مرنے کے قریب ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ برف کے اس اجیر میں وہی رہنا بھلوری ہے یا اسکول سے پھلتی کر لیتا۔ کبھی ہم نواز خوف اور بھڑائی کی بنا پر۔ مجھ سے بار بار کسی ایک سوال پوچھتے رہے۔ میرے ہونٹ تلخے ہونے لگے۔ اور میری جان نکلنے میں کچھ ہی وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تم نے اپنی مادہ زندگی بھی ایسے بھڑیل بن کر گزارنی ہے تو خود کو اسی برف میں دفن رہنے۔ مرنے والا اسی اجیر میں۔ بڑیوں کو مر ہی جانا چاہیے۔

امروز دھندور کی ہل دی تھی۔
"دوس کی لفظ اور برف کے بارے میں جانتی ہو؟"

"ہاں۔" امروز نے ساتھ لہو لہو سے سر بھی ہلایا۔
"کون سا؟"

"لفظ لفظ ہوتی ہے۔ برف برف ہوتی ہے۔"

جواب دیا تھا اس نے۔
"لفظ لفظ نہیں ہوتی برف برف نہیں ہوتی"

امروز۔ موت ہوتی ہے۔ سفید موت۔ سرخ موت میں پتلی جھکو تو وہ وہیں فضا میں ہی جم جائے۔ تمہارے گرم ٹھیک کے لوگ وہاں جاتے ہی مرنے سے لگتے ہیں ویسے تمہاری دنیا کے بارے میں معلومات اتنی کم کیوں ہے؟

"میں جانتی ہوں دوس کہاں ہے۔"

"دوس میں کیا کیا ہے یہ جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا ہے تم جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا نہیں ہے۔ میں بھی جانتی ہوں۔ تم کیا جانتی ہو میں کیا ہے بات شروع کرنا یا عہد لہو رہے۔ کہ تو میں کہو کہ بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوں۔ میں تمہیں تمہارے ان چند شہروں کے نام بھی بتا سکتی ہوں جو زیر زمین چنڈیل کے

تھیں۔

”تو تمہارے غور تمہاری طاقت ہیں؟“ امرت کو اس پر دھک آتا تھا۔

”ہاں میرے استاد ہیں۔ انہوں نے اپنی طاقت مجھے نہیں دی بلکہ میرے اندر کی طاقت کو میرے اندر بیدار کیا ہے۔ جب ایک باپ اپنی بیٹی کے اندر اس طاقت کو بیدار کرتا ہے تو وہ زندگی کے ہر حصے میں ان میں غلبہ جتنے کے لیے اپنی بیٹی کو تیار کر لیتا ہے۔ اور یہ پاور صرف ایک باپ اپنی بیٹی کو دے سکتا ہے۔ انہوں نے مجھے سکھایا کہ بڑی اور بھاری دونوں کا تعلق دل سے ہے جسم سے نہیں۔ اگر دل کو غور بنایا جائے تو جسم ہرگز زور و پک نہیں بنتا۔ دیکھتے ہیں نا کوئی آپ کو اٹھاتا اور دھکائے آپ اسے دھکا مار کر خاموش کر دیتا ہے۔“

”جیسے کوئی بھی رد عمل میں نقصان پہنچا سکتا ہے۔“

”ہاں ایسا ہو سکتا ہے تو کیا نقصان کے خوف سے میں بزدل بنی رہوں خاموش رہوں۔ ایسا میں نہیں کر سکتی۔ ویسے جیسے تمہارے پیارے کیا سکھایا ہے امرت؟“

ایک گھبراہٹ آمیزہ امرت کے چہرے پر سے ہو کر گزرا۔ پیارا لڑکے کے گھر آتے تھے انہیں دنیا میں ایک سی چیز کی فکر رہتی تھی ”اپنی ارادت شہ کی۔ وہاں رہے چھوٹے چھوٹے ہر قسم کی۔ شہ کی کے گھر وقت پر ڈیویری کی۔ تھی کہ شہ پر فوڈ ہو جانے والے آرتی سیدو شہ کی تھی۔ پوچھا وہ میں ایک دن صبح وہ ان کے ساتھ اپنی دین کے لیے نکلے تھی تو انہوں نے پوچھا۔

”تجھے چھٹی ہوئی ہے تمہاری اسکول سے؟“
”میں اسکول نہیں گئی جاتی ہوں اب۔“ کہہ کر وہ دین میں آکر بیٹھ گئی اور ہنسنے لگی اپنے دوست پر ہنسی۔ جس باپ کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اس کی بیٹی اسکول نہیں گئی جاتی ہے۔ وہ باپ اس کی ٹیکہوں کے بارے میں ایسے جان سکتا تھا۔ جس باپ کی بات

دیر اپو چھ رہی تھی وہ باپ اس کے لیے دوا دیتے تھے۔
”میں جانا سلاہ کی تھی اور بری طرح سے وہ رہی تھی۔ میرے دوا دینے ایک بہت سے پارک میں لے گئے۔ وہ سال کے گرم ترین دنوں میں سے ایک دن تھا۔ کیا تم گرم ترین دنوں کا مطلب جانتی ہو؟“ امرت نے رک کر راستے پر چلا۔

”ہاں! اتنا گرم کہ انسان کی موت واقع ہو سکتی ہے۔“ تو براہ سب جانتی تھی۔

”ہاں یہ دہی دان ہے۔ پارک میں لے جا کر میرے دوا دینے گئے۔ وہ صبح پر کھائے دھکائے جو گرمی سے مر چکے تھے۔ وہ مجھے ایک رک سے نیچے لے کر بیٹھ گئے اور انہوں نے مجھے ہر قسم کو دیکھتے رہنے کے لیے کہا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک چڑیا گرمی کی تاب نہ لا کر مر گئی۔ میرے دوا دینے اس کے قریب لے گئے اور مجھ سے پوچھا۔

”امرت! اس نے پہلے کیا کرنے اس چڑیا کو دے۔“ تو وہ ایک ٹکڑے کاٹتے کرتے دیکھا۔
”یہی ہے اسے اتنی تکلیف دی۔ کیا اس کی ٹیکہ میں چوں چوں بھدی تو اس میں بدلی۔ بلکہ یہ بے چاری تو خاموش ہو گئی پھر تو یہ معصوم سی چڑیا انسانوں سے بڑھ کر ہو گئی۔“

دوا نے چند چھوٹے ٹکڑے اٹھا کر بڑوں کو مارے۔
”وہ خاموشی سے پھر سے اڑ گئے انہوں نے اپنی جگہ بدل لی لیکن دوا نے نہیں کیا۔ نہ دوسرے چلائے۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ کائنات کی اپنی تخلیق مشات۔ پرندے اور دوسرے جانور بھی انسان کی طرح تو دوا کا نہیں کرتے انسان کی طرح دوسرے چلائے نہیں۔ دوا نے نہیں چلائے۔ لیکن کائنات کی اس طرح واپسی تخلیق انسان یہ حکم بہت شوق سے کرتا ہے کیسے گا۔ صاف ہے یہ کہ کوئی کرتا ہے جیسے کائنات کے رب نے حکم کے انہوں کے سب سے پہلا اس پر تو ڈالے ہیں۔ ایک ایک دوی تکلیف اٹھا رہا ہے۔ نہیں دیکھا کہ یہ دکھ یہ تکلیف اسے کتنا دکھ دے رہی ہیں۔ اس کی استغنی اسے کیا کیا کچھ سکھ رہی ہے۔ بس وہ

دوے چلا جاتا ہے۔
 "تو تمہارے دلوں کے پاس ساری مشقی محنت ہے؟"
 پھولے نہیں سائے تھے۔
 "ہوئے اچھے لوگ ہیں اور دلیہ سب تو۔" وہ بہت خوش ہوئے۔

"ہاں بی بی، سستی زیادہ اچھے۔" وہ توجہ نہ لگائی۔
 اس نے دلوں کو آگسٹ اینڈی کے خاتون کی نگاہیں
 جو دو کم ستر سال کی عمر میں ہاشورہ کر رہی تھیں اور
 پوندہ رشی کے بانی اسٹوڈنٹس اور اپنی کلاس کے
 پروفیسر سے یہ درخواست کر لی تھی کہ وہ اس کی کلاس
 کی عمر کو چھوٹے طبقہ کے کلاس میں بھی دو سرے
 اسٹوڈنٹس کی طرح عام اسٹوڈنٹس سمجھا جائے انھیں
 کوئی رعایت نہ دی جائے۔ وہ اس وقت بھی برلن
 جاتی تھیں۔ جب لاہور میں کوئی دن سے یہ کہتا تھا
 کہ وہ چھاپا تھا کہ وہ کلاس میں داخل ہوئے۔
 وہ ایک پھر آئے۔ پھر رشی اسٹاف کو ان سے
 بہت توجہات تھیں اور جب کالنگ تھا کہ وہ ضرور دنیا بھر
 میں پھیلے ہوئے رشی کا نام روشن کریں گی اور کالوریشن
 کے پڑھنے کے لیے دنیا بھر کا میڈیا ستر بھل کی شاندار
 کوریج کی کوئی نہ مانع فرض سمجھے گا۔
 "دلو! آپ بھی آجائیں۔ یہاں چھوٹا مونا کوئی
 گورنر ہی کر رہی۔"

"اس عمر میں میں کیا کروں گا گورنر کر کے۔"
 "کیسی سوال میں نے بھی ستر بھل سے پوچھا تھا کہ
 اس عمر میں تاجن کو کھنگل کر اس میں مٹس کر اور پھر
 اس میں ڈگری لے کر وہ کیا کریں گی تو انہوں نے کہا۔"
 عمر۔ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اصل چیز زندگی ہوتی ہے
 ۔ اور میرے وجود میں زندگی ایسے ہی دوڑتی ہے جیسے
 کسی نو مولو کے جسم میں۔ تو جب زندگی کا معنی
 ایک سے "زندہ رہنا" تو میں کسی شاندار مقصد کو لے
 کر زندہ کیوں نہ رہوں۔ اس سے پہلے میرا مقصد
 میرے بچوں میرے خاندان کی پرورش اور دیکھ بھل
 تھا۔ جب میں اس سے فارغ ہوئی تو میں نے ایک نیا
 مقصد اپنا لیا۔ اس میں مراد نفع نقصان کی تو بات ہی
 نہیں ہے۔ یہ تو مقصد کو پانے کی بات ہے جو میں
 رہی ہوں۔"

"نہیں۔ ان کے پاس ممبر اور علم ہے تو ڈاٹا۔
 وہ ایک اچھے استاد رہے ہیں اور میں ایک بری شاگرد
 ۔ ہم اپنے استاد کو بولنا کام کر دیتے ہیں جب ہم اس
 کی سنتے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ ہر دن ہر رات وہ مجھے
 ایسی ہی باتیں سناتے لیکن میں نے تو اپنے وجود کو جیسے
 پتھر کا بنا لیا تھا۔ قطبہ قطبہ سوچ رہی تھی کہ کوئی بھی پوندہ اس
 پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ اب تم سب کو دیکھتی ہو تو
 خیال آتا ہے کہ اپنی زندگی کن انہی چیزوں میں گزار
 رہی ہوں۔ ذرا سی بہت کرئی تو ان انہی چیزوں سے نکل
 نکلتی تھی۔"
 "کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ ماضی میں؟ کچھ بہت
 برا؟"

"تم سنو گی تو ہنسو گی۔"
 "میں ہنستا چاہتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے
 کہا۔
 "لیکن بتاتے بتاتے میں رو پڑوں گی۔" اس نے
 بھی سنجیدگی سے ہی کہا۔
 "جھیل میں پلٹیں ایسے سکون سے تھوڑی تھیں
 جس سکون سے انسان کلاؤس کمی پڑتا ہے۔"

"Slap is God send"

اور وہ اس بات کا مکمل ہی تھی۔ دلو ہر دن اس سے
 بات کر کے اسے دیکھ کر ہی سوتے تھے اس نے
 سوناٹل لے لیا تھا اور پلٹے پھرتے ہر اوقات میں دلو
 سے اس کاٹ پ بات کر لیا کرتی انہیں دیکھ لیا کرتی
 سوناٹل کے ذریعے ہی اس نے دلو کو اپنی کلاس مانی
 کلاس فیلو اور پوندہ رشی دیکھائی تھی۔ کلاس میں سر
 کے آنے سے پہلے اس کی کلاس فیلو نے ہاتھ لہرا کر
 ایک زبان ہو کر کہا تھا۔
 "پلو کر پڑو! اور کر پڑو! مجھے خوش ہوئے تھے کہ

"اے۔۔۔ سلو حنا نے۔۔۔ فون کیا تھا اس کا ایک
بائے کی ڈسک پر چھ دی تھی۔۔۔"
"آخر یہ برطانوی لوگوں کو کھر میں دھکک کرنے کا
جنون کیوں ہے؟"

"سلو حنا بندو متلی ہے۔۔۔ اس نے اعلا مت گزار
بچوں کی طرح چاہیے کہ کاسے پرانے لگے۔"

امرد نے اس کے لائے گھستے میں سے جو کسی
بارغ سے توڑے تھے تھے سلو حنا نے اسے سیر پھول جن
کے کور پیل پھول اسے دیا اس کے لیے۔۔۔ وہ سولہ اسے
دیکھنے لگے۔۔۔ وہ لوں اب یونہی ہی کی عراب کے پیچھے
کھڑے تھے۔۔۔ ساتھ ساتھ دوڑا دوڑا دل دوش تھی۔
"یہ دایس پھول کے؟" اس نے پوچھا اور لگا۔

"پیل پھول کی تو نہیں دیتے۔۔۔ یہ چپندی کی اور
نظر تھی عدا مت دیتے ہیں۔۔۔ ہم بہت اونچے دوست
نہ سہی ایک دوسرے میں جھگڑا ہیں کہ مجھے میری سانگرہ
کے لیے یہ پھول کسے چاہیں اور۔۔۔"

"نظر تھی چپندی کی کی عدا مت یہ پھول؟" وہ امرہ اور
جھجکی سے پوچھ رہا تھا۔
"ہاں بالکل!۔۔۔ اب بھی عمل جھجکی سے جواب دے
دی تھی۔"

"تم سے کس نے کہا؟ امرہ؟"
"کہا مطلب ہے تمہارا کہ کس نے کہا؟"
یونہی ہی کی تکرار عراب کے لیے ایک ہی گلاس تھی۔

"تم سے یہ کس نے کہا کہ یہ نظر اور نا پندگی
کی عدا مت ہیں؟"

"سب کو معلوم ہے یہ۔۔۔ اس نے ایسے کدھے
ایک کدھے جیسے اسے یہ بتا رہی ہو کہ جی جی تمہیں اتنی سی
بت میں معلوم۔۔۔ اسوں۔۔۔ دیکھ تم بہتے سائبر
مانٹر بنے ہو۔"

"سب کون؟"

"مطلب یہ ساری دنیا۔۔۔ سب۔۔۔ اور کون۔۔۔"
ایک دم سے امرہ کے آوازات میں شے اور کوٹ
کا گراں پڑا۔۔۔ پھر اسے بل سے قہر لگایا۔

دلو اسے سانگرہ دوش کر رہے تھے جب وہ یکن
میں سلو حنا کے ساتھ بٹھاتا رہی تھی۔ اس نے
موا کل اسٹینڈ میں موا کل لگا دیا تھا اور کام کرتے
ساتھ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ سلو حنا نے سنا تو
اسے لگے سے لگایا اور ایک ہٹانے کا وعدہ کیا۔۔۔ ویرا
نے فی الحال ایک سرخ رنگ کا رین اس کی کلائی پر
باندھ دیا اور ایک اپنی کلائی میں کہ دونوں کو یاد رہے کہ
ایکے کے گفت لیتا ہے اور دوسرے نے دیتا ہے۔ اس نے
اونے بھی جیسے اپنا عدا متی جب کا وہ نہ تو ڈالو اسے
چلائی گیت گا کر دوش کی ایک نشست کھڑکی کی پھول کی
کی طرح مل مل کر گیت گاتی تھی وہ ان تین خواتین کو
جیران کر رہی تھی۔ لیڈی مر اسے تھوڑی سی ہاتھ
رکھے دیکھتی رہیں۔ جب وہ گا بھی تو لیڈی مر نے پرانہ
سرہا کر لیا۔
"مجھے امید تھی کہ تمہارے اندر بھی کوئی نہ کوئی کا
خود موجود ہے۔۔۔ رات کو مجھے تم چہتر ایسے ہی گیت
سنائے۔"

امرد کے ہاتھ پر کس کے اس لون پھر سے رانی
اس لون بن گئی جو سال میں ایک بار مشکل سے کوئی پھر
خود ہی بدلت کیا کرتی تھی۔ لیڈی مر نے اس کے ہاتھ
کے احترام کا امرہ سے وعدہ کیا۔

اور یونہی میں رنگ بچے پھول لے کلائی اس کا
مختصر تھا۔ وہ اپنی کا سز لے رہی تھی کہ وہ اپنے فوٹو اسٹ
کی حدود سے کٹی رہی تھی کہ اسے بیان ایک دم سے اس
کے آگے آگیا۔۔۔ شاہد کا وہ آگیا تھا۔
"یہ۔۔۔ وقت تمہیں زندہ رکھے۔"
"وقت مجھے زندہ رکھے گا۔۔۔ اور نہ کبھی۔"

"تمہاری سانگرہ ہے تا آنکہ تو تمہیں دعا دے رہا
ہوں جسے وقت زندہ رکھتا ہے اس کی عمر بڑا دل
سلو حنا کی صدیاں ہوتی ہے۔"
"مسکرائے گئے۔۔۔ تمہیں کس نے بتایا؟"

"میں نے خود کو خود ہی بتایا۔۔۔" اسے لگا اس کی
تعریف کی تھی۔
"میری سانگرہ کا کس نے بتایا بالکل۔"

قدرت کو غافل کرنے کے لیے لکھا ہے۔ قدرت کو بھانج کرنے کے لیے لکھا ہے۔

امرد حقیقتاً چپ ہو چکی تھی۔ اس کی ساری زندگی پہلے پھول کو قدرت کی علامت سمجھتے نظر آتی۔ اگر اسے یہ سب نہ بتایا جاتا تو نہ آخر اس نے کب تک یہ بات خود کیوں نہ سہی۔ مگر تو اس کے پاس بھی تھا۔

”سیرا ذاتی خیال ہے کہ پھولوں کے دو ناموں کے کاروباری حسد کا نتیجہ ہے یہ سب۔ ایک نامور کے پہلے پھول ہوں گے اور وہ کاروبار میں بہت ترقی کر رہا ہو گا۔ اس کے پہلے پھول کا بل تیزی سے پھل پھول رہا ہو گا۔ دوسرے کے کسی دوسرے رنگ کے ہونے کے چلے سرخ نکالو۔ اب سرخ پھول کے باغ نے یہ سوچا ہو گا کہ پھول کو کسی ایسے جذبے کے ساتھ جوڑا جائے کہ راتوں رات اس کی باغ میں اضافہ ہو جائے اور اپنے کاروباری حلیف کے پھولوں کو کسی ایسے جذبے سے منسلک کر دیا جائے کہ لوگ اسے لیتا ہی پسند نہ کریں۔ اور پھر اس نے یہ کیا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دیکھو! تم نے کیسے میرے ہاتھ میں میرے پھول واپس کر دیے۔ دہی پھول جو مجھ سے ہٹا کر رہا۔“

امرد نے اس کے ہاتھ سے پھول واپس لے لیے۔ اور تیزی سے بس کی طرف بھاگی۔ جس میں دیکھ کر اسے جانا تھا۔ جانیاں اس سے چند قدم دور تھیں۔

”یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے، عالمیوں؟“ بس کی کڑی سے سرنگل کر اس نے پھولوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”سیرا نے۔“ عالمیوں نے تیز تواڑ میں کہہ بس دھڑکی تھی لیکن وہ اس کی گڑبگڑ کو دیکھتا رہا۔

رات کے اُنز کا ہجوم ٹھیک ٹھاک تھا۔ واوا کو تن لائن دیکھ کر اس نے سلوٹا کا بیجا ایک کٹ لیا تھا۔ لیڈی صرے اسے یونٹور شی کی تصویر دکھا کر اس بجک دیا تھا۔ سلوٹا نے ہلکے سی ہاتھ سے اسے واپس لوٹانے

”تم اجنی سلی ہو امرد۔“ انہیں لوگوں کی باتوں پر دھیان دیتی رہی ہو جو طاقت اور اعتبار کے موہد ہیں جو بیٹہ قدرت کے قوانین میں سمجھتے ہیں اور پورے دل سے ان قوانین میں رد و بدل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک پھول بھی خود نہیں دیکھ سکتے لیکن اسی پھول کو نا پسندیدہ، قتل، طاقت ضرور دیتے ہیں۔ یہ علامت آخر کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ پھول ہے امرد! صرف پھول۔ اگر یہ اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہے تو وہ یہ کہ یہ اپنے وجود میں کامل ہے۔ یہ خود کو خودی عمل کرتا ہے۔ اس کا کھانا ہوا رنگ کھو اکتا کامل ہے۔ یہ اپنے رنگ میں نہ کہیں کہیں نہیں زیادہ۔ ایک جیسا۔ اس کی ہتھکڑیاں کتنی نرم اور ملائم ہیں کتنی جلیب نظر۔ کوئی ملاوٹ نہیں ان میں دنیا کی بہترین ٹیکسٹویر میں بننے والا ریشم بھی اس جتنا ملائم نہیں ہو گا۔ جتنا یہ زمین کے وجود سے نکل کر ہوا ہے۔ دیکھو قدرت کی کلمت۔ دلوں قدرت کو تعریف کر قدرت کی۔ انہم اسے نا پسندیدہ علامتیں دے رہی ہو! تم نے اس کی خوب صورتی پر غور نہیں کیا اور اسے نا پسندیدہ جان لیا۔ سر اٹھا کر آسمان کو دیکھو! ساری دنیا اس آسمان کو کوئی فضل اور بکو اس کی علامت قرار دے دے گی تو تم اسے بھی پرمانے لگو گی۔ مسیح سمندر نیلی جلیپیں مہر و سہرا اڑتے کالہ ہیں۔ اگر انہیں بھی علامتیں دے دی گئیں تو یہ طاقت کرنے لگو گی ان سے۔ انہی حقیقتیں میں پھول کسی سے کم نہیں۔ کائنات کی کسی بھی شے سے۔

یہ اپنے مقام پر اُٹھتا ہے۔ اس کے سرے تاج ہے۔ اس کی تخلیق تک کہ تمہاری تخلیق جیسی ہوتی مقصود پائی گئی ضرور ہے ہی ہو۔ یہ کسی بھی طرح کی نہیں اس میں کوئی کمی نہیں۔ کی ہے تو ان جانوں میں جن میں یہ فخر پیدا ہوا ہے۔ کوئی پھول کوئی رنگ قدرت کی جتنی کوئی چیز قتل طاقت نہیں ہوتی۔ یہ عقلی لوگوں کی باتیں ہیں۔ تم وہ سبق کیوں دیکھ رہی ہو جو دنیا کے مخلوق انہوں لوگوں نے صاحب مافی میں لکھا ہے۔ قدرت کے خلاف جا کر لکھا ہے۔

کا جواب نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ایسا نہیں سمجھتے۔ اس کا جواب اس کی بولی اس کی بولی اور خاندان کے بانی لوگوں کے پاس تھا وہی بتا سکتے تھے کہ قرآن وحدیث میں تو ایسا کچھ نہیں لکھا بلکہ مکمل سے کچھ کچھ کہہ سب کہتے اور کہتے ہیں اور یہ سب کہتے ہوئے کیا وہ بھول جاتے ہیں کہ ایک دن ان کے کے ایک ایک لفظ کا حساب کتاب بھی ہو گا۔ جو کہا ہو گا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ کون سا جواب گز کر دیں گے۔ کیا کہہ کر کم عقل اور انہماں تھے اور ان کے جواب کو درست نہیں مانا جائے گا کہ وہ جو کیا کیا کہتا ہے وہ نہ کم عقل ہو نا ہے نہ ہی انہماں رہتا ہے اگر وہ ٹھیک ٹھیک کہتا ہے تو۔



”ایک مسئلہ ہے کہ اگر ”تقریباً“ یا ”اکثر“ میں قرآن کا ذکر ہو تو ”تقریباً“ یا ”اکثر“ کے معنی اس کا کوئی طلاق نہیں۔ پر سکون رہیں۔ وقت اس قدر کو باطل کر دے گا۔“
وقت نے اس قدر کو باطل کر دیا تھا اور کہو بیش سب نے آنے والوں میں سے اس کے اثرات داخل ہو چکے تھے۔ دیگر ویک کے بعد انہیں گاہے گاہے یہ اصطلاح اپنے سینئر اور پروفیسر سے سننے کو ملی۔ کبھی ”طرا“ اور زیادہ تر ”اقا“۔ پونہ نئی میں سے آنے والے اسٹوڈنٹس کو ماچسٹر میں اور شہر کا جو بخارج صحت ہے اسے فریئر کو کہا جاتا ہے اس طرح کے ساحل فریئر بہت بڑے ہیں۔ ایک دم سے سب جان لینا چاہتے ہیں۔ رات رات بھر جاتے ہیں۔ بہت کھاتے ہیں۔ بلوچ ہی بولی اور شہر میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ ماچسٹر ہائنٹ لائف سے ایسے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسے بڑھنے میں سیاحت کرنے کے گھر سے نکلے ہیں۔

شہر شہر میں جب جہاں جہاں کالینک چکر لگایا کرتی اور بلوچ ہی علقہ قرار ٹینکس میں گھومتی پھرتی تو دائم و فیو کا روپ اسے بہت سنجیدگی سے کہا

ہاتھ سے بنی ایک پھولی سی گڑھا جو اس کی ہل سے اس کے ٹیک میں ایک درجن سے زیادہ رکھ دی تھیں کہ پونہ نئی میں اسے جو جو اچھا لگے انہیں دیتی جاتے ایک اس نے لینڈی امر کوئی۔
امرد نے اس گڑھا کو پونہ نئی ٹیک کی اوپری سطح لگا لیا۔ سب کو معلوم ہونا چاہیے تاکہ اسے کون اسے پسند کرتی ہے۔

اس نے اپنے گھر میں کبھی ساگر نہیں کی تھی۔ کیونکہ اسے اپنے دنیا میں آنے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ بلکہ اسے یہ سوچ کر ہی کوشت ہوتی تھی کہ وہ آج کے دن پیدہ ہوئی تھی۔ ایک ایسی تاریخ جسے داری سال میں کئی ہی بار دہرائی تھیں کہ اس دن یہ ہوئی تو یہ یہ ہوا۔ اس نے سلوٹ کو ایک بار ایسے ہی یہ سب بتایا تو وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

”لیکن تم تو مسلمان ہو امرد اور مسلمانوں میں تو یہ سب باتیں نہیں ہو تھیں۔“
امرد اسے کیا بتاتی کہ اب مسلمانوں میں بھی کیا کیا ہونے لگا ہے۔

”ہمارے محلے میں ایک مسلمان خاندان آباد تھا۔ عید پھولی تھی اسکول میں رسمات تھے اور پونہ نئی سینئر بھی چلاتے تھے ان کی کئی نئی شادی ہوئی تو انہیں نوکری سے نکل دیا ایک پھر اس جیسے ان کے خوشی خوشی میں آگ لگ گئی اور پھر چند ہی دنوں بعد ان کے مکان کی بھت کر گئی۔ سب نے کہا۔ ”بہتر ہے کہ یہ“ لیکن ان کی ماں اور وہ لڑکے سے بڑے رہتے رہتے جو ہو نا ہے اللہ کے رحم سے ہو نا چاہئے۔ وہ تین سال بڑے ان کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہوا کہ لیکن انہوں نے کبھی ایک بار بھی لوگوں کی باتوں پر تکی نہیں دھرے کہ یہ سب ان کی شادی کے بعد ان کی بیوی کے قدموں سے ہوا ہے وہ سب سے کہی کہتے کہ ہمارے مذہب نے ہمیں ایسا کہنے اور سوچنے سے منع کیا ہے۔“

سلوٹ آگن دن کے قریب چلتی آریان کے موزے بن رہی تھی اور بہت مدلل انداز سے اسے سب بتا رہی تھی۔ اس کے پاس سلوٹ کے اس سوال

تھی۔ یعنی اچھی طرح کھم کرنے کے لیے اسے معمول سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت تھی۔

اسا منٹ عمل کرنے اور حق کو ماننے کے اس
 دو لمحے میں اپنی کے ہر اسٹوڈنٹ کو یہ کہہ کر دیا گیا کہ
 اس بے چارے کا کچھ کھو گیا ہے اور وہ پوری جان بگاڑ
 اسے تلاش کر رہا ہے۔ ایک دہائی پھر ان کے سولہ
 لاکھ روپے بھی وقت خرچ ہو گئے۔ ان دنوں اگر کوئی
 فضلہ نہیں لے سکتا تو اس پر جی بھر کر
 رشک آتا کیونکہ وہ قابل لائق خالق اسٹوڈنٹس اپنی
 اس منٹ عمل کر رہا ہوگا۔ اسے کہہ کر یہ عہد کیا جاتا
 کہ اگلے سمسٹر تک ہم جی خود کو اسے حق خالق
 جانیں گے کہ وہ سب سے اچھے اور رشک کیا کریں
 گے۔ اور یہ عہد پورا گئے سمسٹر ہی کے چلتے۔

اس کو ہر حال میں اپنی کارکردگی بخیر کرنی تھی۔
اے دانش لہجہ اور سلیقات میں مہارت کرنا مشکل
نہ تھا بلکہ بہت مشکل۔ لیکن وہ اپنے ہائی کلاس
فیلڈ ورکروں کو تو سمجھ کر ہی بھی تو ترقی سے بڑھ ہی
رہے ہیں نا۔ تو اسے بھی پڑھنا تھا۔ جیسے بھی کر کے
پہچان لے کر اسے ہر حال میں پہلے سسٹر میں بیٹھ ہی
تھے۔ ہوئی میں اس کی پہلی کلاس تھی سرورایت نے
کلاس میں آکر اپنا تعارف کر دیا اور ان سب کے
ساتھ ساتھ سے نئے کارڈ رکھ دیے۔

UOM 'فرسٹ سسٹر' فرسٹ ڈی 'فرسٹ کلاس' کا ریل رنگ کے تھے جس پر پلے رنگ سے لکھا تھا اور کوٹے میں سربراہان کے کوٹھے تھے۔

”اس کو آپ ب اپنا نام اپنا تعارف لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ آپ سو فیصد میں سے کتنے فیصد کو پہنچا کرتے ہیں۔ اسی پہنچ پر اپنا نمونہ بھی لکھیں اور کارڈز بھیج دو ایسے گروہ۔“

سب نے کارڈز کیسے اور پھر ماری ماری سردار ایت
نے کارڈز پر مٹنے شروع کیے۔ جس کا کارڈ پڑھتے اور
کھڑا ہو جاتا اور ہاتھ لگا کر سب کو ہانے لگتا۔

”یہ عمل کس نے کھینچا ہے۔“

امروز نے مگر کتنے عجب کراہیے نظر کلاس پر ڈالی۔

”تمہارا وقت گئے گا جیسے ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یونہی
بھاگی نہیں جا رہی۔ دو سال ہیں تمہارے پاس آرام
سے ایک ایک روپیہ منسٹراؤٹ پیار ٹسٹ گھارنا
لاہوری میونسپلٹی میں ہمارے کچھ لیٹ۔ اپنے اس غلو کو
تمہارا کم کرنے کی کو خوش کرو۔“

[illegible]

جب جیسے اسائنمنٹ ملتی اس کی جان پر بین
 ہائی۔ اسے لگتا اس سے اسائنمنٹ نہیں ہو کی اور
 اسے ہولی سے نکل دیا جائے گا کافی اعلیٰ ایسی تک نکالو
 نہیں گھبراہٹا لیکن اس اسائنمنٹ کے بارے میں سوچتی
 ضرور رہتی تھی۔ ایسے وقت میں چارہائی ایک
 اڈوکلین جالی ہو پڑ کر جالے کے لیے تیار غمزدگی
 پہلا سمسز اپنے اختتام کے قریب تھا۔ ہر ایک
 کے ہاتھ میں کتاب اور دیکھا تو کہ غمزدگی۔ لائبریری
 کی طرف آمد رفت ایسے تھی جیسے وہاں سے نکلے
 اسائنمنٹ مل رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی فکری دیکھتے
 ہی سلا سوال کیا جاگ۔



زبانوں کے ذریعے سے



امروز کی کل تلاش اسے اسے مستحق تھیں۔ چارہ وہ
کام مکمل کر چکی تھی، انہیں یہ کام مکمل ہونے میں
نہیں آیا تھا۔ جو جون ملن کی لوست پر نواز کے
کردار "انجیل" رائل اور شیطان کے تجربے پر
مشتمل تھا، جون ملن کے کرداروں کو بڑھ لینا کسی
معمر کے سے کم نہیں تھا۔ کہاں ان کے تجربے لکھتا
تھے۔ نیچے اچھی طرح اس Epic Poem کی ہی سمجھ
نہیں تھی، وہ اچھی طرح اس پر کام کیے کر سکتی

وہاں اسے دو کوئی استوائت عرب سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"یہ اردو ہو گی سر! " مرد نے کارڈ کی اشارہ کیا۔ سر رابرٹ نے کارڈ کا سرخ اس کی طرف کیا کہ وہ پچکان لے۔

"جی یہ میرا ہی کارڈ ہے۔"

"لیکن مجھے اردو ذہنی نہیں آتی۔" سر رابرٹ نے مسکرا کر زنی سے کہا۔

"آپ نے ہی تو کہا ہے سر! یہ ہمارا پہلا تعارف ہے اور میری بلوری زبان میرا پہلا تعارف ہے۔" اردو۔ "مجھے اردو کا استعمال ہی کرنا چاہیے تھا۔ سر!؟"

سر رابرٹ متاثر نظر آنے لگا۔

"یہ کارڈ یہاں آکر پڑھ کر سنائیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں میں قرعہ اور انٹلین جانتا ہوں۔ اردو نہیں!

وہ سر رابرٹ سے تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے قوی لباس شلوار قمیض میں لبوس مچی۔ وہ اور اپنا کسٹلی لڑکیوں کے کارڈ اور سر رابرٹ پڑھ چکے تھے اور انہوں نے انگلیوں میں ہی کارڈ دیکھے تھے۔ وہ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اپنی نئی کلاسز میں وہ اپنا تعارف پہلے اردو میں کر دے گی پھر ترجمہ کر کے انہیں انگلیوں میں اپنے گے کا مطلب بتائے گی۔ وہ ارادے سے بار بار یہی کہا تھا کہ زندگی میں سب کرنا ہے لیکن اپنی زبان کو وہ سرے فہرہ لائے گی کسائی نہ کرنا۔ وہ کارڈ پڑھنے لگی۔

"میں اردو بولتا ہوں۔ میرا ملک پاکستان ہے، جس کے تاریخی شہر لاہور کی مٹی پر بنائی ہوئی مجھے آٹھ سو سالوں کی پاکستان استوائت سوسائٹی نے لے لیا۔ کار شپ سے کریم تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہوا ہے۔ آٹھ سو سالوں کی میری پہلی غیر ملکی درس گاہ ہے میں نے یہاں آکر پڑھنے کے بارے میں کچھ نہیں سوجھا تھا۔ میری پہلی کلاس دو گروپک تھی۔ پہلے مجھے یہ سکھایا گیا کہ مجھے اپنے کلم خود کرتے ہیں۔ "پڑھ کر دیکھو مسکراتے ہوئے۔"

"زیر! آپ نے خود کو کتنے فیصد کا فہم کیا ہے؟"

"میرے نئی فائو کا سر۔"

جتنے بھی کارڈز میں نے اب تک پڑھے ہیں۔ انہوں نے خود کو سو فیصد کا دیا ہے۔ "آپ نے خود کو سید نئی فائو کا کیوں دیا ہے؟"

"یہ سب بہت ذہین ہوں گے۔ مجھے ذہین ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔" اس نے بیٹی معصومیت سے کہا اور ساری کلاس ہل کھل کر اس کی معصومیت پر ہنسی۔

"آپ ذہین ہونے میں بہت وقت کیوں لے رہی ہیں؟" سر رابرٹ نے اپنی بیٹی کو پچھانے میں سے پوچھا۔ "میری بے وقوفی جانے میں وقت کتنے رہی ہے سر۔"

اس بار کلاس کے قہقہے ظک خف تھے۔ "مجھے لگتا ہے آپ مجھے بہت جگ کرنے والی ہیں۔ مجھے ہر سیشن میں ہی کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ملتا ہے۔"

"تو کیا سر!"

"میں کی بے وقوفی جانے میں وقت لیتی ہے۔" ہنسی کے فواصلہ کا ایک اور ہم پھولنا۔ وہ اپنی بیٹہ آکر بیٹھ گئی۔

"آپ نے اپنا مولو نہیں پتایا۔"

وہ اپنی بیٹہ پر کھڑی ہو گئی۔ اس کا احمقہ بوجھتا ہوا جادو تھا۔ "پاکستان کے بانی تھے ہیں کلم۔ کلم۔ میرا بھی یہی مولو ہے سر۔" نظروں لگے کیا انداز تھا مرد کا۔

"آپ کسی اور کام مولو اپنا رہی ہیں۔ آپ کو اپنی سوچ کو اجاگر کرنا چاہیے کی آپ کو یہاں سکھایا جائے گا۔"

"سر! میں نے خود سے زبان محل مند شخص کا مولو اپنا لیا ہے۔ کلم عمل کر کے میں وہ سب کچھ جانتی لی جو مجھے یہاں سکھایا جائے گا۔"

"آپ کا پہلا تعارف مجھے اچھا لگا۔" سر رابرٹ کے اس جملے کو سن کر اسے ایسا لگا جیسے اس نے کوئی بیٹی ہم سر کر لی ہو۔ ٹھیک ہے اسے

میں آتے اور وہ اندھ کر بیٹھ جاتی لیپ ٹاپ پر اپنی
اسائنمنٹ چیک کرتی۔ کیا اس نے خواب میں کئے
ہوئے اگر آپ کو اسائنمنٹ میں شامل کیا ہے۔ اگر کیا
ہے تو ٹھیک کیا ہے۔ اگر نہیں کیا تو کیا کرے کیا نہ۔

وہ اپنے پیپر پر کام کرتے کرتے سو جاتی۔ آنکھ کھلتی تو
کچن میں جا کر کھانسی پھانسی مگر نیند آئے اور پھر سے آ
کر کام کرتے تھی۔

جس رات اس نے سارا کام بمشکل مکمل کیا اس
سے اگلے دن اسائنمنٹ جمع کروانے کا آخری دن تھا۔
دوسرا اپنی اسائنمنٹ جملے ہی جمع کروا چکی تھی اس لیے
آج پڑی سو رہی تھی۔ اسے سو رہے ہی جانا تھا۔
نیند سے بوجھ اپنی آنکھوں کو کھولنے وہ بس سے
پوئی کے لیے کھڑی ہوئی۔ کچن میں بیٹھی اوجھٹے ہوئی اور ایک
اسٹاپ کے بل لی۔ لیپ ٹاپ پر کچھ جھانکے وہ پوئی
تھی۔ جھانکے ہوئے پوئی پاکی اور فائل جمع کروانے
کے لیے ڈسکوائنٹ کی طرف دوڑی۔ ہر ایک کو جلدی
تھی کہ اس کی اسائنمنٹ جمع ہو جائے ایک دم سے وہ
جھکی کی تھلی پر لی۔ اس کی فائل کھلی تھی وہ وہ گھر
سے لے کر نکلی تھی۔ وہ اتنی افزائش میں تھی کہ اس
نے اپنے بل بھی ٹھیک سے پرش نہیں کیے تھے لیکن
اسے یاد تھا کہ وہ سوئی فائل کو گھر سے لے کر نکلی تھی۔
پوری پوئی اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑے تھی۔
وہ کئی راتوں سے نہیں سوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے
گہرے پٹے بن چکے تھے۔ سر میں ہلکا سا درد رہنے لگا
تھا اور آنکھوں کی پلپٹیں کسی ایک چیز کو ذرا سی دھم
دکھتے رہنے کے بعد کھٹے کھٹے تھیں۔ اس کا مدد
بازو سا ہو گیا۔ وہ جھکی کھڑی تھی وہیں سے اس نے
دور دور تک نظریں دوڑائیں۔ فائل کیس میں
تھی۔ آنکھوں کو سنبھال کر کھڑے ہو ایک جگہ بیٹھ گئی
اور سوچنے لگی کہ فائل کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کبھی کبھی
سنا دیتا کہ فون کیا اس نے اس کا کمرہ۔ پورا گھر
دیکھ لیا لیکن فائل نہیں ملی۔ تھی کہ وہ گھر سے بس
اسٹاپ کے راستے تک بھی نہ گئی تھی۔

دوسرے کی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں تھی وہ اپنی صحت کو
قلم میں کر سکتی تھی۔ سر رابرٹ نے اس کی تعریف
کی۔ اسے بہت اچھا لگا کہ اسے سنا گیا ہے۔ تو کام نہیں
مکمل اگر بھی وہ دہائی میں اسی جہاں جاتی تو سر رابرٹ
بہت معذرت خواہانہ عرض کرتے۔

”امجد! کیا آپ اپنی بات کو انگشت میں دہراؤں گی؟“

امجد سر رابرٹ کی اسی خوبی کی بہت قدر کرتی تھی
کہ اگر وہ اپنی زبان کی عزت کرتے ہیں تو اس کی زبان
کی بھی کرتے ہیں۔ دنیا میں وہ قومیں بے مثال ترقی
ماصل کرتی ہیں جو اپنی قومی زبان کا دامن ہاتھ سے
چھوٹے نہیں دیتیں۔ پھر وہ عرش ہو یا فرش ہر جگہ ان
کے کام کے جھنڈے کھڑے ہوتے ہیں۔

سر رابرٹ نے وہ سب کارڈ سنبھال کر اپنے پاس
محفوظ کر لیے تھے۔ ان کا کام تھا کہ وہ اپنے ہر نئے
اسٹوڈنٹ کو ایسے کارڈ کی شکل میں اپنے پاس سنبھال کر
رکھ لیتے ہیں اور سب وہ ڈیڑھے ہو کر رہتا تھا وہ جامیں
کے تو وہ ان کارڈ کو شکل شکل کر اپنے ہر اسٹوڈنٹ کو یاد
کرا کر رہے۔

اپنی ہی بات سن کر امجد کی آنکھیں غم سے
گھٹی۔ اس نے ہنسنے ہنسنے سر رابرٹ کو جو بمشکل
پینتیس سال کے تھے تھے پورا دھاوتے اور پوئی سے
رہتا ہوتا ہے۔ دیکھ لیا اور اپنی ڈگری کو ہاتھ میں لیے ٹوڈ
کو پوئی سے رخصت ہوئے تھی۔

حرف۔ کتنے فضیلتی لوگ ہیں نا ہم۔ ہیں لیکن
کچھ بھی ہے بہت اچھے لوگ ہیں ہم۔ سو اور
فوس نہیں ہیں نرم اور پورے خوش ہیں۔

پہلی کلاس کے پہلے وعدے کو امجد کو ہر صورت
پورا کرنا تھا وہ خود کو پختہ پختہ کا پختہ سے بچی تھی اسے
ہر حال میں اس پختہ میں کامیاب ہو جانا تھا۔ ہر حال میں
پھر طالب اسے لگا تھا وہ ایک دو دانشمن تھی تھی ہے
ہر وقت اس کے مدد میں مار کو اور جلیسن کھڑے
رہتے۔

گھر میں کے بڑے بڑے ہوئے اگر آپ اس کے خوابوں

یونہی مٹی کے پتلے ہو۔ جگر ویک پر واقع اس کو کسی الفاظ میں دیکھ گیا تھا۔ دائم کا بیچر من کر اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مثالی کامیابی حاصل کرے گی لیکن وہ کیا کر رہی تھی۔ اس نے مثالی محنت نہیں کی تھی۔ اس نے کافی کام ملا ہوا کیا تھا اسے اپنے کسی پر فخر آ رہا تھا۔ اس کی بری باتیں اب تک اس کے ساتھ تھیں۔

”تم مصلحتی مصلحتی ہیں، ایسے دوست کیوں ہو؟“
”یہ مصلحتی بات ہے، تم اس نے دوستی دوستی لگائی آٹھوں کو کرنا۔“

”یونہی مٹی میں نہیں مصلحتی ہو جاتی؟“
اس نے اسی میں سہلکائی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس لیے وہ کم سے کم بولنا چاہتی تھی۔ علیاں اسے ڈیڑھ منٹ سے باہر لے گیا اور ہنرے پر لے کر بیٹھ گیا۔

”تصاری فائل مٹی جانے کی امرت! پر مجھے تھوڑے دنوں پر دھو دیا ہے۔ تم اتنی کم ہمت ہو؟“

”ہاں میں بہت کم ہمت ہوں۔ میرے تم کو گول جیسے مضبوط اعصاب نہیں ہیں۔“

”اور تمہیں فقر بھی ہے کہ تم ایسی ہو۔ میں یونہی مٹی آٹھس چاہا ہوں تم نہیں بیٹھو۔ اگر کسی اسٹوڈنٹ کو وہ فائل ملی ہوگی تو اس نے آٹھس میں جمع کر دینی ہوگی۔“

”کوئی اسٹوڈنٹ میرے ساتھ ایسی مٹی کیوں کرے گا بھلا؟“

”کیونکہ وہ فائل اس کے کسی کلاس کی نہیں ہوگی اور اس کی قبر سے کوئی ڈالنی دھنسی نہیں ہوگی۔“ ہنرے کر علیاں چلا گیا۔

اسے چین تھا کہ فائل اس میں رہ گئی ہے اور بھلا ٹرانسپورٹ میں رہ جانے والی چیز ہے بھی، کبھی کوئی چس۔ اس نے دھواں دھار کو آواز کیے بغیر دل لگا کر دنا شروع کر دیا۔

علیاں وہ ایس آپ کا تھا اور اس کے سر پر کھڑا خاموشی

فیلپ آٹھس کی آٹھوں سے کرتے تھے۔ اسے کھنے لگا کہ اس کی تعلیم پر اس کی اپنی نوبت کا سلیب پڑا ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے دیکھو سی ہو گئی۔ آٹھوں کے آگے اس نے ہاتھ رکھا لیا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ بہت دنوں بعد اس کا دواؤں مارنے کو مٹی چلا رہا تھا۔ اگر وہ ساتھ ساتھ چلتی کر رہی ہوتی تو اب تک اسائنمنٹ مکمل کر کے دے چکی ہوتی۔ زندگی اتنی مشکل ہو گئی تھی کہ اسے ٹھیک سے کھانا کھانے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ اسے ایسی زندگی کی عادت نہیں تھی۔ اس کے بھی وہ ڈاؤن نہیں رکھا پڑی تھی اور وہ سرے اس میں ایک ہی عادت تھی کہ وہ کام کو لگے دن پر پانچویں رہتی تھی۔ وہ چند مہینے اسائنمنٹ پر کام کرتی اور یہ سوچ کر کہ فیلڈ لائن کے ختم ہونے میں ابھی دن ہیں، مگھے دن پر کام چھوڑ دیتی۔ کرتے کرتے وہ فیلڈ لائن کے آخری مہینوں تک آ جاتی۔

وہ اپنی سستی کو لے کر دینے لگی کہ اگر وہ بھی پانی سب کی طرح دن رات ایک کر کے کسی بھی طرح سے تم کو دن دن پہلے اپنی اسائنمنٹ جمع کر دیتی تو اگر اتنی میں یہ سب نہ ہو تو کچھ اٹھ کر اس نے اس راستے کو بھی دیکھ لیا تھا جس پر سے چل کر وہ لگتی تھی۔ اپنے آٹھوں کو صاف کر کے علیاں کے ڈیڑھ منٹ کرتی۔

”کیا ہو امرت؟“ اس کی شکل دیکھتے ہی وہ حیران سا ہو گیا۔

”میری اسائنمنٹ نہیں مل رہی شاید میں بس میں بھول گئی ہوں۔“
”تم دوستی رہی ہو؟“

اس کے پھر سے آٹھوں لگے آئے ”میں ٹل ہو جاؤں گی بلکہ میں ٹل ہو رہا نہیں چاہتی علیاں۔“
وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ”کس نے کہا تم ٹل ہو جاؤ گی۔“

وہ آٹھوں کے ریلے کو اپنی آٹھوں کے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے کیا بتاتی کہ

سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 "میں نرا سپورٹ آفس جا رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہاں سے ضرور تمہاری قاش مل جائے گی۔"
 امجد نے علیا کو ایسے دیکھا جیسے کہ وہی ہو پاگل ہوتا تھا۔

"اگر تم بس میں ہی بھولی ہو ضرور مل جائے گی۔ میرا یقین کرو۔"

"وہ کیوں میری فائل منہل کر رہی ہے؟"
 "یہ یونورٹنی بس ہے امجد! اور یہ شہر پانچ سو چھیونور ٹنی رکھتا ہے۔ اکثر اسٹوڈنٹس تمہاری طرح جانی بہت سی چیزیں سب روز "زام اور ہسول" میں بھول جاتے ہیں۔ کچھ "ریسٹورنٹ" اور سینما میں بھی۔ ان کی چیزیں ان تنگ پہنچ جاتی ہیں اکثر۔"
 "میں نہیں جانتی کہ ایسا ہو گا۔"

"ہاں! ایسا ہی نہیں ہوتا جب ہم ان چیزوں کو وضو کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کم ہو جانے والی چیزیں پیش نہیں رہتی ہیں جب تنگ نہیں وضو کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ براست مثنوی تمہارا کھڑکی نہیں ہے جہاں تم بکھو بس میں بھول جاتے تو وہ تمہیں واپس نہ ملے۔"

"تمہیں اسے غفرے میرے ملک کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔" امجد نے فائل کے کم ہو جانے کا غصہ اس پر اتار دیا۔
 "میں نے غفرے ذکر نہیں کیا۔ میں حقیقت بتا رہا ہوں۔"

"مجھے نہیں جانتی کہلی حقیقت؟"
 "جو لوگ سچ حقیقتیں جاننے کی کوشش نہیں کرتے وہ نہیں بدلنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔"
 "ٹھیک ہے۔ ساری اہلیت تم لوگوں کے پاس ہی ہے۔ ہم سب ناگوار ہی ہیں۔ رہتے ہو ہمیں ناگوار ہی۔"

"میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ تم ایسے ناراض ہو۔"
 "تم ایسی باتیں بھی نہیں کر رہے کہ میں خوش

ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔
 وہ دائم کے پاس جا رہی تھی۔
 "میں کوٹے کھٹے میں آتا ہوں امجد! علیا نے مجھے سے تو اڑی۔"

وہ دائم کے پاس تھا۔ اس نے اسے نرا سپورٹ کے آفس جانے کے لیے کہا۔ ظاہر ہے۔ دائم تو جانے سے رہا۔ اسے ہی جانا تھا اس میں تو اتنی بہت نہیں تھی کہ یونورٹنی کے مین کینٹ تک پہنچ جائے۔

مگر نرا سپورٹ کے آفس سے بھی نہ ملی۔ وہ اس خیال کو سوچ سوچ کر بھول رہی تھی کیوں اپنی جگہ سے مل نہیں رہی تھی۔

تو وہ پھر خود وہ مین کینٹ سے بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی تو اسے علیا کی آواز سنائی دی۔ وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ تیزی سے سامنے چلا آ

اس کے پاس آ رہا تھا۔ اس کی طرح اسے باپ رہا تھا۔
 "تو مل گئی۔ اس نے فائل اس کے آگے کی۔
 فائل کو ہاتھ میں لے کر بھی امجد کو جیسے یقین نہیں کیا۔

"کیوں نہ ملی؟"
 "نرا سپورٹ کے آفس سے۔ اگلی بار فائل پر اپنا نام 'فون' نمبر اور ایڈریس ضرور لکھا۔ اگر تم نے پہلے سے ہی لکھا ہوتا تو تمہیں اب تنگ ہی مل چکی ہوتی۔" تیز سائیکل چلانے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

امجد اسے دیکھنے لگی۔ دائم کی طرح اس نے اسے نہیں کہا تھا کہ وہ جانے لور اپنا نام خود کرے۔ وہ گیا اور اس نے اس کا نام کر دیا۔

اس کا شہرے لوہا کر کے وہ فائل جمع کروانے چلی گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا انداز ٹھیک نہیں تھا علیا ان بات کرنے لگی۔

جب ہم بارے ہوئے تو بھی باہم بس ہوتے ہیں تو ہم اچھے بد مزاج کیوں ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سارا اخلاق کیل رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم دوتے ہیں تو ہم اپنی سب ہشتے ہوئی کو رونا لٹا کیوں چاہتے ہیں۔

دیکھا۔ ”بھئی بھئی تم حد سے زیادہ بے وقوفی کر چالی ہو۔“

”میں حد سے زیادہ بے وقوف ہوں۔“
”یہ کوئی جملہ خیرات نہیں ہے۔“ میں اور بیٹا دونوں ایک سی بات کرتے تھے۔
”جانتی ہوں۔“

”میں آئی۔“ دروازے نفست گلوں میں اتر چلا کر کلب دراصل ٹوک دوں گا کہ کلب اس نے مجھے گلابی رنگ کی فرائگ پٹنی تھی۔ اپنے لیے ہاتھوں کو نعل کی صورت پاتر حاتھوں کا میک اپ کیا تھا اور خود کو لور پیار لیا تھا۔
”اسے کسی کلب نہ لے جاؤ۔“ بیڈی مرنے لگی۔

”کے۔“
”علوم ہے مجھے دیکھے بھی یہ کلب میٹرل نہیں ہے۔“
”یہ تو بھی نہیں ہو۔“

”سب ہی جانتے ہیں۔ ایک یہ امر دی نہیں جاتی۔“ در اس کی قدر تھی۔
”جائے کی بھی نہیں۔ اس کے باپ‘ دلاوی روایات نہیں میں ہیں۔“

”تو برقی کیا ہے اس میں۔؟“
”مجھے اس بحث میں نہیں پڑنا پڑا۔ تم جادو‘ ظلم دیکھو اور گھرواؤں کو۔“

اب دیر لگا ہی پہلے سے اراد تھا یا وہ صرف شرارت کر رہی تھی۔ وہ اسے کلب لے آئی۔ اس نے نئی سینٹر میں واقع دی پرٹ ورک کو کی بار بار سے دیکھا تھا۔ لیکن ابھی اندر نہیں گئی تھی۔ پختہ نئی کے اسٹوڈنٹس کی پینڈیہ جگہوں میں سے ایک جگہ تھی۔ یہاں مختلف کیفے‘ بار‘ کلب‘ ریستورانٹ‘ جم اور اپنی طرز میں یگا ایک سینما موجود تھا۔ دیر اسی سینما میں اسے ہم دکھانے لاری تھی۔ دی پرٹ ورک ایک چھوٹا سا فیمس شہر لگتا۔ رنگ‘ رنگ‘ چمک چمک لور مختلف ٹکڑوں کے انروڈی جیڑے سہانہ نور۔ ہم سے ہے نذر۔ کامور کا کہو۔

اساتسٹس جمع کروانے کے بعد امر دھلیان کو اصرار تھی رہی لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ وہ چاہتا تھا اس کا نام ہو گیا تو اسے اپنے دھلیے پر افسوس ہوا۔ اس کی فاکس نہ ملتی تو وہ ایسے ہی بد اخلاقی کا مظاہر کر رہی تھی؟
”یہ کمزور اعصاب کے مالک ہونے کی نشانی ہے۔“
”اور شاید یہ کوئی اچھی نشانی نہیں ہے۔“



”دھلیان سے طاقت ہوتی ہے تمہاری؟“ بیڈی مر رہی تھی۔ وہ سب آتش دہان کے پاس بیٹھے تھے۔ دیر اسے اپنے ساتھ دی پرٹ ورک لے کر جاری تھی۔ وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ دیر تو تیار ہو رہی تھی۔

”کئی ہوتی ہے۔“
”دوست ہے تمہارا۔ سب سے اچھا دوست۔“
”میرا بیٹا پچھلا دوست تھا ہے۔“
”نیک نہیں۔“

”وہ تو کمزور تھا تم اس کی دوست ہو۔“
”اچھا دوست۔“
”امرد سوچتے گئی کہ کیا وہ اس کا سب سے اچھا دوست ہے۔“

”تمہارے ہا کیسے ہیں؟“ ان کی شب چٹ ہو گئی۔

”نیک۔“ وہ جلد ہی آپ کا فرض دہاؤں۔
”بد محو ہو۔“ فرس کی بات کوں کر رہا ہے۔ جنہیں گناہ میں سے اس کے قصہ سے ہلا کا تم سے پوچھا ہے۔ مجھے لگتا ہے مجھے خاموش ہو جانا چاہیے۔
”امرد شرمندہ ہی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ جیسے تبدیل کر کے انہوں نے چلتی چلتی کی مدد کی گئی اور ایسے دیکھنے لگیں جیسے اسکول سے پھرتی نہ کروانے جاتے۔ بچہ خفا ہو کر الدین کو دیکھتے ہیں۔“

”آکر آپ ایسے ہی خفا ہیں تو میں دیر کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“
”انہوں نے بھولے منہ سے اسے باراضی سے

اندھ جاتے تو لگتا ہوا کہ کوئی اور دنیا ہے ہی نہیں۔
 باہر آتے تو لگتا ہوا تو ساری اندھ تھی۔ پہلے دیر اسے
 لے کر گھومتی رہی۔

”یہ جو دھ گورے سامنے کھڑے ہیں انہیں دیکھ کر تھو
 کس قومیت کے ہیں پتہ پورے دھ گورے چنے لوگوں
 کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا اپنی میں بھی اکثر
 پوچھتی رہتی تھی۔
 ”دونوں انگریز ہیں۔“ اس بار اسے یقین تھا اس کا
 جواب ٹھیک ہو گا۔

دیر نے قہقہہ لگایا۔ ”دونوں انگریز کیسے ہوئے؟“
 ”کیونکہ دونوں گورے ہیں اور۔“ وہ ایک اور دھ
 وضاحتی رہی تھی کہ دیر اکا ایک اور ہلکا ہلکا قہقہہ
 جھلک کرئی کڑھکی کی شان میں۔
 ”ایک امریکی ہے اور دھ سرائی کرش۔ تم بھرے لٹلا
 ہو۔“

”تمہیں کیسے پتا؟“
 ”تجہ چل جاتا ہے۔ تمہیں لگتا تو معلوم ہے تا
 کرش کسے کہتے ہیں؟“

امرد نے ہل میں سر ہلکا دیا ”جنگ تو نہیں جانتی
 تھی۔ وہ اسے کہتا تھا کہ اس کے پہلوں میں گورے
 رنگ والوں کو انگریز ہی جانتا اور کہا جاتا ہے اب کھلے
 سے وہ کینڈا اکا ہوا فراں کس کا ٹیٹھ میں مدد کو ہے
 اندھ تو ہونا تھا کہ وہاں قومیت کا تو صلہ دے کر کافی
 بات کی جاتی ہے۔ لکھ بات ہی قومیت سے شروع کی
 جاتی ہے۔“

”میں امریکی کا کافی کھنے۔“
 ”میں امریکی کی تھو لٹا شاپ۔“
 ”میں امریکی جرمین سر کا پیکر۔“

اسے کوفت ہوتی تھی جب اس شخص کا ہم اندھ
 میں اپنا جاندار قومیت پہلے دیر اپنے کاس فیلڈ کا
 ذکر کرتا تو ان کی قومیت سے شروع کرتی اور جب اسے
 دیر کو کوئی بات جانی ہوتی تو وہ کہتی۔
 ”میں جس کے کپے لے رہی ہیں۔ چار سالہ سالہ۔
 جس کی کمری سبز انہیں ہیں۔ مشکل سامان ہے۔“

قہقہے ہی لپکا ہفت کا ہے ہاتھ کی پہلی ہاتا
 ہے۔“

قوان سارے معلومات میں دیر اس کی ایک ابھی
 استاد تھی اور وہ خود بھی دیر اسے سن کر ہی رہتی تھی۔
 چلتے چلتے دیر ایک کھینے کے سامنے رکنے ایک
 بڑے سے گارڈن کے پاس کھڑی ہو گئی تھو زبان باہر
 نکال کر آئے جانے والوں کو چار اہل اس جن میں جیسی
 ہی دیر اسی زبان نکال کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔
 ”ٹھیک ہی امرج۔“ ”اچھا اچھا۔“

امرد نے بے طعنہ اپنے اس کی تصویر میں ہاتھوں
 پھر دیر نے ٹھیک دیکھے ہی امرد کو کھڑے ہونے کے
 لیے کہا۔

امرد نے خود کو دیر اسے بہت جانا چاہا لیکن اس
 نے اسے اس جن کے ساتھ کھڑا کر دیا تو زبان باہر
 نکالنے کو مانگا یہاں انہیں سب کرتے کوئی نہیں دیکھ
 رہا تھا لیکن امرد کو لگتا تھا سب اسے ہی دیکھ رہے
 ہیں۔ سب اپنے آپ میں کمن تھے تو کھینے کا دھن تھا
 جن میں تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک سرسری نظر اٹھالے تھے۔
 اسی جن کے پاس کھڑے ہو کر دیر نے دھ انہیں کو
 زبان کے نیچے دے کر رکھی جھکی سر سے اوپر ہاتھ لے
 جا کر تھو جھکی اور بائیں ہاتھ کو ہونٹوں کے کنارے رکھ
 کر کہہ دیا۔ ”کی دیر ہاس جیسی تو از بڑے شوق
 اور خاص جنگلی انداز سے نکلی۔“

”یہ کیا کر رہی ہو؟“
 ”یہ بہت دور تک میں آنے کا اعلان ہے۔ میں
 پہلوں ایسے ہی اتھری رہتی ہوں۔“ وہ ایسے اتھری دے
 کھتی تھی دیر اچھی ٹھ۔
 ”تم جنگلی ہو۔“

”بھئی کسی مدد کی کو جنگلی نہ کہتے ہم تو مدد زندگی
 سے تھے زندگی کی کرکٹ میں زندگی کا سورج ہم
 میں سے ہو کر رنگوں کو رنگ دیکھتا ہے ہم موت
 ہی برف میں دفن سر سبز جا بگاڑوں کے قہقہے لگاتے
 ہیں۔ یہ صرف ہم ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جنگلی کیسے
 ہو گئے۔“

”ہم ہونے پر ہونے والی سے مجھے زندہ دل کے کر شل ہیں۔“
 امرد نے ذرا بے اس قوت بخش جیسے گود ہرایا اور وہ کھل کر مسکراتے گئی۔

درا کی باتیں انکی ہی ہوتی تھیں۔ ان میں سے اس میں کتنی جھگڑی تھی نہ ہی باقی۔ وہ کچھ اس انداز سے چلتی پھرتی مسکراتی اور باتیں کرتی تھی جیسے دنیا اس کے استقبال کے لیے تیار کھڑی ہے اور اگر یہ دنیا اسے خوش آمدید کہنے پر تیار نہیں ہے تو وہ سرحال اس کی ہوا کرے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انگ دنیا تخلیق کرنے کا وصف جانتی تھی۔

پرنٹ ورک کا ایک رولڈ لپٹنے کے بعد وہ اسے ہارٹ راک کیفے لے گئی۔ جس کی بیرونی دیوار کے باہر ایک بڑا سا انٹر کاسٹرو سفید روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ”کیفے ہے؟“

وہ اگر پوچھ گئی۔ ”ہاں کیفے بھی ہے اندر۔ اور بھی بہت کچھ ہے۔ تم کیلے بھی ہارٹ راک نہیں گئیں۔“
 ”میں اس کا ٹیم پہلی بار ہی دیکھی ہوں۔“

”تمہارے ملک میں نہیں ہے یہ۔“
 ”یہ کیا ہر ملک میں ہے۔“

”دنیا کا کون سا ایسا بد نصیب ملک ہو گا جو ہارٹ راک سے غروم ہو گا۔“

”ہے کیا اس میں؟“
 ”آجہ اندر۔“

درا اندر پر چلتا ہوا ایک کھڑے تھے۔ کچھ پرانے فیشن کے کٹڑے ہائے پہنے تھے۔ کچھ کچھ اور بھی تھے۔ کیفے کی سجاوٹ دیکھنے لائی گئی۔ اندر چلتے ہی اسے کئی چائے پچانے اور خوردنی کے چرے نظر آئے۔ پھر اسے اپنی بیوی کے اسٹوڈنٹس کا جھوم نظر آیا۔ ان سارے کیلینڈر اور پارٹس اسٹوڈنٹس کو رعایتی قیمت پر دے رہی تھیں اور کھانے بیٹھے ہیں۔

وہ اسے ہارٹینڈر کے پاس بخاک ضروری کام کا کہہ کر بل گئی۔ جاتے جاتے وہ اس کے لیے ایک۔ سوٹ ڈرنک کا آرڈر دے گئی تھی۔ ہارٹینڈر نے اسے

ڈرنک دے دی اور کاک ٹیل بناتے لگے۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر کینیوں سے اوپر تک ٹینو کھدے تھے۔ دائیں ہاتھ پر کتنی جھاڑیوں میں سے ایک خوشخوار بھیلیا دانت ٹکڑے آٹھویں چمکے۔ ٹکڑے پر حسرت لگانے کی تیاری کر رہا تھا اور دائیں ہاتھ پر وہی بھیلیا اپنے ٹکڑے کی گردن پر دے رہا تھا۔

”اس کا ٹکڑا ایک انسانی کھوپڑی تھا۔“
 امرد نے کراہت سے اپنی نظریں پھیر لی۔ کاک ٹیل بناتے اس نے ترنگھی نظریں سے امرد کو دیکھا اور ذرا بے ہوش لگا۔

”تمہیں یہ پینڈ کیا؟“ اس نے بھلے کی طرف اشارہ کیا۔

امرد نے منہ چھپا کر ”بالکل نہیں“ ذرا ہلکے سے اتنی جگہ گولی کی شکل سے توقع میں تھی۔ اس نے خود کو کام میں مصروف کرنا چاہا اور ذرا بے ہوش لگا۔

ٹھیک دس منٹ بعد ڈی ہے نے فیل ولیم میں ایک بے کی۔ پہلے صرف ہکا بھکا میوزک بج رہا تھا۔ باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ ہارٹ راک کے کونے کھدوں میں سے ہوا نکلتا تھا جو ڈی ہے کے آگے جمع ہونے لگا۔ ڈسکو لائٹس جیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ امرد گھبرا گئی۔ اس نے آسمان دیکھا۔ وہ انداز کر سکتی تھی کہ اصل میں یہ کون سی جگہ ہے۔ یہ بیڑیاں اتر کر اور وہ تین رولڈا دیوال پارک کے یہاں تک آئی تھی۔

وہ جلدی سے اٹھی اور اپنی دانت میں رولڈا دیوال پارک کے بیڑیاں اتر کر پارک سے باہر آ گئی۔ لیکن وہ دراصل ہارٹ راک کے ہی ایک دوسرے حصے میں آ گئی تھی جہاں جوا کھیلنا چاہتا تھا اور جہاں جوا کھیلنے والے بیڑیاں جیزی میں رہتی تھیں۔ وہ اور حواس باختہ ہی ہو گئی۔ وہاں کو اگر یہ سب معلوم ہو جائے تو اسے لینے خود بخود آجائیں۔ وہ وہاں اس جگہ آئی جہاں وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

علاقہ کوئی جگہ نہیں تھی۔ بدو کے بچے تھے جو دم گھومتے رہتے تھے۔

دروازہ دھڑ سے بند ہوا۔ پھر فوری لاک ہوا اور چاکر اس نے جو اسے باہر کاراستہ کھانے لایا تھا کھلا۔ "محب یہاں کئی بجیلے آئیں گے تمہاری گھنٹہ دہچے۔"

دروازہ ڈی ہے نے انسانی طور ساختہ بچوں کے ساتھ ایک سو سرے میوزک کو مل کر کے چلایا۔ فل ایوم سے۔ ہارت راگ کھیلے کا کلب پار اپنے عروج پر آگیا۔ امرد کی چیخ اس عروج میں دہچتی تھی۔

اگر کوئی اس وقت اس کی شکل دیکھتا تو چل جاتا کہ موت سے بھی زیادہ وحشت ناک اگر کوئی چیز گھنٹہ وہ اس وقت اس کی شکل دیکھنے کے خوف کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔ ایسا جیسے کارڈ اس کی آنکھوں میں گھس جاتا تھا۔ اسے نظر تھا کہ ہو گیا تیز پٹی کی تواز اس کے دو بچوں کھانے سے کھانے اندر تھیں کہ وہ ناک انداز سے گھنٹے کی سلاہیل کی قتل ہو گئی۔

جس گھنڈی کو پار نینڈر کے باندھ بنے بھیلے نے منہ میں دوچ رکھا تھا۔ وہی گھنڈی بن گئی۔ صوفہ کھار کی تھی۔ کھار ہو چکی۔

اس نے سر کو جھکا دیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ دماغ سوچ نہیں رہا تھا۔ اس نے سر کو مسلسل دو تین جھٹکے دیے۔ اسے دھندلا دھندلا نظر آنے لگا تھا۔ سر کو جھٹکے دینے سے اس کے سر میں نہیں سی اٹھی اور وہ بدو اور کاسہرا لے کر بیٹھے تو کھڑکی ہوئی ہو گئیں کے ڈیجر پر جھگ گئی۔ گھنٹہ میں بھی وہ پیسے سے بھیک چکی تھی۔ اتنی سی دیر میں تھی۔

اس کا ہاتھ اس پر یکم لگا۔ اس کا ایک اس کے ساتھ تھا۔ اس کے پاس فون تھا۔ اس نے کا پتے ہاتھوں سے فون نکالا۔

وہ دیر کو فون کرنے لگی۔ قتل جاری تھی۔ قتل جاری رہی۔ لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس نے مسج بھیجی کی کو کھش کی۔ لیکن اس کی انگلیوں کی کچکپاہٹ نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا۔ وہ سلاہیل کو

"میں آپ کی کچھ دکر سکتا ہوں۔" پار نینڈر نے بہت شرافت سے مسکرا کر امرد سے پوچھا۔ "مجھے باہر جانا ہے۔ کس طرف سے جانا ہے؟" "فرٹ ڈور تو بند ہو چکا ہے۔ تمہیں بیک ڈور سے جانا ہو گا۔"

"بیک ڈور کہاں ہے؟" اسے کیا معلوم تھا کہ ان ہارت راگ میں کیا اصول و ضوابط تھے گئے جانے کے اور کہاں ان کے بیک ڈور تھے۔

ہاتھوں کو تیزی سے ہٹا کر اس نے اسے بتایا کہ پچھلا دروازہ کس طرف ہے۔ امرد کو ان بھیلے کھدے ہاتھوں کی حرکت کی قطعاً سمجھ نہیں آئی۔ ڈی ہے ساؤنڈ بدل چکا تھا۔ اس نے ہاتھوں کے چمکھانے کی گواہیوں کو بارن سپ ہاپ میوزک کے ساتھ کس کر کے فل ایوم کر دیا تھا۔ امرد کے رنگ تیزی سے بدلتے گئے۔ تیزی سے ناک نکل جاتے۔

"We Love to Serro" کی نئی شرت بنے اس نے امرد کی طرف کھلا۔

"تو میرے ساتھ۔" اس نے خود سے ہی کہا۔ امرد کو اسے پہلی نظر میں ہی پہنچ کر کچھ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ جانے سے خود کو روک نہ سکی۔ وہی ہے کہ پٹی سے وہ میوزک بجا رہا تھا کہ سب کو جانوروں کی طرح چمکھانے پر مجبور کر دیتا تھا۔ وہ آگے مٹے لگے وہ اس کے ساتھ فورا واصلہ رکھ کر چبے چلے گئے۔ تین تھار روہاں چل کر وہ تین بار پیر چھیاں اتر کر اس نے ایک سو دروازہ کھول کر کہا۔ "یہ ہے بیک ڈور۔ تمہیں ملے جا سکتی ہو۔" "شکریہ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کھار ہو گئی۔

لیکن وہ تو باہر کاراستہ ہی میں تھا۔ فوری شک کے ذرا اثر آنے سے پہلے اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا سا گم و دشمنی والا کتا ہے جو مختلف چیزوں سے ادا ہوا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس بہت سی خالی بوتلیں پڑی تھیں اور وہاں وہ قدم کھڑے ہونے کے

چاند نہیں تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے اور بعد کا سوچ کر وہ دہری تھی۔ ایسے پولیس میں کسی کلب میں بند کیے جانے پر اپنی تمام مٹکی پر اتنی دہری پولیس میں پڑھنے والی اب تک باہر جانے کے اندر آنے کے راستے ہی ٹھیک سے یاد نہیں کر سکتی۔

گھر سے باہر نکلنے کے لیے صرف وہ جوتے ہی ضروری نہیں ہوتے جو مین کراہر چلا جاتا ہے۔ وہ ہوش معنی اور پھر اپنی بھی ضروری ہوتی ہے جو کرنے نہ دے۔ چوت تو ہرگز نہ نکلنے دے۔ اس اسٹور میں چھٹی بندو اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔ ڈی جے کے میوزک بے کرتے۔ وہ آواز گھبرا گئی تھی۔ اس نے اس گھبراہٹ پر گھبرا کر کھینچ لیا۔ اسے کھینچ لیا کہ پولیس میں تعلیم کی فرض سے ابھرنے والے گھبرا گئی اور پوچھ لائی۔

"کتنے خدا امیری یاد کر گئی کو بھیج میرے لیے۔"

وہ دہری تھی ساتھ ساتھ دہری کو فون کر رہی تھی کہ ایک دم سے وہاں کھلا اور سامنے خدا کی چھٹی بندو تھی۔ "عالیان"

"امرد! اس نے ابھی بے کاشی تھا کہ وہ عکاس کر اسے چھٹے ہٹائی تیزی سے بھاگ کر لوں تھی۔ کونٹر کے چھٹے کونٹر سے سکرانے ہوئے اس شخص کو انسان کو اس نے تیزی سے جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ کھڑی کرتی پٹی باہر راگ سے باہر نکلی۔

"امرد! ہات سنو۔" عالیان تیزی سے اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ اسے گوازیں دے رہا تھا۔ لیکن وہ دہری نہیں نکلتی۔

"کھل جا رہی ہو؟ میری ہات سنو۔"

اس نے ایک دم سے لپک کر اس کا ہاتو قلم لیا۔ امرد پر جیسے کسی نے جتا ہوا قلم اٹھ لیا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو سمجھنے سے اس سے چھوڑا۔ اس کے منہ پر ایک شخص سے مارا۔ "وہی پٹ وٹ وٹ کی مصروف ترین رہ کر کونٹر پر کھڑے ہو کر کالم سے کھینچا اور غور سے اسٹوڈنٹس کو گواہ بنا کر قلم تھیں نے مل کر کچھ سے جو کھانا ذائقہ کیا ہے۔ اس کے لیے۔"

فون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پولیس کو تو ہرگز نہیں۔ ان کے علاوہ اس کے پاس صرف چند اور دہریوں کے فون کے نمبر تھے۔ وہ اپنی فون بک چیک کرنے لگی اور عالیان پر اگر رک گئی۔

"ایک کلب کے کسی بے خانے میں بند کر دی تھی تھی اور خوف سے کلب دہری تھی۔ فون کال کے مین کو پولیس کرنے کے لیے اس نے اپنے جسم کی ہر قرابت کو چھوڑ دیا۔

"میلو عالیان۔ میں۔ امرد۔ مجھے کسی نے یہاں بند کر دیا ہے۔" اپنے دہنے پر قابو پاتے اس نے بہت دور لگا کر جملہ مکمل کیا۔

"ٹھیک ہے۔" مٹا بھی وہیں رو پے۔ کو نے میں غلطی ہو تھیں کے کرشن کے پیچھے لڑا کار بھی ہے۔ تم اسے لے سکتی ہو۔ پولیس کو فون کرنے کی حالت ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ تصداری ڈیڈ ہائی بھی ان کے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

امرد کے ہاتھ سے فون گر گیا اور اس کی پھٹری نکل کر دور جا گری۔ عالیان کے فون پر۔ ہر ایک اصحاب نے زبردستی خوف کی لہر سے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا۔ اب اس کے پاس ایک ہی کھل تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے۔ عالیان نے وہ اور وہ لڑکا ہونے سے اس سوال کے بارے میں سوچتی ہی اس کی جان بچوں کی آنکھوں میں آنے لگی تھی۔ وہ اسے بہانے سے لائی تھی پر کیا ہے۔ ایسے اسے بند کرنے کے لیے۔ وہ اس کے ساتھ گیا کہ نہ چاہتے تھے اور عالیان۔ یہ سب کیا تھا۔

نیک پاتے ہاتھوں سے اس نے پھٹری کو فون میں ڈالا اور فون ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی۔ اگر پولیس آئے گی۔ اس کلب میں سے اسے برآمد کرنے کی تو یہ خبر اخبارات تک بھی جانے گی۔ یہ پتھر مٹی کے ایک ایک اسٹوڈنٹ کو مظلوم ہو جانے کا وہ قاتل شاہین جانے گی۔

فون کو ہاتھ میں پکڑ کر کھنٹوں کو جو دہریہ دہنے لگی۔ ہاتھ میں پکڑی بار پوری شدت سے۔ دہریہ دہریہ۔ دہریہ۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی

ہاں کیا کرتا ہے، ہو مجھ سے اب؟" وہ چلائی۔

"وہ کامل تھا۔" ہمیں کیسے تھا اس میرا دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔ وہ جانتا ہے تم میری دوست ہو۔ اسٹوڈنٹ ہاؤس میں وہ بھی تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس نے ہمیں دیکھ کیوں کیا۔ وہ مکان میں میرے پاس آیا اور میرا خون مانگا اور وہ منٹ بعد اس نے مجھے تھپاکر اس نے ہمیں اسٹور میں لاک کیا ہے۔ اس سے تفصیل جانے بغیر میں جلدی سے قہارے پاس گیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ جتنی جلدی میں ہو جاتا ہوں۔

اس سب میں میرا قصور کیا ہے امرد؟
امرد کے شپ شو؟ انسو کرنے لگے۔ "تم نوک کس قدر ظالم ہو۔ کس طرح کی شرارتیں کرتے ہو۔" کہے انھوں میں مذاق بنا کر دیکھ دیتے ہو۔ جان نکال بیٹھے ہو۔ یہ سب ایسے کرتے ذرا نہیں

ہمیں عالم نہیں ہوں امرد۔ تم مجھے ایک اور تجربہ دلا سکتی ہو۔ لیکن تم ایسے دہائیں۔ میں کامل سے پٹ لوں گا۔"

امرد نے بیک سے چلی نکال کر وہاں کھولا اور جھلی کی پشت سے آنکھیں صاف کر لیا اور دھکیلی گئی۔
عالمیان باہری کھڑا کیا۔ جب ٹھیک ہو گئے بعد امرد کے کمرے کی جی کلر ہوئی تو وہ چلا گیا۔ وہ کامل کے پاس جا رہا تھا اسے ایک کھونسا مارنے۔

ہارٹ راک کہنے کے ڈانٹنے لگے جب میڈک اپنے عروج پر تھا اور سب اس کے گرتے تھے گل سے ہو رہے تھے اس وقت جا کر اس نے کامل بتائی لڑکے کے منہ پر زور دار کھونسا مارا۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور ہنسنے ہوئے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"اس نے میرے ڈیڑھ کو برا کیا تھا۔" کامل نے اپنے بیٹنی کی طرف اشارہ کیا۔

"اس سے دور رہنا کامل۔" عالمیان کی آنکھیں اور سرخ ہو گئیں۔

اس نے جھپٹنی کی طرف اشارہ کیا اور اسے گھورتی جھپٹنی سے آگے بڑھ گئی۔ سڑک پر آکر اپنے لیے جیسی دیکھنے لگی۔ مجھے سے اس کا خون ٹھول رہا تھا۔ وہ اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ دیراً عالمیان کی کلاس ٹیو جی اور وہ تیسرا بھی ان کا کوئی کلاس ٹیو ہو گا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کیوں کیا گیا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کھڑا کیا گیا۔ اس نے فیکسی دیکھی اور اس میں بیٹھنے ہی گئی تھی کہ عالمیان نے اپنے چہرہ کو جیسی کے دوڑنے میں پھنسا لیا۔

"جیسی بات سن کر ہوا امرد؟" اس نے قہل سے کہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
امرد نے منہ پھیر لیا اور جتنی سے اس کے چہرہ کو بے کرے کر دیا اور دیکھ کر دیا اور رانیہ کو چمکنے کے لیے گھلے۔

وہ گھر پہنچی تو عالمیان پہلے سے ہی دوڑنے پر موجود تھا۔

"جیسی بات سن لو امرد۔ شور مت کرنا لکھا نہیں کی تو نہیں دیکھ ہو گا۔"
"ہاں ہو گا تو انہیں کہ ان کے بیٹے نے کیا شان دار حرکت کی ہے۔"
"انہیں دیکھ ہو گا کہ انہوں نے مجھے خیرباد۔ ساری دنیا بھی گولڈن کر تباہ کی تو یہ بھی نہیں مانیں گی کہ میں نے کیا کیا ہے۔"

"چلو چلو جھپٹ کر رہے ہو پھر ان کی آنکھوں میں۔" اسے بے اختیار ہوا اندر جانے لگی۔ وہ ان میں سے کسی کی ٹھیک بھی نہ دیکھتا نہیں جانتی تھی۔
"مہمان زندگی میں اس وقت زیادہ تکلیف افزا ہے جب وہ حقیقت جانے بغیر خود کو اندھا کر لیتا ہے۔ اور اپنے اس اندھے پن کا علاج بھی نہیں کروانا چاہتا۔"

عالمیان اپنے چوڑے مضبوط چہرے سے کارامت دے کر کھڑا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ وہ ایک لمبے عرصے تک ایسے کھڑا ہو سکتا ہے۔

"تھماری کمر فریڈ ہے۔" "مکراہ تھا۔"
 "میں سب نہیں سمجھ کر رہا ہوں۔ بس مت ہول۔"
 "تو کچھ بھی سناؤں سے ہمارے درمیان چٹا کرنا
 ہے۔ میں یہ پکارتا ہوں اپنا دہ کرنا چاہیے۔"
 "ایک دم سے تھمرا سوا کیسے بدل گیا۔" "آپس لڑی
 کے لیے۔"

"تو میری دوست ہے۔"
 "تو نہیں تو تھماری اور بھی بہت ہیں۔ یہ کون سی
 دوست ہے؟ جس کے لیے تم نے مجھے گھونسا مارا
 ہے۔"

"تو مشرق سے آئی ہے۔ اسے ہمارے یہاں کے
 ماحول کی عادت نہیں ہے۔ بھڑک جاتی ہے۔"
 "موروثی اسٹوڈنٹ اپنی اس سے دڑتے ہیں نے
 بھی دیکھا تھا۔ کمر کا ڈرتی ہے۔ وہ بہت مزہ آتا ہے
 اسے ڈرانے میں۔ جب میں دوا دوا بند کر دیتا تھا تو اس
 کی شکل دیکھنے لاتی تھی۔ ویسے تم کب سے مشرق کو
 جھنسنے ہو؟"

اسے وہیں چھوڑ کر علیا بن واپس گئی تھی۔ علیا
 لیکن کاہنہ تھا۔ امروہ کے پیچھے گھر تک چاہتے تھے
 اس نے اپنے میجر کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ ضروری
 کام سے جا رہا ہے۔ ایک دن کے بعد واپس آجائے گا۔
 کارل بھی اپنی سینٹر میں رہا تھا۔ جس میں علیا بن
 نے پورے شرمیلی کی سہارا دیا تھا۔ کمر کے اور اچھے
 دشمن بھی۔ لیکن کارل نے بھی کسی۔ اس نے سینٹر میں
 موجود ایک "سرے لڑکے" کے سوتے میں ہاتھ پاؤں
 پاندھ دیے تھے اور وہ پیرا لیٹ دیا تھا۔ لڑکا بے
 ہوش ہو گیا تھا۔ جب اس سلسلے کی تحقیق کی گئی تو
 کارل نے منصوبہ سے ہاتھ علیا بن کی طرف اٹھا کر
 کھینچ لیا۔

"اس نے میں نے خود اسے یہ کرتے دیکھا تھا۔"
 علیا بن اس کا منہ دیکھتا رہ گیا اور سزا کے طور پر اسے
 پورا ایک مہینہ ایک ہفتہ کا کھانا لٹا دیا۔
 پھر علیا بن نے کارل کے ذمے جو لاڈلہ ہو کر آتی

تھی۔ اس میں کافی کا کاڑھا لعلوں، سیلی، اور نیل کم
 چٹا کر ڈال دی۔ مشین سے نکلنے کے بعد پکڑے کا قاتل
 استعمال کی عملی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسے مزہ کچھ
 بھی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ سب
 جانتے تھے کارل ہر وقت نیل کھاتا کرتا ہے۔

علیا بن نے یہ بدلہ ٹھیک آٹھ ماہ بعد لیا تھا۔ کارل
 کے پاس جسے پورا ایک ہفتہ بستر کے ذمے پر سونے کی
 سزا دی گئی تھی اور اسے کھانا

"مساب برابر دیا گیا کارل۔"
 کارل نے پوری جیسی شکل کر دیا
 "پاک۔"

"مور یہ حساب کیا ہو گیا؟" "تو ہر چھ مہینے
 بعد ایک "سرے لڑکے" کا پیچھے ایک "سرے کی باگ
 میں رہے اسکل سے کٹا اور کٹی سے پونڈر ٹی۔ یہ
 سلسلہ نوٹ کر لیا۔"

علیا بن نے اس کا بریک اپ کر دیا تھا۔ ایش سے
 ایش سے مختلف لافاقوں کے دوران وہ اسے جتا رہتا
 کہ کارل بھی کبھی اتنا جھولی ہو جاتا ہے کہ اپنے پکڑے
 تک بھاڑ لیتا ہے۔ صلیں کھانے لگتا ہے۔ ٹیمپو پینے
 لگتا ہے۔ اپنے سارے جوتوں کو پینے پر بھاڑ لیتا ہے اور
 ان پر سوتا ہے اور تو اور پھر ڈال کر کم سے کم پانچ
 منٹ تک لٹکا رہتا ہے۔ کہتا ہے موت کا مزہ لے رہا
 ہوں۔

ایش کی شکل دیکھنے لگتی ہوتی۔ "جانتی تھی
 علیا بن اور کارل ایک ہی جگہ رہے ہیں تو اب علیا بن
 سے زیادہ بستر کارل کو اور کون جان سکتا ہے۔ بھلا۔"
 کیسا جھولی ہے یہ علیا بن سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔
 دونوں میں یہ یکساں ہو گیا۔

"تو مجھے واقعی اچھی لگتی تھی۔" "کارل نے اس کے
 روم میں آکر صرف ایک گھنٹہ خوفناک حد تک سنجیدہ
 تھا۔"

"جس سارے بھی اچھی لگتی تھی۔" "علیا بن نے
 کندھے اپکا کئے۔" "ویسے کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایش
 کے پاس جاؤں اور اس سے یہ کہوں کہ جو میں نے کہا

عالمیان نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی مست
 دیکھ Withworth پارک (اسٹوڈیو) کی
 رہائش گاہ کے گرد و پیش میں کوئی چیز جل رہی تھی۔
 آگ کے شعلے اٹھ رہے تھے اس میں سے
 "عالمیان کی مستقبل قریب میں آنے والی کتاب
 جسی ثواب آگ کے حوالے تھی۔
 عالمیان نے لب حق سے بھٹکی لے۔

"پہلے میں اس سوسائے کو اپنے ہم سے چھوٹے
 کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن ابھی کڑے کڑے
 میں نے اپنا لورہ بدل دیا۔ چند ہزار پونڈ کا نقصان
 زیادہ تو نہیں۔" کامل نے کہا۔
 کامل بیٹھ اسے پڑھتا رہتا تھا۔ اس کا
 بڑا نقصان کہ تھا۔ وہ توں ہندی تھے اور وہ توں ہی ہاتھ
 نہیں کر رہے تھے۔ لیکن اب عالمیان سب کچھ کر گیا
 تھا۔ اس نے اسے کہہ دیا تھا کہ اسے اب یہ کھیل
 اور نہیں کھیلنا چاہی میں یہ سب کرتے اس نے بھی
 آگے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کامل کا یہ کہنا
 کر دے بھی نہیں۔ لیکن اب وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔
 ایسے لمحوں میں اس نے امرت کو لاک کر دیا تھا۔
 اسے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ لیکن کیا معلوم
 کسی چھوٹے نقصان کسی مفقود شراحت میں ہی بڑا
 نقصان چھپا ہوا۔

کامل چھپ کر رو کر آیا کہ تھا۔ بظاہر ایسے ظاہر کرتا
 جیسے سب ٹھیک ہے اور وہ کچھلی چوت بھول چکا ہے۔
 لیکن بھر پوری چوت دے کر وہ ایسے مسکراتا جیسے کہہ رہا
 ہو۔

"زندگی کا اصل مزا اسی کھیل میں ہے۔ اور جس
 چیز میں مزا ہو۔ اسے چھوڑنے کو کس کامل چاہتا
 ہے۔"



مجھ پرانے اس کے کمرے میں آتے ہی اس کا
 لب بھٹک کر اتر لورہ چمک کر رہی۔
 "تم رات بھر دینی رہی ہو۔"

سب جھوٹ تھا۔
 "ایک اچھا کھلاڑی کبھی ایسی فائنل نہیں
 کرے گا۔" جمی منت اور درخواست نہیں کرے گا۔
 "صرف توجہ سے اپنا کھیل کھیلے گا۔"
 "اگر تم میری یہ دیکھنا فائنل کھیلو اور اس کے دو تیس
 ایٹس کے پاس جا سکتا ہو۔"
 "میں نے کہا ایک اچھا کھلاڑی کبھی منت نہیں
 کرتا۔"

"کمرے کی چو کھٹ سے ٹپک لگا کر کھڑا تھا۔
 ہفتے پہلے وہ اس کی ایک اہم فائنل لے آ رہا تھا جو اس
 نے کئی مہینوں کی انتھک محنت کے بعد تیار کی تھی۔
 بڑا سب مشورہ کر کے کہ یہ ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔
 جس کے لیے اس نے پبلشر سے بھی بات کر لی تھی یہ
 کام اس نے بہت چھپا کر کیا تھا۔ لیکن کامل اپنے
 مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے کمرے سے
 اس کی فائنل چھپ کی۔ پھر لب ٹپ کا پاس دروازہ ڈاکر
 کیپوڑ کو کرپٹ کیا اور اس میں دائیں چھوڑ دیا کہ لب
 ٹپ ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس کی مودہ کھول کر دینی
 کورنہ کیا جاسکے۔

ایک بڑا کھلاڑی ہونے کی حیثیت سے عالمیان نے
 اس کی فائنل منت کی کہ وہ اسے اس کی فائنل دے
 دے۔ لیکن اس نے نہیں دینی۔ پہلے میں اسے ایٹس
 کو بڑھاتا پڑا۔ وہ بڑا تھا۔ کامل ایٹس کو بہت پسند کرتا
 ہے اور اس کے ساتھ کھوجنا ٹھیک کر رہا ہے اس نے
 ایٹس کے بدلے میں اسے کوئی کھانا دیا تھا۔
 اس سے بھی پیچھے گر اس نے یہ کیا کہ اپنے جیتی
 وقت میں سے وقت نکال کر ایٹس کو دینا شروع کر دیا۔
 ایک جھولی کے مقابلے میں اسے عالمیان جیسا لائق
 فائق لڑکا زیادہ اچھا لگا۔ ایک ہی ہفتے میں دس پونڈ ہار
 لڑ کر وہوں آگ ہو گئے اور ظاہر ہے کامل جانتا تھا یہ
 سب کھیل ہوا اس نے کیا۔

کامل کمرے سے چلا گیا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد
 واپس آیا اور کہا۔
 "زور اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھو۔"

مجھے وہاں دیکھ لینا، کامل نے دم کے سے مجھے استور میں بند کر دیا۔

"تیرا میوزک نے تمہارے کانوں کے پردے ہلا دالے ہوں گے، تمہاری عقل کے فیض۔ تم عقل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھی۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "وہ عقل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھی۔"

"میں نے طالبان کو تھرا دیا۔" اصل بات تو اس نے اب کی تھی۔

وہ اپنے اہلکار سے دیکھ کر ہنسنے پر لطف کے

وجہ سے ہلکی ہنسی کی۔

"طالبان ملک سے اٹھ جائیں گے۔"

"میں نے اسے قتل کر دیا۔" اس نے اور فون کامل

نے اٹھائے۔ میں نے فون کو اس کے کمرے کے ساتھ یہ

کہا ہے۔

"میں نے اسے قتل کر دیا۔" اس نے اور فون کامل

نے اٹھائے۔ میں نے فون کو اس کے کمرے کے ساتھ یہ

کہا ہے۔

"میں نے اسے قتل کر دیا۔" اس نے اور فون کامل

نے اٹھائے۔ میں نے فون کو اس کے کمرے کے ساتھ یہ

کہا ہے۔

"میں نے اسے قتل کر دیا۔" اس نے اور فون کامل

نے اٹھائے۔ میں نے فون کو اس کے کمرے کے ساتھ یہ

"تمہیں اس سے کیا ہے؟ اس نے پھر سے فون

آکھیں۔" اس نے پھر سے فون

"دو تھیں ہر مسئلے کا حل گنا ہے۔" وہ اٹھ

سے ہونے۔

"میں نے تم سے صرف ملحق کیا تھا اور تمہیں

بارت داک کے اس حصے میں لے جا کر مضبوط

ورنہ میرا اور صرف تمہیں بارت داک کو اندر سے

دکھانے کا قصد میں صرف تھوڑی سی دیر کے لیے وہاں

سے عتاب ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمارے پورے

فیوز تھے۔ اب کوئی گھبراہٹ کی بات تو نہیں تھی۔ میں

واپس آئی تو تمہیں نہیں تھی۔"

"میں تمہیں فون کر رہی تھی۔"

"مستطعم سے مجھے۔ میں نہیں دیتی تھی کہ تم اتنی

جلدی گھبرا گئی ہو گشت۔" میں گھبرا نہیں گئی تھی۔ میں

بے حد خوف زدہ ہو چکی تھی۔ کیونکہ میں اس کیلئے کے

استور میں بند تھی۔"

"کیا کیا تم نے؟" وہ اور اگلا فون کر رہی ہے۔

"میں تمہیں بچے کیلئے کے استور میں بند تھی۔"

بارٹنڈر نے مجھے لاگ کیا تھا۔"

"کامل نے؟" وہ اور اپنی طرح سے چو تھی۔

"نہ۔ تم نے اسے پتہ کیا تھا کیا؟" وہ اچھے

امرد نے اسے عمل نظر انداز کیا اور بڑا بس اسکول کی طرف چلے گئی۔
 ”مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں زیادہ دیر تک اسٹور میں نہیں رکھ سکا۔ مجھے دار تھا کہ تم اپنا بیس کو فون کر دو گی۔“

امرد کو افسوس ہوا اسے کر لینا چاہیے تھا۔
 ”تو نے تم کو بھی نہیں تو تم بھی یہ ثابت نہیں کر سکتی تھیں کہ میں تمہیں وہاں تک لے گیا تھا“ بلکہ اس میں تم پر یہ الزام ثابت کر سکتا تھا کہ تم جو دہری کی غرض سے وہاں تھیں اور اچانک میں لاک ہو گئیں۔“
 ایک دم۔۔۔ تمہیں سے نکل کر عایان نے اسے اپنی جگہ کیا۔ کلکل سنکرا ناہو اٹھ گیا۔

”کلکل کیا کہہ رہا تھا تم سے؟“
 ”میں نے سننا سنا ہے تمہیں سمجھا۔“
 ”وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا“ بے فکر رہو۔ وہ تمہارا شرارتی ہے۔ پوئی کا کوئی اسٹوڈنٹ بھی کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکا کہ اسے پوئی سے نکال دیا جائے اس کا مسئلہ مجھ سے تھا۔ تم سے نہیں۔
 ”مجھے اس کے بارے میں بات نہیں کرنی۔ میں نے آج تک کبھی کسی کو ایسے ہٹ نہیں کیا۔“ ہرے کر کے اس نے جلدی سے گم دیا۔

”مطلب وہ خوش غیب طرف میں ہی ہوں۔“
 ”میں تم سے شرمندہ ہوں۔“
 عایان نے اس کی سرنگی مانگی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ وہ جب جب ان آنکھوں کی طرف دیکھتا تھا اسے لگتا تھا کہ جیسے جس ایسی فن میں سے آنسوؤں کا دریا نکلے گا اور سب جھجک جھجک جائے گا۔
 ”تم شرمندہ نظر تو نہیں کر رہے۔“
 ”کیسے نظر آیا جا رہا ہے شرمندہ؟“ یعنی معافی بھی دے مانگنے والی تھی اور قصہ بھی دہری کر رہی تھی۔
 ”قول۔ ایسے تو نہیں جیسے تم ہو۔“

”ٹھیک ہے میں جاری ہوں۔“ وہ معافی مانگنے والی تھی تو بدلے میں یہ سننے والی تھی کہ ”تمہاری بات نہیں“ غلط فہمی ہو جاتی ہے، غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔

”فیوڈ غیب لیکن وہ تو۔“
 ”تم اپنی جلدی جلدی ناراض کیوں ہوتی ہو؟“
 وہ خاموش رہی۔

”اچھا غیب۔“ اور مجھے دیکھو، تمہیں سوری کرنے کی ضرورت تھی نہیں رہے گی۔“
 وہ اسے دیکھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں، منہ میں کچھ بیڑیوں کے لگے پھر آنکھیں کھولیں، چہن پر پھونک ماری اور چہن کو جلدی چھڑی کی طرح گول گول گھما دیا۔

”یہ کیا ہے؟“
 ”جلو۔ اب پچھلے سب پہلے چھا ہو گیا ہے۔ میں نے وقت پہنچا جلدو چلا دیا جب اس نے کل کی رات کو وہاں ہی زندگی میں سے نکال دیا ہے۔ اب سب ٹھیک ہے سب ٹھیک ہی رہے گا۔“
 امرد کو فہمی آئی۔ ”تم سب اتنے عجیب و غریب کیوں ہو؟“

”اور تم اپنی کچھ داریں ہو؟“ اس نے ہاتھ میں پکڑے۔ جلدو کے چہن کو اپنی ناک پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہم سب جلدو کھاتے ہیں بلکہ ہم سب کچھ دار“
 غصہ منہ سے اڑے انسان ہیں۔ ”کیا ازراہت فہمی امرد کی۔“

”ہم سب بلیاں اور چوہے کھاتے ہیں“ اسی لیے اتنے عجیب و غریب ہیں۔“
 ”بلی بچو ہے۔“ قرف۔ ”امرد اپنی ازراہت صحت بھول گئی۔ عایان نے خواہش کی کہ کاش اس کے ہاتھ میں پکڑا تین داخل جلدو کا ہوتا، وہ اس کے ”ترخ“ کو یہیں روک لیتا۔ امرد کو قرف نہ کوڑتے پھر اس کی ناک کو پکڑ کر دائیں بائیں کر کے کاش یہ جلدو سے آسک۔
 ”پھر سے کر۔“

”کیا۔“
 ”وہی ہوئی بچو ہے کے باہر کیا تھا۔“
 ”اگ۔“ حسب باطل ہو۔ ”مجھے امرد چلنے لگی۔“
 ”تم نے کبھی کسی کو پہنچایا ہے؟“ وہ ہانک کر اس کے پیچھے گیا۔

"نہیں۔" "دور ک مٹی۔"
 "میں نہیں کہوں؟" وہ منگھو کو لہا کر رہا تھا یاد دہانت
 کو۔
 "امرد نے آنکھیں میچ کر اسے دیکھا کیا چاہتے
 ہو؟"

"Do or Die"

"کب کون سا نیلا گل بن جائے؟"
 "ہم سب دوست کرتے ہیں۔ سارا اماچسز کرتا
 ہے۔"

"کب کرک ہو گیا؟"

"کرک؟" وہ نے تمہا تو میں جیسے کوئی آسان سا
 ٹرک دے سکتا ہوں۔ سو منگھ "رنگ"
 سائیکلنگ کچھ بھی اور طعنہ بھی۔ "امرد خاموشی
 سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔" "ویسے تم بیٹھ لکی
 باتیں کرتے ہو؟"

"میں بھی ہیں نامیہی باتیں۔ ویسے تم ڈر رہی ہو
 ہے۔"

"تم بد وقت ہو۔" "امرد استہزائیہ ہنسی۔"

"تم خوف زدہ ہو۔" "وہ بھی استہزائیہ ہنسی۔"

"پہلے اپنا علاج کرو۔"

"اور گاؤں کا علاج نہیں۔"

"میں اونٹ چانگ کر رہی ہوں۔"

"یہ لے لو گھٹ خوف کو کوئی ناموسہ باندھتے ہیں۔"

"تم بہت زیادہ بھلی ہو۔" "وہ پہلے بھی مطلب جانتی۔"

"وہ دوسروں کو مارا کرتی تھیں؟" "وہ اس کے ساتھ
 چلنے کا مطلب نہیں۔"

"وہ خدایا! تم کو کس قسم کی تیز مزاج بھی
 نہایت۔"

"میں جلدی فحشہ آجاتا ہے۔"

"خدا کے لیے میں کہہ۔"

"وہ اسٹوڈیو پر آجاتے ہیں۔"

"میں پہلے سے قمار؟"

"کچھ۔"

"وہ جلدی پھیل جاتے ہیں۔" "امرد کا قہقہہ بلند

بانگ تھا۔

"تالیان کا بھلا کالین آخر کام کیوں نہیں کرتے۔"
 "یہ سو منگھ سائیکلنگ ڈیوٹو تھے نہیں آتی
 تم کچھ اور کہو۔"

"بھئی آسان سا؟" "سیدھے جڑا ہوا تھا۔"

"تو مجھے آتا ہوں اور میں کر سکتی۔"

"پہلے تو جیسی Dog Bowl ہے۔"

"مجھے نہیں کرنا کچھ کرنا فیو کے ساتھ۔"

"وہاں ڈو کر نہیں ہیں ایک گیند ہے کوئی ہے؟"

"جیسے گیند سے تو توں کو کرنا ہوگا۔ تم زمین پار
 ریکش کر سکتی ہو پھر نہیں گیند سے ساری تو توں کو
 کرنا ہوگا ویسے میں نے لاکھ میں لکھا آسان پہنچ
 کسی کو نہیں دیا۔ تم سبکی سے ہو تو۔"

"امرد سوچتے تھے۔" "تھیک ہے میں تیار ہوں۔"

"مشق اس کے کرتے ہیں۔"

"وہ بھی ٹائیکر کو ساتھ لگاؤ گی۔"

"پاکل ضرور۔"

"منو ذرا پہلے سے تھو وہ کن دونوں میں بھار ہوتی
 ہے۔ سیزن کیا میں اس کے لپا چار ہونے کے؟"

"وہ ہمیشہ جانتی تھیں غدا ہوتی ہے۔"

"مے ضروری کام کب کب ہوتے ہیں۔"

"میرے لیے ہمیشہ غدا ہوتی ہے۔"

"تم دونوں میں کب فائنل کب کب ہوتی ہے۔"

"ہم میں بہت اچھی ذہنی آہنگی ہے۔ وہ ایک اچھی
 لڑکی ہے۔"

"وہ کب تک جی میں جائے گی۔"

"فحش۔"

"پہلے اچھا آجاتا ہوں۔"

"لیکن یہ اس کے ساتھ نہیں آسکتی۔ اسے خود بھی
 کے آفس جانا تھا۔ لیکن اس نے امرد کو پہلی دیر لگا کر
 یہ سمجھا دیا تھا کہ گیند کو کس طرح سے ہاتھ میں پکڑنا
 ہے اور کیسے کھیلک سے پہنچانا ہے۔"

Dog Bowl میں یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کا

کافی رش تھا۔ امرد نے اپنی پریکٹس شروع کی۔ اس

بھنوں تن گئیں۔
 "پھر سب بھوت گئے لگا ہے۔" مٹی آنکھیں
 جھلک کر لے گئیں۔

"تم ایک بار پھر کرو۔"

"پھر اسے والے ہلے ہاتے ہیں۔"

"تم نے ضرور جھٹک کی ہے۔"

"پھر وہاں لٹاؤں چلائے ہیں۔"

"تم۔"

"میں۔"

"تم۔"

"میں وہ تو ہوں۔ مجھے بیت جانے والے کہا جاتا

ہے۔"

"تم نے میرا قصداں کیا۔ مجھے یقین تھا تمہارا ہوا

گی تمہیں جس میں نہ ہوتا۔" کھار مہل انسان قتل

اسے سزا دینے کے چار میں تھا۔

"کیسی سزا؟"

"میں نے تمہیں بائیس سال سزا دی۔"

"بائیس؟ یہ کیسی سزا ہے؟"

"تم سزا سننے والے کے لیے ہوتی ہے بولنے والے

کے لیے نہیں۔ تمہیں سب سزا دی گئی ہے۔ وہ دو من

اکھاڑے کے قہر ہوتے یا اسکل کے دلوں کی

سزا نہیں۔ وہ تو شاہجی کی فضول تفصیلات ہوئیں یا

سب دوز میں ملنے والے سیوا کی عجیب و غریب

حرکتیں۔ بولنے والے کا جب تک جی چاہے گا وہ

بولے گا۔ سارا دن۔ رات۔ اگلی دن۔ اگلی

رات۔ سننے والے کو سنا ہو گا۔ بولنے والے پر کم

ی قسمت اتنی مہیا ہوتی ہے مگر اسے ایسا سننے والا

کوئی ملے؟"

"اتنی دور تک بولتے رہو والا اگلی ہی ہو گا۔"

"مجھے ہوتا تھا بائیس۔" اس کا شاید واسطے میں ہوا

قصداں ہو چکا تھا۔

"اس سب کو چھوڑ۔ یعنی اب مجھے جس میں چلیج

رہا ہے کوئی سزا ملے۔"

"ہاں۔ ایسا کہ مجھے کہہ دو کہ میں ابھی یہاں

نے بھی یہ کھلی نہیں کھلاؤ گیند اسے ضرورت
 سے زیادہ دینی کی۔ دیرانگ کھتی ہے ایک انسان
 میں اتنی طاقت ہوتی چاہے کہ وہ ایک عام دلوں کے
 انسان کو اٹھا کر پیچک کھلے اور اس سے گیند نہیں
 اٹھائی جا رہی تھی پاکستان میں انہیں ایک صوفی یا ایسی
 ہی کوئی عام سی چیز پھر سے نوکر کر لی جڑ جاتی تو وہ تین
 لوگ مل کر سب کرتے اور پھر ایسے اپنے گتے جیسے
 کسی باغی کو چھینے رہے ہوں۔

پہلی کو شش میں اس کی گیند ایک بھی بول نہیں
 کر سکی اور بولوں سے دوسرے کے درمیان میں ہی
 کھڑے پر جا کر رک گئی۔ دوسری کو شش میں اس
 نے کھیلانی سے دو بولیں کرائیں اور تیسری میں پھر
 سے ایک بھی نہیں۔

"یہ تیسری آخری کو شش ہے۔" عالمیان نے
 ہنس کر چپا کر رکھا۔

اس نے اس کی ہنس دیکھی تھی اور وہ چمکی۔ اس
 بار اس نے گیند کو ایسے پکڑا جیسے میدان جنگ میں ہے
 سارا بازی بات یا ہاتھ کے تحت تھوڑا کو بھینک کر اسے
 اور پوری قوت سے دھار کر اسے اس کے منہ میں گھس
 سے آئی پوری قوت سے گیند کو پھینکا۔

اور پھر وہ ایسے چلتی کہ اس پاس مچھو بھٹ
 سارے لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ سے
 دیکھتے رہیں۔ کھیلانی ہی رہی۔ ساری بولیں پت
 ہو چکی تھیں۔ شش کی اس میں کھلی گئی۔
 "تم نے اس کا تمام کھیل پہلے بھی نہیں
 کھلایا؟"

"بے شک۔ پہلی بار ہے۔"
 "تم نے کسی دوشیز کی طرح گیند پھینکی۔ پہلے
 تم مجھے دکھانے کے لیے گیند کو ایسے لڑکھاتی رہی
 ہو۔"

"قسم ساتھ ہو تو کوئی بازی بات نہیں ہوتی۔"
 اس نے ایسے کہا جیسے اس نے لہذا اور لڈ کپ کی زانی
 جیتلی ہو۔
 "تم بھوت بول رہی ہو۔" بھوری آنکھوں کی

”سب قہار کر چکے کیوں مٹ رہے ہو پاکستان میں میری دوست نے بھی ایک بار ایسے ہی کیا تھا۔ میں نے ”سو ایک گول گے کھلے اور میں بیت گئی۔ بدلے میں میں نے اسے بس اتنی ہی کہا کہ اسے صرف پانچ منٹ تک اپنے بی بی کی کار چلائی ہے۔“

”اس میں کیا مشکل تھا۔ یہ قسمت انسان ہے۔ تم نے اسے انسان چمک دیا۔“

”وہ کار چلا نہیں جاتی تھی۔“

”نہیں۔ اور وہ کس مسئلے کی کار تھی؟“

”یہ تم لڑکے لڑکے ہی سے چل رہے تھے۔ کیوں بندہ جاتے ہو؟“

”ایک کار تھی۔ بس۔ ایک۔“

”یہ تم کو کیوں گاڑیوں کے باؤں پر دھیان کیوں نہیں دیتی۔ اتنی ہے سب۔“

”میرے سر کے ساتھ صرف کار چلا سکتی۔ اگلی پانچ مہینے کلورڈ شلپ میں رہی اور اس پر پورے پچاس ہزار تک خرچ ہوئے۔“

”بس۔؟“

”نہیں۔؟“

”تو سب پر بھی ایسے بس کہہ دی ہو۔“

”ہاں۔ اور۔ اور۔ میرا داخلہ ان کے گھر ہوا۔“

”تو سارا داخلہ بند۔“ اس نے گردن کو ہلکا سا اٹھ دے کر ہنسی کو ہونٹوں کے پیچھے روک کر بوجھل کر اسے بے تحاشہ ہنسی آدھی تھی تو اسے کل گھر میں لینا چاہیے تھا کیونکہ وہ یہی طرح سے ناگم ہوا تھا تو کیا تھا اپنی ہنسی کو قابو میں رکھنے میں اس نے امجد سے اپنا سر پھیر لیا اس وقت اس کو شش میں تھا کہ وہ اپنی ہنسی طرح سے نہ دیتے کہ امجد پر اعلان چلے لیکن ساری کو شش بیکار تھی۔ اس نے سر کو اٹھایا بائیسویں کے کھلے آسمان کو دیکھا جس کے پیچھے وہ دونوں کھڑے تھے اور خود کو بے قابو ہو چلے تھا۔

”ایک خوبصورت انسان تھا۔ ہنسنے ہوئے اچھا لگتا تھا جیسے سب لگا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے بے قابو ہو کر ہنسنے ایک عام ماہر انسان نہیں لگتا تھا۔“

”مغفلوں کے مثل جنگ جہاں۔“

”جتنی معمولی سزا۔ جیسے کیوں کیوں یہ تم سے۔؟“

”یہ معمولی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسے نہ کہو۔“

”اس جتنی جبری طرح نکال دیا جس کی توہری نے بہت کم قیمت نکالی ہو۔“

”امجد گہری صبح میں بجلی ”تم ایک ہفتے تک اپنی کار سڑائی نہیں کرو گے۔“

”تم کچھ جانتی ہو میں آج رات ہی خود کٹتی کر لوں۔؟“

”تم مرنا چاہتے ہو۔؟“

”میں مر جاؤں گا اپنی کار سڑ نہیں پھوٹوں گا۔“

”کہہ لو کہ۔“

”وہ دونوں Dog Bowl سے باہر آچکے تھے اور سڑک کے کنارے ٹپ رہے تھے۔“

”تم سسٹرا ایگز امز نہیں دو گے؟“

”یعنی تم ہر صورت یہی چاہتی ہو کہ میں خود کٹتی کر لوں۔؟“

”میں نے تمہارا پیٹھ پر راکٹ۔ تمہیں بھی کیا چاہیے۔“

”کہا تو ہے کر لوں گا خود کٹتی۔ اس سے بچو کہ اور کیا ہو گا۔؟“

”دونوں مین روڈ پر آچکے تھے اور سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ سڑک پر کافی دیر تھا کہ وہ پورے نرینی اسٹریٹ میں کھلی کھلی ہو گئے۔“

”اچھا کہہ لو کہ۔“

”امجد نے سڑک کی طرف دیکھا جہاں وہ کھڑے تھے اس سے چند قدم آگے زبیر اگر اسٹگ تھی جو کافی طویل تھی۔ وہ دونوں بھی اشارہ بند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔“

”تمہیں بہت شوق ہے ہانڈر کی طرح چھلانگیں لگانے کا۔ تو تمہیں اس گڑبگ کو بھانپنے کے مثل قلابازوں کا کرکس کرنا ہے۔“

”بکلی فرست میں اپنے ہڈی کاٹھان کر ڈا امجد۔؟“

”کوئی ہاتھ جس کا ہاتھ ان ہونے والا تھا۔“

امروز نے ہاتھ بندھے لیے اور اسے گھورنے لگی۔ لیکن کرسٹین ہمزور تھ کی سی آنکھیں رکھنے والا ابھی یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ کئی چھپوں والی وہ آنکھیں اسے خفا ہو کر گھور رہی ہیں۔ وہی آنکھیں جنہیں قریب سے دیکھتے وہ اپنی ذات سے مست ہو چکا تھا۔ وہ صرف حالیان نہیں رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ چند قدم آگے چلا جاتا ابھی چند قدم چھپے اپنی آنکھوں کی گلی کو صاف کرتا اور امروز کو دیکھ کر کہتا۔

"مور برس۔ تمہارا اعلان بند۔"

اس نے ایسا دو تین بار کیا۔ امروز شرمندہ سی ہو کر اس نامی دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی کوئی جھنجھکی بات نہیں تھی۔ اس کے کھلے ہل ہلے ہوا سے اڑ رہے تھے اس نے مجھے سے ہاتھ کی ٹوکوں کو پیشانی سے پیچھے کیا اور پیش سے ہاتھ میں ہاتھ چلانے لگی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ اس کی بے عزتی کر رہا ہے کیسے ہاتھوں کی طرح جس با ہے۔ دھنکے کے لیے ہر وقت تیار رہنے والی امروز نے ایک اور بار دھنکے کی تیاری کر لی۔

کچھ ہی دیر میں جب ہنگامی طور پر کھڑا ہوا اس نے امروز کے پیچھے پر کھڑا چل کر غور کیا اور اسی وقت امروز تیزی سے اس کے آگے الگ سے چلنے لگی۔

"مرحبہ" حالیان اس کے پیچھے لگا لیکن وہ مجھے ہوا کے گھوٹے پر سوار تھی۔ تیز تیز چلتی ہی جا رہی تھی۔ کچھ گیا کہ وہ ایسے کھل جا رہی ہے۔

"مرحبہ" اور دھنکے دھنکے میں تمہارا چھپتا قبول کرنا ہوں۔"

امروز کو اپنے پیچھے جھپٹانے کی توانائی اس نے رک کر ڈرا سا ہلکتا گرو کھل اٹھا۔ بند ہونے کا تھا۔ ٹریفک رک چکی تھی۔ سڑک کو پار کرنے والے سڑک پار کر رہے تھے اور ان میں بڑا سس اسکول کا اسٹوڈنٹ حالیان بار کرسٹین ہاتھوں کو سڑک پر لگانے کی تیاری کر رہا تھا۔

امروز کو لگاؤ مذاق کر رہا ہے۔ وہ کبھی قلابازی نہیں کھائے گا کیونکہ اس نے مذاق میں کما تھا اصل میں وہ اسے جڑ مچ سالے سے کچے قورے کی چند ٹپیں کھانا پھانسی تھی۔ اور وہ جانتی تھی وہ ایک پلیٹ سے زیادہ کھاتی نہیں تھے۔ لگ اسے اپنی زبان کو نالی بڑھانے کی۔ لیکن وہ قلابازی لگا رہا تھا۔ اسے ایسا کرتے سڑک پر سے گزرتے ہوئے خوش اسٹوڈنٹس نے بھی دیکھا۔ وہ اتنا چمک نہیں تھے۔ کیونکہ اتنی بڑی ہونے والی اس طرح کے کھٹے ٹپے اسٹوڈنٹس سے بھری ہوتی تھی۔

پھول ٹولہ کی زمین سے چھوٹا ہے۔

محبت کے ساتھ سے اس کا نام ہے۔

انسان وہ ماحول میں اپنی جگہ بدل لیتا ہے۔

ایک کرب کی حالت میں۔ وہ سری محبت کی حالت میں۔

اور سڑک کے اس پار کڑا حالیان کرب کی حالت میں۔

اور یہ کام سڑک کے اس پار مشرق سے کئی نئی دنیا کو حیرت سے دیکھتی تھی نے کیا تھا۔ ماچسز کے کھلے آسمان تھے۔ دونوں اس اور اس پار کھڑے تھے۔

حاصل تھا۔ کم تھا۔ زیادہ بھی ہو سکتا تھا۔

"Keep Calm and love Fridays"

(پرسکون رہیں اور جمعوں سے محبت کریں) اور پھر جمعوں سے لگا پار کرتے ہیں کہ کھلو۔ ریٹورنٹس ہو ٹلو۔ کئی شاخیں اور ایسی ہی وہ سری جنگوں کے ہم ادب کی گاڑ اس فریڈے۔ وی لو فریڈے۔ باؤلی مار فریڈے پیچھے رکھتے اور باؤلی نو کی لواؤ فریڈے پیچھے لگی۔

تو لو باؤلی گاڑ تو کل باؤ کر فریڈے پڑا اور میرے خدا یا اب سب دن مجھے کے دن ہیں) کا موسم شروع تھا۔ موسم جس کا سارا اسل انکار کیا جاتا ہے۔ موسم جسے منکر اہوں کا طبعی ان کا خوشیوں کا اور مجھے کا موسم

کھا جاتا ہے۔ مخالف کاک سیاحت کاک اور تھنیل کا بھی۔

دنیا بھر کے رنگ برنگے پرغلوں سے آلودہ انچسٹر خلی ہوئے لگے۔ ہندو سہرے تھوہ خدوئی تک کے لپے ہوئی بند تھی دھوکہ دیک پارک ہل اسٹوڈنٹس کی بیاٹس (Onk) ہائس اور اس پاس کی دو سری اسٹوڈنٹس کی رہائش گاہیں خلی ہوئے تھیں اور برطانیہ کے Stereotype موسم نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے شروع کر دیئے۔

دوسرے خصلوں سے آئے اسٹوڈنٹس اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دوسرے ملکوں سے آئے کچھ انچسٹر میں جا بک کی وجہ سے وہ گئے کچھ اپنے دوستوں کے ساتھ ان کے گھروں کو چلے گئے اور کچھ دوسرے ملکوں کی سیاحت کی تیاری کرنے لگے۔ پکڑائی اسٹوڈنٹس سے پونڈر تھی کیس میں تک آئے وہی مفت اس سوس ہانڈ بننے لگی۔ امرت نے اسٹوڈنٹس کو سٹینڈ ہوتے دیکھا تھا۔ صبح اسٹوڈنٹس کا کھم تیزی سے حرکت کرنا نظر آیا کہ آقاہد امرت ایک دم سے سب کا کس کرنے لگی تھی جنہیں وہ جانتی تھی اور جنہیں اسٹوڈنٹس میں جانتی تھی سب کو کہتے ہزاروں اسٹوڈنٹس کے ہم خیر کو کہتے تھیں معلوم تھا کہ وہ اس کھل سے اتنی وابستہ ہو چکی ہے کہ اس کھل کے بدل جانے سے ایسے غلٹ ہو جائے گی۔ اسٹوڈنٹس کو ایسے خلی غلٹ دیکھ کر اسے ہل چلنے۔ وہ اتنی جذباتی ہے کہ اسے سب معلوم ہو رہا تھا۔ ہولی بند ہوتے ہی اسٹوڈنٹس بازاروں کی طرف بھاگے۔

اصولاً صبر خیر لاری کرتے۔ اس کے اسٹوڈنٹس پیر پیر کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اب ایک پورا مہینہ وہ دن رات کام کر سکتی تھی ان کی فی کف اجرت بھی بڑھادی تھی تھی۔ وہ اسٹوڈنٹس میں زیادہ سے زیادہ دنوں کے لیے کافی پونڈز کما سکتے تھے اور امرت یہ پونڈز کمانا چاہتی تھی۔ شہلی داہم و فیضو کا گروپ یورپ کی سیاحت کے لیے جا رہا تھا۔ اور عالمیان بھی۔ اسے حیرت تھی کہ

دوسرے ملکوں میں اتنی آسانی سے گھومنے پھرنے کے لیے کیے جاسکتے ہیں پاکستان میں تو لوگ ایسے دوسرے خصلوں میں نہیں جاتے۔ داہم نے اسے بھی چلنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا اسے ایک ایک پونڈ جمع کرنا تھا۔

”تم غلط سمجھ رہی ہو اسنے مجھے نہیں سمجھتے تم سمجھ رہی ہو۔ ہم نری ہائس سے جائیں گے ہم نے خاص باسکولنٹ اس کے پاس جن سے ہمارے دست کم پیسے خرچ ہوں گے ہم کسی ٹکڑی ہوٹل میں نہیں رہیں گے بلکہ ہوٹلوں میں رہیں گے۔ بہت کم قیمت والے ہوٹلوں میں۔“ شہلی نے اسے مخاطب کیا۔

”میں پھر بھی نہیں جاسکتی مجھے ایک ایک پونڈ بچانا ہے۔“

”تو ایک سے تھرا ایک سے بھی مقبول ہے۔“

”میں سٹینڈنٹس چاہتی ہوں کہ پھر فرانس۔ کیا کوئی ایسا ہوگا جس جو چھوٹوں کو اتنا آرام دیں کہ گئے ہی ہوں۔ ہم ان میں پین کر آتھ دس میل چلتے رہیں گے۔“

چلنے سے پہلے رات کو عالمیان اس کے اسٹوڈنٹس میں مل رہی تھی۔

”ہوٹلوں کی دکان میں کام تو کرتی ہو نا۔“

”میں سٹینڈنٹس نہیں ہوں۔ تم سٹینڈنٹس کے پاس جاؤ۔“

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم نے صبح سے اب کم از کم سے دس کپ کڑوی خلی کے پیسے ہیں۔ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔“

”خلی کڑوی ہی ہوتی ہے۔“ کھوٹلر دیکھ کر کھوٹلر کے ساتھ وہ مصروف تھی اور ایسے کھاجر کر رہی تھی جیسے اسے بڑے اسٹوڈنٹس کا کام دیا گیا ہی کرتی ہے۔

”خلی اس وقت کڑوی ہوتی ہے جب وہ زبان کو بھی کڑوا کر دے۔“

”شاید تم سیاحت کر کے واپس کو تو اپنی کم مطلق کی باتیں کرنا چھوڑو نہ سنا۔“ دوسری سرزمینوں کا پانی پینے سے اور فضا میں سانس لینے سے بہت سی عادتیں بن گئیں تھیں۔

"گلن ہے قہر کلام کا مست یو جو ہے امرد۔" اس نے انداز کو افسوسناک دیا۔
 "میں مضبوط اعصاب کی مالک ہوں۔" امرد نے انداز کو مضبوط دیا۔
 "لیکن تساری شکل کچھ اور ہی کہہ رہی ہے اگر تم کو تو میں سوچتا تھا جا جا ہوں فرانس میں۔ بلکہ اگر تم کو تو میں جانا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے میرے جانے سے پہلے ہی تم مجھے بہت مس کرنے لگی ہو۔"

"مجھے انتظار رہے گا یہ دیکھنے کے لیے سوچتا فرانس کی ہواؤں نے تم پر سے پاگل پن کے اثرات کچھ کم کیے یا اور بدلے ہے۔"
 "تمہیں میرا انتظار نہیں رہے گا۔" اس نے چند قدم آگے بڑھ کر جوتوں کے دیک کی طرف دیکھتے ہوئے خود کو لا پرواہ ظاہر کرتے ہوئے بچ چلا۔
 امرد خاموشی سے اپنا کلام کرتی رہی۔
 "موتیں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا تو لیکن وہ جانے کے لیے اٹھ گیا۔

"مگر اس نے ایک سیڑھیں کو چھو بیٹھا۔"
 "میں ایسے جوتے چاہیوں جنہیں بچن کو یہ لازم نہیں پڑے کہ وہ گرے۔"
 "عالمیان نے جو تکہ کہ امرد کی طرف دیکھا۔"
 شرارت سے مسکراتی تھی۔
 "یہ جوتوں کی دکان ہے ایک ٹوٹی ہوئی چم کاسیٹ میں۔ جہاں کچھ اڑنے والے دوا نہیں تاکہ "مگر یہ کلام کافی بوجھ لگتا تھا۔"

"تمہارے اس سبز مین نے بھی کڑوی کافی پی ہے اور وہی کپ سے زیادہ پی ہے۔" منہ سوراخا عالمیان چلا گیا۔
 "میں نے کچھ بچے جمع کیے ہیں تم مجھ سے اوجھار لے سکتی ہو اور ان کی دوا بھی کی کوئی جلدی نہیں۔ جب تساری شادی ہو جائے گی تو ہم حسب تمہیک کر لیں گے۔"

امرد نے اپنے سر پر ایسے ہاتھ رکھ لیا جیسے کہ وہی

ہو کہ خدا کے لیے جاو میرا مغز نہ کھائے۔
 "تمہیک ہے میں جا رہا ہوں۔ لیکن آخر موجود ہے تم مجھے فون کر کے جا سکتی ہو۔ میں صبح لگتا ہے تم ہمارے لگنے سے ایک منٹ پہلے بھی جا سکتی ہو۔"
 "تمہیک ہے میرا ارادہ ہوا تو میں ایک منٹ پہلے فون کر دوں گی۔"

دس بارہ بجے صرف دیکھ کر تھوہ ہون ٹھنڈے مزید اسٹور میں گزار کر وہ چلا گیا۔ امرد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ اور ابن لادن بھی جا چکی تھیں۔ بچنے اس کے دوست سے فون کر رہی تھیں جن سے اس کی ہائے ہلو تھی۔ سب ہادی ہادی جا چکے تھے۔ وہ بھی جانا چاہتی تھی بلکہ وہی تو جانا چاہتی تھی۔ وہ جس نے بھی سہ نہیں سہا تھا کہ وہ بھی پاکستان کے چند شہروں کے علاوہ کہیں اور ٹھہر کر رہے گی اس کو تو جانا چاہیے تھا۔ وہ اپنے اور محمد بھکر کے لیے کتنے کتنے ملک گھوم کر چکے تھے یہ لوگ سارا اسلحہ کلام کرتے اور ان دلوں میں سیاحت کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ اس نے بھی کلام کر کے میسے اٹھنے کے لیے لیکن وہ بے دوا تم کو دلائیں کرنے کے لیے جمع کر رہی تھی۔ اگر بیانیہ دکان میں آگ نہ لگتی اور اس نے اپنے بیسے دوا کو نہ دے دیتے ہوتے تو وہ بھی دیر کے ساتھ نکل چکی ہوتی۔ اس کی آنکھیں نم تھیں اس لیے کہ وہ نہ زندگی شاید اسے چند مواقع دے دے گی وہ سرے ٹکوں کی سیاحت کے لیکن وہ اسے سب دوست شاید نہیں دے سکے گی۔

خیال کو مضبوط کرتے ہوئے اور عام کرتی رہی اور ہنسنے میں ایک بار پھر نئی تک پیل چلتی ضرور جاتی۔ خوش آنکھ بات یہ تھی کہ بیوہ جوتی سے سب پہلے جیسا ہونے والا تھا۔ یہی کھلتی ہی ایگر ازم شہر تھے اس لیے سب دوست کے بعد آنا ضرور ہو جائیں گے۔ پونچھ نئی کے ہزاروں اسٹور تھے۔ کو بھی تو خبر نہیں ہو سکتی تھی کہ لاہور کی رہنے والی۔ دوا کی کو میں

شمار ہونے والا میلہ سو سے زائد اشارے ساتھ سنی سینٹر میں جا چکا تھا جہاں راتیں جھنگ کرتی تھیں اور دن قلعہ گاہیاں بھرتے تھے۔ جہاں رکھی سیل کی چھتوں کو گد گدی کرتی تھیں کہ آخر مجھے اٹھا کر اپنے نرم گرم گھروں میں کیوں نہیں لے جاتے۔ زیادہ مشکل تو نہیں ہیں ہم۔

کام کی زیادتی نے اسے تھکا ہوا قہر مل جاتے جاتے اس کی آنکھیں نوٹنے سے ہو جاتی تھیں۔ مگر کو کلانی کے ساتھ بمشکل اچھڑ گئی تھی۔ مگر جا کر چھٹنے سولی اور پھر سے کام پر آجاتی۔ دوا کو بات ناممکن ہو گئی تھی۔

"مفتی گنڈر ہو گئی ہو تم۔" دوا کا اسے کافی دنوں بعد بات ہوئی تو یہاں اس کو کہنے لگا۔

"تمہارے باب کو دکھانا ہوں تمہاری یہ حالت۔" دوا اسے تمہارے گھٹنے روز کام کرتی ہو۔" دوا نے کہا۔ "اب انی فضول خرچیوں میں اڑا رہے ہیں۔" دوا نے کہا۔ "آئی ہیں مگر تمہاری دلی سے کیا کر ایک کو فائدہ پہنچے۔" لیکن نہیں سنا۔ ایک گھر کے کھڑی کتے ہوتے ہیں امرتسا جہاں تم رہتی ہو وہیں بھی تو لوگ کام دایلوں کے بغیر رہتے ہی ہیں اور دیکھو کتنے کامیاب ترقی یافتہ ہیں۔ ہم سے تو بحیثیت قوم آگے ہی ہیں۔"

دوا خاموشی سے دوا کو سنتی رہی کیا کہتی۔

انگلے دن بابا کا فون آیا۔ "ہموندو باب۔ میں جیسے تجھے کر کے نہیں پہچے۔" لیکن وہاں گلاب حالت پہلے سے بہتر ہیں۔"

"نہیں بابا۔ مجھے عورت نہیں ہے۔ اس لیے تھک جاتی ہوں۔" جب عورت ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تمہیں کوئی خاندان نہیں پانا کہ تم ایک آدمی کے لیے پریشان ہو۔"

"مجھے خود کو پانا ہے۔" مجھے خود کو مضبوط کرنا ہے۔ میں اب تک مضبوط نہیں ہو سکی تو اس میں

تھکنوں سرکہ کر دینے والی امن سب کو کتا پاد کر دی ہے۔ وہ بوندہ بنی ہو کر گئے والی برف کو گھورتی ہے اور مسکرانے کی سعی کرتی ہے۔ وہ اولڈ کیپس کی بوندہ بنی ترک کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور آتی جاتی برف تک کو پہنچتی ہے اس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے اور آنکھیں کیلی کیلی ہو جاتی ہیں۔ وہ دوا کو باجپٹر میں بٹھکی برف دکھاتی ہے۔ مسکرانے کی کوشش کرتی ہے۔ ان سے باتوں میں دل بھلائی ہے۔

"تم جلی جاتیں جیسی دیکھتے ہیں۔ جتنے پیسے تمہارے پاس تھے پیسے تو انہیں کے وقت نہیں آئے گا۔" "میں ان کے سارے مل جاؤں گی۔" ان کے سارے مل جاؤں گی۔ "اس نے دوا سے کہا اور خود کو بھی تکی دیا۔"

"تمہاری نے جتنے بھولے اپنی ہانوں میں قہم رکھے ہیں۔" وہ سب وقت کے اشارے سے چلتے ہیں۔ ان میں بھولے کے لیے وقت کے اشارے کا انتظار کرتا ہی نہ تھا۔"

اور کہا ہوتا ہے کہ کہ کیا باری بچے کے کرسمس کینڈل نہیں کرتی شور و خفا۔ لیکن نرمی سے خود کو چھلوا کرتی ہے بے غرضی سے۔ یہ تو ہوئی جلی جاتی ہے اور یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ کب کرسمس آتا ہے تو گھر کی یاد ستاتی ہے حتیٰ کہ کب گھر میں ہی ہوتے ہیں۔"

سارا بابا فیلڈ اور سارا برطانیہ۔ اور سارے کا سارا یورپ کرسمس فلو کا شکار ہو چکا تھا کوئی چھینکا ہوا نظر نہیں آتا تھا لیکن مسکراتا ہوا حضور آتا تھا۔ سنی سینٹر کرسمس مارکیٹ میں لوہے کے ستون پر بہت بڑے سے سارا کھڑا کہ بھلا ہوا کیا تھا وہ لیکن یہ تو کڑا مسکراہٹ سب پر چھلور کرنا تھا کہ کرسمس کے بڑے میلوں میں

میرا قصور ہے۔ آپ کا ہے۔ ہمارے نظام کا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میرے جیسی بہت سی لڑکیاں مجھ سے زیادہ سخت کام کر رہی ہیں۔ میری تو چاہب ہی بہت آسان ہے۔ آپ حلوہ صلی اور واسیہ کی طرف توجہ دیں۔ میرا دل چاہتا ہے وہ سولہ کی طرح وہ بھی زندگی میں آگے بڑھیں۔ محنت کریں اور کامیاب ہوں۔"

پلیانے اس کے انٹرنٹ میں قصورے میرے ٹرانسفر کروادیے جنہیں اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ زندگی میں ملنے والے اسی آرام و تسکین نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ ریڈی ریڈی کھانا کھانے کو تیار رہے تو خود کھانا پکانے کی ذمہ داری کوئی بھی نہیں کرتا۔

ایک بار ڈراموں کے ساتھ Dramson مکی تھی ان دونوں کی پہلی ڈاکو مٹنی کو لے کر ان کی ایک نمائندہ سے ملاقات ملے مکی۔ ملاقات کے بعد جب نمائندہ چلا گیا اور مل آیا تو ڈراموں کے نوٹس سے کہا کہ وہ اس مل کو آفس میں مجبور اسے مل کے نیچے ڈراموں کے ساتھ ساتھ۔

ڈراموں کے شے نگہ۔ "میرے پلایا کے آفس۔" "میل اتنی دور ان کے آفس جاتے گے۔ قصورے سے پیچے ہیں۔ میں پیچے کر رہتی ہوں۔"

"میرے پلایا کا آفس میں اسی ریٹورنٹ میں ہے۔" Dramson کے ٹیبلٹ سے پھرے پھرے۔

"تمہارے پلایا میں کے ٹیبلٹ سے پھرے پھرے دار ہیں تو وہ پھر جنہیں مل کیل دیتا ہے۔"

"ان کی ٹیبلٹ مجھے اتنی سے منع کیا گیا ہے کہ میں یہاں نہ آیا کرتا۔ میں یہاں رہتا ہوں۔ آنا ہوں جب بالکل خالی جیب ہونے کا ہو ناہوں۔ مکی کھانا زیادہ نہیں مل رہی سائن کرتا ہوں اور جب میرے پاس پیچے ہوتے ہیں میں یہاں آکر پے کر جاتا ہوں۔ اتنی سی رعایت مجھے مل جاتی ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو یہ تمہارے پلایا کا ریٹورنٹ ہے پھر مکی تمہارے ساتھ یہ سب؟"

"میرے قادر امریکا سے یہاں کام کے لیے آئے تھے۔ دس سال تک انہوں نے گاڑیوں کی ایک ٹیکسٹ کی مٹیوں کی صفائی کا کام کیا ہے ان کے جسم سے مستقل ٹیکسٹ کی بوتل کے لیے مٹی کی گاڑیوں کی خواہش دس سالوں میں انہوں نے اپنی سکرٹ پیٹن کی خواہش کو دہانے رکھا اور ایک سکرٹ کی ڈیس جب انہیں تھے میں ملی تو انہوں نے اسے چاہا کہ اگر انہوں نے وہ اپنی بی بی تو دس سالوں میں کمانے کے سارے بچہ دار دھرم میں کی تیار ہو جائیں گے جس کے طور کا ایسا مٹی رہا ہو اس کے بیٹے کی سوٹ میں کرنا کہ وہ پچھتر مٹی کی بی بی میں جسے بھی اور باب کی مٹی پر ایسے مٹی میں بھی کرنا۔ مٹی کی مٹی میں نہیں لے اسی ریٹورنٹ میں کام کیا ہے ایک بار میں نے فیس میں اضافہ کے ایک دور کو دیکھا کہ وہ فیل مجھے اسی وقت چاہے سے نکال دیا۔ آج صاب میں ڈاکو مٹنی کا کر اپنا خرچ نکالنا ہوں۔"

"آج کل میں اپنی اولاد کے لیے ہی کمانے ہیں۔" "میں تو میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں جس بہت کھائی ان کی کھائی مگر سارے والدین صرف اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو انسانیت کا کون سوچے گا۔"

"انسانیت کا؟" ایک ہزار ایک اور سوالیہ امر دے ذہن میں اس بات کو من کر بیٹھ گئے تھے۔

"پلے۔ اگر دو لوگ ساری زندگی کما کر صرف اپنی اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو کل انسانیت کے بارے میں کون سوچے گا۔ ہمیں اپنی زندگی کے دائرے اتنے محدود نہیں کر لینے چاہئیں کہ ہماری ساری زندگی کا حاصل صرف چند افراد کو ہی فائدہ دے۔"

امرد ڈراموں کے اس جواب کو اچھی طرح سے سمجھ چکی تھی اسی لیے اگلا سوال نہیں کر سکی۔ "لا جواب ہو چکی گا۔"

کر کس سے ایک دن پہلے وہ سلوٹا کے ساتھ کر کس مارکیٹ آئی اور دونوں نے لیڈی مرکی تھائی ڈیویڈ ڈیمر خریداری کی انہوں نے اپنے سب بچوں

کے لیے مخالف منگوائے تھے بے سار کے پہلے پہلے
میں سورم کی کی شادی بھی تھی کچھ اس سلسلے کی
خریداری ہو چکی۔

سلو حنا کو کھر چھوڑ کر وہ اپنی بیٹی اپنی اور اگر اولاد
کیسبوں کی ترک کے لیے گھڑی ہو گئی۔ موسم کے
تیز رخ سے ہی بدل رہے تھے تیز ہوا چل رہی تھی اور
لیلیٰ ہی نغز نے برف باری کی خبر دی تھی وہ عراب کی
دعاؤں کے ساتھ تک کر گھڑی دھندلے آسمان کو دیکھ
رہی تھی۔ دھند بڑھتی ہی جا رہی تھی اور کچھ دور آگے
کی چیزیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اسے یہ سب اچھا
لگ رہا تھا۔ اسے برف باری کا انتظار تھا اس کے پاس
ایک گھنٹہ تھا پھر اسے واپس اپنی چاب پر جانا تھا وہ اپنی
بیٹی کے آگے برف باری کو ہونے دیکھنا چاہتی تھی ہوا
نور تیز ہو گئی دھند اور بڑھنے لگی ندی کے گلے میں
کے کنار کی طرح نرمی سے زمین پر برسنے لگے۔ ہوا اور
تیز ہو گئی امرد نے اپنے سر فرشتوں والے ہاتھوں کو
پھیلا لیا۔ برف باری بلاشبہ وہ منظر ہے جو ہر کسی پر
دیکھنے والوں کو مستانہ سا کر دیتا ہے۔ سفید پھول برف
بنے امرد سے شرارتیں کرنے لگے ٹوٹوں میں دھنسی
ہو رہی تھی نود دھند میں اس نے دیکھا کہ کوئی آگیا
بے وہ عایان تھا وہ قریب آیا اور دور ہوتا چلا گیا۔

وہ عایان نہیں تھا۔
بریلے ریشوں کو کھینچنے اپنے سر فرشتوں پر
آدھ تھوڑا جہاں کی تھیں کھڑی ہو گئی۔
”اسے عایان تھوڑا جہاں کی نظر آیا تھا۔“
گرم کوٹ کے اندر اس کے دھند نے سم کر جھڑ
جھڑی۔

دھند کو چر باہر کوئی آ رہا تھا آفسورہ روڈ کو بھاگ کر
پار کر آیا ہوا کوئی کی طرف بچتا ہوا امرد عراب کی
دواؤں کے ساتھ سنٹ سی گئی۔ برف باری میں تیزی
آگئی تھی۔ اس کے سر فرشتوں نے تم ہو رہے تھے۔
برف کی پھوار کو دیکھتے اس کی آنکھیں نہیں ٹھک رہی
تھیں اور یہ کون اس کی طرف آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں
نیلے پتے سفید پھول تھے۔ پھول بہت زیادہ تھے ان پر

برف گر کر جم رہی تھی۔ وہ بار بار انہیں جھاڑ رہا تھا
اس نے گردن کو کھمبے کے امرد کو دیکھا اور ایڑا پکا کر
منکڑ لیا۔

تیز ہوا کا جھوٹا تیا اور اس شیبہ کو اڑا کر لے گیا
امرد نے سم کر اس پاس دیکھا تو رنگ نہ ہونے
کے برابر تھی آٹا کا لوگ بیٹھے ہیں اور امرد نے وہاں
سے تیز تیز پیدل چلنا شروع کر دیا۔ اس کا دل خوف
سے سم رہا تھا۔ وہ نود تیز چلتے گئی اور پھر وہ بھاگنے
لگی۔ آفسورہ روڈ پر اپنی کوٹ پہنے پیچھے چھوڑ گئی۔

خوف اس کے دھند میں سرایت کر رہا تھا۔
عایان اس کے کھانچے بائیں آگے پیچھے ہر جگہ تھا۔
وہ سامنے سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ پیچھے سے اسے
پکار رہا تھا۔

بے سار کیا تھا۔ بے سار ٹوٹ کر نہیں تھا۔
اسے اپنے تعاقب میں عایان نہیں چاہیے تھا۔
برف پر بھاگتے بھاگتے، جھل کر گر گئی۔ یہ عایان کون
تھا اس نے اسے گرا دیا تھا۔ ٹھنڈی ناک سے درد کی لہر
پھولی۔ آنکھ کر اس نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ گردن
سے لینے منظر کو کھول کر اس نے اچھی طرح جھاڑا اور
گردن کے گرد لپیٹ لیا۔ برف اس کے دھند میں اتارتی
اسے ٹھنڈا کر رہی تھی۔

اور اسے تکلیف ہو رہی تھی۔
سفیدے کے معامل میں سر سخی کوٹ اور سرخ منظر
میں وہ غزل میں کھلی اس غزل کی مانند تھی جو بے وقت
کھینچنے پر تیار ہو جاتی ہے۔

بیٹی کو اپنے پیچھے چھوڑتے وہ آہستہ آہستہ پتلی
جاری تھی۔ ندی کے گلے ابھی بھی گر رہے تھے۔
اس کے کھلے پاؤں میں انکھ رہے تھے۔ وہ برف باری
کو دیکھتے تھی کئی تھی۔ لیکن اس نے یہ کیسی برف باری
دیکھی تھی۔ جس نے اس کے اندر کی ہر اڑوں کو ختم کر
ڈالا تھا۔ سارا سبز سفیدے میں بدلتا چلا رہا تھا۔

”نور غزل نکلتی تھی خوب صورت نکلیں نہ ہو وہ
بدار کو گل لے تو موت ہوتی ہے۔“

(بائی آئینہ دلوان شاہاواہ)

قوة العين خرم کاشی



محرقت کی سب سے بڑی خلیہ و خالی یہ ہے کہ وہ
سدا ایک سانس میں رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے مجاہدین
جیسے موسیوں سے اپنے گور پرانے رشتوں کی پہچان
ہوتی ہے۔



کچھ مہینے گزرے تو نہایت نے اپنے رنگ و عجب
دیکھا۔ خرم کی گرد ہے۔ وہ حد سے زیادہ خود سر اور خدای
لانی کچھ حکم کے معاملے میں انتہائی مست اور لاپرواہ
شہر ہر عمل طور پر اس کی مٹھی میں تھا۔ اسی لیے اسے
ی اور کان دار تھا اور نہ خوف تھا۔

محبت لائے سانس مسرے سے اسے خدا واسطے کا پیر
تھا۔ خاص کر اپنی خانہ یعنی سانس رشیدہ بیگم سے۔
کیونکہ سارے گھر میں مکمل اچاہ و داری ان کی تھی۔
جو نہایت کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

فائز و راسا آگے ہو کر دو انڈے سے بھاٹکا اور
داد کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتا۔ چار
سالہ گول منول خوبصورت سے فائز میں رشیدہ بیگم
یعنی داد کی جان تھی۔ اس سے ایک سال چھوٹا رضا
اور دو سالہ کن بھی رشیدہ بیگم کے مستلاٹے تھے۔
مگر فائز پہلا بچہ ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ قریب
رہا تھا۔

کچھ نہت کا بھی یہ پہلا تجربہ تھا۔ سو وہ مٹھی مٹھی
باتوں پہ گھبرا جاتی تھی اور فائز کو اپنی سانس کو تھکاتی۔
جیسے سنبھالنے اور سلاتے رشیدہ بیگم بھی نہیں مٹھی
تھیں۔ اور شیر آکھڑائی لاد چھ مٹھی کی پاستے کے لیے
یہ وار تھکی دیکھ کر فز پڑتے تھے اور مذاق ہی مذاق
میں کی بارائیں منع بھی کرتے تھے۔ جسے رشیدہ بیگم
ایک کھن سے سن کر وہ سرے کھن سے نکال دیتی

تھی۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جس کہ ہماری مذاق
میں کسی باتیں "حقیقت کا پہلو لو لہہ کر رہا ہے جانتے
آکھڑی ہوتی ہیں۔ اور ہم سوچتے رہ جاتے ہیں کہ اگر
باتوں کا "جی" ہو جانا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔

رشیدہ بیگم کو اپنے انیس سالے پاس اکھڑتے جینے
راض کے لیے اپنی بس کی ناز و سلاو ام سی مٹھو میں
پاس بھی نہت چھو آئی تھی۔ ان دونوں تعلیم کا آغا
دولت حسین تھا۔ اس کے نہت کا آٹھ بڑا حسین پاس
ہوتا رشیدہ بیگم کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ سونے پہ
ساک نہت خوبصورت بھی بہت تھی اور ناز و خواہش
سے بھی بڑھ کر تھا۔

رشیدہ بیگم بہت چاہ اور مان کے ساتھ نہت کو پیار
کر لاتی تھیں۔ کئی مہینے تک اس کے ناز و خیرے اٹھائے
کہ اس پاس اور ملنے ملانے والوں نے اعترافات
شروع کر دیے تھے کہ رشیدہ بیگم نے اپنی بو کا باغ
ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ رشیدہ بیگم سستی اور
فس کے ٹال دیتی ہیں۔ ان کو اپنے چھوٹے سے گھر کا
سکون اور اطمینان بہت عزیز تھا۔



دروازے سے بھاگ کر واپس جانے لگا تو رشید بیگم نے اختیار ہو کر ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہوئے محبت سے پکڑیں۔

فائز رک گیا اور خوفزدہ نظروں سے دلوں کے پھیلے بالندوں کو دیکھنے لگا اور ایک نظارے پر پہچے بھی بادل لپکتے کیس ای نہ آجائیں۔

”وہ دلوں ای کتنی ہیں کہ آپ گندی ہو۔ آپ اچھی نہیں ہو۔ میں نہیں آؤں گا آپ کے پاس۔ دلوں گندی ہیں۔“

فائز نے روتے روتے طوطے کی طرح جی کا سکھایا سبق سنایا اور تیزی سے واپس بھاگ گیا۔

رشید بیگم کے ہاتھ دم ہو کر ان کی گود میں آگئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی محبت اور ممانعت کا یہ جھلکا تھا آج انہیں نہ بہت سے اپنے اندر رکھ کر ان کی جگہ پر ان کا شہرہ اٹھایا تھا۔ ان کے ذہن اور غول کی وجہ سے وہ اپنی ہی کی ہر بات سے بے خبر ہو جاتے تھے۔

”میں نہیں بلکہ ہی سمجھنا تھا۔ مجھے وقت کے خیر نظر کرتے تھے مگر تم۔“

ابھو بیگم نے اس کی بیٹی اپنی شریک حیات کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ بچوں کو ہمارے خلاف سکھا کر ہم سے الگ کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اب تو میں نے اس کے کسی معاملے میں ہونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں اتنے چاہتا ہوں کہ اس سے بچا کر لائی گئی کہ ایک تو میرا بچا غول ہے اور وہ سراپا بھی لکھی ہے، یہ کہ نہ کچھ تو سمجھ کر ہوئی کہ ہماری کتنے دلی سلیس ستاروں کی تم۔“

رشید بیگم نے اس کی سے کمری سامنے لی۔

”مے اپنے آنسو میں اس نے کانا زخم ہے کہ مجھے جاہل کر دیتی ہے۔ میری ہر بات کی بیسی ازانی ہے۔ کیا میں تعلیم دے کو مجھ سے بڑے کا احترام بھلا رہی ہے اس میں اتنا غور و فکر بھرتی ہے کہ وہ

رشید بیگم اسے پیار اور محبت سے کچھ بھی سمجھائیں وہ اس کے برعکس کر لے۔ جان کر ان کو نہج کرتی۔ ہر چیز میں بعض ناخوشی اور حسدات کرتی اور لب تو اکثر زبان دورانی کرنے لگی تھی۔

نہت کے یہ رنگ و سبک اور تیردیکھ کر رشید بیگم صدمے سے ٹک رہی تھی۔ ان کا رشتہ خالہ بھانجی کا بھی تھا اس کے بعد جو نہ بہت ان سے سخت چڑھتی تھی۔

کیوں؟ اس کیوں کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ مگر وقت کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔ مگر اس کی ”وقت“ پہ نہیں ہوتا ہے!!!

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزر رہا تھا۔ اس مگر کے آگن میں بچوں کی گفتگوؤں کو بٹھنے لگیں۔ رشید بیگم نے بچوں کی بار نہت کا سب خیال رکھا۔ بڑے بڑے بھانجا کو ہر چیز پیش کی۔ علاوہ اب ان کی محبت دانا۔ دن کر لی جاری تھی۔ مگر وہ تو بچوں کی محبت میں وہ سب بھلا کر بھگتے تھے۔ بچوں کی محبت اس لیے بچوں کے ایک طرح سے دلوں کی خوشی ہی بن جاتے تھے۔

مگر اب پچھلے کچھ عرصے سے مگر میں عجیب صورت حال پیدا ہوئی تھی۔ نہت کو اپنے بچوں کی صورت میں ایک اور صورت لیا تھا۔ جہاں پہ نہت آسانی کے ساتھ اپنی محبت رشید بیگم کو بھگت دے سکتی تھی۔

مخصوص بچے اپنی ہی کی سیاست میں شامل ہونے لگے تھے۔ ان کی ہی ہر چیز ان کی رگوں میں قہقہہ قہقہہ کر کے اٹھ رہی تھی۔ مگر اس کا پھل بھی اس نے کھا تھا۔ وہ بھول چکی تھی۔ مگر ”وقت“ کچھ نہیں بھولتا اور نہ ”بھولنے“ دیتا ہے!!!

”فائز! یاد رکھو۔ دلوں کی جہاں!!!“

پہنچی بار بھی جب فائز کمرے کے لودہ کھلے

”جہاں مکتوب“ عورت نے میرے بچے بھی ہکاڑے
کئے ہیں۔ چا نہیں کب جاں چھنے گی اس عذاب

موتا چھے اور نفرت سے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی
تھی۔

دوا دے کے اس طرف بھی میلی پیار کنوڑ اور
جاؤں عورت بہت حسرت اور بے چارگی سے اس منظر
کو دیکھ رہی تھی۔

بچی وہ بھی اسی غور و غلطی سے زمین پر چلتی
لوگوں کو عداوت کی نظر سے دیکھتی تھی فقط صرف اتنا
ہے کہ تنہا خود اسی جگہ پر کھڑی ہوئی تھی جہاں کبھی
اس کی ماں رشیدہ بیگم کوئی تھی۔

اپنے زمانے کی آنسو بہاؤں اور خوبصورت نازک
ایہ بے شکوہ دل پر راج کرتے والی ماس سسری
انگلی اور چوٹی ہوتے تھے۔ سچ کے زمانے کے
حساب سے جہاں اور کونسا کھائی تھی۔ اس کے میلے
اور گھٹے چھلے کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہیں
آتا تھا۔

تھا کہ وہ بیٹے بھی نہیں جنی پہ اسے بہت ملنا تھا
کسی اس کے بیٹے اپنے بچپن سے اپنے گھر کے
بزرگوں کے ساتھ ملو سلوک دیکھ رہے تھے۔ اسی
لئے سچ جب ان کی ماں اس اسٹیج پر پہنچی اور ان کی
زبوں نے وہی سلوک ”ان کی ماں کے ساتھ کیا تو
انہیں کچھ الگ بابر محسوس نہیں ہوا۔

فرق صرف اتنا ہے کہ رشیدہ بیگم کے دکھ سکھ ہانٹنے
والا ان کا ماں بھی اور شریک حیات ذوق تھا۔

جبکہ اپنے صمیمیہ عدالت میں دد کو ٹسے کھانے
والی نزہت کو اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ سب اکیسے
ہواشت کرتا ہوا تھا۔

آپ ”وقت“ کو جو دے ”وقت“ آپ کو وہی
لوٹائے گا۔ سو سمیٹ۔

کاش ہر عورت اپنے بچوں کو نفرت کا زہر ملانے
سے پہلے یہ سوچ لے کہ کل کو یہ زہر اس کا نصیب بھی
ہو سکتا ہے۔

اصناف اور برائی کی جڑ پھول جاتا ہے۔
اس سے بہتر تو میں کسی ان چاند لڑکی کو اپنی ہوا
بالتجلی۔ کم از کم میری طرح کی ان چاند عورت کو رشتوں
کا حرام نہ ہو جائے۔ رشتہ بناتا تو جاتی مل دے۔“
رشیدہ بیگم نے اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں
پوچھیں۔ وہ لوں میاں بیوی گزرتی رات کے پہلو میں
اور اس اور غمگین سے بیٹھے تھے۔ عمر کی نقدی تیزی
سے ختم ہونے کو تھی۔ اور وقت کا پیسہ تیزی سے
گھومتا منظر پر منظر بدل رہا تھا۔

بڑے سے گھر کے خوبصورت سے لان میں دونوں
بچے اوپر سے اوپر بھاگ رہے تھے۔

بالغ میں رنگ رنگ کے پھول تھے جن پہ شیش
رنگ کی تتلیاں اڑتی ”ان کی خوبصورتی کو پورا دہی
تھیں۔

راس نے ایک تھلی ہاتھ میں پکڑی اور خوشی سے
چلتا ہوا دلوں دلوں پکارا تاہم دیکھ کر طرف بھاگا۔ داد کا گھر
پانی گھر سے بہت کر قلعہ جہاں ہوا وقت اکلیل پڑی وہ کسی
کی کہنت کی غلط فہمی تھی۔

سات سالہ راس اور چار سالہ عیسیٰ سب سے
نظر پکار بھی گھما کر ان کے پاس چلے جاتے تھے۔

ایہ بہت کسی ہوا تھا۔

ابھی راس نے داد کے گھر سے کاروانہ کھولا ہی
تھا کہ کسی نے اس ہاتھ پکڑ رکھی تھی۔

”راس! میں نے سنا تھا کہ آپ پہلی نہیں آتا
ہے۔ آپ کی دلوں باری ہیں۔ بڑا عظیم لگ جائیں گے

آپ کو۔ چلو میں سنا
مونا راس کا بازو پکڑے اسے سمجھتے ہوئے وہاں

سے لے کر جاری تھی۔ جبکہ راس مسلسل شور مچا کر
رہا تھا۔

”مما! مجھے داد کے پاس جانا ہے۔ انہیں تھلی
دکھانی ہے۔ ممما! میں ابھی دائیں آہٹوں گا۔ پلیز
مما!“

راس منت کرتے کرتے آخر میں دھنکے مگر مونا
اسے سمجھتے ہوئے وہاں سے لے گئی۔

چاند تالاب میں جب رقص کیا کرتا ہے
میری آنکھوں میں تراکس ہوا کرتا ہے

جن دنوں تجھ کو میسر نہیں ہوتی فرصت
اُن دنوں مجھ میں بہت جیس رہا کرتا ہے

ایسے آخری سے سولے دل پہ محبت کی دہی
جسے مجھ کے ہیں کوئی دیپ جلا کرتا ہے

یہ تراخنہ ہمیشہ یوں ہی شاداب رہے
جا کرے واسطے ددویش دفا کرتا ہے

اے مری پہلی محبت اے سولے سے جڑوں
دل تمہیں آج ہمیشہ کو رہا کرتا ہے

میں ترے ترکہ تعلق پہ بھی حیران نہیں
دشتِ عزیت میں کوئی کتنی دفا کرتا ہے

بیشم علی آغا

بہیں عشق میں آسوا دینے والے
مجھے ہمیشہ میں راستہ دینے والے

کرم جبرِ حالات کا ہے : دد
بڑے باوصاف تھے دفا دینے والے

اب اک کسے خود ہی دعا مانگتے ہیں
مجھے ددِ دل کی دعا دینے والے

بشرِ مہا میں کہے نہ کرتا خطائیں
سنہل کے سزاؤ ہزا دینے والے

مروں اور دد پر تو بد غلن نہ ہوتا
مجھے اپنے دد سے اُٹھا دینے والے

مری زندگی ہی تو میرا حق ہے
مجھے زہر سے دھوا دینے والے

خدا اور ترکہ سے ناب تو رہا !
سلامت رہیں مشورہ دینے والے

خدا بدو بکوی



کالا پتھر

میرا جہیز آئینہ ہے

آئینے پر دامن جو ہوتے

لہو کی برکھاسے میں دھوتا

اپنے اندر جہانگ کے دیکھو

دل کے پتھر میں کالک کی کتنی پر تیں جی

ہوتی ہیں

جن سے ہر نظر اسطر منظر کھلا سا گیا

دیا سوکھ گئے ہیں شرم کے مارے

کوٹھے پر سے کالک کون اتارے

شکيب جلالی

کبھی کبھی تو یہ حالت بھی کی محبت نے
نڈھال کر دیا مجھ کو بڑی محبت نے

تری یہ پہلی محبت ہے مجھ کو کیا معلوم
گھٹا دیا مجھے اس آخری محبت نے

وہ ہیں بھی جیسے سرما کا ہانڈھی لیکن
اسے اُجال دیا اور بھی محبت نے

یہ تم جو میرے لیے غمبختی ہو
تہیں جگایا ہر گام ساری محبت نے

میں جس کو پہلے چل دل کی کہتا تھا
مجھے تو مار دیا اس نئی محبت نے

محبت اور جلوت میں فرق تو ہے نہ
سوچیں لی ہے بڑی دوستی محبت نے

انوار رحمن

مجبوری

ایک شرابی ریلے بنگ آفس پر ایک شخص کو اپنے کندھے پر سوار کیے پانچا اور ٹکٹ بیچنے والے سے کہتا ہے۔

"مجھے دو تری کا ایک ٹکٹ دے۔" ٹکٹ بیچنے والے نے جیت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس شخص کا ٹکٹ نہیں لوگے ابو تمہارے کندھوں پر سوار ہے۔"

"یہ شخص۔" شرابی نے جواب دیا۔ "تو میرا بچہ ہے اور ابھی اس کی عمر چھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی ہے۔"

"چھ سال سے کم عمر کا بچہ ہے؟" ٹکٹ بیچنے والے نے کہا۔

"نہیں بڑا قوف ہوتا ہے۔ یہ شخص چھ فٹ لمبا ہے اس کا وزن کم سے کم ستر کلو ہو گا اور اس کی داڑھی کسی محل میں بھی نہیں لٹے گی کم نہیں ہے لکڑی تم اسے بچہ کہہ رہے ہو؟"

شرابی نے کندھے پر سوار شخص کو نشان پر دے پٹا اور آنکھیں اٹھ کر بولا۔

"کندھے اٹھیں گے تو یہ سب سے بڑا قافلانچا بنی داڑھی منہ حوالہ۔ اب مجبوراً مجھے تمہارا بھی ٹکٹ لینا پڑے گا۔"

ناک سہیل۔ افرندن

تکلف بر طرف

گھر کی مالکین نے موقع ملازم کو یہ احساس دلانے کی کوشش کر دی تھی کہ ان کے یہاں ملازمت کرنا اس کے لیے بہت آسان ہو گا اور اس گھر میں وہ خوش رہے

تھے گی۔ اپنے گھر کی بہت سی خوبیاں بتوانے کے بعد مالکین نے کہا۔

"مذکور یہاں بیٹے بھی نہیں ہیں جو تمہیں تنگ کریں۔"

گھر کے دیگر صاحبہ! بچوں سے میں بالکل تنگ نہیں ہوتی۔ "تو آپ بھی وجہ سے خود غمناک ہو گئی ہیں تاکہ کا تکلف مت کیجئے گا۔"

موقع ملازم نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

الماس خور۔ بڑا

پیشی اطلاع

ایک دولت مند شخص نے اپنی بارانی سیکرٹری کو اطلاع دے کر کہا اور ایک پارک میں سیر کا پروگرام بنایا۔ جب وہ سیکرٹری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے محسوس ہوا

تھا تو اس کا دل اس کی ہڈی آگئی اور دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر شے میں دلچسپی لگی۔ گھر پہنچ کر اس نے مقامی اخبار کے ایڈیٹر کو فون کیا۔

"محل کے اخبار میں میرے شوہر کی موت کی خبر شائع ہو رہی ہے۔"

"نہن کا انتقال کب ہوا؟" ایڈیٹر نے افسردہ غم کرتے ہوئے پوچھا۔

"آج شام کو ہو گا۔" بیوی نے جواب دیا۔

کو کب سن۔ راولپنڈی

رفقانی گھنٹہ

ایک بڑے ٹھیک سار جنت نے اپنی کار کو بی دکھاتے ہوئے ایک تجر قدردار سوار کو روک لیا۔

"جناب! میرا قصور کیا ہے؟" کار ڈرائیور نے حیرت سے پوچھا۔

مذہب! ہم نہیں جانتے، وہاں میں نے حج کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

جنگل: زیادہ بہتر یہ ہے کہ اپنا مذہب دیکھو اور لوگوں کو سمجھنے دو کہ تم سب کو قتل ہو رہے۔ نسبت اس کے کہ اپنے مذہب کو لو اور لوگوں کے شہادت ختم کرو۔

جنگل: "تمہارا بھائی اکثر مجھ سے رقم لو حوالہ دیتا ہے۔ تم آج تک اس نے ایک روپیہ بھی واپس نہیں کیا۔"

"ہاں! وہ عجیب سے ہی بچت کرنے کا مادی ہے۔"

ابن: سکندر شاہراہ فیصل

احساس

"آج میں بھرتی لے جانی ہوں کیا۔" پروفسر صاحب نے گھر واپس آ کر اپنی بیگم کو بتایا۔

"بھرتی کو آپ کیا چاہتے ہیں؟ بھرتی آپ کے پاس نہیں ہے۔" بیگم نے غصے سے پوچھا۔

"آپ بھرتی دے رہے ہیں؟" کے بعد میں نے بھرتی دے دینے کے لیے ہاتھ بند کیا تو۔ "پروفسر صاحب نے جواب دیا۔

شادی: کلید۔ ایف نمبر

شوگر کوئٹہ

مجھ سے پہلے ایک ٹیم پاکستان اسپارٹس ہاٹھیں کر رہا تھا۔

"دیکھیے جناب! میں چاہتا ہوں کہ اسپارٹس ٹیموں اور قوانین کے مطابق ہوں۔ لیکن میں آپ کو یہ بھی بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گروپ کے ایک طرف

اسپتال ہے۔ دوسری طرف قبرستان ہے۔ عقب میں نہر بہ رہی ہے اور۔ ہم نے اس سینئر میں اب تک کوئی ٹیچ نہیں ہوا ہے۔"

میرزا: شاہ لاہور

قرآن خلی

اسکات لینڈ کے باشندے ضرورت سے زیادہ سنجوس مشہور ہیں۔ پچھلے دنوں اسکات لینڈ کی فیشنبل ٹیم کے نمبر نے سینئر فارورڈ کو اپنے دفتر میں طلب کیا

"آپ کا قصور یہ ہے کہ آپ اسی گلوبل میٹنگ کی رٹائر سے جا رہے تھے جبکہ اس سڑک پر پچاس گلوبل میٹنگ کی رٹائر سے زیادہ تیز گاڑی نہیں چلتی۔"

"تو آپ سارے جنٹ نے خوب خوش سے کیا۔"

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" سوار نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"میں اسی گلوبل میٹنگ کی رٹائر سے گاڑی کیسے چلا سکتا ہوں جبکہ مجھے تو گھر سے نکلے ہوئے صرف گھنٹہ سا وقت ہی ہوا ہے ابھی۔"

کار سوار کی بات سن کر ٹریفک سار جنٹ نے کیپ اٹار کر سر کھینچا۔ مگر کچھ دیر سوچا اور پھر۔ ٹریفک سوار کو جانے دیا۔

بازش: کل۔ کھاریاں

مطلوبہ کتاب

لندن میں ایک خاتون نے ایک کتاب فروش سے موعظا کم کرنے کے طریقے اور وہ اس کتاب و موعظا نے کو کہا۔ کچھ عرصے بعد وہ خاتون اسی دکان میں دوبارہ

گئیں۔ وہ کتاب فروش خوش ہو کر کہنے لگا۔

"یہ بچے آپ کی مطلوبہ کتاب گھر آپ کو پہنچے گی۔ خاص دکانی نظر آ رہی ہیں۔"

"کی ہاں۔" خاتون نے کہیں۔ "دراصل میرے شوہر کم ہو گئے ہیں۔ میں اسی پریشانی میں رہی ہو گئی ہوں۔"

موصوف: آپ کے پوتے کو اطلاع دی؟ "دکان دار نے غور سے اسے دیکھا۔

"نہیں! میں نہیں سمجھتا۔ اصل میں چاہ رہی تھی۔ میں اپنا بیٹا پوتہ دکان میں کم کر رہا تو میرے پوتے کو اطلاع دیں۔"

خاتون نے سمجھ داری سے جواب دیا۔ "یہ فیصلہ دی آج سے"

چند چیدہ

☆ جو شخص آج سے ہو جائے کہ وہ سوچ بھی نہ سکے تو اس شخص کو فوراً شادی کر لینی چاہیے۔

☆ آج ہر گھرانہ کوئی وکیل نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے بے ساختہ کہا۔ "نہیں صاحب! باہر سے آجاتے ہیں۔" مولانا فیض الحسن فیض بہار پوری جھپٹ کر خاموش ہو گئے۔
حرفِ قہر کی۔ مٹان

ابھی تک۔۔۔

"دیکھو۔ وہ تو ہی جو دالیں کر رہا ہے۔" پانی میں ڈوبی نے اپنے شوہر سے کہا۔
"ہاں۔ کون ہے؟" شوہر نے پوچھا۔
"دس سال پہلے میں نے مجھے پہچان لیا تھا۔" یوی نے شرمیلی سے کہا۔ "میں نے اسے پہچان لیا تھا۔"

"کوہا ہاں نکالو۔" شوہر نے حیرت سے سر ہاتھ مارا۔ "یہ بھی تک تو فیض شہزاد ہے؟"

سوا سیر

یوی کے منے کے عالم میں اپنے شوہر سے کہا۔
"مجھے ایسے لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں جو روز رات کو شراب کے نشے میں دھت ہو کر گھر آتے ہیں۔"

شوہر نے اظہارِ پڑھتے پڑھتے سر اٹھایا اور سنجیدگی سے بولا۔

"ہو لوگ رات کو نشے میں دھت ہو کر گھر آتے ہیں وہ کسی کی ہمدردی کی ضرورت محسوس کرتے بھی نہیں ہیں۔"

رشدِ عقل۔ اور گی جان



اور اس سے کہا۔
"لو ہم اس بیڑن میں خمر نے اسے اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا ہے کہ یوڑا نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اچھا کھیل بوس دیا جائے یہ لو ہم تمہیں سوچو بڑا کچھک دیتے ہیں۔"

سمتِ سمت شمریہ۔ "کھاڑی نے کہا۔" میں یوڑا کا دل سے مہنون ہوں۔"

نیم کے فوجی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"گور اگر تم اگلے بیڑن میں بھی اسے ہی اچھے کھیل کا مظاہرہ کرتے رہے تو بیڑن میں صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس چیک پر دستخط بھی کریں گے۔"

تاریخِ نیم۔ عین ہنی
پرستار
ایک تقریب میں ایک مشہور مصنف کا تعارف ایک خاتون سے کروایا گیا تو وہ انہیں متاثر کرنے کے لیے بولیں۔

"اے ہاں۔ آپ تو بہت مشہور شخصیت ہیں مجھے آپ کے سب شول بے حد پسند آتے خاص طور پر وہ شول تو بہت ہی اچھا تھا۔ کیا ہم تمہیں ایک یاد نہیں کر رہے۔ کبھی بھی یاد نہیں آ رہی۔ بہت اچھا بات تھا۔ اس وقت ذہن میں نہیں کر رہا۔ اسے بہت ہی نا اہل جس کے ہاتھ میں تو کئی نے کھالی لکھ کی لکھیں بہن رہی تھی اور اس کے کانوں میں ڈانڈ کے جھپکے تھے۔"

فخرِ سلطانِ الدین۔ مینوول
گور ہے

ایک بار دلی میں رات گئے کسی مشاعرے سے مرزا صاحب مولانا فیض الحسن فیض بہار پوری کے ہمراہ واپس گھر پہنچے راستے میں ایک ٹھک۔ ہر ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ آگے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا فیض نے یہ دیکھ کر کہا۔

"مرزا صاحب لیلیٰ میں گور ہے سمت ہیں۔"

چند باتیں شاید آپ کئے ،

آگہ و لاوہ ہے جو اپنے آپ کو دیکھے ۔

عزیز عزیزوں کے بندوں سے جو آواز ہے اسے
میں نے خوف کیونکہ عزیز عزیزوں سے ہی تم پیدا
ہوئے ہے عزیز عزیزوں سے ہی خوف ۔

(گوتم دھ)
خاموشی انبیا و رسل کا جتنی طریقہ ہے ۔
(برنارڈ شا)

میں نے ان کی طبیعت معلوم ہوئی ہے ۔ پھر وہ
آگے بڑھتا ہے ، پھر اس سے شہرت ہوتی
گئی ہے ۔ پھر باور کیا جاتا ہے ۔ پھر وہ عادت
میں جاتا ہے ۔ پھر کوئی غمناک نہیں جاتا ہے
اور اس کی پچھتاہٹ کا جذبہ کہہ لیتا ہے اور پھر وہ
تیار ہو جاتا ہے ۔

(جان ملن)

انجلی سیرت بڑائیوں سے بچنے کا نام نہیں بلکہ ذہن
میں بڑائی نہ گننے کی خواہش پیدا ہونے کا نام
ہے ۔
(برنارڈ شا)
زندگی کیا ہے ، صرف وقت ۔ ہیں اگر ہم وقت
ضائع کرتے ہیں تو ہم زندگی برباد کرتے ہیں ۔

(ہربرٹ اسپنسر)

غم کے مقلد بات چیت میں آتی ہوتی ہے
جیسے کھانے میں نمک کہ جب نمک اخلاص پر چلتا ہے
تو راضی و مدد فاسد ۔
(اظہار طعن)
آپ خواہ کوئی اور کہیں بھی ہوں اس چہرے سے غم
انسانی کر رہی گئے کہ جہاں ہر شخص پر غم خود کہہ
ہوتا ہے وہاں دوسرا کوئی کہہ نہیں سکتا ۔

(جھوٹ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

• برتن ڈھانپ دیا کرو ، شکر کے کاغذ ہانڈھ دیا کرو
چراغ بجھا دیا کرو اور دعاؤں کا ذکر کیا کرو کیونکہ شیطان
(مذہب شکر کو نہیں کھوتا) ۔ دعاؤں کو نہیں کھوتا اللہ
(ڈھانپے ہوتے) برتن کو نہیں کھوتا ۔ اگر کسی کو برتن پر
رکھنے کے لیے گڑی اور دھت کے چٹنی شروع دیکھو اسے ہوا
کہہ نہ سکتا ہے ہی اللہ کا نام لے کر کہہ دے (چراغ بجھا
دیا کرو) اس لیے کہ غمی شہر میں رہا مگر کسی ایک رنگے کا ذکر
کو یا گھر والا ذکر بھلا دیتی ہے ۔

(صحیح مسلم)

فائدہ و مسائل :-

- 1۔ شریعت اسلامیہ اس قدر کامل ہے کہ اس میں
روزمرہ کے ہر معاملات میں بھی ، دنیاوی دنی کو بھی
ہم کی طرف سامانہ رہتو چھوڑ دینی ہوتی ۔
- 2۔ • پایتخت کو سوتے وقت عمل کرنے کے لیے
دنی چھوڑ دینی ۔
- 3۔ • دعاؤں کے وقت برتن ڈھانپنے وقت
اور شکر کاغذ ہانڈھنے وقت اسم اللہ کہنا چاہیے
اس کی برکت سے شیطان کی شرارت سے حفاظت
رہتی ہے ۔
- 4۔ • چراغ بجھانے میں یہ حکمت ہے کہ رہا ملین تو
کے کو صحت میں ملتی جاتی ہے جس سے گڑی کی کھیت
کو ایک رنگ جاتی ہے اس لیے شکر کے چراغ
یا غم جی دیکھو کہ بھلا دینا ضروری ہے "اللہ
بھلا کا بھی دشمنی کا طالب دشمنی رکھا ہوا سکتا
ہے کیونکہ اس میں یہ عنصر نہیں ۔

ایسا فرمان ہے، جس کی تعمیل سے رہا اگر کسی طرح
کا فائدہ پہنچا ہوا تو اس کی فوراً تعمیل کرو یا اگر اور جو
فرمان ایسا ہو کہ اس کی تعمیل سے رہا اگر کسی قسم کے نقصان
پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس کی تعمیل میں جلدی نہ کیا کر۔
بلکہ پہلے مجھے ایک دفعہ توجہ دلایا کر۔ کیونکہ اللہ کے
حکم کے تابع ہے۔ شاید دوسرے وقت کسی اور ہوا
میں ہو اور اس فرمان کو بھل دیا جائے؟

گھنٹے،

- ۱۔ کوئی شخص روزی اپنی لیاقت اور طاقت سے
ماصل نہیں کرتا۔ اللہ سب کا مالک ہے۔
- ۲۔ بڑے بڑے حکمرانوں اور سرکشیوں کو بھی اللہ کے
سامنے جھکے بغیر چارہ نہیں۔
- ۳۔ خداوند تعالیٰ توکل میں ہے اور وہ ہم کو ہم میں۔
دیکھا وہ کاروں کو توکل کے لیے مہلت دیتا ہے
اور وہ کہنے والوں کو دامن رحمت میں ڈالتا ہے۔
- ۴۔ جب قرائل سے منفرت و عطا کا طالب ہے تو
حق توکل کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ
ہیں تو انہیں میں محروم و مایوس نہ کر۔
- ۵۔ جیسا سلوک تو مخلوق خدا سے کرے گا ویسا ہی
سلوک اللہ تیرے ساتھ کرے گا۔
- ۶۔ حقیقی بڑا قویہ ہے جو اپنے ہر چہ سے کو بہا جاتا
ہو اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہو۔
- ۷۔ جس مظلوم کو بادشاہ سے انصاف نہ مل سکے اسے
خدا انصاف دلا تا ہے۔

حوا قریشی۔ ملتان

سردق کی شخصیت

مازل فریہ
میکساپ روز پانی پار
خاکر سوئی رضا

۱۔ دلدار ہر ایک ہفتہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو اپنی
قیمت دکھاتا ہے۔ (گلگت فیلو)
۲۔ کوئی آئینہ انسان کی اپنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر
سکتا حقیقی اس کی بات چیت۔ (جونی)
۳۔ کلہاں ایک ایک جلاؤ تو وہ صلی درختی ہیں۔
اکٹھی جلاؤ تو وہ لٹنی پیدا ہوتی ہے۔ (کارلین)

۴۔ اس دنیا میں کسی کام کے اندر اس وقت تک
تبدیلی پیدا نہیں ہوتی جب تک کوئی شخص اس
میں خود تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ (گلو فیلڈ)
ستیدہ نسبت ذہرا۔ کبر و ذہن

حکمرانی کارزار،

امیر المؤمنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ
آپ میں برس امیر (گورنر) کے عہدے پر فائز رہے
پھر آپ کو عہدہ ہوتے ہیں جہاں برس ہوتے کوئی
انتظامیہ عرصہ آپ نے توکل پر حکومت کی۔ اس کا کار
آفر کیا ہے؟ وہ کیا طریقہ ہے جسے اپنا کر آپ نے
برس بنایا ہے؟
وہ کہنے لگے: میرے اور دھارم کے درمیان ایک
رہتی ہے جس کا ایک ہر میرے ہاتھ میں اور دوسرا
ان کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہ دوسرے جہاں پہنچتے
ہیں تو میں اور میرے ذہنی کردیتا ہوں تاکہ وہی کوئی
نہ پائے اور جب اور میرے ذہن دیتے ہیں تو میں
اور میرے ذہنی صلاح دیتا ہوں۔
معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ واقعی لا جواب تھا۔
حقیقت بھی یہی ہے کہ دو مشعل مران مایاں بھری
کبھی ہر سکون زندگی نہیں گزار سکتے۔ اسی طرح یہ بھی
ممکن نہیں کہ دو مغلوب الغضب آدمیوں کی دوستی
زیادہ دیر قائم رہ سکے۔

متوکل کا ایک حکم،

احمد مدبولی کہتا ہے کہ امیر المؤمنین متوکل نے مجھے
حکم دے رکھا تھا کہ جس وقت تیرے پاس میرا کوئی

شکالہ چٹائی

خدا فاروق
ہر کسی کے لیے کہاں ہوتی ہیں عید کی خوشیاں
سُرخیں لانا ہے کمال جسکے لیے عید کا چاند

عجبت امین
سفر الہام میں اور دنیا میں خدا کی ہیں
سارک اور نیکی کا عید ہے تم کو عید کی خوشیاں

شبہا مغلی
شام تک کسی کے لیے دروازہ کھلا رکھا
شاہد وہ کہنے آ جائیں عید مبارک

دایہ عرفان
میں نے پایا کہ تجھے عید پر کچھ خوش کروں
جس میں تائید مستاروں کی چمک شامل ہو
جس میں گندے ہوئے لوہے کی تصویریں ہوں
جس میں انجان جزیروں کی سبک شامل ہو

بقیس فرید
پیری جانب سے بھی عید مبارک ہو نہیں
لوگ کہتے ہیں عید آتی ہے

عابدہ ہروی
تسلیمے ساتھ گزرا وہ ہے ہر عید میں نے
لجے بھی عید کی خوشیوں میں یا د کر لینا

سوریا مہین
تری دفوی و حضور کی اسے یہ عید عالم
ابھی زندگی حقیقت، ابھی زندگی شاد

عزیزین صابر
عید آتی ہے تو آنکھوں میں آنسو آتے ہیں
جس کی اوس میں جیسے ہوسے دھنسنے

شہادہ سکھان
لہر کا چین، دل کا سرود ہوتے ہیں
جس کی میں لوگ کچھ ایسے مزدور ہوتے ہیں
سدا چمکتا ہے ان کی عید کا تہوار

قربہ دہ کے بھی جو ہم سے خود ہوتے ہیں
عید آتی ہے تو آنکھوں میں آنسو آتے ہیں
جس کی اوس میں جیسے ہوسے دھنسنے

مدارہ سلیم
آنکھوں پر بار بھی ہے غریبوں کا تہوار بھی ہے
پھرنے کا تو بھی ہے، سننے کی اس میں بھی ہے
خوابوں کی اسے کاش اگر تصویر مل جائے گی
تہلہ دینے میں بھی ہے اور ہلادی عید بھی ہے

سائرہ قر
اس عید پر بھی نہ مل سکے ہم تو کیا ہوا
جذروں میں ہو گلوں تو عید میں ہزار ہیں

نسرین انور
عید کا چاند دیکھ کر ہم نے
تیرے دیدار کی دعا لگائی

سلطان جاوید
عید آئی، تم نہ آئے، کیا عید کا
عید ہی تو نام ہے اک دوسرے کی دیکا

آمنہ قر
اپنی خوشی تیرے جیون کا ہر سوز گزرتے
پیری دعا ہے کہ تیری عید خوب تر گزرتے



شہنشاہ اسلام
بساطِ زلیبت پہ سحر میری ہی شکست ہے
میں بھی ناہرست ہوں، وہ بھی ناہرست ہے

مسئلہ نہ مل سکی، یہ مفکر کی بات ہے
صد شکر جم سے ذوقِ مفسر تو نہیں گیا
دعا عالم بخاری
دستکوں پر نہ گھٹا تھا، وہ دور کیا تھا
نام لکھا تھا جس پر میرا، وہ گھر کیا تھا

ہمالیہ سنج
جو کبر رہا سدا روشنی ہے زندگی میری
وہ شخص اپنے گھر کے چراغوں سے ڈنکيا
ماہِ نورِ بیکان
جو بات کرتے ہیں کم اور مختصر سی عدم
وہ لوگ کہتے قرآن کی بات کرتے ہیں

ایکین انور
جی کی خاطر شہر بھی چھوڑا، جی کے لیے جہنم
آج وہی ہم سے بیگانے بیگانے رہتے ہیں
حیرانِ عروشی
لاکھ ہتھ ہوں، مگر بڑی ہوں
پھول ہی پھول ہیں اُندھ میرے

انعم علی
جب ہر کے تو عجبہ و خیارِ جنسِ دل کی
کو جھٹولی کا اصول ہیں دل کو کرنا
خیر سے طرہٴ تغافل سے مجھ کو نہیں
ہیں آنا تھا لوگوں میں گھر کرنا
آسمان ہالا
کوئی نئی جوت کھاؤ، پھر سے آس لوگو
کہا اس نے کہ مسکراؤ آس لوگو
کہاں تک باہر و درجہ جراتاں کیسے کھٹے
پھرنے والوں کو پھول باؤ آس لوگو

انسان خان
جن کی نظروں میں ہم نہیں اچھے
کہہ تو وہ لوگ بھی بُرے ہوں گے

سعدِ حمید
پھول خوشبو کے لئے ہی میں کھر جاتے ہیں
لوگ پہچان جلتے ہوئے مر جاتے ہیں
ہم ہواؤں میں بھی جلتے ہیں جھانوں کی طواری
اور انکھیں بھی ہر اک راہ میں دھرجاتے ہیں

علی حق نواز
جنیں فرصت نہیں ملتی ذرا بھی یاد کرنے کی
انہیں کہہ دو ہم ان کی یاروں فوست چھینے میں
نرو، افسر
عزت نص جس سے نفی ہو
نوجوب بہتر ہے ایسی جھانوں سے

طیہ نواز
جو بات میں کہ نہیں ملتا وہ بات میں فری کرتا ہوں
پلوں میں فری کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے
حزانہ نب
میں جلتے ہیں کہا عروہ تھا
پھر کیا تعلق تھا شام سے
تو جدا ہوا تو پتہ چلا
میرا نام تھا تیرے نام سے

نور محمد
رونے سے ملاں گھٹ گیا ہے
باول تھا برس کے چھٹ گیا ہے

شازیہ بانم
کتاب سادہ ہے لیکن تک کہیں تو آوازِ ناب ہوگا
ہنچول نے جی اجاڑا لی کہیں تو اس کا صاحب ہوگا
سکوتِ جہاں میں بسے والوں اندر زلزل کا مزاج کھو
جو آج کا موسم سکول سے گزرا تو کس کا موسم خواب ہوگا
فائزہ عباس شینج
اے مفعی تیری جھٹو سے
بے زار نہیں، خشک گیا ہوں

خضر یعقوب
اس قدر عشق جنوں خیز کہاں ہو تلمے
کہہ از موسم گل کا بھی ہے دھواؤں پر

ہیں۔ ان کی مرضی کرکریں میرا کو خود سے بہت الگ اور
آگے دیکھتی ہوں۔
اور دوسرے میرا ان کا طرز فکر قطعاً مختلف ہے۔ ہے
تو؟

اب مجھے "کمداری کا گھر" بہت اچھی لگی۔ اہمل رضا
کی "جسم کہ سب" بھی نے سانس دھک کر رکھی۔ اسے
سارے اچھے نسل اور خوبصورت نسل خوش ہو گیا۔
ڈائجسٹ میں فیروز خان۔ فیروز طاقت علیہ۔ نظری
"کائنات فیاض کے نام ہوں تو میری جلد از جلد پڑھ لینے کی
لے جانی حد سے سہاوتی ہے۔

کاش میں کسی دن یہ چاکھولوں اور اس میں رفعت نامیہ
سہا کاٹاؤں۔
نہو ائمہ کے سے بلبل نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ اگر آگے
بھی اتنا شاندار رہا تو پھر پکڑ لیا۔
رفعت کا ترجمہ کل میرا سانس خشک کرنے کا کام کر
رہی ہیں۔ میں یہ باتیں میرا پڑھتے وقت متبادل دھکتا
ہے۔ بلکہ بار بار پڑھنے کو کہتا ہے۔ کیا آپ کا لکھنے ہوئے
ایسا ہو گا؟

علیہ زہرہ سید کے بارہ اور سعد کی صاف حقیر محبت
مجھے بے حد پسند ہے۔ دراصل تمنا کرے میں مصوفیہ
پیشہ ہوو اور کوئی کے سچ بیٹوں میں کی دوسری میرے
نزدیک از حد ضروری ہے۔ بلاوجہ کا چھوٹا کو مجھے منٹے نہ
مجھے اپنی ذات کے حوالے سے پسند ہیں اور نہ ہی گروہوں
کے لیے۔ سو یہ اضافہ مجھے اتنا کہ اور اور بات کا پاس
علیہ زہرہ خوب لگتی ہیں۔
گزشتہ بیٹوں میں کچھ لڑکیوں نے لکھا کہ وہ بے چاروں
خواتین کے ہاں کچھ بھی نہیں۔ یہ یاد آپ
لوگ ایسا تو نہ کریں گی۔ خود انھوں نے کہے کہ پڑھتی
جائیں۔ کچھ بھی تو یاد رہو گا۔

آپ نہیں کریں۔ "محبت داغ کی صورت" کے
صفحات باب ۳۰ سے لے کر کچھ تو مجھے فوراً یہ جینیں یاد آ
کرئیں کہ بی بی سائہ بیٹوں کی تو خبر میں ان چادر لے تو
خبریں اب پڑھنا ہی نہیں ہے۔

صفحات پڑھتے تھے تو مجھے ایذا ہر کے بھانے آپ لوگ
یہ بات اتنی دلچسپ
ہاں بہت مشکل کی تعریف بھی کر دی گی۔ ویری گڈ الایہ

غلط۔

ہر بار ہے پڑھ لینے کے بعد میں اہمل کو فون کرتی ہوں
یا مہرچ کرتی ہوں۔ تعریف اور تحقیر دونوں۔ مہرچ سادہ
کو پڑھ کر میں نے اہمل سے کہا کہ اپنی زندگی سے خیر۔
اہمل پکڑ لیں حکمران چاہتے نہ ہائے۔
اور پکڑ لیں سو نظری ایک پڑا سا طویل کچھ مزاحیہ۔ کچھ
دکھی ہوا لکھ دیں اگر آپ یہ ہے میں ہوں تو اپنی سب کا خبر
بعد میں آئے۔

سعدۃ الشقی کی حلقہ پسند ہیں۔ اسے میں فون پر
راستے سے دیتی ہوں۔ انھوں نے ایک ٹویک منگوائے۔
میرے خیال میں میں بھی یہ جہ نہیں ہے۔
آمنہ خدیج کے کہوں۔ جسے مجھے محسوس کر رہے
ہیں۔ اگر میرے خیال میں کچھ اضافہ ہو تو آج میں کیا
سے کیا ہوئی بار بار پڑھنے بھی یہ فیصلہ مشکل لگتا ہے۔
ان کے حوالے سے خوب صورت ہیں یا آمنہ کے لکھے
خبر کے منٹے۔

سعدۃ الشقی کی حلقہ پسند ہیں۔ اسے میں فون پر
راستے سے دیتی ہوں۔ انھوں نے ایک ٹویک منگوائے۔
میرے خیال میں میں بھی یہ جہ نہیں ہے۔
آمنہ خدیج کے کہوں۔ جسے مجھے محسوس کر رہے
ہیں۔ اگر میرے خیال میں کچھ اضافہ ہو تو آج میں کیا
سے کیا ہوئی بار بار پڑھنے بھی یہ فیصلہ مشکل لگتا ہے۔
ان کے حوالے سے خوب صورت ہیں یا آمنہ کے لکھے
خبر کے منٹے۔

ہو گی کہ سائہ نے ان کا نام نہیں لکھا۔ تو ایسی بات ہرگز
نہیں۔ ہر بار پڑھنے کے بعد جب سائہ سے بات ہوتی
ہے تو وہ ہر اچھی خیر کا ذکر ضرور کرتی ہیں اور اپنے بہترین
مضمون سے بھی تو فخر کرتی ہیں۔ اسی طرح رفعت کا ذکر جب
سے لے کر مصوفیہ ہوتی ہیں اس سے کہات ہوتی ہے
لیکن وہ بھی کئی مصنفین کے بارے میں ضرور راستے دیتی
ہیں۔ جو کچھ حرم سادہ کے بارے میں سائہ نے کہے تھے وہ
میرا عقیدہ کے لیے رفعت کا ذکر کرنے کے تھے۔ سیمز
مصنفین کی یہ فراعزل اپنی جگہ قابل تعریف ہے۔

اہمل رضا کی یہ دوسری خیر لگی۔ میں بھی ان سے
بہت توقعات ہیں۔ علیہ نظری تو بی وی کو بیماری ہو چکی
ہیں۔ امید ہے کہ شاید کچھ لے لے دو سٹوں کو بھی یاد کر
لیں۔

نہیں سکتیں آپ ہمیں برہان دلانے کی۔ آپ کا تفصیلی تبصرہ بہت اچھا تھا۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر کا ایک کام انجام دے دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے اور علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا کرے۔ آمین

شعاع پر تفصیلی تبصرے کے لیے تشریل سے شکریہ۔

زرافشان انصاری۔ کراچی

نامعلوم دیکھ کر دودھ افرار دودھ کے شربت کی یاد آ گئی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے پر رنگ حبیرو اور قاتلہ راجو کے افسانے بہت تھے۔ صوفی صوفی کے ناول میں جلالت کا کردار بہت اچھا تھا۔ کینز نیوی صافیہ اف دیا کی اتنی جلی محبت اور بدلہ انصاف۔ وہ شانز آئی آپ نے تو سارے شکوے ایک ہی قطع میں دور کر دیے مڑا آیا پڑھا کہ: نمیلہ آئی بلیر قمر زلی پینڈہ پائز۔

ج: زرافشان آپ کی تعریف اور تحقیر متعلق مصنفین تک پہنچتی جا رہی ہے۔ دیا کو جلی محبت کا سنا اچھا صوفی کا اسے خالق حقیقی کی محبت نصیب ہوئی اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے۔

حافظ نور احمد نے گلشن اقبال ریمپار خان سے لکھا ہے

ماشعل لا یولب قاتلہ عریہ کر جیر لیر ہے۔ ایک قحطی مشکل کی طرف چلا گیا۔ بہت اچھی جا رہی ہے صوفی صوفی کی کہانی بھی بہت اچھی ہے۔ میرا میرا ہے۔ انصاف میں جلالت احمد اور بارش کے بعد بارش کے نہیں۔ کینز نیوی کی یہ جلی استوری میں نے پڑھی ہے جیسا پڑھا تھا اس سے زیادہ اچھا ہے کہ اس سے کہ اسٹوری لکھنے کا۔ واقعات کو جوڑنے کا۔

میرا تعلق ماضیوں کے خاندان میں سے ہے۔ ہم اپنے گھر میں 3 محلہ ہیں ابتدا میں 11 ماہ نے پڑھا تھا لکھا دیا تھا شروع کی کلاسٹریشن سے پڑھیں 8th سے پڑھا اسکول میں پڑھا اور ساتھ حفظ کا امتحان بھی دیا اب IUB سے ایم اے ایچ کیٹن کی اسٹوڈنٹ۔

ج: حافظ نور احمد آپ نے قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی اور اب ایم اے ایچ کیٹن کی طالب علم ہیں یہ جان کر بہت خوش ہوئی۔ قرآن پاک پڑھا اس کو

بھنا اس کو حفظ کرنا اور اس کی عمل کرنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم کے ساتھ عمل کی توفیق بھی عطا کرے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تشریل سے شکریہ۔ آپ کہانیاں لکھنا چاہتی ہیں۔ ضرور لکھیں۔ ہماری رائے اور ایازت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اچھی ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

کوثر خان نے حیدر آباد سے لکھا ہے

ایک بات کہوں کوئی بھٹ نہیں ہے فریب نہیں ہے اور بات یہ ہے کہ آپ لکھنا اپنی اپنی لکھتی ہیں۔ ہوں تو آتے ہیں شربت کی سمت بہت میں ادیب خان کا بہت شکریہ۔ انصاف میں نے آپ کو شاید پہلی بار پڑھا ہے مگر میرا شک یہ ہے کہ لکھنے میں آپ میرا حیدر کمال لکھتی ہیں آپ بھی۔ سلسلہ وار ناول اس ماہ بھی آئے تھے۔

ج: ہماری کوثر آپ ہماری اپنی ہی ہیں غیر نہیں ہیں اور اپنے آپ کا یہ سلسلہ ہماری ہر قاری کے ساتھ ہے ہماری کار میں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں اتنی مشکل سے چست کر رہی ہیں۔ ہمارے دل میں ان محفل کی بڑی قدر ہے۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں ہیں۔ پڑھ کر رائے دلائیں گی۔

عظمیٰ مطلق نے جملہ سے لکھا ہے

اس دفعہ بھی شعاع اسے دن تھا۔ میرے خط لکھنے کی وجہ میرا حیدر کا ناول بارم ہے۔ اچلی قسط کا شہوت سے انتظار ہے۔ میرا کے ناول انصاف کے نام سے منظر ہوتے ہیں اور استوری کی تو کیا بات ہوتی ہے۔ اپنی ناول افسانے بھی از بہت تھے۔

ج: بہت شکریہ عظمیٰ!

سابقہ نواز اور فریضہ محبوب نے جملہ کجوا پڑا جو کہ شہوت سے شربت کی ہے لکھتی ہیں

بازل مدش پنک کھر کے دلہنہ سر نواز سے بہت اچھی

گدہ رہی تھی۔ سب سے پہلے کو تیز زہری کو بہت مبارکباد
 جنہوں نے اسے خوب صورت ہاتھ لگا کر صدمہ سے صدمہ نکال دیا
 کہیں خوش کروا۔ اپنے بہت اچھا تھا۔ میرا امید کا لہلہ
 دارم بہت اچھا تھا۔ میرا آئی اٹھا یا نہیں کا افسانہ
 بھی اچھا تھا۔ واقعی شکر بہت بڑا کلمہ ہے۔ سنی
 اللہ کی تحریروں پر بھی بڑا پسپا پسپا کے بہت بڑا
 ہے۔ ہم وہ لوگ کی باتیں۔ سمجھتی ہیں کہ سولہ سال کی عمر
 ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے بہت چھوٹی ہے لیکن ہم بھی اپنے
 نام کی ایک ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے کورس کی کتابوں
 میں ہاتھ چھڑا کر پڑھ لیتی ہیں یا پھر محنت و جاکر پڑھتی ہیں
 عمر انصاری کی فضل راج جس سے پہنچے آئی۔ ہمارے کو فائدہ
 مونیہ کے سلطان ہونے کی خبر دہرہ کر رکھا خوش ہوئی
 انھوں میں جان نہیں ہو سکتی۔ دیکھتے ہماری بھی سب سے
 بڑی خواہش یہ ہے کہ ہم بھی کسی ہاتھ مسلم کو اپنی باتوں سے
 متاثر کر کے سلطان بنائیں۔

ج : سناؤ اور فرماؤ آپ نے کتنا کھانا بہت خوش ہوئی۔
 ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے عمر کا تھیں ضروری نہیں اچھے
 رہے۔ صحیح غذا کی تیز ہوئی ہے۔ بہت سے لوگ بڑی عمر
 میں بھی اچھلی برائی میں نہیں رہیں کہتے اور کچھ تو کولہ
 نظری طور پر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔ دیکھتے ہیں
 کے اصول اور تربیت کامی بننا اور عمل ہو جائے۔
 ہمیں تو آپ بہت کچھ دلا رہی ہیں ڈائجسٹ پڑھیں
 لیکن اپنی تعلیم کو نظر انداز نہ کریں اور کمرے کا سونپ
 اپنی اہلی کو شکایت کا موقع نہ دیں پھر وہ کچھ کو منع نہیں
 کریں گی۔
 پھر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی سب سے پہلی مسئلہ تو
 انہیں کے اختلافات کو مٹانے کا ہے۔

فری گل نے انہوں سے شرکت کی ہے کہ کھتی ہیں
 اس بار کا شعاع زبردست تھا۔ کیرلوی کا لہلہ بلاشبہ
 بہترین تھا۔ میرا امید کا نانا انا بہت پہنچ گیا۔ جلی کے
 ساتھ افسانہ بھی بہت اچھے تھے۔
 بہت شکر فری آپ نے ہماری محنت میں شرکت کی
 بہت خوش ہوئی۔

قدسیہ خاں نے سرگودھا سے لکھا ہے
 السلام علیکم میں 93، 94 سے خواتین اور شعاع

چند دفعہ ہوں اور آپ دس سال سے ایک مقامی کانچ میں
 انگریزی کی استاد ہوں۔ ان دونوں برسوں کی ایک مستقل
 قاری کہتے زیادتی ہوئی۔ لیکن غیب کتابیں پڑھتی ہوں۔
 کمالیہ صدمہ سے صدمہ تک پڑھی اور خوش ہوئی کہ تیز زہری
 نے تمام پتوں پر خود اپنی باتیں کہیں کہیں کلمہ کا ذکر
 کیا کا حکم بھی واضح کر دیا۔ کہ خیاں بھی اپنے زہری
 کسی کو اپنا ہاتھ کی خوشی کی اور اس سے اب بھی لگاتی۔
 جذبات میں اتنا بھی نہیں بہتا ہے کہ خود بھی اور انکے کو
 بھی کلمہ کا ذکر کیا جائے۔ اسی طرح ایک کتاب پڑھتی جس میں
 تیز زہری کی بیوی تیز زہری کی باتوں سے مشتے کا لفظ
 ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتی اصل رشتہ کیا ہے انہوں کے
 باپ کا کیا ہے اور بھی کوئی کہتا ہے کہ اسے اور اس جبران رہ
 تھی کہ میری کزنز نے اس کی بیوی کو بڑا کلمہ لکھا ہے اصل
 رشتہ نہ جانتا بھی کہ وہ شکر ہے کہ نا بھی کلمہ۔ خاص طور پر
 کلمے رشتوں سے جیسے میں آپ پر جاسم ہیں ہوتی ہیں پڑی۔
 اگر کوئی جی بہت شکر ہے کہ وہ کلمہ کہتے ہیں کہ اسے کمر اپنی باتوں
 ہوتی ہیں کہ وہ کلمہ کہتے ہیں یا بھائی کا کلمہ نہیں کرتا
 جاسم ہے۔ پڑھتی شکر (بہت شکر و شادی پیش آئے ہوتی
 ہے۔ یہ سب کلمے کی غذا اور شکر ہے کہ اس سے بھی غذا
 اور کلمے پڑی کا رشتہ تو ویسے ہی اعتبار اور ج کا ہو گیا۔
 جو کلمے کا وہ غذا ہو گا اور ہاتھ لکھے کلاس میں شکر
 کے کلمے اس نے آپ کے رسالے میں دھماکے فیلڈ کے
 بغیر خود نہیں ہوتی تو میں پڑھتا جا رہی ہوں کہ اگر پریشانی کی
 زیادتی کی وجہ سے خیریت آئے یا پڑی کی وجہ سے تو خود خود

پڑھ سکتی ہیں ہاں عام حالات میں خیریت ضرور ہیں اور اس کو
 حالت مت بھائی۔ اگر کسی کو انہیں خیریت کی پڑی ہے تو
 اس کا مطلب ہے وہ ساری زندگی خود سے خود ہو گیا۔
 (خدا انخواست) اگر کسی کے قریب رشتہ دار کا صبح نہ جاسم ہے
 اور پریشانی سے خیریت نہیں آئی تو خود انکے ساتھ خیریت قبول
 ہوئی پس جسے بھی حالات ہوں۔ اللہ سے دور نہ ہوں اور نہ
 خیر و سوسوں میں انہوں میں۔

ج : بیماری قدسیہ انہیں نے تھکی تعریف لکھی تھی کہ
 خود زہری خیریت کے انہیں پھر نہیں لیکن جس قسم کے
 حالات آپ نے لکھے ہیں ان میں وہ بہت سے جیسے غماز کے
 لیے وہ ضرور ہے لیکن اپنی نہ ملنے تو خیریت ہی نماز ہو
 جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے

تو وہ تھوڑا کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت اچھی بات کہی جیسے بھی حالات ہوں، بس اللہ سے دعا نہ ہوں اصل بات یہی ہے۔ ایک بات کی وضاحت کر دیں، نبیائے حق کو زیادتی پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ فخر اس کے باب کا لازم تھا۔ وہ اسے پسند کر لی گئی۔ اس کے آپ کو اس کی پسند کا پتا چلا تو انہوں نے شکری کر دی کیونکہ وہ جانتے تھے۔ فخر کا بچپنا ہے فخر نے بھی اپنی مرضی سے نبیائے شکری کی تھی۔ بعد میں جب اسے حالات بنا چلے تو وہ نبیائے بد عمل ہو گیا۔ نبیائے اپنے شوہر سے بہت دور فاصلہ تھا تو کیا یہ اس کی غلطی تھی؟

قدیر! آپ نے بہت اچھا لکھا آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا۔

اصول جنس اس نے ڈاکٹر زانی خان سے شرکت کی ہے۔

میں رانا نگر تھا جہاں اپنی ہوں یہ بات ڈیڑھ سال پہلے پتا چلی اور میں حیران ہوں کہ ابھی تک ایسی پتہ قائم ہوں۔ ویسے میں BSC کر رہی ہوں قابل التیر کے پھر دیے ہیں۔ چاہئے کہ اگر فرسٹ ڈیوڑن آجائے۔ ہم لوگ پتہ نہیں ہوئی ہیں اور میرا فیروز دسرا ہے۔ دوسرے سر کے جو تفصیلات ہیں ان پر آپ سے بہتر شخص کی رائے لے لی جائے۔

اس بار کے رسالے میں سب کتابیاں اچھی طرح سب سے اچھی تھی رنگ نیلے کی ایک چیز انہیں میں بتائی ہوں کہ ان باتوں کے Typing کی تحریک کا

انداز نیا تھا۔ ذرا بہت کے تو مجھے بہت اچھا لگا۔ آن کل کی سونچ دیا گئی ہے۔ تم کو پتا چلا ہوئی ہیں وہ کسی نیویسکل کی نیویسکل مطلب یہ کہ تمہارا لکھ انداز اپنا میں تو اچھا ہو گا۔

میں نے کتابیاں اس لیے نہیں بھیجیں کیونکہ آپ وہی جواب دیں گی کہ "مفتوں کے لیے معذرت" مٹی اللہ

صرف مطالعہ تو چھوڑیں۔
ج: اصول! ضروری نہیں سب کو ایک جیسا جواب ملے۔ آپ کتابیاں بھجوا دیں۔ ویسے خط سے اندازہ ہوتا ہے آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آئندہ خط لکھیں تو دوسرے نمبر ہونے کے تفصیلات ضرور دلائیں۔ ویسے

ایک بات اپنے تجربے سے ہم بھی آپ کو بتا دیں کہ فائدہ اور نقصان قسمت سے ہوتا ہے۔ کہیں جسے نقصان میں رہتے ہیں اور کہیں چھوٹوں کو نقصان اٹھاتا ہے۔

آپ کی اس بات سے ہم حقیقت نہیں ہیں کہ ہمارے ہیں روایتی کتابیاں ہوتی ہیں۔ ہماری ہی مصنفین بہت اچھے اور نئے انداز سے لکھ رہی ہیں۔ میرا امید کی کتابیاں ان کے موضوعات بہت مختلف اور بہت کر رہے ہیں۔ ساری وضاحتیں ہر بار سے موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔

ابھی اسکان سعید کے قلم دیہ اور حلقہ سے لکھا ہے میرا مطالعہ صرف اور صرف شعلات کی حد تک محدود ہے جو کہ سیکھا چلا اور پھر صرف اور صرف شعلات سے بچیں۔ اس کے آپ تک بھی ہم کوئی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ میرے ساتھ چلیں کہ شعلات کر رہا ہے۔ میں نے دنیا شعلات کی طرف سے ہی دیکھی ہے۔ میں نے کوئی کچھ ایسی رسالے

دیکھے ہیں۔
آئی شعلات چلا کر ہیں۔ چھریں خود بخود ہی بگڑ رہی ہیں۔ حالات سدھارنے کی کوشش میں اپنی ہی ذات بھر رہی ہے۔ امیدوں کا مرکز صرف اور صرف کتابیاں ہیں۔ تو انہیں بے زندگی کے کسی موز پر اتنی کامیاب ہو جائیں کہ رسالہ ملی ہی تک جائیے۔

میرم عزیز بیگم رانا نگر ہیں جنہیں یہ شوق بخاری کو سر ہے کہ انہیں کیا بخاری یاد نہیں آتی۔ انہیں کہیں بخاری اور کئی کی حاضری گواہیں۔ پتہ ہوئے کافی عرصہ بیت کیا ہے۔ فائزہ اور عبیدہ آئی سے میں اطلاع ہوں وہ ملی ہی کی ہو کر رہ گئی ہیں۔

ج: پیاری ابھی! مشکل کے بعد آسانی ہے۔ حالات سدھر جائیں گے۔ بس بہت نہ ہاریں۔ ہماری دعا میں آپ کے ساتھ ہیں آپ رانا ضرور بخیر کی۔ کوشش کرتی رہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی کی کوششوں کو اور انہیں نہیں کرے۔ شعلات کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ شوق بخاری کی تحریک اس بار شامل ہے۔

شمن و خاص دیوانہ مندی کجرات سے تحریف دلائی ہیں لکھا ہے

پیارے بی کریم کی پیاری باتیں خاص کر ترلوچ کے

بہت اچھی رہنمائی کی اور ایک جیڑا یک شیر رکھ حبیب کی قاتل قلعہ ہے۔ مگر آگ کے نھو کے میں بہت زیورست سلسلہ ہے آپ سے درخواست ہے کہ اس میں زیورہ تر مسلمانوں اور انبیاء کرام کو ملا کے بارے میں بتایا کریں



میں آپ کے تئیں بریں کی پرانی قادی ہوں۔ 1991ء سے چھ شریعہ کیلئے پڑھنے کا سفر جاری رہا۔ جو کہ مایہ ناسی سے "کوہ کراں" تھے ہم "تنگ" آچھا۔ شعلوں اور توانوں نے زندگی کے سب موصوں میں میرا اور میری دینی کامیاب رہا۔ ہم کائناتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ حقیت بہت بلکے سیکھتے بھی رہے۔ "جنت کے پتے" نیر کاہل "صحف" اور بھی بے شمار بلوڑ نے بہت سے لوگوں خاص طور پر نوجوان بچوں کے ذہنوں پر بہت اچھے اثرات چھوڑے "جنت کے پتے" چہ کہ بہت سی بچوں نے باقاعدہ حجاب کرنا شروع کر دیا۔

اس میں یقیناً "نور" اور آپ کے ادارے کی کامیابی ہے۔ (بڑا دک اندر) آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ گنت سیرا کا ٹول (زین کے آئینہ) کل شکل میں آپ کا ہے یا نہیں؟ ج : غلط اور بظور ایک طویل عرصہ سے آپ ہمارے پاس ہے چہ وہ دینی اور فلاحی شعبوں میں اپنی آخر کیوں؟ نور اور کامیابی ٹول شکل خواہ میں میں شروع ہوا ہے۔ گنت سیرا کا ٹول زین کے آئینہ شعلوں ہو چکا ہے۔ آپ اس کے بارے میں 021-32735021۔ 021-32735021 پر فون کے پنا کر لیں۔

عالیہ محسن نے پکرال سے لکھا ہے

مصدق کے بارے میں ہمارے الفاظ باطل کے لیے ہیں انکار اور اگر رنگ گاٹنی چھڑا دیا۔ پہلی شعلوں نے دل بکڑا اور کسی حد تک گولہ پڑی کھلا۔ جو گنت نے دل آڑ چھوڑا اور سیدھی گولہ لگا دیا "مصدق سے صورت" قیمتی تیر آئی کے بلوں۔ یہ بھی انسان معصوم کر گناہانے میں ہے اور اگر بچکان کے رب کرم کی ذات کو تو یہی معراج ہے اس کی کمر ایک بھی شکل اس کے بعد واصل کیا ہر کاؤن کوئی نہ جانے بات پڑھا صدف آصف قی و لیلان بہت اچھا ہے کہتے ہیں جناب پنا ایڈوکی سیرا صدف داوم کی جناب یہ خور سیرا کی پہلی خوروں سے منظر کی پہلی سیرا ایڈوکی اصول نے ساجی نامیدی کو بہت اچھے طریقے سے ختم ہوتے دکھایا۔ انسانوں میں فتنہ راہداری نے

گھر میں متوجہ ہوں!

- 1 شعلوں اور آئینہ کے لیے قرآن سلسلہ ایک ہی لفظ ہے میں جو اسے چاہتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ لکھنا شروع کر دیں۔
- 2 سلسلہ پہلے لکھنے کے لیے کوئی بھی لکھنا استعمال کر سکتے ہیں۔
- 3 ایک سفر صوفی ذکر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی صفحے کی دوسری طرف ہرگز نہ لکھیں۔
- 4 کمالی کے شروع میں اپنا نام اور کمالی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا عمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
- 5 مسودے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھیں۔
- 6 جمل اشاعت صورت میں تحریر کی وہ بھی ممکن نہیں ہو سکتی۔
- 6 تحریر روان کرنے کے بعد بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کمالی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
- 7 شعلوں اور آئینہ کے لیے افسانے خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب اشعار و خیرو حسن تزیل چتر پر رجسٹری کرنا سکتے۔
- 8 لہجہ شعلوں۔ 37 اور ہذا دار کراچی۔

ماہنامہ فلاحیہ آجست اور ادارہ فلاحیہ آجست کے تحت شعلوں سے لے کر ہر جہان شعلوں اور ہر جہان کن میں شعلوں سے لے کر ہر جہان کے حق میں اصل کی اور اصل میں۔ کی بھی فلاحی ادارے کے لیے اس کے کی بھی ہے کی شاعت کی کی بھی دینی تنظیموں اور اداروں کی لکھیں اور سلسلہ دار قلم کے کی بھی طرح کے اشعار سے لے کر جملہ شعلوں کی اپنا ہذا ضرور ہے۔ مسودہ لکھنا اور اصل حاصل کرنا سکتے۔

مہندی کے ڈیزائن

ادارہ









مشعل راہ

شاہد اور سب پروردگار کو شہید ہو اقبال آٹھ سال کی عمر میں تاجپنا ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کی ایک بہن اور دو بھائی بھی بشارت کو پیٹنے تھے۔ جو ان بہت پروردگار کو اقبال نے پایا۔

”میرے والد خوشاب میں پھر تھے۔ جب میرے بعد میرے دو اور بھائی اور ایک بہن بھی دنیا سے محروم ہوئے تو انہوں نے گھبرا کر دیوانے تعلیم میں کوٹا چلا لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ میں نے کہا کہ جس اللہ نے بشارت سے محروم کیا ہے اس نے بہت بھی عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے مجھے لاہور میں شیرالاولے گیت کے بیرون جس کے اسکول میں داخل کر لیا۔ جہاں سے میں نے بی بی بیگم

والا کنڑ صاحب نے مزید بتایا کہ انی اس کے بعد جب میں نے انگلش اسکول میں سائنز کرنا چاہا تو میرے بچپن نے مجھے سمجھایا کہ یہ خاصا مشکل مضمون ہے پھر بھی اللہ کی مصلحت سے میری ذہین آئی جسم فل میں غلب کیا اپنا ایچ ڈی کیا۔ پاکستان بھر میں بطور پچھو منتخب ہونے والا پہلا بچہ بنے ہوں۔ میرے بعد میرا چھوٹا بھائی بھی انگریزی اسکول میں منتخب ہوا۔

والا کنڑ صاحب اقبال کے کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ ترس کا گھبراہٹ نہ ہو بلکہ اس روپے کی خیریت نہ ہو انہیں بھاری سہارا ملے بلکہ انہیں ان کے دل پر کھانا ہونے کی بات کریں۔

والا کنڑ صاحب جیسے لوگوں کو سامنے لانے کی ضرورت ہے تاکہ عزم و ہمت کی اس مثال سے وہ سہل کو بھی حوصلہ مل سکے لیکن ہمارے میڈیا کو مخصوص جرب زبان جیسے ذرا ہی اچھے لگتے ہیں جو اسکرین پر اپنی خوش بنائی اور مذہب زبان سے ترقی نہ لگتے ہیں۔

عروج

ماضی کی خوب صورت لو اکاڑہ پیرا شریف نے کہا ہے کہ ”فلم انڈسٹری میں اگر پروردگار سلام آجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری انڈسٹری دوبارہ عروج حاصل نہ کر سکے۔ (کون سا عروج؟) ہمارے فلم انڈسٹری میں یہ ذوال کہیں باہر سے نہیں آیا بلکہ انڈسٹری سے وابستہ لوگ ہی اس کے والد وار ہیں۔ (جی جیسے آپ) کیونکہ اسی انڈسٹری نے آپ کو عروج دیا تھا اگر آپ اس وقت اسے نہ چھوڑتیں تو ہو سکتا ہے کہ آج اس کا یہ حال نہ ہوتا۔ (بہ قصتی سے ہماری کسی حکومت نے فلم انڈسٹری کی جانب تنجید کی ہے تو جب نہیں دی (دیکھائی کسی





اور انڈسٹری کی طرف دی ہے؟) یوں حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ لیکن میں انڈسٹری سے بائیس نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ ایک دن انڈسٹری اپنا گھروا ہوا مقام ضرور حاصل کرے گی۔ اور اس کی دو نقیصں پھر سے بحال ہو سکیں گی۔ (پتا نہیں سب یہی کہتے ہیں لیکن؟)

اکیلا

معمراٹانے اپنا اسٹوڈیو میں ایک فلم کی شوٹنگ کے بعد گھنگو کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اسٹوڈیو کی حالت کو کھربست السوس سے یہ کہنا پڑا ہے کہ جب وہ اسٹوڈیو آیا کرتے تھے تو یہاں پر بہت دو نقیصں ہوا کرتی تھیں مختلف فلورز پر مختلف فلموں کی شوٹنگز ہوا کرتی تھیں (معمرا! وقت بھی ایک سا نہیں رہتا) لیکن آج یہاں ایک توہ فلم کی ہی شوٹنگ ہوئی ہے۔

میں نے اس فلم کو اس لیے کیا ہے کہ ان کی کہیں اسٹوڈیو اور ہزاروں کے گھروں کے چمکے جل سکیں ہو فلمی بحران کی لہ میں آچکے ہیں (اور ابھی اسے کہتے ہیں بحران داری فلم میں کچھ جان نہیں ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں یہ یہ جان دیا ہے کہ۔۔۔) اسی اسٹوڈیو سے چلے

چلے لوگوں نے اپنے محلات اور گھر بھی بنائے (وہی آپ کا گھر بھی کسی جگہ سے کم نہیں ہے) اور آج انہوں نے فلم انڈسٹری کو اکیلا چھوڑ دیا ہے (آپ نے کہا ہے محلات میں کسی گھر کی کوئی یہ شعر رانا ایک فلم بنا رہے ہیں جس کو ڈائریکٹ بھی وہ خود کریں گے اس کا بھی ورگ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

فرض

اگر وہ ریشم نے شمالی وزیرستان کے متاثرین کی مدد کا فیصلہ کیا ہے (ہمت اچھا فیصلہ ہے ریشم) اس سلسلے میں ریشم و ڈس میں کھلنے پھٹنے کی اشیا طبیعت اور لوہا پات کے یکٹ چادر کے متاثرین کو بھجوا دیں گی۔ (کاش یہ جذبہ اور لوگوں میں بھی پیدا ہو جائے) ریشم کا کہنا تھا کہ وزیرستان کے متاثرین

ہمارے پاکستانی بھائی بہن ہیں اور ان کی مدد کرنا ہمارا لیکن فرض ہے (کاش ریشم بھی سوچ لہاری انڈسٹری میں عام ہو جائے کیونکہ ریشم ان دنوں مختلف ڈراما کے لیے اہم کردار نبھا رہی ہیں۔ نہیں نہیں میرے لیے نہیں ریشم نے فلم انڈسٹری چھوڑی نہیں بلکہ وہ کہتی ہیں کہ میڈیاری فلموں میں آج بھی وہ فلم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

مشکل

گھوکا فرض پرویز نے کہا ہے کہ نور جہاں کے گائے ہوئے گانوں کو گائے ہوئے نوازہ موز آتا ہے (جی ہاں) یہی پکلی جو مل جاتی ہے (میری کامیابی میں میرے والدین کی دعا میں اور حوصلہ افزائی کا اہم کردار ہے) (بھئی کس کے کہیں باب اولاد کو بد دعا دیتے ہیں؟) (آپ میں نے اپنے گھر کا آواز کیا تھا تو اس وقت جبہ جسیہ علی حیدر اور جن جن گروپ جیسے لوگ انڈسٹری میں موجود تھے (والہ آپ اتنی پرانی ہیں؟) ان کے درمیان اپنے آپ کو متوا بہت مشکل تھا۔ لیکن میرے والد نے مجھے محروم و سپورٹ کیا۔ نے فنکاروں کو بھی چاہیے کہ جب وہ فلم کرنے کے لیے نکلیں تو

ایک دوسرے کو کراہتے بھاگتے نظر آتے ہیں) میں اللہ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنہیں عزت و شہرت عینوں سے نوازا گیا ہے (شاید جیسی آپ نمبر کی دو ڈگریاں سمجھتے ہیں)

پاکستان اور اس کے

ہذا حافظ قرآن 'عالم'، ماہر تعلیم، انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، ہسپانوی، پنجابی، عربیوں میں مہارت، خطابت، ایسی غیر معمولی کہ بین الاقوامی شہرت یافتہ دانش ور، مفکر، سفر نامہ نگار، انجمن توحید و تہذیب کے بانی، بھول عالمی شہرت یافتہ مفکر قوم پرستی، مادیت کے اندر اتنی صلاحیتیں ہیں کہ معاشرے اور مسلم کو بدل سکتی ہے۔

امریکی ریسرچر کارل اشلی لینڈمین کا کہنا ہے۔
"میں نے غلط وقت میں غلط جگہ راست گوئی کے
حق مانے چاہئے۔" اسے مشرق نے امریکہ کے
حوالے کر دیا۔ مکاتذہ صدر نے اپنی کتاب میں رقم کیا۔
میں نے سینکڑوں افراد کو قتل کر کے امریکہ بھاری
عدالت میں پیش کیے۔

(حفیظہ اللہ نیازی۔ جنگ)



پہلے اپنے اہل خانہ کو مطمئن کریں۔ (محترمہ سارے
نئے فنکار اپنے والدین کی سپورٹ پر ہی آتے ہیں۔)

حکمرانی

عابد علی کاہم کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے
کرداروں کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر ہر دور میں برکات
کرتے رہے ہیں بلکہ گروہے ہیں۔ عابد علی کہتے ہیں کہ
"شوہر نس کی دنیا میں فنکار کو صرف اپنے کردار کے
ذریعے پر ستاروں کے دلوں پر سجائی کرنی چاہیے۔"

(یہ ان کا پہلا کردار تھا اور اسے کا کھار؟) فنکار جس قدر
اپنے کردار میں ذوق کراد لکری کرنا ہے اسی قدر لوگ
اس کو پسند کرتے ہیں۔ (عابد علی کی یہ باتیں سننے آئے
والے فنکاروں کے لیے سترے موتی ہیں کاش وہ اس
کو سمجھ لیں تو۔۔۔)

عابد علی صاحب کہتے ہیں کہ شوہر نس کوئی ویس
نہیں ہے تو کثرت کی ایک قسم ہے۔ کچھ لوگ اداکاروں
کو نمبر کی دو ڈگریاں تسلیم کرتے ہیں جو کسی بھی طرح
درست نہیں (جی ہمارے فنکار اب نمبر کی دو ڈگریاں





کے کیا ہی اچھا ہو کہ وہ سب کے سب آپ کے پاس آجائیں اور آپ انہیں یہاں بٹھالیں۔“
مگر زہل میں کہنے لگا کہ ایک آدمی کی جگہ دس آدمی قتل ہونے کو مل رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ میں انکار کروں پتا چچہ اس نے فوراً ہائی بریٹ اور کہنے لگا۔

”آپ ایسے پکا زلور بھائیوں کو بھیجنا زلور دربان کو کھلا بھیجا“ انہیں چلے دو۔“

حضرت عمو بن حاتم رضی اللہ عنہ محل سے نکلے اور جب خطرے کے علاقے سے نکل گئے تو فرمایا۔

”آجکے ایسے خدا میں کے پاس میں آجکل گا۔“ چند روز کے بعد کوڑا مارنے والی اور غارت کی خنجر مسلماؤں کے پاس آیا اور جب عمو بن حاتم رضی اللہ عنہ کے غیصے میں داخل ہو کر انہیں امیر لشکر کی حیثیت سے بیٹھا پایا تو اس کی جرح سے کی انتہاء رہی اور یہ کھلا کر پوچھا۔

”کیا آپ وہی ہیں؟“ حضرت عمو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”جی ہاں! میں تسماری غداری کے پادشہ زندہ ہوں۔“

حکمرانوں کا بدالتمی استغنا

عہدیں بیان کرتے ہیں کہ وہ اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے قاضی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اسنے میں ان کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک امیر المومنین محمد قحط اور دوسرا خلیفہ ہشام کا داماد خلیفہ سپاہی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی کے سامنے بیٹھ گئے۔ دہری سپاہی بولا۔ ”قاضی صاحب! امیر المومنین اور امیر المومنین کے درمیان ایک تنازع ہے۔ امیر المومنین نے مجھے اپنی نیابت کے لیے بھیجا ہے۔“ قاضی نے کہا۔ ”تسماری نیابت پر دو کو ملو مطلوب ہیں۔“ دہری سپاہی بولا۔ ”کیا آپ دیکھتے ہیں کہ میں امیر المومنین کی طرف سے کچھ جھوٹ بولوں گا؟ حالانکہ میرے زور ان کے درمیان کوئی اور کا فاصلہ نہیں ہے۔ میں ان کا قریبی سپاہی ہوں۔“ قاضی نے

فراست

جب حضرت عمو بن حاتم رضی اللہ عنہ نے قسار یہ کو فتح کیا اور ایک علاقے کا محاصرہ کر لیا تو وہاں کے گورنر نے ان کے پاس پیغام بھیجا۔

”آپ جنگلوں کے لیے کوئی آدمی میرے پاس بھیجیں۔“ حضرت خود ہی ایک عالم آدمی کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور جنگلوں میں گئے۔ گورنر ان کی حکمرانی جنگلوں اور جرات و بے باکی سے متاثر ہوا۔ پتا چچہ اس نے پوچھا۔

”کیا تسمارے لوگوں میں اور لوگ بھی تسماری طرح سمجھتے ہیں؟“

حضرت عمو نے جواب دیا ”نہ تو ان سب سے کمتر آدمی ہوں۔ جب ہی تو انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“

گورنر نے یہ سن کر انہیں کچھ جتنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیجا۔

”جب یہ شخص تسمارے کو آپ سے خزانے تو اسے قتل کر کے اس کا سر مجھ کو۔“

حضرت عمو رضی اللہ عنہ جب واپس جانے کے لیے خزانے کو دے رہے تھے کہ انہیں قتل کرنے کا ایک شخص آپ سے ملا اور اس نے آپ کو پہچان لیا اور چونکہ اس علاقے کی غداری سے واقف تھا اس لیے کہنے لگا۔

”حضرت! آپ اس محل میں اچھی طرح داخل ہوئے تھے اچھی طرح ہی نکلتے۔“

حضرت عمو بن حاتم ٹھنک گئے۔ فوراً ”مڑے اور گورنر کے پاس آکر کہنے لگے۔“

”آپ نے مجھے جو جتنے دیے اسے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ میرے پکا زلور بھائیوں کے لیے کافی نہیں ہوں

ہے اس کے باشندوں کو لٹھ تعزلی نے ہماری وجہ سے
نکھر کر شرک سے محفوظ کیا ہے اور اسے مسلمانوں کی
وراثت اور ملکیت میں دے دیا ہے۔"

قاضی کا قتل کرنے کے بعد سے پہلے اہل سرحد کو اسلام
کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں
صورتوں سے انکار پر جنگ کا اعلان کیا تھا؟
امیر لشکر نہیں سمجھتا تو نہیں ہوا۔"

قاضی: تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف
کر لیا۔"

اس کے بعد قاضی نے فرمایا: "لٹھ تعزلی نے
امت کی بددعا میں لگے کی ہے کہ اس نے اس کی پہچان کی
اور دھوکا دہی سے اپنے ملک کو لٹھ تعزلی کی گمراہی میں
گمراہوں سے جہاد کی بجائے لٹھ کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارا
مقصود اس پر بغض تھا۔ اسے اور نہ حق کے بغیر وہیں
حکومت کی۔ جس میں اسے یہ ہوا کہ مسلمان اس غیر
مصدقہ میں جزیہ دے سکیں۔ اصل باشندوں کے
موجودہ پر۔ پھر ان کو دعوت اسلام میں انہیں
جنگ کا چیلنج کریں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔"

اہل سرحد نے جو سنا اور دیکھا اس پر انہیں یقین
نہیں آیا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں قاضی کے فیصلے پر
حملہ نہ شروع ہوا تھا اور فوجیں واپس جا رہی
تھیں۔ وہ افواج جن کے سامنے دینے سے لے کر سر
قد تک کوئی چیز رکھوت نہ بن سکی۔ جنہوں نے قیصر
کسئی اور خاقان کی قوتوں کو پاش کر کے رکھ دیا۔ جو
رکھوت بھی راستے میں آئی اسے خس و خاشاک کی
طرح ہمارے گئے مگر آج وہ ایک کمزور، نحیف جسم کے
ہنگ قاضی کے فیصلے کے سامنے بے دست و پا
ہو گئیں۔ اس علاقہ کے فیصلے کو دیکھ کر اہل سرحد نے
اسلامی فوج کے راستے روک لیے مگر ان کے گھوڑوں کی
پاکیں پکڑ لیں کہ ہمارے ملک سے واپس نہ جائیں۔
ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ پھر ہم
لٹھ نے منظر بھی دیکھا کہ سرحد کی گلیاں اور چوک
لٹھ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھے تو کچھ جوق و درجوق
مسلمان ہونے لگے۔

کہا "شکوت کے بغیر نہ تمہارے حق میں مقدمہ
ہو سکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔" قاضی کا یہ نوک
فیصلہ سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل گیا اور
خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر پوری داستان سنائی۔ خلیفہ
انہ کو کھڑا ہوا اور تھوڑی سی دیر کے بعد عدالت کے باہر
موجود تھا۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی
آگے بڑھا اور کہا۔ "قاضی صاحب! یہ دیکھیے امیر
المرئین حاضر ہیں۔" خلیفہ دشام کو دیکھتے ہی قاضی
صاحب احتیاج کے لیے کھڑے ہو گئے مگر خلیفہ نے
انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلحتی پچھایا
اس پر خلیفہ اور اس کا فریق مخالف امیر القیم بن محمد بیٹہ
کئے۔ درباری کہتے ہیں کہ ہم حاضرین اس جلسے سے
معلق ہونے والی شکوک صاف صاف نہیں بن رہے
تھے البتہ کچھ باتیں ہمیں کچھ میں آ رہی تھیں۔
فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ قاضی نے
منصل حکم سننے کے بعد خلیفہ دشام کے خلاف فیصلہ
دے دیا۔

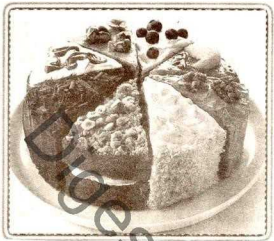
ایک موقع پر اہل سرحد نے اسلامی لشکر کے
سلام قیصر بن مسلم کے خلاف اسلامی عدالت میں
مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں
اپنی نشست سنبھالی اور کارروائی کا آغاز کر دیا۔ قاضی کا
غلام اس کے سر پر کھڑا ہے۔ فیصلے کی شب کے امیر
کاہم نے کہا بلایا جا رہا ہے کہ وہ حاضر ہو۔ امیر لشکر
سرحد قیصر بن مسلم حاضر ہوا۔ عدالت کے سامنے
بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اہل سرحد کے سردار کاہن کو بلوایا
اور قیصر بن مسلم کے ساتھ بٹھایا۔ عدالت نے اپنی
کارروائی شروع کی۔

قاضی اپنی نہایت پست کواڑ میں کاہن سے مخاطب
ہوئے "تو تم کیا کہتے ہو؟"

کاہن: آپ کا لٹھ نہ قیصر بن مسلم ہمارے ملک
میں دھوکے سے داخل ہوا ہے۔ اعلان جنگ نہیں کیا
اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے۔"

قاضی نے امیر کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کہتے
ہو؟"

"امیر لشکر الہائی تو دھوکا دہی ہے جسے ملک مست ہوا



عید کے پکوان

خالد جیلانی

پینٹ میں کہ آمیزہ ٹھن کی طرح ہو جائے۔ پلچھو
چالے میں سفیدی میں ایک چمکی نمک ڈال کر آمیزہ
کہ آمیزہ ہلکا ہوا ہو جائے۔ پھر آمیزہ کو ڈال کر
پھر خوب پینٹیں۔ اس کے بعد زردی والی آمیزہ ملا کر ایک
بار پھر خوب پینٹیں۔ میدا دو تین دفعہ چھان میں ڈال کر
ایک بار پھر آمیزہ پینٹیں کہ آمیزہ کا زرد اور نیلوان ہو جائے
ساتھ میں ٹھن لگا کر پینٹ دیجے پھانیں۔ اس پر بھی تھورا
سا ٹھن لگا میں پھر آمیزہ پینٹیں پھانیں۔ پھلے سے خوب گرم
توسے پر ساجے رکھ کر آٹھ دس گھنٹے کریں۔ میں صحت بعد
چھری ڈال کر پیک کریں۔ چھری صاف نکل آئے تو
بھینس ایک پک گیا زرد مزہ پانچ صحت کے لیے رکھ

شہوری ۱۲۹۱
انڈس
آکسیڈ شوگر
میدہ
قریش کرم
اسٹرائی ایسنس
ٹھن اسٹرائی ایسنس
ترکیب :
ایک چالے میں آمیزہ کی زردی "توسی ٹھنسی
شوگر اور اسٹرائی ایسنس ڈال کر خوب اچھی طرح

دیں۔ پک جانے تو اندر کر لٹھا کریں۔ پھر کچھ میں سے چھری کی مدد سے وہ حصوں میں کاٹ لیں۔ ایک حصے پر تھوڑی سی گرم اور اسٹرابیری پیوڑی ڈال کر وہ سراسر ڈھکے دیں۔ گرم سے ٹیکہ کو چاروں طرف اچھی طرح گور کریں۔ تاکہ اسٹرابیری سے اس کی سہولت کریں اور فروغ میں لٹھا کر کے پیش کریں۔

بادامی چاکلیٹ ٹیکہ

اجزاء :
گھور : ۱۰۰ گرام
بادام : ۱۰۰ گرام
کوکٹ چاکلیٹ : ۱۰۰ گرام
تو مٹی بڑی

ترکیب :
کوکٹ چاکلیٹ کو بچھا لیں۔ گھور سے مٹھاپاں نکال کر اس کی جگہ بادام رکھ دیں۔ باقی بادام ہر ایک کاٹ لیں۔ اب گھور جس میں بادام رکھا ہے کو کٹک چاکلیٹ میں پیسٹ دیں۔ سکے ہوئے بادام پر ہر حرکت کر پیش کریں۔ (خرا قہ کی سی نکالیں)

مڑے دار سالم پکچن

اجزاء :
پکچن سالم : ۱۰۰ گرام
براقان پیاز ڈی : ۱۰۰ گرام
بھونڈا کوس : ۱۰۰ گرام
سرخ مرچ خضیا : ۱۰۰ گرام

تک : ۱۰۰ گرام
نیل : ۱۰۰ گرام
ترکیب :
ایک عدد
آدھا آدھا
ایک ایک
سب آدھا
حسب ضرورت

پیسے پیالے میں انہی 'براقان' کی بھونڈی پیاز ڈال مرچ خضیا گرم سلا 'تک' اور دوک میں پیسٹ ڈال کر پیسٹ لیں۔ تیز چھری سے پکچن پر کٹ لگا کر آہستہ اچھی طرح لیں۔ اور دھیر دھیر میں رکھ دیں۔ وہ ٹھنکے بعد کڑائی میں نیل گرم کر کے پکچن ڈال کر ڈھکے دیں۔ ایک طرف سے سرخ ہو جانے تو پیسٹ دیں۔ تو کچھ چلی رکھیں۔ پکچن گل جانے تو یہ لہانہ کریں۔ بھونڈا ہر حرکت کر پیالی اور پانی کے ساتھ پیش کریں۔

ہری بھری دھانی

اجزاء :
گوشت : ۱۰۰ گرام
چاول : ۱۰۰ گرام
پیاز : ۱۰۰ گرام
چیرت گرم سلا : ۱۰۰ گرام
دور رنگ : ۱۰۰ گرام
دھ : ۱۰۰ گرام
تک : ۱۰۰ گرام
نیل : ۱۰۰ گرام
ترکیب :
آدھا کلو
آدھا کلو
۱۰۰ عدد
حسب ضرورت
ایک ایک
ایک کپ
حسب آدھا
حسب ضرورت

پیاز سرفہ کے اور کھان پیسٹ بھون لیں۔ گوشت خالص کر کے کھان مرچ ڈی تک لپٹا دھانی 'طیبت' گرم سلا اور ذرہ و شمال کر کے بھون لیں۔ وہ کپ باقی ڈال کر کھان میں ڈال کر کھان گل جانے تو بھون کر پیسے دیں۔ پھر اس طرح لپٹیں کہ ایک کپ دو جانے لگے۔ پھر کھان گوشت کی ترنگا کر چاولوں کی ایک ترنگا دیں۔ پھر برا دھانی 'پورے' اور ہری بھری کھان ڈال کر اور دوبارہ چاولوں کی ترنگا دیں۔ تھوڑے سے ۱۰۰ میں دور رنگ لپٹ کر چاولوں پر ڈال کر پیسے کے لیے منت دم پر رکھ دیں۔ دانے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

رس ملانی

اجزاء :
چینی ٹنگ : ۱۰۰ گرام
بیکینگ پاؤڈر : ۱۰۰ گرام
ایڑا : ۱۰۰ گرام
کھلی : ۱۰۰ گرام
ترکیب :
ایک کلو
ایک ایک کپ
ایک جانے کاپچہ
ایک عدد
ایک جانے کاپچہ

۱۰۰ میں چینی ملائی اور بادام پیسے ڈال کر لپٹ لیں۔ ٹنگ ۱۰۰ میں بیکینگ پاؤڈر ملا اور کھلی ملا کر ملائی کر بناوا سخت ہو تو زیادہ اچھا ہے (گوشت) لیں۔ ہاتھ پکنا کر کے چھوٹی چھوٹی ٹیکہ نکالیں۔ جب ۱۰۰ میں خوش آہانے

تو درمیانی کراچی کر کے ساری ٹکڑیہ ڈال دیں اور دھتے دھتے
سے پٹلی چلا دیں۔ دس منٹ بعد یہ پھول جائیں گی۔
۱۰۰۰ کاڑھا ہو جائے تو مار لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش
کریں۔

[illegible]

تجربہ کار



12



روغن

وہی میں وہ کھانے کے منجھے یوں کاروبار میں گرم مسالا
تکڑا مسالا لسن اور ک پیسٹ اور ٹمک مارا کراچی طرح
پڑیوں پر لگائیں اور دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر
منجھے میں ڈال کر پکی آجڑی تھوڑی دیر پکائیں اور الگ کدھ

ہر جاہل ایک جیسے کہ تلی میں بھونیں پھر اس میں جلالت
میں جو کرنا ہیں۔ لہذا ہر ایک کثرت کے ذرائع اور ارتکاب میں
کہ پیوست ہیں جانتے۔ چنانچہ تالی کے تھوڑا سا جھٹکا
اور وہ دھن آئے تھکے تھکے پھر اس میں صاف سے کہہ رہے ہیں
ہیں۔ چلی کرتے وقت غافل ہیں۔



1

Figure 1

2

طوبى لى

24



۱۲۱ :
 اکیس
 توجہ
 ۱۲۲ :
 ۱۲۳ :
 ۱۲۴ :
 ۱۲۵ :
 ۱۲۶ :
 ۱۲۷ :
 ۱۲۸ :
 ۱۲۹ :
 ۱۳۰ :

پ: _____

اللہ کو چاہئے کہ اسے رخصت کر دے۔ جہاں کو چاہے
 اگلے چکر میں جا کر نہ کرنا ملے۔ اللہ نہیں۔ اللہ کا ہاں ہونے کے تو
 سوال و ایل ہیں۔ سوال نرم ہو جائیں تو ان کا فکر اور رویہ
 ایل ہیں۔ سچے ہوتے ہیں۔ کھو ایل کہہ نہ منہ تک
 پکائی اور چھوٹے سے ایل کو لے کر ہیں۔ لے کر
 کے بعد جہاں اور کبھی نہیں کہنے چل اور کھڑے ہوئے ہوا
 جہاں کہ کہہ نہیں دے کہہ ہیں۔ لے کر ہو جائے تو پیش کریں

(الفصل الثاني - بيان آله)



کر ہم وزن ہیں جس اور حق کھاپ کے ساتھ اسکرپ کرنے کے بعد فوراً کے طور پر لگائیے۔
پودینے کو اچلی کر پانی پائیں۔ دھتکت کھانے بیٹ کے مصالح اور میل مصالحوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ پتھر چٹاں کو چیں کر بیٹ جاکر رات کو لگائیں صبح نہ دھوئیں۔



ہفت



پتھ میں دو انڈے ضرور کھائیں۔ اہلا ہوا کھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ کوشل کا مسئلہ ہو تو صرف سفیدی استعمال کریں۔ انڈے کی سفیدی بہترین مارک ہے۔ ہر فیض یا مساج کے بعد ایک چمچ شہد اور ایک چمچ کیوں کا دس ملا کر چھین لگائیں پندرہ منٹ بعد خشک ہونے پر دھوئیں۔

ان کو صرف گولہ یا گولہ کے لیے بعد جب عید کے دن آپ بلا مارک لپ کریں لی تو چھوڑ گئے۔
ان کو عید کا کام دے گا۔ خاتون خانہ ہونے کی شہت سے بھر آئے۔ اسیاں بھی مانتے ہوں گی آپ پر شہد لگا دیتے۔ آپ کریں جو دیکھنے والے کو ناکارہ کرے اور ابھی باجھن محسوس نہ کریں۔

دھتکت کریم کا کر فیس پتھر کا ایک کٹ لگائیں۔
ہو تو ناشی ہر گز استعمال نہ کریں۔ پتھر کی شکل میں ہی پیش تین اور تلی شہد لگائیں گھراس کا بھی صرف ایک کٹ۔
سکارا اور تلی لائنوں سے پرہیز کرنا بہتر ہو گا۔ تلی فیل البتہ لگا سکتی ہیں۔ لپ اسٹک لائن ہر لائن یا پنگ شہد میں لگائیں۔

البتہ رات یا شام میں تیاری کے وقت آپ کمرے شہد استعمال کر سکتی ہیں۔ اور آنکھوں کا بھی عمل میک اپ کر سکتی ہیں۔ لیکن میک اپ بگاڑ بھیجے۔
تلی شہد اپنے لباس کے حساب سے منتخب کریں۔
کاجل لگائیں اور مسکارا بھی لگا سکتی ہیں۔

لباس کے انتخاب میں بھی سب سے اہم چیز موسم ہے چونکہ گرمی ہوگی تو دن میں لائن کے طوش رنگ سوٹ کا انتخاب کریں البتہ شام میں آپ بھاری کپڑے بھی پہن سکتی ہیں۔

ایک خاتون خانہ کے میک اپ کی ٹیپ ہے ہے کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اس نے میک اپ کر رکھا ہے اس کا حسن فطری اور قدرتی نظر آئے۔ بلکہ میک اپ سے چٹکا ہوا اور دلکش مسکراہٹ آپ کو فطری دلکشی اور حسن عطا کرے گی۔

خوب صورتی کی پہلی شرط سچی ہونی پر کشش اور قدر ناکہ جلد ہے۔ اس اصل خوب صورتی کو آپ خود ہی قوت اور تھوڑی سی محنت سے نہ صرف قاصر نہ سکتی ہیں بلکہ مزہ کھار بھی سکتی ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ مہلاں اور صحت نفس غذا میں استعمال کریں۔ آپ کی غذا نہ صرف جلد پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ آپ کا دل بھی متوازن رکھتی ہے جلد کے کھار کے لیے آپ کے جان کے بھی بہت سی چیزیں ملی سکتی ہیں۔

ایک پیام دو منٹ کے درمیان میں چیں کر بیٹ بایں۔ رات کو چنے یا فصل سے بچا کر چیں۔ بہترین اسکرپ ہے۔ صبح نہ دھوئیں۔ دھو میں لپکھا کر مساج کرنے سے بھی جلد ملائم ہوتی ہے۔ اس سے غیر ضروری دواں بھی جھڑ جاتا ہے۔ دھن کھانے سے پہلے پورے آنا ہے۔ دھن میں پتھر قطرت سفید سرکہ ملا کر مساج کریں۔ خشک ہونے پر دھوئیں۔ پتھ میں کم از کم تین بار یہ عمل کریں۔
طالعت اور شالانی لازمی ہے۔

روزانہ ایک گلیا کھائیے۔ قوتابی کے فوری حصول میں آسیر ہے۔ نیلے کو دھن یا دھو کے ساتھ مسل کر مساج کریں۔ تھوڑی دیر بعد صفائی سے دھوئیں۔
روزانہ ایک گلیا کھائیے اور ایک گلیہے کا دس لال